زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا نمائندہ

نقوش لاہور

مکاتیب نمبر

۶۵، ۶۶

نومبر ۱۹۵۷ء

مرتب

محمد طفیل

سالانہ قیمت
۲۰ روپے

موجودہ شمارہ
۱۰ روپے

ادارہ فروغ اردو (ایبک روڈ، انار کلی) لاہور

محمد طفیل پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر نے نقوش پریس لاہور میں چھپوا کر ادارہ فروغ اردو ایبک روڈ لاہور سے شائع کیا

ترتیب

۲۸ — سرکشن پرشاد	۱۳ خطوط	۳۷۱	عماد الملک ، ۶	نصیر حسین خیال ، ۴	خواجہ حسن نظامی ، ۱
			بے نظیر شاہ ، ۱	نواب اکبر الملک ، ۱	
۲۹ — بیخود بدایونی	۳ خطوط	۳۷۸	مولانا احسن مارہروی ، ۳		
۳۰ — خواجہ عشرت لکھنوی	۲ خطوط	۳۸۱	مولانا احسن مارہروی ، ۲		
۳۱ — راشد الخیری	۴ خطوط	۳۸۳	مولوی سید ممتاز علی ، ۳	سید امتیاز علی تاج ، ۱	
۳۲ — حکیم اجمل خاں	۶ خطوط	۳۸۶	نواب وقار الملک ، ۱	نواب محسن الملک ، ۱	مولانا شوکت علی ، ۱
			غلام رسول مہر ، ۱	نواب سید علی حسن ، ۱	مولانا حبیب الرحمٰن شروانی ، ۱
۳۳ — سائل دہلوی	۱۴ خطوط	۳۹۰	احسن مارہروی ، ۵	سید افتخار عالم ، ۱	سید ہمایوں مرزا ، ۱
			دل شاہجہانپوری ، ۳	رتنا ترپیہ کیفی ، ۱	نواب میر حسن علی ، ۱
			دل محمد نضا ، ۱	اعجاز سکندر رنازش ، ۱	
۳۴ — محمد دین فوق	۹ خطوط	۳۹۹	محمد عبداللہ قریشی ، ۹		
۳۵ — ڈاکٹر انصاری	۳ خطوط	۴۰۴	مولوی محمد عرفان ، ۱	نامعلوم ، ۲	
۳۶ — غلام بھیک نیرنگ	۸ خطوط	۴۰۷	سید ممتاز علی ، ۱	فخر یار جنگ بہادر ، ۱	حکیم محمد اسحٰق حقانی ، ۶
۳۷ — سرتیج بہادر سپرو	۳ خطوط	۴۱۷	طاہر فاروقی ، ۱	مولوی عبدالحق ، ۱	نصیر الدین ہاشمی ، ۱
۳۸ — آغا شاعر قزلباش	۱۰ خطوط	۴۱۹	مہاراجہ کشن پرشاد ، ۵	بسمل دہلوی ، ۱	آغا آفتاب علی ، ۱
			سیکرٹری اردو کانفرنس ، ۲	صادق حسین عباد ، ۱	
۳۹ — ظفر الملک	۴ خطوط	۴۲۵	سید افتخار عالم ، ۱	پروفیسر محمد مسلم ، ۲	سید الطاف علی بریلوی ، ۱
			جلیل قدوائی ، ۱	محمد دین فوق ، ۱	محمد اظہار الحسن ، ۹
۴۰ — احسن مارہروی	۲۶ خطوط	۴۳۵	مولوی بشیر الدین ، ۱	محمد دین فوق ، ۹	محمد اظہار الحسن ، ۵
			دل شاہجہانپوری ، ۳	منشی مہیش پرشاد ، ۱	سید الطاف بریلوی ، ۱
			تمکین کاظمی ، ۳	خواجہ حمید الدین احمد ، ۱	ڈاکٹر محی الدین زور ، ۵
۴۱ — صفی لکھنوی	۱۱ خطوط	۴۵۵	محمد کبیر رضا اللہ عمری ، ۶	دل شاہجہانپوری ، ۳	طاہر فاروقی ، ۲
۴۲ — دیا نرائن نگم	۶ خطوط	۴۶۵	احسن مارہروی ، ۱	تمکین کاظمی ، ۲	محمد اظہار الحسن ، ۲ نامعلوم ، ۱
۴۳ — وحید الدین سلیم	۶ خطوط	۴۶۸	نواب سید علی حسن ، ۳	نصیر الدین ہاشمی ، ۳	
۴۴ — نصیر حسین خیال	۱۰ خطوط	۴۷۲	انوار احمد ، ۱	پروفیسر محمد مسلم ، ۳	مہاراجہ کشن پرشاد ، ۳
			مسعود حسن رضوی ، ۳		
۴۵ — جالب دہلوی	۴ خطوط	۴۷۹	احسن مارہروی ، ۲	شاہ حسین بیان ، ۱	سید الطاف علی بریلوی ، ۱
۴۶ — سید سلیمان ندوی	۶۱ خطوط	۴۸۶	ہمایوں مرزا ، ۱	نواب سید علی حسن ، ۹	محمد عبداللہ قریشی ، ۴
			شیخ عبدالعزیز ، ۱	ڈاکٹر سید عبداللہ ، ۱	مولوی محمد عرفان ، ۱
			صغریٰ ہمایوں ، ۱	امتیاز علی عرشی ، ۹	اثر صہبائی ، ۱
			نصیر الدین ہاشمی ، ۹	غلام رسول مہر ، ۱	نواب شمس الحسن ، ۳
			سید الطاف علی بریلوی ، ۱	محمد امین زبیری ، ۱۱	مالک رام ، ۵
			عبدالرزاق کانپوری ، ۱	تمکین کاظمی ، ۲	مولوی عبدالباری ، ۱
			نامعلوم ، ۲		
۴۷ — خواجہ حسن نظامی	۲۹ خطوط	۵۱۸	محمد دین فوق ، ۲	مہاراجہ کشن پرشاد ، ۲	صغریٰ ہمایوں مرزا ، ۵

(۲)

۹۷ ۔ شاہ سلیمان پھلواری	ایک خط	۸۰۷	سید جعفر شاہ پھلواری ۱،
۹۸ ۔ محمد علی ردولوی	ایک خط	۸۰۹	تمکین کاظمی ۱،
۹۹ ۔ مولانا عبدالباری	۲ خطوط	۸۱۰	شاہ حسین میاں پھلواری ۱، مولانا شوکت علی ۱،
۱۰۰ ۔ جلیل مانک پوری	ایک خط	۸۱۰	حسرت موہانی ۱،
۱۰۱ ۔ مہدی حسن	۲ خطوط	۸۱۱	نواب سید علی حسن ۱، سید افتخار عالم ۱،
۱۰۲ ۔ ہوش بلگرامی	ایک خط	۸۱۱	مہاراجہ کشن پرشاد ۱،
۱۰۳ ۔ کشن پرشاد کول	۲ خطوط	۸۱۲	سید مسعود حسن رضوی ۱، نامعلوم ۱،
۱۰۴ ۔ شمیم نہٹوری	ایک خط	۸۱۳	احسن مارہروی ۱،
۱۰۵ ۔ میر نثار علی شہرت	ایک خط	۸۱۳	منشی محمد دین فوق ۱،
۱۰۶ ۔ خوشتر محمد ناظر	ایک خط	۸۱۴	منشی محمد دین فوق ۱،
۱۰۷ ۔ غلام احمد مہجور	۳ خطوط	۸۱۴	منشی محمد دین فوق ، ۳
۱۰۸ ۔ مولانا رشید احمد گنگوہی	ایک خط	۸۱۶	نامعلوم ۱،
۱۰۹ ۔ مولوی بشیرالدین	ایک خط	۸۱۶	شاہ سلیمان پھلواری ۱،
۱۱۰ ۔ مولانا عبدالباری آسی	۲ خطوط	۸۱۶	زاہدہ بیگم ۱، نامعلوم ۱،
۱۱۱ ۔ مولانا آزاد سبحانی	ایک خط	۸۲۰	شاہ سلیمان پھلواری ۱،
۱۱۲ ۔ پنڈت شیو نرائن شمیم	۳ خطوط	۸۲۰	منشی محمد دین فوق ، ۳
۱۱۳ ۔ میرزا ثاقب لکھنوی	۲ خطوط	۸۲۲	طاہر فاروقی ، ۲
۱۱۴ ۔ بیخود موہانی	ایک خط	۸۲۳	دل شاہجہانپوری ، ۱
۱۱۵ ۔ آزاد انصاری	۲ خطوط	۸۲۳	میاں محمد صادق ، ۲
۱۱۶ ۔ مولوی عنایت اللہ	ایک خط	۸۲۴	شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی ۱،
۱۱۷ ۔ مولوی نورالحسن نیّر	۳ خطوط	۸۲۸	سید مسعود حسن رضوی ، ۳
۱۱۸ ۔ مولانا حمیدالدین فراہی	ایک خط	۸۳۰	نامعلوم ۱،
۱۱۹ ۔ میر ناصر علی	ایک خط	۸۳۰	ڈاکٹر غلام یزدانی ۱،
۱۲۰ ۔ مرزا ہادی رسوا	۲ خطوط	۸۳۱	ڈاکٹر محی الدین زور ۱، مسعود حسن رضوی ۱،
۱۲۱ ۔ بے نظیر شاہ	۲ خطوط	۸۳۲	سر امین جنگ بہادر ۱، سر راس مسعود ، ۱
۱۲۲ ۔ شفق عماد پوری	ایک خط	۸۳۴	کیفی چریاکوٹی ۱،
۱۲۳ ۔ ڈاکٹر ضیاءالدین	۲ خطوط	۸۳۴	مولوی محمود احمد عباسی ۱، مولوی بشیرالدین ۱،
۱۲۴ ۔ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی	۳ خطوط	۸۳۵	منشی محمد دین فوق ۱، الطاف علی بریلوی ۱، غلام رسول ۱،
۱۲۵ ۔ سید طفیل احمد منگلوری	ایک خط	۸۳۷	سید الطاف علی بریلوی ۱،
۱۲۶ ۔ مولانا ظہور احمد وحشی	ایک خط	۸۳۷	نامعلوم ۱،
۱۲۷ ۔ مولانا عبدالماجد بدایونی	ایک خط	۸۳۸	شاہ حسین میاں پھلواری ۱،
۱۲۸ ۔ مولوی سید ممتاز علی	ایک خط	۸۳۹	نامعلوم ،
۱۲۹ ۔ سر سید رضا علی	۲ خطوط	۸۴۰	سید الطاف علی بریلوی ۱، نامعلوم ۱،
۱۳۰ ۔ منشی نوبت رائے نظر	ایک خط	۸۴۲	سید مسعود حسن رضوی ۱،
۱۳۱ ۔ عبداللہ یوسف علی	ایک خط	۸۴۳	صغریٰ ہمایوں مرزا ۱،

غالب

سرسید

مولوی بشیر الدین

صفیر بلگرامی

داغ

ڈپٹی نذیر احمد

مولانا حبیب الرحمن شروانی

شاد عظیم آبادی

مولانا گرامی

ڈاکٹر اقبال

حسن نظامی

سجاد حیدر یلدرم

درو لکھنوی

حسرت موہانی

سیماب اکبر آبادی

ڈاکٹر تاثیر

سم

نمبر شمار	مکتوب	صفحہ	مکتوب الیہ
۱	ابوالکلام	۹۷۰	بیگم حسرت موہانی
۲	مولانا عبدالحق	۹۷۱	ڈاکٹر عابد حسین
۳	مولانا عبدالماجد دریابادی	۹۷۳	ضیا احمد بدایونی
۴	پطرس	۹۷۵	عبدالمجید سالک
۵	نیاز فتحپوری	۹۷۹	مختار الدین آرزو
۶	ڈاکٹر ذاکر حسین	۹۷۹	مولانا محمد عرفان
۷	غلام رسول مہر	۹۸۰	مختار الدین آرزو
۸	عبدالمجید سالک	۹۸۱	دل محمد فضا
۹	ڈاکٹر عبدالستار صدیقی	۹۸۲	ڈاکٹر سید عبداللہ
۱۰	ڈاکٹر عابد حسین	۹۸۳	ڈاکٹر سید عبداللہ
۱۱	رشید احمد صدیقی	۹۸۴	طاہر فاروقی
۱۲	خواجہ غلام السیدین	۹۸۵	زہرہ بلقیس
۱۳	ڈاکٹر تارا چند	۹۸۶	تمکین کاظمی
۱۴	فراق گورکھپوری	۹۸۶	طاہر فاروقی
۱۵	مالک رام	۹۸۷	ڈاکٹر مختار الدین آرزو
۱۶	ڈاکٹر محی الدین زور	۹۸۸	طاہر فاروقی
۱۷	امتیاز علی عرشی	۹۸۹	مالک رام
۱۸	سید مسعود حسن رضوی	۹۹۰	ڈاکٹر سید عبداللہ
۱۹	شیخ محمد اکرام	۹۹۱	ڈاکٹر سید عبداللہ
۲۰	پروفیسر حامد حسن قادری	۹۹۲	نثار اکبرآبادی
۲۱	پروفیسر محمد شفیع	۹۹۴	ڈاکٹر مختار الدین آرزو
۲۲	مولانا حسین احمد مدنی	۹۹۵	عبدالصمد صارم
۲۳	شیخ محمد عبداللہ	۹۹۵	مولانا غلام رسول مہر
۲۴	جوش ملیح آبادی	۹۹۶	میکش اکبرآبادی
۲۵	حفیظ جالندھری	۹۹۷	عبدالمجید سالک
۲۶	جگر مرادآبادی	۹۹۸	شہناز ہاشمی
۲۷	نوح ناروی	۹۹۹	یٰسین علی خان
۲۸	اثر لکھنوی	۱۰۰۰	عطا آصفی
۲۹	آل احمد سرور	۱۰۰۱	خلیل الرحمٰن اعظمی
۳۰	مختار الدین آرزو	۱۰۰۴	خلیل الرحمٰن اعظمی
۳۱	سید احتشام حسین	۱۰۰۵	ممتاز شیریں
۳۲	اختر حسین رائے پوری	۱۰۰۶	صمد شاہین
۳۳	محمد حسن عسکری	۱۰۰۶	ممتاز شیریں
۳۴	عندلیب شادانی	۱۰۰۷	ممتاز شیریں
۳۵	سید امتیاز علی تاج	۱۰۰۸	بیگم فصیح اللہ
۳۶	جوش ملسیانی	۱۰۰۸	آغا محمد صادق
۳۷	فیض احمد فیض	۱۰۰۹	چراغ حسن حسرت
۳۸	ن۔م راشد	۱۰۱۰	ممتاز شیریں
۳۹	کرشن چندر	۱۰۱۱	ممتاز شیریں
۴۰	عصمت	۱۰۱۲	اختر انصاری
۴۱	احمد علی	۱۰۱۲	صمد شاہین
۴۲	راجندر سنگھ بیدی	۱۰۱۳	ممتاز شیریں
۴۳	غلام عباس	۱۰۱۴	ممتاز شیریں
۴۴	حیات اللہ انصاری	۱۰۱۵	صمد شاہین
۴۵	علی عباس حسینی	۱۰۱۵	صمد شاہین
۴۶	خواجہ احمد عباس	۰۱۷	ممتاز شیریں
۴۷	احمد ندیم قاسمی	۱۰۱۹	اختر انصاری
۴۸	اوپندر ناتھ اشک	۱۰۲۰	ممتاز شیریں
۴۹	ممتاز مفتی	۱۰۲۲	ممتاز شیریں
۵۰	بلونت سنگھ	۱۰۲۳	ممتاز شیریں
۵۱	عزیز احمد	۱۰۲۳	ممتاز شیریں
۵۲	قرۃ العین	۱۰۲۴	ممتاز شیریں
۵۳	حجاب امتیاز علی	۱۰۲۵	بیگم فصیح اللہ
۵۴	ہاجرہ مسرور	۱۰۲۵	نصیر الدین ہاشمی
۵۵	خدیجہ مستور	۱۰۲۶	ممتاز شیریں
۵۶	تسنیم سلیم چھتاری	۱۰۲۷	اختر انصاری
۵۷	کنہیا لال کپور	۱۰۲۸	ممتاز شیریں
۵۸	شوکت تھانوی	۱۰۲۹	چراغ حسن حسرت
۵۹	معین احسن جذبی	۱۰۳۰	باقر مہدی
۶۰	میراجی	۱۰۳۳	مختار الدین آرزو، ۱ قیوم نظر ۱
۶۱	منٹو	۱۰۳۶	ممتاز شیریں ۳،
۶۲	مجاز	۱۰۳۹	رضا انصاری ۱، اختر انصاری ۳

طلوع

جناب، السلام علیکم

جی چاہتا ہے کہ آپ سے روایتی ہی انداز میں یوں بات شروع کروں "یہاں سب خیریت ہے اور آپ کی خیر و عافیت خداوند کریم سے نیک مطلوب ہے۔" آپ کی خیریت بے شک مطلوب ہے مگر یہاں سب خیریت ہے۔ اس کا مجھے کچھ علم نہیں، اپنی شدھ بدھ ہی کہاں رہی۔

میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ مشاہیر کے خطوط جلد پیش کروں گا۔ جلد پیش نہ کرنے کی وعدہ خلافی ہوئی۔ شرمندہ ہوں۔ جیسے جیسے دن گزرتے گئے میری پریشانیاں بڑھتی گئیں۔ اگر آپ کو یقین آسکے تو میں یہ عرض کروں گا کہ میں نے یہ خطوط دن رات ایک کر کے جمع کیے ہیں۔ واضح رہے دن رات والا فقرہ میں نے بطور محاورہ استعمال نہیں کیا ہے۔

میں نے ان خطوں کیلئے کیا کچھ نہیں کیا۔ شہر شہر گھوما، گھر گھر صدا دی۔ کسی نے میرے شوق کو سینے سے لگایا۔ کسی نے بات بھی نہ پوچھی۔ یوں امید و بیم کے دوراہے پہ چلتے چلتے نیم جان ہو گیا۔ مگر حوصلہ میں کمی واقع نہ ہوئی۔

بچپنے میں چوری کی ہو تو کی ہو۔ اس عمر میں تو نہیں کی تھی مگر اس کمبخت شوق میں یہ کام بھی کیا۔ بخدا اپنی خاطر نہیں۔ آپ کی خاطر۔ اگر میں نے یہ چوری اپنی ذات کے لئے کی ہو تو مرتے وقت کلمہ نصیب نہ ہو۔

چاہئے تو یہ ہے کہ میں آپ کی خدمت میں جتنے خطوط پیش کر رہا ہوں۔ ان سب کے بارے میں آپ سے کچھ عرض کروں۔ واقعی یہ ضروری بات ہے مگر اس ضروری بات کی وضاحت کے لئے کم از کم بھی پچاس صفحے درکار ہوں گے۔ اتنی ضخامت میں اور پچاس صفحوں کا اضافہ کروں۔ یہ بات مجھے پسند نہیں۔ جبکہ مجھے یہ بھی معلوم ہو کہ میرا مخاطب خوب پڑھا لکھا ہے اور اسے رہبری کی ضرورت نہیں۔

خطوط کے اب تک کئی مجموعے چھپ چکے ہیں۔ گویا یہ صنف ادب کچھ زیادہ مردہ نہیں ہے۔ غالب، سرسید، محمد حسین آزاد، محسن الملک، وقار الملک، شبلی، حالی، مہدی افادی، اقبال، نیاز فتحپوری، ابوالکلام کے مکاتیب کے مجموعے آپ کے سامنے ہیں۔ ان میں میری بھی یہ ایک مخلصانہ کوشش شامل کر لیجئے۔

خطوط صرف ادب و انشا ہی کے آئینہ دار نہیں ہوتے۔ بلکہ اس سے علمی، ادبی، سماجی اور سیاسی تاریخیں بھی مرتب کی جا سکتی ہیں۔ میرا یہ دعویٰ غلط نہیں ہے۔ اگر آپ نے خطوط کو اس نظر سے دیکھا، تو آپ کو ان میں بڑا مواد ملے گا۔ اس اعتبار سے مجھے یہ چھوٹا سا دعویٰ کر لینے دیجئے کہ میری اس کاوش سے سو سالہ علمی، ادبی، سماجی اور سیاسی تاریخ مرتب کی جا سکتی ہے۔ یا مرتب کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

میرے نزدیک خطوط کو دلچسپی کے اعتبار سے اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ مجھ سمیت کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکے گا کہ اس نے لوگوں کے خط چوری چھپے نہ پڑھے ہوں۔ باپ نے بیٹے کے خط پڑھے، بیٹے نے باپ کے خط پڑھے۔ ماں نے بیٹی کے خط پڑھے، بیٹی نے ماں کے خط پڑھے۔ اور ویسے خط کس نے نہیں پڑھے۔

یہ ٹھیک ہے کہ میں نے اس کام پر دو برس صرف کر دیئے ہیں۔ مگر اتنا عرض کر دوں یہ کام دس برس کا تھا۔ جسے میں نے دو برس میں کیا ہے۔ اگر مجھے عمر مستعار پر اعتبار ہوتا، تو میں آپ کی ناراضی کی پروا نہ کرتے ہوئے اس کام پر دس ہی برس صرف کرتا۔ تاکہ میری اس سے زیادہ ڈھارس بندھتی۔ اس سے زیادہ سکون نصیب ہوتا۔ مگر زندگی کا اعتبار ہی کیا۔

لیجئے اب اجازت دیجئے۔ میری یاوہ گوئی تو ختم ہوئی۔ کچھ اپنی بھی کہیئے۔

آپ کا

محمد طفیل

تصریحات

۱ — اپنی دانست میں ہم نے تمام خطوط غیر مطبوعہ جمع کئے ہیں۔ لاعلمی میں چند ایک خطوط مطبوعہ بھی پیش ہو گئے ہوں تو کچھ کہہ نہیں سکتے۔

۲ — ہم نے اپنی طرف سے پوری چھان بین کی ہے کہ اس نمبر میں جتنے بھی خطوط چھپیں وہ اصل کے عین مطابق ہوں۔ جس خط کے بارے میں شبہ ہوا۔ اُسے ہم نے خارج ہی کر دیا۔

۳ — اس نمبر میں صرف مرحومین کے خطوط ہیں۔ انتخاب میں اور سختی سے کام لیا جاتا تو کچھ اور خطوط اس مجموعہ میں شامل ہونے سے رہ جاتے اور کبھی نہ کبھی ضائع ہو جاتے۔ چونکہ اس نمبر میں میرے نزدیک ایک بھی مکتوب نگار غیر اہم نہیں ہے۔ اس لئے میں نے چاہا ہے کہ مرحوم مشاہیر ادب کے زیادہ سے زیادہ خطوط محفوظ ہو جائیں۔

۴ — ہم نے کوشش کی ہے کہ ایسے خطوط نہ چھپیں جو کسی کی بھی دل آزاری کا موجب بنتے ہوں یا جو لکھے ہی اس غرض سے گئے ہوں کہ ذرا دیکھیں تو! یا ایسے خطوط جن میں دل کے کچھ نازک معاملات رقم ہوں۔ ہمیں اس امر کی بے حد خوشی ہے کہ ہم نے سنسنی خیز مکتوبات کی اشاعت سے پرہیز کیا ہے۔

۵ — بعض خطوط کو پڑھنا بے حد مشکل تھا۔ کوشش کے باوجود بعض الفاظ نہیں پڑھے جا سکے۔ وہاں ہم نے جگہ خالی چھوڑ دی۔ مثال کے طور پر محسن الملک، مفتی ذکاء اللہ، داغ اور راشد الخیری کے (عکسی) خطوط پڑھ کے دیکھ لیں۔

۶ — ان خطوط کو کسی حد تک زمانی اعتبار (بہ لحاظ مکتوب نگار) سے ترتیب دیا گیا ہے۔ مندرج خطوں کو بھی تاریخ وار پیش کیا گیا ہے۔ جن خطوں پر تاریخ نہیں تھی۔ وہ اس حصہ کے آخر میں درج کر دئیے گئے ہیں۔ البتہ عکسی خطوط کے سلسلے میں زمانی ترتیب قائم نہ رکھ سکے۔

۷ — ہم نے زیادہ معروف ادباء و شعراء کے عکسی خط پیش کر دیئے ہیں۔ اگر زیادہ اخراجات کا خوف نہ ہوتا، تو یہ سارا نمبر ہی عکسی خطوط میں پیش کر دیا جاتا۔ چند مشاہیر کے خطوط کو ضرورتاً REDUCE کر کے پیش کیا گیا ہے۔ اصل خط اس سے ڈیوڑھا سمجھ لیجئے۔ ایسے مشاہیر کے نام یہ ہیں۔ سرسید، حالی، حبیب الرحمٰن شروانی، مولوی عنایت اللہ، ظفر الملک، اور غلام بھیک نیرنگ۔

۸ — اس نمبر کی دو جلدیں ہیں۔ ان جلدوں کو الگ الگ کرنے کا جواز سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اس نمبر کی ضخامت کو بانٹ دیا جائے۔ کسی اصول و ضابطہ کے تحت اس کی تقسیم عمل میں نہیں آئی۔

۹ — ترتیب میں اس نمبر کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ نمبر ۱ میں اُن مشاہیر کے خطوط ہیں جن کی تعداد زیادہ تھی۔ نمبر ۲ میں اُن ادیبوں کے خطوط ہیں جن کی تعداد نسبتاً کم تھی یا جو بعد میں ملے۔ اس ترتیب سے بھی میرے نزدیک حصوں کے معیار اور ان کی افادیت میں کوئی فرق نہیں۔ نمبر ۳ میں صرف چند زندہ ادیبوں کا ایک ایک خط شامل کیا گیا ہے تاکہ یہ نمبر بھی اپنی جگہ مکمل ہو جائے۔ پروگرام کے مطابق زندہ ادیبوں کے خطوط کا ایک الگ نمبر پیش کیا جائے گا۔ اس کے بعد پھر مرحومین کے خطوط کی تیسری جلد پیش کی جائے گی۔ چوتھی جلد تمام مکاتیب غالب کے انتخاب پر مشتمل ہوگی۔

۱۰ — ہم نے میراجی، منٹو اور مجاز کو زندہ ادیبوں کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ اگر ہم انہیں پیچھے جگہ دیتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے یہ اپنے قافلے سے بچھڑ گئے ہیں۔

۱۱ — اس نمبر میں خطوط پر مقالات بھی ہیں تاکہ یہ نمبر کسی جہت سے تشنہ نہ رہے۔ مشاہیر ادب کے مختصر حالات زندگی پر بھی ایک الگ مضمون شامل کیا گیا ہے تاکہ مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے مرتبہ کا بھی کچھ نہ کچھ اتہ پتہ ملتا جائے۔

۱۲ — رئیس احمد جعفری صاحب کے ارشاد اور بے حد اصرار پر میں نے اس کام کو شروع کیا تھا۔ جب مشکلیں پڑیں تو مولانا غلام رسول مہر، مولوی محمد عبداللہ قریشی، ڈاکٹر مختار الدین آرزو اور ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے میری دستگیری فرمائی۔ مجھے سہارا دیا۔ اور مولوی محمد صدیق صاحب خیرآبادی نے خطوط کی نقول اور پروف ریڈنگ میں میری امداد فرمائی۔ میں ان سب حضرات کے احسانات کا شکریہ ادا کروں تو کس طرح کروں۔ صرف چند الفاظ ان کرم فرماؤں کی عملی محبت کا جواب نہیں ہو سکتے۔

آخر میں میں نے اپنے دوستوں سے عنایت فرمائے ہوئے خطوط کی نام بنام فہرست بھی چھاپ دی ہے (اس میں زندہ ادیبوں کے خطوط کی فہرست شامل نہیں ہے)۔ اس فہرست میں سے بیشتر خطوط پیش کر دیئے گئے ہیں۔ کچھ خطوط بروقت نہ ملنے کی وجہ سے نہیں آ سکے۔ آئندہ بھی

(محمد طفیل)

علم و ادب میں خطوط کا درجہ

غلام رسول مہر

اس حقیقت سے غالباً کسی کو بھی اختلاف نہ ہوگا کہ شخصیت کا زیادہ سے زیادہ صحیح، قطعی اور قابلِ اعتماد اندازہ مقصود ہو تو ان افکار و خیالات اور ان عواطف و امیال کا ذخیرہ فراہم کرنا چاہیے جو شخصیت کے قلب و دماغ میں زندگی بھر موجزن رہے۔ ان میں سے صرف تھوڑے سے ہی عمل کا لباس پہن کر محسوس و مشہود شکل میں منظرِ عام پر جلوہ گر ہوتے ہیں۔ کثیر ضروری اسباب کے فقدان یا موانع کی فراوانی اور مساعدت کی ناسازگاری کے باعث بطونِ قلب و دماغ ہی میں مصروفِ سرگردش رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ آخری منزل پیش آجاتی ہے بلکہ اعمال کی حقیقی حیثیت متعین کرنے کے لیے بھی تو ہمیں انسان کے افکار و احساسات ہی کا پیمانہ استعمال کرنا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ قصد و نیت کے اندازے کی اس کے سوا کوئی تدبیر نہیں۔ کائناتِ انسانیت کے سب سے بڑے ہادی اور فطرت کے ماہر ترین نباض صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکیمانہ ارشاد محتاجِ تشریح نہیں کہ انما الاعمال بالنیات و انما لکل امرئٍ ما نوی۔ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کو وہی ملتا ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے۔

لیکن سوال کیا جاسکتا ہے کہ کسی انسان کے افکار و احساسات اور عواطف و امیال کلاً یا جزواً معلوم کرنے کی کیا صورت ہے؟ سائنس کی پرواز ارتقا انتہائی بلندیوں پر پہنچ گئی حتیٰ کہ ہمارے سفر کے راستے میں سنگ ہائے میل نصب ہونے لگے تاہم اب تک کوئی ایسا آلہ ایجاد نہیں ہوا جو انسانوں کے افکار و احساسات حیات روزانہ کا مکمل خاکہ تیار کرتا ہے۔ ایسا کوئی کیمرا اب تک تیار نہیں کیا جاسکا جو دل کی گہرائیوں کے اسرار و رموز کی مرئی تصویریں لے سکے۔ قدیم زمانے کے مصریوں نے ممی کے ذریعے سے مردہ جسموں کو محفوظ کر دینے کا طریقہ دریافت کر لیا تھا اور ہزاروں سال پیشتر کی حنوط شدہ لاشیں آج عجائب خانوں میں تماشائیوں کے لیے حیرت و استعجاب کا پیغام بنی ہوئی ہیں مگر افکار و احساسات کے تحفظ کی کوئی تدبیر مصری اطبا بھی نہ سوجھ سکی۔ پھر اس کے سوا چارہ کیا ہے کہ انسان جو کچھ بولتے اور لکھتے ہیں اسی کو ہم مدارِ غور و فکر بنائیں؟ بہ نظرِ غائر دیکھیں، تحقیق کی ترازو میں تولیں، پھر ہر پہلو کا لحاظ رکھتے ہوئے جیسے جیسے کسی نتیجے پر پہنچ جائیں؟

اس جگہ تفتیش و فیصلہ کی مشکلات بالکل واضح و مبرہن ہیں اور ان کی تشریح ضروری نہیں۔ دل سرِ دست تحقیق کی حیثیت "بعد حقۃ الزجاجۃ" کی نہ بھی ہو تو آخری فیصلہ صادر کرنے میں انتہائی احتیاط و کاوش سے کام لینا لازم ہے اس لیے کہ ہر ملفوظے اور ہر تحریر کے محرکات و مصلحات اس قدر عریاں اور روشن نہیں ہوتے جنھیں وہ صحیح دو چار کی طرح یقینی و قطعی قرار دیا جاسکے۔ ہر مرحلے اور ہر گوشے کے لیے بڑی حد تک قیاس کا معیار استعمال کرنا پڑتا ہے اور اس کی درستی و پائیداری پر کتنا ہی اعتماد کر لیا جائے تاہم لغزش و خطا کا امکان بہرحال باقی رہتا ہے۔

پھر خطابت و نگارش کے دائرے میں جو کچھ ہمارے سامنے آتا ہے ضروری نہیں کہ وہ ہر شخص کے محسوسات و واردات قلب یا افکار و خیالات کا واقعی صحیح مظہر ہو۔ بناوٹ اور وضعت انسان کی فطرت میں داخل ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اکثر انسان ڈاکٹر جیکل اور ہائڈ کی طرح دو دو زندگیاں بسر کرتے ہیں۔ خواجہ شیراز نے تو صرف ایک گروہ کے بارے میں فرمایا تھا جو شومئ قسمت سے ہر دور کے شعرا کی رندانہ و قلندرانہ لطیفہ بازیوں کا ہدف بنا رہا ہے:

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں بخلوت می روند آں کارِ دیگر می کنند

حقیقتِ حال پر نظر رکھی جائے تو یہ دو رنگی اور خلوت و جلوت کا تفاوت بلکہ تضاد حزب واعظاں تک محدود نہیں بلکہ انسانیت کے بہت بڑے حصے کی یہی صحیح تصویر ہے۔ وہ خلوت و تفریح کی پردہ پوشیوں میں پہنچ جاتے ہیں تو تکلفات کا ہر حجاب ان کی شخصیت کے چہرے سے اٹھ جاتا ہے اور جب منظرِ عام پر جلوت و رونمائی کی نوبت آتی ہے تو وضع و ساخت کی ہنرمندیوں اور آرائش بندیوں سے ان تمام پہلوؤں کو نظر افروز آرائشوں میں چھپا لیتے ہیں جن کی عریانی و بے نقابی کو وہ اپنے وقار و منزلت اور شکوہ و برتری کے منافی سمجھتے ہیں۔ ہم اہلِ قلم کی تصانیف اور اربابِ خطابت کی تقاریر کو "بلند آہنگیوں کے دفترِ دکھاوا" میں اس غرض سے خوشی پر آمادہ رہتے ہیں کہ ان کے مطالعے سے زیادہ سے زیادہ صحیح معلومات کے ذخائر ہاتھ آجائیں گے۔ لیکن ہمیں یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہیے کہ جو کچھ ہم اپنے دامن میں جمع کر لیتے ہیں ہو سکتا

ہے اُن میں سے بعض یا اکثر صرف وضعیت کی جلاکاری کے باعث جگمگا رہے ہوں۔

ہمارے سامنے مختلف زبانوں میں خود نوشتہ سوانح کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ ان میں ایسے مرقعے بھی یقیناً موجود ہیں جن کے نقاشوں کی راستبازی نظر بظاہر تمام شبہات سے بالا ہے۔ لیکن یہ مرقعے اس علم و یقین کی بنا پر تیار کئے گئے تھے کہ کسی نہ کسی وقت لازماً عوام کے سامنے پہنچیں گے اور ایک مرتبہ شائع ہو جانے کے بعد ان کے کسی نقش کو نہ دھیما اور مٹایا جا سکے گا اور نہ اس پر کوئی نیا رنگ چڑھا دینے سے پہلے نقش کی یاد حافظۂ عوام سے محو کی جا سکے گی۔ لہٰذا کون وثوق سے دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس علم و یقین نے نقاشوں کی وضع احتیاط اور شیوۂ حزم پر کم یا زیادہ اثر نہ ڈالا ہوگا اور اس اثر نے راستبازی کی بیرنگی میں اک گونہ وضعیت کی رنگ آمیزی غیر محسوس طور پر نہ کر دی ہوگی۔ غرض نقوش بظاہر یہ سرمایہ معلومات بھی کیفیت و کمیت کے اعتبار سے اس درجہ شایانِ اعتماد نہیں سمجھا جا سکتا جتنا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کم از کم وضعیت و ساختت کے اختلاط سے برأتِ کاملہ کا دعویٰ مشکل ہے خواہ اس کا عمل بیانات میں جاری نہ ہوا ہو اور محض بعض وقائع کے ترک و حذف اور بعض کے اختیار و انتخاب تک محدود رہا ہو۔

تحریر و نگارش کے ذخیروں میں سے صرف ایک صنف ایسی ہے جس کے متعلق وضعیت و تکلف کے اختلاط و آمیزش کی کم سے کم گنجائش باقی رہ جاتی ہے یعنی بزرگانِ علم و فضل اور اکابرِ حکمت و دانش کے خطوط و مکاتیب جو انھوں نے اپنے عزیزوں، دوستوں اور نیاز مندوں کو لکھے۔ ان کا سرمایہ ہر زبان کے ادبیات میں بڑا ہی گراں قدر اور بیش بہا سمجھا جاتا ہے اور اس ابر مطیر کی گہر باریوں نے خود ہماری زبان کے دامن میں بھی متاعِ شہوار فراہم کر دی ہے۔

ذخیرہ مکاتیب کے سلسلے میں بھی یہ شبہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا یعنی کا جن کے سب کے سب نہیں تو زیادہ تر خطوط اس علم و احساس کے ساتھ حوالہ قلم کیے گئے کہ وہ شائع ہوں گے۔ گویا وضعیت و تکلف کی کار فرمائی اس صنف میں بھی کم و بیش جاری رہی۔ اس اعتراض کا کوئی ایسا جواب دینا محال ہے، جس سے شکوک و شبہات کا قطعی ازالہ ہو جائے۔ اور میں خود یہاں بھی امکانِ وضعیت کا اعتراف کر چکا ہوں۔ اسی لئے عرض کیا کہ اس میں آمیزش کی کم سے کم گنجائش رہ جاتی ہے۔ یہ نہ کہا کہ کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ لیکن یہ بات پیش نظر رکھ لینی چاہیے کہ مجموعہ ہائے خطوط ہر صاحبِ قلم کی زندگی کے طویل حصے پر حاوی ہوتے ہیں، اور آغاز سے انجام تک وضعیت کی آمیزش کا شبہ ہرگز معقول و پائدار نہیں سمجھا جا سکتا۔ وجوہ طولِ کلام اور درازیٔ سخن کے مقتضی ہیں۔ صرف بعض اہم امور کی طرف توجہ منعطف کرا دینا کافی ہے۔ مثلاً:

۱۔ کوئی صاحبِ قلم اس وقت تک اپنے خطوط کی اشاعت کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا، جب تک وہ شہرت و ہر دلعزیزی میں ایک حد حاصل نہ کر لے۔ وہ یہ بلند پایہ کو مرحلے طے کر لے کہ یہ نصیب کہ ہے جب ان کے قلم کی ہر تراوش کے لئے ایک دل و گداز عوام میں پیدا ہو جاتی ہے اور خط نگاری کا سلسلہ ابتدا سے جاری رہتا ہے۔ لہٰذا عقلِ سلیم کا فیصلہ یہی ہونا چاہیے کہ ذخیرہ مکاتیب کا بڑا حصہ تکلف اور بناوٹ کی آمیزش سے پاک ہوتا ہے۔

۲۔ خط نگاری کا آغاز عموماً ان دوستوں، عزیزوں اور دلی محرموں کے ساتھ ہوتا ہے، جن سے پردہ نہیں، بے ساختہ کہہ دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات اپنے عزائم و افکار کے چہرے سے اس لئے پردہ اٹھایا جاتا ہے کہ دوست اور عزیز خوش ہوں اور ان کے دل میں اعتبار جم جائے۔ البتہ دائرۂ شہرت پھیلتا اور وسیع تر ہوتا جاتا ہے تو اجنبی اور نامحرم بھی مکتوب الیہم میں شامل ہونے لگتے ہیں۔ اس وقت یقیناً وضعیت و ساختت کی دیواروں کا چننا شروع ہو جاتا ہے، لیکن خاصا بڑا سرمایہ اس آمیزش سے محفوظ رہتا ہے۔

۳۔ پھر بعض اصحابِ خاص ملکات و ہیجانات کی خود فراموشیوں میں بعض مکتوب الیہم تک دل کی باتیں زیادہ سے زیادہ حاشا کہ انداز میں پہنچاتے ہوئے تامل نہیں ہوتے۔ ایسے مکاتیب کے نمونے ان اکابر و مشاہیر کے مجموعوں میں بھی ملتے ہیں، جنھیں یقیناً احساس ہوگا کہ یہ خود فراموشاں زمانے کی نگاہوں سے پوشیدہ و مستور نہ رہ سکیں گی۔ مثلاً کبھی خاص ذاتی مقاصد کا انجاح مکتوب الیہم سے وابستہ ہوتا ہے، اور دل کا بھید صاف زبانِ قلم پر آ جائے بغیر بات نہیں بنتی۔ کبھی عام قسم کے جذبات و تاثرات کا سیلِ متلاطم وضعِ احتیاط اور فکرِ مآل کے اس حصار کو توڑ ڈالتا ہے جو انسان کی دانش آرائی اور عاقبت اندیشی تحفظِ شخصیت کے لئے بڑے اہتمام سے تعمیر کر لیتی ہے۔ سیل گزر جانے یا اس کا زور، تلاطم و تموج ختم ہو کر حالات طبعی صورت اختیار کر لیں تو ممکن ہے ان نگارشات پر پشیمانی کا احساس پیدا ہو، لیکن بزرگ ترشرت ایک بار نقاب ہو جائے پھر اس پر تاویلات و درازکاریں کے پرچے ڈالنا یا معذرت کی تمہیدیں اٹھانا بالکل بے سود رہ جاتا ہے اور یہ ظاہر ہی ہے کہ نوشتہ بماند سیہ بر سفید

ہمارے بعض بلند مرتبت اکابر کے مجموعوں میں بھی ایسی مثالیں موجود ہیں۔ اگر یہ خط محفوظ نہ ہو جاتیں تو ہم ان کی سیرت کے بعض اہم پہلوؤں کی نظارہ آشنائی سے محروم رہ جاتے۔ مگری کی یہ نقریب خطوط و مکاتیب ہی کے ذریعے سے پیدا ہو سکتی تھی۔ تصانیف کی وضعیت میں اس کا سراغ کب مل سکتا تھا۔

اُردو خط نگاری

ڈاکٹر سیّد عبداللہ

خط تہذیبِ انسانی کے محیر العقول عجائبات میں سے ہے۔ انسان کی یہ اختراع اس کی زندگی کے عجیب و غریب اور ہمہ گیر تقاضوں سے پیدا ہوئی ہے۔ پہلے محض سادہ ضرورتوں کو پورا کرنے کی حد تک محدود رہی، اس کے بعد جملہ فنونِ عالیہ کی طرح ایک فنِ لطیف — بلکہ بقول بعض لطیف ترین فن بن گئی۔

یہ ایجاد ضرورتِ ابلاغ کی رہینِ منت ہے، اور ابلاغ فطرتِ انسانی کا ایک ناگزیر تقاضا اور ایک حد تک اجتماعی عمل بھی ہے۔ اجتماع خود بھی اپنی ماہیت کے اعتبار سے ایک ابلاغی مظاہرۂ حیات ہے۔ انسانوں کا کوئی اجتماع — اور اجتماعی رابطے کا کوئی ذو اضعاف اقل یعنی دو انسانوں کا باہمی معمولی افہام و تفہیم بھی ابلاغ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔ بلکہ اگر صوفیانہ و عارفانہ انداز میں گفتگو کرنے کی اجازت ہو تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ خود ذاتِ باری بھی ابلاغ کی (از روئے حکمتِ بالغہ) مشتاق و آرزومند ہے — اور انسانی معاشرے میں تو ابلاغ ہی تمام تمدن کی اساسِ اولیں ہے جس کے بغیر مدنیت تو درکنار بشریت تک قائم و برقرار نہیں رہ سکتی —!

انسان نے جب مشقت کا آغاز کیا ہوگا تو اسے محسوس ہوا ہوگا کہ بالمشافہ ابلاغ تو ایک قدرتی سا عمل ہے اور اس کے اظہار میں کوئی خاص دقت نہیں مگر جو لوگ حدِ سماعت کے اندر موجود نہیں ان تک بھی ابلاغی مقاصد کی خاطر پہنچنے کی کوئی سبیل ہونی چاہیئے خصوصاً ان لوگوں کے لئے جن کے فاصلے بعید ہیں جن کی دوری سماعت کے لئے ناقابلِ عبور ہے۔ یا جن کی نزدیکی بھی دوری کے مترادف ہے۔ اس سے مجبور ہو کر ذہنِ انسانی نے اپنی خداداد قوتِ تخریر سے کام لے کر خط ایجاد کیا، اور ایک ایسا پیرایۂ گفتگو پیدا کر لیا جو نہ صرف زبان کا قائم مقام تھا بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو اپنی بے زبانی کے باوجود زبان سے بھی زیادہ شیوا بیان اور نطق سے زیادہ فصیح اللسان تھا — یہ اس دنیا کی بات نہیں جہاں خوش سخنی بھی گنگ بن جایا کرتی ہے۔ اور سکوت گویائی کی حریف بن کر بقول نظیری۔ —

نمی گردید کوتہ رشتۂ معنی رہا کردم
حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم

بلکہ اس دنیا کی جہاں گفتگو بہرحال ضروری ہوتی ہے مگر ایسی گفتگو جو زبانی مکالمے سے بلیغ تر ہو۔ مندرجہ بالا شعر پہ

مزید غور کیا جائے تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ گفتگو (بذریعہ زبان) کی نارسائی ایک مسلم سی شے ہے گویا محض گفتگو کے مقابلے میں تو خاموشی بھی زیادہ بلیغ ذریعہ ہے —— لہٰذا تحریر کی بلاغت مجرد نطق کے مقابلے میں بے حد و لا انتہا ہیں۔ تفصیل سے بچنے کے لئے اگر صرف ایک دلیل پر ہی اکتفا کرنا چاہے تو کہہ سکتے ہے کہ نطق (یا ابلاغ بذریعہ زبان) بہت رسا بھی ہو جائے تو بھی فاصلوں (مکانی یا معنوی) کی دشواریاں کرنے کر تا اس کے بس کی بات نہیں —— یہاں پہنچ کر وہ منزل بھی آجاتی ہے جہاں زبان خود اپنے آپ سے شرمندہ ہو کر بے زبانی کی سپاس گزار بن جانا چاہتی ہے ؎

منگے زبان مجھ سپاس بے زبانی سے
مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بے دست و پائی کا

خلاصہ یہ ہے کہ خط (یا تحریر) کی ایجاد ذہن انسانی کے دور ارتقا کی ایک اہم ایجاد ہے، یہ اس کی اپنی گوناگوں مجبوریوں سے پیدا ہوئی ہے اور اس کی ترقی میں سعی اور جد و جہد کو بڑا دخل ہے اسی لئے اس کی فتوحات و فیوض بھی غیر معمولی ہیں —— خط نے انسان کے لئے فاصلے کا مسئلہ حل کر دیا ہے اور ایک لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ایجاد کی تسخیر کے جو کمالات انسان نے بعد میں دکھائے ان کا پہلا اور اہم قدم یہی واقعہ ایجاد خط تھا —— گویا دوری کا احساس یا مجبوری ایک اہم چیز ہے جس نے انسان کو گفتگو کے ابہام و ایہام اور اس کے شکوک و شبہات، اس کی تحریف و مسخ اور اس کے ناقابل اعتماد ذرائع ابلاغ سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ اور اگر یہ نہ ہوتا تو زبانی ابلاغ ابدالآباد تک نارسا ہی رہتا اور معاملات کو مشکوک و ضعیف ہی رکھتا، دیکھئے غالب کے محبوب نے بھی جس شے کو ہراس انگیز اور مشکوک بنانا تھا اس کو قاصد کی زبان کے حوالے یوں کر دیا ؎

دے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر
کچھ تو پیغام زبانی اور ہے

عربوں کے تصور میں ایجاد تحریر کی بنیادی غایت علم و معلومات سے پہلے محض پیغام رسانی اور جذبات یا معاملات ضروری کا ابلاغ تھی یہ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عربی میں رسم تحریر یا تحریر ہی کو "خط" کہتے ہیں۔ اگرچہ بعد میں ابلاغ کی مختلف صورتوں کے لئے مختلف نام تجویز ہو گئے اور اس صورت خاص کے لئے جس کو خط و کتابت کا مرادف کہا جا سکتا ہے مکاتیب اور مراسلت وغیرہ کی اصطلاح وضع ہوئی —— اسلامی تہذیب نے اپنے دور میں مکاتیب و مراسلت کو اس درجہ اہمیت دی کہ قدیم زمانہ میں ادب و انشا کی تکمیل کی بنیاد ہی اچھی خطوط نویسی قرار پائی —— جو شخص اس زبان و بیان سے کامل شناسائی رکھتا تھا جس کا تعلق دوروں کے دل و دماغ سے ہے، یا جو شخص ان آداب و رسوم سے زیادہ واقف ہوتا تھا جن کا تعلق روابط و تعلقات کی گوناگوں نوعیتوں سے ہے اور جو اصطلاحی اور عام القاب و کنایات و مغالطات کے لحاظ سے شائستہ ترین آدمی سمجھا جاتا تھا اور وہ سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں کا مستحق سمجھا جاتا تھا —— ابلاغ کے ذرائع پر قدرت کی اہمیت و فضیلت کا یہ اعتراف اسلامی عربی تہذیب کی روح شناسی کی ایک اہم کلید ہے چنانچہ ترسل کتابت اور دبیری کی اہمیت پر بعض مصنفوں نے مبسوط کتابیں لکھی ہیں

خیر یہ تو ہوئی سیاسی یا دفتری خط نگاری کی اہمیت۔ عام خط نگاری بھی کچھ کم اہم چیز نہیں یہ انسان کی بنیادی

ضرورتوں میں سے ہے۔ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا آدمی ہوگا جس کو کبھی خط لکھنے یا لکھوانے کی ضرورت پیش نہ آتی ہو۔ خط سے بڑھ کر کوئی ادارہ جمہوری یا بنیادی طور پر اجتماعی نہیں ہو سکتا۔ اس ادارے کی وسعتوں کا یہ عالم ہے کہ یہ محض ایک عام کاروباری پیغام کی تحریر سے لے کر ادب عالیہ کے رستے تک پہنچ سکتا ہے یہ عام بھی ہے اور خاص بھی یہ ایک ایسی چیز ہے جو ہر شخص کی دسترس کے اندر ہے مگر اتنی خاص بھی ہے کہ سہ

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ کسی انسان کی گفتگو اس کی شائستگی کی علامت ہوتی ہے اور یہ سچ بھی ہے مگر اس سے بھی بڑی علامت کسی کی شائستگی اور تہذیب کی یہ ہے کہ اس کو خط نگاری کا سلیقہ کہاں تک ہے —— جان لاک نے مسئلہ تعلیم سے بحث کرتے ہوئے اسی خیال کا اظہار قدرے وضاحت کے ساتھ یوں کیا ہے [1]

> When they understand how to write English with due cuonnection propriety and order, and are pretty well masters of a tolerable narrative style, they may be advanced to writing of letters.
> The writing of letters has so much to do in all the occurrences of human life, that no gentleman can avoid showing himself in this kind of writing.

آگے چل کر جان لاک نے گفتگو کے مقابلے میں خط کی مشکلات کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ گفتگو میں آواز، لہجہ، چشم و ابرو کی حرکات اور شانہ کے دوسرے وسائل طرزِ سخن کی خامیوں کو چھپا دیتے ہیں اور بعض اوقات بے کار بات بھی اثر کر جاتی ہے —— خط ان خارجی وسائل سے محروم ہوتا ہے مگر جو شخص اس کے باوجود خط کو مؤثر اور بلیغ بنا سکتا ہے وہ درحقیقت ایک شائستہ اور تربیت یافتہ انسان ہی ہو سکتا ہے۔

خط و کتابت کی بیسیوں اقسام ہیں۔ مناسباتی، دفتری، تجارتی، کاروباری، عام عمرانی، اطلاعاتی، علمی اور معلوماتی، شخصی، جذباتی، خیالی وغیرہ وغیرہ —— مگر موجودہ مضمون میں سہولت و وضاحت کے نقطۂ نظر سے ان کو صرف دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے

(۱) نجی جن کا تعلق ذات سے ہے۔ یہ پرائیویٹ حیثیت سے لکھے جاتے ہیں اور افشائے عام کے لئے نہیں ہوتے۔
(۲) دوسرے وہ جو پبلک ہو سکتے ہیں —— ہر خط بنیادی طور پر ایک شخصی اور نجی چیز ہے (ماسوا اس صورت کے کہ

---

1. Four centuries of letters - by W. B. Scoones viii

کوئی شخص حالات کو خط کے ذریعے مخاطب کرے) اس لئے اصولاً اس کا افادہ نہایت محدود ہوتا ہے ــــ مگر عملاً خود جب منظرِ عام پر آ کر مطالعہ کی چیزیں بن جاتے ہیں تو ادب اور علم کا قیمتی ذخیرہ بن جاتے ہیں۔

خطوں کی سب اقسام اپنی جگہ مفید اور مفید ہیں۔ خطوں سے علمی اور معاشرتی فائدے بھی ہو سکتے ہیں مگر پرانے خطوں کی اہمیت کی ایک بڑی بنیاد وہ تاریخی اور سوانحی مواد ہے جو خطوں کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض اوقات خطوط فن اور ادب کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ یوں اپنی جگہ ہر خط عجیب ہوتا ہے مگر ادبی و علمی مطالعہ کی حیثیت سے خطوط کی اہمیت کچھ اس چیز پر بھی ہے کہ ان کا کاتب کون ہے اور مکتوب الیہ کون ــــ؟ اس لحاظ سے خط کا ایک شخصی پن ہونے کے علاوہ تمہیدوں کا فن بھی بن جاتا ہے ــــ عام طور سے ان خطوں میں زیادہ دلچسپی لی جاتی ہے جن کے طرفین کی شخصیتیں کسی نہ کسی وجہ سے جاذبِ توجہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ خطوط کے جو مجموعے اب تک شائع ہوتے رہے ہیں یا کئے گئے ہیں وہ عام طور سے وہی ہیں جن کا تعلق جاذبِ توجہ شخصیتوں سے ہے۔ یہ مجموعے تاریخ شخصیات نگاری اور سوانح نگاری کے لئے بیش بہا مواد کا درجہ رکھتے ہیں۔

اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ ہر بڑا آدمی (خواہ ادب سے متعلق ہو یا کسی دوسرے شعبۂ زندگی سے) لازماً اچھا خط نگار بھی ہو سکتا ہے ــــ خط نگاری تو بذاتِ خود ایک بڑا فن ہے اور اس میں کامیاب وہی شخص ہو سکتا ہے جو قدرت کی طرف سے اس فن کا فیضان لے کر آیا ہے۔ خط نگار کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے اس کے علاوہ بھی خط نگاری ایک خاص قسم کے ماحول پر بھی موقوف ہے۔ خط نگاری کے فن کی ایک عجیب خصوصیت یہ ہے کہ یہ سب سے آسان فن ہے جو ہر اس شخص کے لئے سہل الحصول ہے جو اس کا قصد کرے ــــ لیکن تعجب انگیز بات یہ ہے کہ یہی آسان ترین فن نازک ترین فن بھی ہے۔ کیونکہ اس میں فنی نزاکتوں کی نمود کچھ اس طرح کی مشکل سے ہوتی ہے جیسے کوئی شے عدم سے وجود حاصل کرتی ہے ــــ عدم سے وجود میں یوں کہ خط نگاری ادب کے دوسرے شعبوں کے برعکس مستقل ادب نہیں بلکہ محض ایک سماجی اور افادی عمل ہے۔ خط نگاری خود ادب نہیں مگر جب اس کو خاص ماحول، خاص مزاج، خاص استعداد، ایک خاص آن، خاص گھڑی اور خاص ساعت میسر آ جائے تو یہ ادب بن سکتی ہے ــــ مگر خط کو ادب بنانے کا کام بہت مشکل ہے یہ شیشہ گری ہے، شیشہ گری ــــ اور پھر آئینہ ساز ہو کر بھی کم ہی لوگ ایسے ہوں گے جو سچ مچ ایسے آئینے ڈھال سکتے ہوں گے جن کے جلوے خود تقاضائے نگاہ بن جائیں گے اور بہ انداز اپنے جوہر کی ہر ادا کو گوہرِ گراں بنا دیں ــــ

> جلوہ از بس کہ تقاضائے نگہ کرتا ہے
> جوہرِ آئینہ بھی چاہے ہے مژگاں ہونا

غرض یہ کہ خط نگاری اصلاً فنِ لطیف نہ ہی ہو مگر بعض اوقات لطیف بلکہ "لطیف ترین" فن کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے ــــ اس لحاظ سے خط نگاری کے فن پر نظر ڈالی جائے تو اچھی اور باذوق خط نگاری کی کچھ خاص شرائط سامنے آتی ہیں۔

ایک نہایت ہی اہم بات خط نگاری کے سلسلے میں یہ ہے کہ ہر اچھے خط کا مقصد ضرور ہونا چاہئے جو اس کے لئے

اصلاً محرک ہوا ہے یعنی پیغام کے مطالب کا محض ابلاغ جس کا مطلب یہ ہے کہ خط نگار جو کہنا چاہتا ہے وہ تو بہر حال ایسے، نواز یہ کہ مکتوب نگار کو پیغام کی جزئیات کا محض علم ہو جائے۔ اس لحاظ سے ہر خط کی، دیتی صفت اس کی مطلبیت ہے ——— اس کے علاوہ جتنی شرطیں ہیں وہ عام نہیں خاص ہیں اور خط نگار کی شخصیت اس کی ضرورت، اور زمانے کے مذاق کے مطابق بدلتی رہتی ہیں اور ان کے لئے صحیح معنوں میں کوئی شرط عاید نہیں کی جا سکتی۔ زبان کے حسن کا کوئی گرد اصل یا معیار مقرر ہو سکتا ہے البتہ ایک خاص معیار فیصلے جس کو بنیادی اصول سمجھا جا سکتا ہے اور وہ ہے خط کی دلچسپی جو کسی خط کو بلاغ مطالب اور ابلاغ پیغام کے علاوہ بھی زندہ رکھ سکے اور مطالب کی زمانی اور مکانی حد ختم ہو جانے کے بعد بھی کسی پڑھنے والے کے لئے مسرت انگیز ثابت ہو سکے —— کون سا خط عجیب ہوتا ہے اور کون سا غیر دلچسپ یہ بھی ایک اضافی سی بات ہے مگر یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ جن خطوں کی انسانی یا سوشل اپیل کامیاب ہو گی وہی خط زیادہ مقبول اور مستقل طور پر دلچسپ ہوں گے —— اسی طرح جن خطوں میں شخصی عنصر کا استعمال کچھ ایسے انداز میں ہوا ہے کہ شخصی ہونے کے باوجود اس کی حیثیت وسیع معنوں میں انسانی ہو گئی ہے ان خطوں کی دلچسپی اور دیر پا مقبولیت میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا —— جب تک کسی خط میں شخصیت کی توسیع کی یہ صورت نہیں ہو گی اس کو باآسانی ٹھکرایا جا سکتا ہے۔

کوئی معترض میرے اس خیال پر ذرا یہ نکتہ چینی کر سکتا ہے کہ ہر خط دوسرے پبلک مراسلات کے نجی ہوتا ہے اس لئے کسی بھی چیز سے یہ توقع ہی کیوں رکھی جائے کہ اس کی اپیل اجتماعی بن کر "شرکت غیرے" کے جبری تقاضے کی زد میں آ جائے —— پھر یہ بھی کہ خط تو ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن کے سرنامے پر جلی عنوان سے یہ لکھ دیا جاتا ہے "یہ صرف آپ کی نگاہ کے لئے ہے، ستاروں تک کی نظر بھی اس پر نہ پڑے" —— اخفا کی یہ حد اور احتساب کا یہ انداز، اس میں بھلا کب کسی سوشل اپیل کی گنجائش باقی رہتی ہے؟ معترض یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ تو خالص ذاتی راز ہوتے ہیں، معمولی حد سے باہر نکل بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی، ورنہ وہی خوف رسوائی اور اندیشہ ہائے گوناگوں کہ جو دنیائے عاشقی میں راہ و رسم ہیں —— جن میں رازداری بیان محبت کے آداب اولین میں سے ہے ورنہ غالب کی اطلاع کے مطابق بوالہوسوں کی فہرست میں بھی نام درج ہو رہتا ہے۔ سے

غیر پھرتا ہے لئے یوں ترے خط کو کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

معترض کا یہ اندیشہ بظاہر درست معلوم ہوتا ہے لیکن لازمی طور پر کیا ہم بھی یہ پوچھ سکتے ہیں کہ صاحب، اگر کسی کے خط محض نجی ہیں اور ان کی شخصی آواز ہو کر ختم ہو جانا چاہیے تو پھر کسی دوسرے کو اس طومار خشک میں سر کھپانے اور اس پر آنکھوں کے تیل کو بے کار ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یعنی ایک نے لکھا اور دوسرے نے پڑھ کر مقصد کی بات پالی۔ چٹھی چھٹی گویا ایک یا ایک دن کے لئے یا چلیے ایک مدت العمر تک کے لئے اس کی چمک باقی رہی۔ پھر معدوم و مفقود۔ کسی دوسرے انسان کو بعد میں یا ان کے زمانے میں ان کی طرف توجہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ خیر یہ تو الزامی جواب ہوا۔ مگر اس کا ایک معقول اور تشفی بخش جواب بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ خط "ذاتیت" تک محدود ہونے کے باوجود ایک ایسے جذبے سے ابھرتا ہے

جو وسیع معنوں میں ایک رسیلا انسانی جذبہ ہے ۔۔۔ سی سے خط کا نام جب زبان پر آتا ہے تو ایک پراسرار قسم کی جستجو۔ ایک بے اطمینانی سی گدگدی طبیعت میں پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ خط کے مطالعہ سے مسرور یا متاثر ہونے کا جذبہ ہر انسان کے لئے یکساں ہے اس لئے دوسروں کے خطوط پڑھ کر ایک حد تک انسان اپنے ہی تجربات کا اعادہ کر رہا ہوتا ہے پھر جب وہ انسانی مزاج اور دل کے رنگارنگ تاثرات کی طلسم جلیبیر بو قلمونیوں کو دیکھتا ہے تو کسی ادب پارے کی طرح خطوط سے بھی عام انسانی بوالعجبیوں کے مطالعہ سے خیال انگیز مسرت نصیب ہوتی ہے۔ یہ بھی کہ خطوں میں خاص سچائی اور صداقت کی توقع ہوتی ہے۔ ورنہ خوف، شہرت، نمود و نمائش اور اس قسم کی دوسری رکاوٹیں اس کی راہ میں حائل نہیں ہوتیں اس "برہنہ صداقت" کے جو ہر سے ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ خط کی بنیادی ضرورت یا بنیادی جذبہ ہم کلامی کی تمنا ہے ۔۔۔ وہ خط جس کا مخاطب جیتا جاگتا بھی نہیں ہوتا ۔۔۔ وہ بھی مسرت اور غم کے اعتبار سے ہم کلامی کی آرزو ہی سے پیدا ہوتے ہیں یعنی ہم کلامی کا جذبہ ہی ان کو وجود میں لاتا ہے۔ خط بہرحال شاعر کی خود کلامی سے مختلف شے ہے ۔۔۔ دیوان محمد نگر کی تنہائیوں میں جب ابوالکلام آزاد نے کسی سے ہم کلام ہونے کی آرزو کی تو انہوں نے وہ خط لکھے جو ہر چند خود کلامی ہی کی ایک صورت ہے مگر چاہا کہ کسی دوسرے کے نام منسوب ہوتے ۔۔۔ قصہ مختصر ۔۔۔ خط بنیادی طور پر دو انسانوں کے وجود کا طالب ہے پھر اس میں "غیبت" یا دوری کا ایک ایسا تحیر انگیز ماحول بھی شامل ہو جاتا ہے جو ادب میں موجود نہیں ہوتا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس میں مستثنیات بھی ہیں اور نہیں بھی ۔۔۔ اگر خط نگار کو مناسب تفاؤل حاصل ہو تو خط ایک عجیب و غریب پر مسرت اجتماعی نظام یا "ادارہ" بن سکتے ہیں۔ جن خط نگاروں میں اس فضا کے پیدا کرنے اور باتیں لکھنے کی استعداد زیادہ ہوتی ہے ان کے خطوط بھی مطالعہ کے وقت زیادہ خوشگوار اور پر تاثیر بن جاتے ہیں۔

یہ بڑا معقول ہے کہ "مکتوب نصف ملاقات" ہے ایک لحاظ سے درست ہے مگر مجھے اکثر محسوس ہوا ہے کہ اس سے خط کے منصب کی قدر سے تنقیص ہوتی ہے۔ کیونکہ محض کاروباری مفہوم سے قطع نظر ایک مادی ضرورت کی حد تک بھی خط محض نصف ملاقات نہیں ہوتے بلکہ ایک معنی میں پوری ملاقات ہوتے ہیں اور بعض اوقات تو یہ ملاقات ظاہری ملاقات سے بھی زیادہ دلچسپ اور کامیاب ہو جاتی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ بلیغ اس سے زیادہ رسا، خوشگوار اور مسرت بخش بہرصورت "نصف ملاقات" تو ایک بہت کاروباری تخیل ہے ۔۔۔ ملاقاتیں بعض اوقات تلخ اور ناکام ثابت ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس قسم کی ملاقات کی ناکامیوں سے بچنے کے لئے خطوں ملاقات کا سہارا ڈھونڈا جاتا ہے ۔۔۔ زندگی میں بارہا ایسی صورتیں پیش آتی ہیں جن میں روزانہ اور ہر وقت کی ملاقات کے باوجود حقیقی مسرت اس غائبانہ ملاقات ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ جس کا موقع خط ہم پہنچاتا ہے بنابریں میں خط کو نصف ملاقات قرار دینے میں متامل ہوں اور اس کو ملاقات کی ایک ارفع صورت قرار دیتا ہوں جس میں جسمانی اور مادی واسطے بالکل معدوم ہو جاتے ہیں ۔۔۔ روحوں کی روحوں سے ملاقات ہوتی ہے ۔۔۔ انسانی شعور کی یہ ایسی معراج ہے جس کی لطیف فضا زندگی کی پر مسرت روحوں ہی کے لئے ممکن ہے۔ اجسام کا واسطہ برائے نام ہی رہ جاتا ہے۔

بہرحال خط ملاقات ہی کا فائدہ ہوتا ہے جو زبان بے زبانی ان سب جذبات لطیف اور واردات قلب کی ترجمانی

کو خاصے جو ملاقات سے وابستہ ہوتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ ان میں "رومیت" کے باوجود کامل تقلید موجود ہوتی ہے چونکہ خط اصولاً باہم بات چیت کا بدل ہوتے ہیں اس لئے ان میں اچھی گفتگو کے ضروری صفات ضرور ہونے چاہئیں۔ گفتگو سے یہ مراد مکالمہ یعنی ڈرامہ کے دو کرداروں کی بات چیت نہیں محض گفتگو اور بول چال کے انداز بھی کافی ہیں، یہ جو غالبؔ کے یہاں اکثر میں دنیا کے سب سے اچھے خط نگاروں میں سے سمجھتا ہوں، دو کرداروں کا مکالمہ ہے۔ یہ غالبؔ کی مکتوب نگاری کا صرف ایک پہلو ہے —— اور وہ بھی ایسا نہیں جس پر ان کی مکتوب نگاری کے حسن کی اساس قائم ہو —— یہ تو محض ان کی طبیعت تنوع پسند کا ایک کرشمہ ہے —— اور خط تو ــــ

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست
بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

غرض اچھے خط کے لئے رسمی مکالمہ ضروری نہیں صرف بول چال کی سی بے تکلفی مطلوب ہے —— غالبؔ نے مکالمہ والے خطوں میں اپنے مکتوب الیہ کو اپنے سامنے موجود فرض کیا ہے مگر ایک خاص حد سے زیادہ یہ مکالماتی انداز تکلف اور تصنع میں بدل جاتا ہے۔ خط کی نچلی سطح میں یہ احساس ضرور موجود رہنا چاہیئے کہ باہم جسمانی فاصلہ موجود ہے کیونکہ انسانی روح جس قدر قربت کی مشتاق ہے اسی قدر اس کو فرقت اور مسافت میں بھی خیال انگیز مگر ذرا دردآگیں لطف ملتا ہے —— مکالمہ کی غیر معتدل صورت سے جہاں ایک ڈرامائی حسیت کا لطف پیدا ہوتا ہے، وہاں احساس دوری کا فقدان لطف سے محروم بھی کر سکتا ہے خط کی مکمل فضا میں دوری سے بعد کا احساس ہونا چاہیئے۔ یعنی دل سے نزدیک ہونے کے باوجود دوری! ــ

باوجودیکہ دل سے ہے نزدیک
تم دوری چھپے ہیں ہم سے کہ

دل سے نزدیک پھر بھی دور آنکھوں سے دور پھر بھی نزدیک! یہ خط کی اصل فضا ہے اس میں حد سے متجاوز مکالمہ ہو تو تصنع کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔

میں نے گزشتہ سطور میں خط کو ملاقات کی ارفع صورت قرار دیا ہے —— مگر یہ یاد رہے کہ یہ جب بھی ملاقات —— کوئی خط مکمل طور پر بسیط، تبھی بنتا ہے جب اس میں ملاقات کی جملہ صفات اور اس کے جملہ اثرات موجود ہوں ورنہ عین ممکن بلکہ یقینی ہے کہ نصف الملاقات تو کیا خط ارذل الملاقات کے درجے سے بھی گر جائے —— اس سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ خط مکتوب نگار کی شخصیت کا آئینہ دار ہو۔ کوئی خط دل کے سچے جذبات کو نہیں ابھار سکتا اگر اس میں مکتوب نگار کی متحرک تصویر منعکس نہ ہو گی۔ خصوصاً اگر انسانی شبیہ کے سب سے بڑے رجحانات چشم و ابرو اس میں بڑے العین نظر نہ آئیں گے، اس آخری صورت میں صرف ہجری نوشتوں کی طرح لمبے چوڑے بیانات اور سراپا لفظی جمادات کی صورت اختیار کریں گے اور یہ نکتہ مکتوب نگاری کے اسرار و رموز کے شناسا مرزا غالبؔ کی نظر میں بھی تھا۔ تبھی تو انہوں نے اپنے محبوب کو اپنے مکتوب کے ساتھ اپنی آنکھ کی تصویر بھی بھیجی تھی تاکہ مکتوب الیہ کاتب خط کی پوری شخصیت کا عکس اس آنکھ کے آئینے میں عملاً دیکھ سکے۔ مندرجہ ذیل شعر میں یہ حقیقت بڑے دلکش

انداز میں بیان ہوتی ہے ؎

آنکھ کی تصویر سرنامے پہ کھینچی ہے کہ تا
اس پہ کھل جائے کہ اس کو حسرتِ دیدار ہے

مگر یاد رہے کہ آنکھ کی تصویر بھیج کر غالب نے قدرے اضطراب کا اظہار کیا ہے ورنہ دراصل کامیاب خط اس خارجی وسیلے کا ضرورت مند نہیں ہوتا — خط کے حروف و اشکال اور الفاظ و عبارات خود ہی کاتب کی شبیہہ کی تمام عکاسی کر سکتی ہیں۔ شاید اسی قسم کے کسی تاثر کے ماتحت کسی نے یہ شعر کہا ہو گا ؎

ہائے رے حسرتِ دیدار کہ اس خط میں بھی
لکھتے ہیں واسطے وہ پتلی سے کتابت والے

ہر حسین خط کاتب خط کی پوری شخصیت کا ترجمان ہوتا ہے۔ تبھی تو وہ بے زبانی کے باوجود — اور ظاہری التفاتات سے بہت دور رہ کر بھی احسن الملاقات کا درجہ حاصل کر پاتا ہے۔ ورنہ پہاڑ کی گرج کی طرح محض خوف اور سراسیمگی یا ابہام و ابتذال کا پیکر بن کر بے اثر ہو جائے گا اور ملاقات کی جذباتی تاثیر پیدا کرنے سے قاصر رہے گا۔

اچھے خطوں کے سلسلے میں بڑی بنیادی چیز ان کی لطافت ہے۔ دنیا میں جتنے بھی بڑے بڑے خط نگار گزرے ہیں (جن کے مکاتیب نے ادبی کا رتبہ حاصل کیا ہے) ان کے خطوں کے مطالعہ و محاکمہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی دلکشی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ان میں ثقل اور بوجھ مطلقاً موجود نہیں — یہاں ثقل لفظی بھی مراد ہے، مگر زیادہ زور معنی و مدعا کے ثقل پر ہے — خط کا مضمون کچھ بھی ہو۔ غم و الم، لطف و خوشی، شکوہ و شکایت، لذتِ وصل یا شکوۂ ہجر — یہاں تک کہ ضروریاتِ زندگی کے مادی پہلوؤں کی کاروباری بات بھی اچھے خط نگاروں کے یہاں کچھ ایسے لطیف انداز میں بیان ہوتی ہے کہ ابلاغِ مدعا کے بعد ایک لطیف کیفیت زندگی خط میں پیدا ہو جاتی ہے اور یہ کمال نتیجہ کا ہی ہے اس انداز طبیعت کا بھی کہ جس میں شخصیت رچ جائے۔ مزاج کی پختگی اور اندازِ حیات کے رنگ اور رعنائی کا بھی دخل نہیں۔

اس لحاظ سے جو شے خط کی لطافت کو سخت نقصان پہنچاتی ہے وہ ہے جذباتیت کا اظہار — اسی وجہ سے نوجوان خط نگاروں کے عاشقانہ خط فنی رتبہ حاصل نہیں کر پاتے۔ شبلی کسی پر عاشق تھے یا نہ تھے مگر یہ تسلیم ہے کہ ان کے وہ مکتوب جو [illegible] میں ہیں عاشقانہ خطوط ہی ہیں اور قدرے جذباتی بھی ہیں، مگر ان کے لہجے اور ان کی شخصیت کے بھرپور رس نے ان خطوں کو بڑا رسیلا بنا دیا ہے سبب یہ کہ شبلی خط میں توازن اور لطافت کے اصول سے اچھی طرح باخبر ہیں۔ وہ غالب کی طرح ہجر میں وصل کے مزے لینے کی استعداد سے بھی بہرہ مند ہیں۔ شبلی ان شاء اللہ یہ جذباتی ہچکولوں سے اکثر بچتے ہیں جن کے جھٹکے بعض اوقات توازن لطافت کو زیر و زبر کر دیتے ہیں۔ اچھے عاشقانہ خط وہ ہوتے ہیں جن میں جذباتیت اور ہیجان کے جھٹکے نہ ہوں مگر یہ چیز ریاضت طلب ہے جو لوگ طبعاً جذبات پرست ہیں وہ سخت ریاضت کے بغیر اس لطافت کو نہیں پہنچ سکتے جو اچھی خط نگاری کی معراج ہے۔

کیٹس بہت بڑا شاعر ہے اس نے جو خط فینی براؤن کو لکھے تھے وہ شورش انگیز ہونے کے باوجود معیاری نہیں۔ کیٹس

کے سوانح نگاروں نے ان خطوں کی تعریف بھی کی ہے مگر یہ سب تامل کے بعد ہی تسلیم کرنے کے قابل ہے۔ ان کے سوانح نگاروں کی طرف سے یہ تعریف دو وجہ سے ہے۔ ایک تو اس لئے کہ یہ کیٹس کے خواب دوار ہے، اس وجہ سے کہ کیٹس کی پُرشور جذباتی شخصیت پر یہ خط بہت روشنی ڈالتے ہیں۔ اس کے سوانح اور اس کی نفسیات کو سمجھنے میں بہت مدد دیتے ہیں — اگر یہ صحیح ہے تو ان خطوں کی یہ تعریف ان کے فن کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ ان کے سوانحی اشارے کے سبب سے ہے۔ کہ محض عاشقانہ ہونا ہی کسی خط کے عمدہ ہونے کی علامت ہے تو پھر ہر عاشق کا ہر خط ایک صحیفۂ عاشقی بن سکنے کا مستحق ہو سکتا ہے۔

یہی حال افسانوی خطوں کا ہے — بعض افسانوں کے خط واقعی معیاری ہوتے ہیں مگر افسانہ نگار لفظی کرافٹ کا غواص اور رمز شناسائے کمال ہو کر بھی افسانہ نگار ہی رہتا ہے اور ایک خط میں وہ قائم مقام ہی رہتا ہے اصل خط نگار تو نہیں بن جاتا۔ ان خطوں میں جو بات کی قائم مقامی کامیاب بھی ہو تب بھی یہ شخصی خط نگاری کا بدل نہیں بن سکتی۔۔ یہی خط نگاری میں قدرے غیر ضروری بن جاتی ہے، آتا ہے قاضی عبدالغفار کے "لیلیٰ کے خطوط" اپنی رومانی جذباتی چاشنی کے باوجود وہ سب کچھ ہو سکتے ہیں کامیاب خط نہیں کہے جا سکتے۔

خطوں کے متعلق پروفیسر رشید احمد صدیقی کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے کہ بہترین خط وہ ہوتے ہیں جو پڑھ کر پھاڑ دیئے جاتے ہیں — میں نہیں کہہ سکتا کہ اس رشید نے پڑھ کر پھاڑ دینے کو کن وجوہ سے اہمیت دی ہے — مگر میں تو اتنا جانتا ہوں کہ کسی حسین خط کو پھاڑ کر پھینک دینے کی ہمت ہی کب ہو سکتی ہے — جو خط پڑھ کر پھاڑ دیئے جاتے ہیں وہ شاید ہوتے ہی اس قابل ہیں کہ پڑھ کر (یا بعض اوقات بغیر پڑھے ہی) پھاڑ کر پھینک دیئے جائیں — تو جس خط کا اصل قرار دیا ہے وہ تہذیب نفس اور حسن نظر کا غیر معمولی آمیزہ ہوتا ہے اس میں سلیقہ اور شائستگی (نفاست طبع اور لطافت قلم) کا ایسا عمدہ امتزاج ہوتا ہے کہ کوئی بے دردی ان کو پھاڑنے کی جرأت کر سکے گا — خط جو پھاڑ دیے جانے کے قابل ہوتے ہیں جن میں ہیجان و طغیان جذبات کا اظہار ہوا ہو اس میں شوق کی بلند بالی یا بے نیازی کا جو تقاضا ہو گا وہ اپنی جگہ درست مگر شوق کے یہ شور انگیز انداز اصل خطوں کے معیار کو تنزل کر دیتے ہیں۔ اسی سبب سے اکثر عاشقانہ مکاتیب ناکام رہتے ہیں اور ان میں ادبیت کا رنگ نکھرنے نہیں پاتا۔

مقصود یہ کہ محض عاشقانہ جذبات کے اظہار سے کوئی خط اصل خط نہیں بن سکتا — عاشقانہ جذبات کے ساتھ ساتھ لطافت و تراش کی بھی ضرورت ہے جو ماہر بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض بڑے بڑے ادیب خط نگاری میں ناکام رہے ہیں۔ اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ ایک تو یہی کہ اکثر بڑے ادیب اپنے مخصوص فن میں اس درجہ منہمک رہتے ہیں کہ خط نگاری کے سامنے میں وہ کوتاہ قلم سے ہوتے ہیں۔ پھر خط نگاری کا میدان بظاہر تنگ ہے — ان کو اس کے ادبی امکانات بھی کچھ زیادہ نظر نہیں آتے۔ ایک "پرزۂ کاغذ" — چند سطریں — اور وہ بھی صرف کاروباری سی۔ غرض خط کی ہستی بظاہر اتنی حقیر نظر آتی ہے کہ اس کو اپنی ریاضت، استعداد کا تختۂ مشق بنانے کی کسی اعلیٰ ادیب کو ہمت ہی نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ خط کی کچھ اور مشکلات بھی ہیں۔ اول تو ایک عام خط اپنی ماہیت کے اعتبار سے ایجاز و اختصار کا متقاضی ہوتا ہے۔ خط ایک مختصر صنف تحریر ہے اور اس کا حسن اس کے اختصار میں نکھرتا ہے۔ لمبا خط لمبی غزل کی طرح بے کیف ہو جاتا ہے خط نگاری میں طول کلام

نصیب ہی نہیں تضییع وقت بھی ہے۔ اس لحاظ سے ادیب کے واسطے میں مشکلات کم ہیں مگر خط لکھنے کے لئے مناسب فرصت کی بہرحال ضرورت ہے۔ در غالب کی سی خط نگاری کم فرصت آدمی کر ہی نہیں سکتا اور کامیاب خط نگاری بھی کم فرصت آدمی سے کبھی بن نہیں آتی۔ پھر مزاج و طبیعت کا بھی سوال ہے خواہ کسی کا علاوہ دوسرے فن پر مستقل ہی کیوں نہ ہو مگر طبعی طور پر جو شخص خط نگاری کے لئے سازوار مزاج نہیں رکھتا یا خط کے فن کو خط کے شوق سے اس کے لئے وقت نہیں نکال سکتا اس کے خط لکھے ہوتے نہیں ہوتے، "گھسیٹے" ہوتے ہیں ان کو خط نہیں کہا جا سکتا یہ کوئی عیب ہی ہوگا یا کوئی غالب جو خط کو کاروباری وسیلہ بھی جانتے تھے اور مشغلۂ فن بھی ـــ ہر شخص بھی خط کو گھسیٹنے کی چیز نہیں بلکہ لکھنے کی چیز سمجھ کر لکھے تو اسی کے خط بہار دانش بھی بنے ملیں گے اور گلدستۂ مسرت بھی! غالب نے تو غزل کی طرح خط کو بھی ایک ادبی مشغلہ بنایا تھا ـــ ان کے خط انہیں تقاضوں سے پیدا ہوتے تھے۔ جن سے ان کی غزل پیدا ہوئی۔ غالب نے اپنے نظام زندگی میں خط کو بھی وہی درجہ اور رتبہ دے رکھا تھا جو اس نے اپنی غزل کو دیا ہوا تھا۔ خطا نویسی کا یہی شوق تھا۔ جو خارجی محرکات سے آزاد ہو کر ان کے لئے ایک داخلی تجربہ سا بن گیا تھا اور وہ کہہ اٹھے تھے ؎

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

اور بعض اوقات تو یہ داخلی تجربہ بالکل ایک طاز چیز بن جاتی تھی مگر خامہ فرسائی کا ذوق ان سے کہے جاتا تھا کہ ان اور ـــ کہو ہاں اور ؎

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخِ مکتوب
مگر ستم زدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا

خلاصۂ کلام یہ کہ خط بڑا ہی نازک فن ہے یہ کاریگری بھی ہے اور آئینہ سازی بھی ـــ یہ مختصر اور محدود بھی اور وسیع و بےکراں بھی ہے یہ حد سے زیادہ شخصی بھی ہے مگر اس کے باوجود آفاقی اور اجتماعی بھی ـــ اس میں دانش بھی ہے اور بینش بھی بظاہر کچھ بھی نہیں مگر اس کا ہر ورق پھر بھی دفتر ہے معرفت کردگار اور معرفت انسان دونوں کا ـــ یہ لکھنے والے کے لئے تو محض حرف سخن ہے۔ مگر پڑھنے والے کے لئے گنجینۂ فن بھی ہو سکتا ہے ـــ یوں خط ایک جہان راز ہے جس کے راز اگر سربستہ رہیں تو سینوں کو گنج ہائے معنی کے دفینے بنا دیں اور آشکار ہو جائیں تو جذبے کی ساری دنیا مشکبار بن جاتے۔

دنیا بھر کے مجموعہ ہائے خطوط کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ وہی خط دیرپا اور مستقل ادبی اہمیت اختیار کر سکتے ہیں جن میں طبع انسانی کے بنیادی ذوق کی تشنگی کے وسیع تر سامان موجود ہیں۔ خط یوں تو دو چار باتوں کا نام ہے مگر چونکہ خط کا ہیولیٰ فن اور شخصیت دونوں سے مل کر تیار ہوتا ہے لہٰذا مستقل شاہکار بننے کے لئے دانش و بینش کے جوہر کے علاوہ خط میں کچھ وہ چیز بھی ضروری ہے جس کو اگر مہیت کا رنگ آشنائی کہا جا سکتا ہے تاکہ ہر مطالعہ کرنے والے کو یہ محسوس ہو کہ کسی خط میں کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جن سے کسی روح مانوس اور آشنا ملتا ہے ـــ یہی وہ روحانی آشنائی ہے جو ہر اونچے ادب کو زمان و مکان کی حد سے

سے وسیع کرتی ہے۔ خطوں میں یہی روحانی آشنائی مطلوب ہے یہی شے ہے جسے انگریزی خطوط کے ایک ایڈیٹر نے Freindliness سے تعبیر کیا ہے۔ یہ رنگ آشنائی دنیا کے بڑے بڑے خط نگاروں کے مکاتیب میں بدرجہ اتم موجود ہے۔[1]

جیسا کہ پہلے بیان ہوا خط اپنے بنیادی غرض و غایت کے اعتبار سے ایک کاروباری چیز ہے یہ ایک مادی ذریعہ ہے نظام تمدن کا جیسے مثلاً تار یا ٹیلیفون وغیرہ وغیرہ —— مگر ذہن انسانی نے اس کو تہذیب و تخیل کے اس درجے پر پہنچا دیا ہے کہ یہ بذات خود ایک فن بھی بن گیا ہے بلکہ اپنے خاص حلقے سے بلند تر اور وسیع تر ہو کر اس کے بہترین حصوں نے بلند ترین ادب میں بھی مقام حاصل کر لیا ہے —— چنانچہ ادب کی تاریخ میں اصل خط بھی ادبی شاہکاروں کے پہلو بہ پہلو رکھے گئے ہیں —— مگر اسلامی تہذیب و تمدن میں خط نگاری کو اس سے بھی زیادہ اہمیت رہی ہے مسلمانوں نے خط کو شائستگی اور شائستہ تر زندگی کے زاویے سے دیکھا ہے اسلامی تاریخ کے ہر دور میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ جو شخص خط کے فن کا ماہر ہے وہ تہذیب کی روح کا حقیقی شناور بھی ہے مسلمانوں کا یہ تصور بے مقصد نہ تھا اس سے دراصل ان کی اجتماعی نفسیات کے بعض دلکش پہلوؤں کی نقاب کشائی ہوتی ہے انہوں نے خط کے ذریعے سے جو دلچسپی لی ہے وہ ان کے بعض بنیادی ذہنی رجحانات اور اساسی روحانی اقدار کی طرف رہنمائی کرتی ہے مسلمانوں کو غیب اور غیب الغیب سے جو گہری دلچسپی رہی ہے وہ ظاہر ہے کیونکہ یؤمنون بالغیب کا ارشاد قرآنی ان کے لئے نادیدہ روابط کی استواری و محکمی کا ایک بڑا سرچشمہ تھا۔ یعنی نہ دیکھنے کے باوجود ایک برتر ہستی کا یقین کامل تھا ان کے اس قلبی روحانی اور جذباتی تعلق نے اسلامی فکریات کے اکثر شعبوں کو بے حد متاثر کیا ہے اور اس سے ان کے یہاں بعض خاص افکار و نظریات کی بنیاد قائم ہوئی وہ گویا اپنی تربیت اور ذہن کے اعتبار سے کسی غائب از نظر ہستی یا شخص سے رابطہ رکھنے کی داخلی صلاحیت کے مالک تھے اور خط و کتابت بھی ایک ایسا ہی عمل ہے چنانچہ مسلمانوں کے گزشتہ ادبیات میں خطوط و مکاتیب کے بیسیوں ذخیرے موجود ہیں اور ان کے یہاں ترسل ایک عظیم علم کا درجہ رکھتا ہے جس کے اصول و معانی پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اس موقع پر قدیم خط نگاری پر مفصل تبصرہ تو بے ضرورت ہے مگر چند اہم رسوم و قواعد کا تذکرہ بے محل نہیں ہوگا —— ان میں سب سے پہلے صورت کا سوال آتا ہے پرانی خط نگاری میں صورت کے حسن و جمال پر زیادہ اصرار کیا جاتا رہا ہے اس کے مختلف اجزا کی خوبصورتی، مناسبت اور دلکشی کے لئے خاص اہتمام کئے جاتے تھے (سادہ اور رنگین خطوں دونوں میں) سب سے پہلے مثلاً سرنامے کی جستجو ہوتی تھی عنوان کی مناسبت اور سرنامے کی موزونیت کا بڑا خیال کیا جاتا تھا۔ موجودہ زمانے کے بعض لوگ بعض اوقات پرانے طریقے کے سرنامے کا تمسخر کرتے ہیں خط کا بے فکری اور سیدھا خیال میں، لیکن اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو سب سے سرنامے کی تلاش کوئی بری بات نہیں اس سے خط کا پہلا اثر بہت خوشگوار ہو جاتا ہے۔ خط نگاری کے ان اچھے اصول سے بے اعتنائی کا ایک بڑا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ جدید زمانے میں عام بلکہ بعض اوقات پڑھے لکھے لوگ بھی خط کے آداب سے نہیں جانتے اور عام خطوں میں جو شائستگی، فرق مراتب، ادب احترام یا درجے و رتبے کا لحاظ نہیں رکھا جاتا سبب اس کا یہ ہے کہ اب لوگ اس تربیت سے محروم ہو گئے ہیں جو پرانے زمانے میں

---

1 The personal Art - Edited by Phulip Wayne vii

و مکاتیب کے لئے ضروری سمجھی جاتی تھی بہرحال القاب، مرتبے اور خطاب کا سوال بڑا اہم سوال ہے۔ جب اس میں فرقِ مراتب ملحوظ
نہ ہو تو جذبات و احساسات کے وہ گوناگوں اور لطیف، نازک رنگ کس طرح باقی رہ سکتے ہیں، جو کسی "ناموردان" مہذب اور
شائستہ سوسائٹی میں از خود بخود نظر آتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ یہی معاشرت کی بہار ایسی رنگ برنگ پھولوں اور گلوں سے
فروزاں ہے یہ صحیح ہے کہ قدیم خط نگاری میں رفتہ رفتہ القاب کی یہ رسم تکلفات لایعنی کے دائرے میں داخل ہو گئی تھی مگر موجودہ
بے رنگی، فرقِ مراتب سے بے نیازی کی بعض اوقات بدخلقی اور درشتی تک جا پہنچتی ہے ——— میرے نزدیک یہ چیز یا تو تہذیبی
مزاج کے بگاڑ کا نتیجہ ہے یا استعداد و لیاقت کی کمی کا ——— صورت جو بھی ہے یہی عنوان مکتوب نگاری ذہنی ابتری اور نفسی
خلفشار کا ثبوت پیش کرتی ہے۔

ذوقی خط میں خاص اسالیب اور موزوں القاب و آداب و تخاطب و کلام کی مختلف صورتوں کا لحاظ ہی خط کو بے تکلف پیغام
بار رسی کی جیتی جاگتی گفتگو سے فائق تر اور ممتاز تر بناتا ہے۔ ان آداب و رسوم سے خط کے وقار اور حسن میں اضافہ ہوتا ہے بشرطیکہ ان
میں سادگی اور خلوص رہ جاتا ہے ورنہ تصنع کاری، بازاری اور سطحی انداز کے تملق کے علاوہ خط کو اس کی سپرٹ سے بھی محروم کر دیتا ہے جو کہ
خلوص و دلنشینی ہے۔

مشرقی خط نگاری کی تاریخ میں حسنِ صورت کے لئے کیا کیا کچھ اہتمام کئے جاتے تھے اس کی سرگزشت بہت طویل ہے۔ یہ
سرگزشت بھی دراصل تہذیب کے مختلف ادوار کی تمدنی مزاج کی تفصیل سے وابستہ ہے ——— مجھے خطوط کے مختلف ارتقائی
ادوار میں عجیب عجیب تبدیلیاں ابھرتی نظر آتی ہیں اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابتداً خط نگاری میں سادگی، ایجاز و اختصار خط نگاری
خلوص اور مناسبت و موزونیت کے اوصاف کو خاص اہمیت دی جاتی تھی مگر تہذیب میں تکلف کا رنگ جتنا جتنا بڑھتا گیا اسی
قدر خطوط میں بھی تکلف اور رنگینی کا عنصر زیادہ ہوتا گیا۔ طویل سرنامے، لمبے القاب و آداب، طرزِ تخاطب میں بناوٹ اور تصنع اور
"دفتریت" کے آثار نمایاں ہوتے گئے ——— جن کا خاتمہ اس اسلوب پر ہوا جس کو غالب نے "محمد شاہی روشوں" کا نام دیا ہے۔
یہ روش دراصل محمد شاہ کے زمانے تک محدود نہیں بلکہ اس کا سلسلہ عربی ادب کے "دورِ مصنوعیت" سے جا ملتا ہے جس کے اثر میں
کم و بیش سارا ہی فارسی انشائی ادب مدتوں ڈوبا رہا ——— مصنوعیت کا ایک سبب دفتریت کا غلبہ تھا جس نے خط نگاری کو بری
طرح متاثر اور مجروح کیا اور اس کو بے جا تکلفات کے راستوں پر ڈال دیا ——— گویا عام خط نگاری بھی ترسل (دفتری انشاء) کی
غلام ہو کر رہ گئی ——— مکاتیب بجائے شخصی و کاروباری چیز نہ رہی بلکہ رنگین نثر کی ایک شاخ بن گئی۔

ہندوستان کے فارسی ادب میں ترسل کا ادبیت ممتاز ہدایت نامہ اعجازِ خسروی ہے۔ یہ بھی سادگی سے زیادہ تکلف
اور رنگینی ہی کی تحریک کرتا ہے ——— کلام میں (بشمول خط) رنگینی کو بڑی اہمیت دیتا ہے ——— اور کہتا ہے کہ رنگینی کا ذائقہ
ترکوں کو خاص طور سے عطا ہوا ہے۔ مگر یہ رنگینی بھی ایک خاص مرحلے کے بعد خاتمہ بدذوقی کی رنگینیوں میں ڈوب جاتی ہے ——— خسرو
کے بعد فن انشا کے اکثر ماہرین اسی رنگینی سے متاثر رہے۔ البتہ ابوالفضل نے خط نگاری کو ایک نئے انداز سے آشنا کیا جس
کو رنگین تو نہیں کہا جا سکتا۔ مگر اس کو دقیق اور پیچیدہ ضرور کہا جا سکتا ہے اور ہر چند کہ اس کے بھی خطوط جو اس کی انشا کے

دوسرے رقعے میں جو سرکاری و دفتری خطوں سے سہل تر ہیں ذہن کے دقیق ہونے میں شک نہیں ان میں گہرا انفرادی رنگ پایا جاتا ہے لیکن جو بناوٹ بالکل موجود نہیں وہ ابوالفضل کی عظیم شخصیت کے قلم سے نکلے ہیں۔ اور شخصی جزئیات و معاملات کا کثیر عنصر ان میں پایا جاتا ہے اسی لئے ابوالفضل کے خط ادب العالیہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ فارسی میں اور بھی بڑے بڑے انشاپرداز خط نگار ہو گذرے ہیں مگر یہ مضمون جو نگارش اردو خط نگاری سے متعلق ہے اس لئے اس میں ان سب کے تذکرے اور تبصرے کی گنجائش نہیں ہے — سرسری طور پر البتہ اورنگ زیب عالمگیر اور چندر بھان برہمن کا تذکرہ بے محل نہ ہو گا جن کا تعلق ہندوستان کی خط نگاری سے ہے ان دونوں مکتوب نگاروں کی خط نگاری کا امتیاز خاص یہ ہے کہ ان میں سادگی، سلاست اور مدعا نگاری کا عنصر بھی ہے اور ان میں مکتوب نگار کی شخصیت کا انفرادی رنگ بھی پایا جاتا ہے خصوصاً اورنگ زیب کے خطوط تو ادب میں ایک درجہ خاص مقام رکھتے ہیں کہ ان میں مدعا نویسی کے باوجود ادبی شان اور بلاغت کا کمال پایا جاتا ہے۔ برہمن کے خطوں کی بات یہ ہے کہ تکلف اور رنگینی کے رواج عام کے باوجود اس نے خطوں میں سادگی اور مدعا نگاری کو مقدم رکھا۔ اس کے علاوہ اس کی انشا میں معصوم، نرم و ملائم اور تہذیب یافتہ لہجے کی چاشنی ہے — خط کے فن پر اس کو خاص قدرت معلوم ہوتی ہے۔

انیسویں صدی کے وسط میں جب فارسی کی درباری حیثیت کو زوال ہوا اور اردو نے اس کی جگہ لے لی تو اردو میں مراسلت کا رواج زیادہ ہو کر بڑھتا گیا اور اب عام خط و کتابت، انگریزی کے علاوہ اردو ہی میں کی جاتی ہے۔

اردو خط نگاری کا دور اولین دور فارسی انداز سے متاثر تھا — وہی القاب و آداب، وہی سرنامے، وہی عنوان، وہی اختتامیے، وہی رنگ انشا، وہی وہی تکلف، وہی رنگینی کہ انیسویں صدی کے ربع اول میں سادگی کا کچھ کچھ میلان پیدا ہوا چنانچہ انشائے بے خبر سے ظاہر ہوتا ہے — نئی طرز کی ایجاد کا سہرا صحیح معنوں میں غالب کے سر ہے ۱۸۴۷ء کے لگ بھگ انہوں نے نئے انداز میں خط لکھ کر اردو میں نہ صرف مکتوب نگاری کی طرز نو نکالی بلکہ خود اردو نثر کو بھی ایک جدید طرز نگارش سے آشنا کیا۔

مرزا غالب کے خطوط اردو خط نگاری کی تاریخ میں منفرد امتیازات کے حامل ہیں۔ ان میں مرزا کا رنگ طبیعت بلکہ نجی اور پرائیویٹ زندگی کے انعکاسات بھی تمام رعنائی لئے ہوئے ہیں — ان سے پہلے خطوں میں خلوت کی زندگی کے اشارات کبھی آتے بھی تھے تو چھپاں اور رمز کی زبان میں آسکتے تھے — اس کے باوجود ایسے خط شاید ہی کبھی محفوظ رکھے گئے ہوں جن میں کسی کی نجی زندگی کا کوئی ایسا پہلو آتا ہو گا جو قابل اخفا ہو — مرزا غالب نے اس رسم کو ترک کر کے اپنی زندگی ہی میں اپنے خطوط شائع ہوتے دیکھے اور ان میں دلچسپی لی۔ یہ وہ خط تھے جن میں ذاتی معاملات اور عام مطالب کے علاوہ ان کی زندگی کے ہر قسم کے حالات ملتے ہیں یہاں تک کہ ان کی مے نوشی اور عشق بازی کے تذکرے بھی ملتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ان میں ان حالات کے اعترافات کی وہ نہیں پائے جاتے جس طرح مثلاً ہم مغرب کے بعض لوگوں کے خطوں میں دیکھتے ہیں پھر بھی پردہ داریوں کے اس دور میں مراسلت کی یہ "بے پردگی" بھی بڑی جرأت کی بات ہے۔ غالب کے اکثر خطوط کاروباری "معاملاتی" تحریک سے زیادہ خط نگاری کے ذوق سے لکھے گئے ہیں — ان کے خطوں میں ہم کلامی کی وہ بے کراں آرزو موجزن ہے جو کسی طور تسکین نہیں پاتی، ور ایسا

معلوم ہوتا ہے کہ ان کی فطرت کی حساس صنف شعر کی حرارت کی تشفی نہیں پاتی تو وہ نثر میں اپنی آرزو مندی کے شعور کو ڈھونڈنے نکلتے تھے یہی تشنگی اور کمی، جیسے دستاویزِ حیات کی ورق گردانی پر مجبور کرتی تھی وہ بیت تنگنائے غزل ہے، اتا جا سکتے تو تنہا ہے نثر کی مساحت زیادہ ہے ـــــ شعر کے مقابلے میں نثر میں جزئیات و تفصیلات کے تذکرے کی زیادہ گنجائش ہوتی ہے ـــــ اور غالب کو اپنی آرزو مندیوں کے اظہار کے لئے تفصیل مطلوب تھی۔ غالب کے خطوط ان کے لئے رفیقِ تنہائی کی حیثیت رکھتے تھے، وہ انہی سے دل بہلا سکتے تھے

غالب کی شاعری میں خط کے متعلقات کے بارے میں بڑے مطلب خیز اشعار ملتے ہیں۔ ان کا مطالعہ ان کی خط نگاری کے ذوق پر بھی روشنی ڈالتا ہے ان سے ایک صاحبِ فن خط نگار کے میلان اور نفسی کیفیتوں کے عجیب عجیب راز کھلتے ہیں اور ان مسرتوں کا بھی اندازہ ہوتا ہے جو اس عظیم خط نگار کو اپنے اس رفیقِ زبان کی صد رنگ گویا باتوں کے ذریعے حاصل ہوتی تھیں۔

غالب سے اردو خط نگاری میں کیوں کر اسلوب پیدا ہو سکے۔ اس کے متعلق غالب شناسوں نے بہت کچھ لکھا ہے غالب نے خود بھی اپنی خط نگاری پر تبصرے کئے ہیں ـــــ ان کی خط نگاری کی اہم بات محض تفصیلات کا جذباتی ذکر ہے۔ مکتوب الیہ کی تاریخ و وقت کا بھی خاص خیال کرتے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ میں نے مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے اور ہجر میں وصال کے مزے لے رہا ہوں۔ ایک خاص زمانے کے بعد انہیں یہ شعور بھی ہو چلا تھا کہ لوگ ان کے خطوط میں دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر اس احساس کا ان کے خط کے بے تکلف انداز پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ ان کے انداز خط نگاری نے کردار نگاری اور شخصیت نگاری کے لئے بڑے اچھے نمونے یادگار چھوڑے ہیں ـــــ چارلس لیمب کی طرح ان کے خطوں میں بھی مہر و محبت اور مہمان داری کے خوش گوار اثرات پائے جاتے ہیں۔ کہیں کہیں خود ستائی اور خود انتقادی بھی ہے۔ اس سے ان کے مخاطب خط کے کرداروں سے اچھی طرح ادب کا رشتہ پایا ہے کہ ان بن جاتے ہیں۔

غالب کے خطوں کی مقبولیت سے اردو خط نگاری کو ایک معین ادبی رتبہ حاصل ہوا۔ ان کے بعد خوش مذاق خط نگاری نمونوں کے ہوتے ہوئے تقلید کرتی نظر آتی ہے ـــــ البتہ سرسید کا رنگ، اپنے سرسید کی ادبی تحریک اور ان کے شخصی رنگ خط نگاری نے بھی خاص حد تک اردو خط و کتابت پر اثر ڈالا۔ سرسید جس طرح نثر میں مدعا اور مقصد کے حامی ہیں اسی طرح خط نگاری میں بھی مقصدیت کے علمبردار ہیں۔ انہوں نے مضامین تہذیب الاخلاق میں خود بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ وہ صرف کام کی باتیں کہنا چاہتے ہیں اور عبارت آرائی، تکلف، اطناب بے مقصد سے احتراز کرتے ہیں ان کے خطوط ان کی عام نثر کے مقابلے میں زیادہ شگفتہ ہیں ان میں قدرے ایجاز بھی مدنظر رہتا ہے (اور یہی ان کی عام نثر میں نہیں) خطوں میں ظرافت اور شگفتگی شخصی چسپیدگی کا پیرایہ ہے تفصیل کو پسند کرتے ہیں اور اپنی تحریک کے معاملات میں بھی جوش و خروش اور طولِ کلام کو روا رکھتے ہیں جو مثلاً تہذیب الاخلاق کے مضامین میں ہے۔ ان کے خطوط اور مضامین کے درمیان کچھ مسافت ہے مگر زیادہ نہیں کیونکہ ان کے خطوط بھی پیغام کی حد سے متجاوز ہو کر تبلیغ و خطابت تک جا پہنچتے ہیں ـــــ بہرحال یہ مسلّم ہے کہ سرسید نے اردو خط نگاری کو مضمون کی قطعیت زبان کی سادگی اور تخاطب کے خلوص سے آشنا کیا ـــــ اور یہی چیز ان کے اکثر رفقا کے خطوں میں پائی جاتی ہے ـــــ مگر

ان کے خطوط میں تخلیہ کی فضا کچھ زیادہ نہیں ان میں "تنہائی" کا ماحول کم اور ہنگامۂ زندگی کا شور و غوغا زیادہ ہے کیونکہ یہی ان کی زندگیوں کا عام رنگ تھا۔ ان کے خطوں میں "نجیت" اور رازیت کا ماحول بھی کچھ زیادہ نہیں — ان خطوں کا مخاطب کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ زید، عمر، بکر — خصوصیت کی دعا کمزوری ہے۔ البتہ ان جذبوں کی کمی نہیں جن کی ارفع ترین صورت اعلیٰ مقاصد اور اعلیٰ اقدار کے جوش سے پیدا ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اعلیٰ مقاصد کی پیش رفت اور اعلیٰ اقدار کی خدمت گہری دلداریوں کے پیچھے اور پائیدار روابط کے بغیر ممکن نہیں — چنانچہ ان کی زندگیوں میں بھی کئی ایسے رشتے آ جاتے ہیں جب انہیں اپنی روحانی تنہائیوں کے اندر لطف گمی اور دلدہی کی اپیل کرنی پڑ جاتی ہے — یہی وہ انسانیت پروری ہے جو ان کی خط نگاری کو بہرحال قابل توجہ بنا دیتی ہے۔

دور سرسید کے مکاتیب کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں ان میں سرسید، مکاتبات الخلان کے علاوہ محسن الملک وقار الملک کے خطوط، شبلی کے مکاتیب (خطوط)، حالی کے مکاتیب، خطوط اکبر الہ آبادی کے مختلف مجموعے ہیں قابل ذکر ہیں — ان سب میں شبلی کے مکاتیب اپنی تازگی، طرفگی، ندرت، ایجاز اور اپنے آشنایانہ دخن گسترانہ انداز کے باعث مستقل قدر و قیمت کے مالک ہیں۔ ان میں مقصد کا وجود، پیغام کا اختصار تو ہے ہی مگر مخاطبوں کے رتبہ و مقام کا لحاظ، ان کے جذبات و نفسیات کا پورا پورا شعور بھی موجود ہے — سرسید کا دور اپنے بے تکلف اندازِ بیان کے لئے امتیاز رکھتا ہے — طرزِ بیان میں احساس کی لطیف روح اگر کہیں جلوہ گر ہوئی ہے تو شبلی کے خطوط و مکاتیب میں ہوئی ہے ان کے خطوط میں ذوق و شوق اور دل و دماغ کو سیراب و شاداب رکھنے کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے — کچھ اس طرح معلوم ہوتا ہے جیسے ان کا ہر خط ایک زعفران کا پھول ہے۔ جس میں باغ فردوس کی خوشبو ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ ان کے خط بالکل مختصر ہوتے ہیں — ایجاز نویسی شبلی کی تحریر کا خاصا ہے مگر جو ایجاز ان کے خطوط میں ہے اسے کرامت اعجاز ہی کہا جا سکتا ہے۔ ان کی مکتوب نگاری فرصت و وقت گزاری کا مشغلہ نہیں۔ ان کا ہر خط کسی جلیل یا جزیل مقصد سے وابستہ ہے ان کے خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت کی اہمیت جانتے ہیں اور اس کی قدر کرتے ہیں۔ چنانچہ زندگی کا ایک لمحہ بھی ان کے نزدیک رائگاں نہیں اسی تناسب سے ان کے خط کا ہر ایک لفظ بھی بے کار، بے ضرورت نہیں بچتا۔ [illegible] ضروری ضروری مگر اس میں عجب طرح کی تاثیر ہوتی ہے اور ان کے جملے خود بھی ایسی شکلیں ملتی ہیں گویا کسی نے کوئی دلچسپ داستان مدتوں ورق پڑھ ڈالی — ایک ہی جھٹکے سے فقرے سے، ایک ہی مصرعے سے، ایک ہی استعارے یا ترکیب سے، ایک ہی طنزیہ چھیڑ سے، ان کا خط لذتوں سے معمور ہو جاتا ہے

شبلی کے مناسب کچھ کہتے ہیں مگر ان کی اپنی ذات کچھ ملفوف سی رہتی ہے۔ جھلک تو ہے مگر پھول پر نظر نہیں پڑتی شبلی کے خطوں میں جذباتیت بھی ہوتی ہے مگر ایجاز کی برکت سے ان کی جذباتیت ناگوار اور بدنما نہیں ہونے پاتی ان کے حلقے میں خود لا ان کے خطوں میں زور و اختلاطی کا رنگ نہیں مکتوب الیہ سے ذرا ہٹ کر بیٹھتے ہیں —

دور بیٹھا غبارِ میر اس سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

ان کے عام خطوط علمی و تنظیمی موضوعوں پر ہیں، مگر جہاں اپنائیت اور شفقت، محبت کا رنگ ہے، وہاں بھی قدرے بالواسطہ کا انداز ہے۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ شبلی کی بالواسطگیاں بھی کچھ بہت بھلی محسوس ہوتی ہیں — پھر ان کے خطوں میں خصوصیت زیادہ ہے۔ مکتوب الیہ کے متعلق خاص باتیں زیادہ ہوتی ہیں اس لئے عمری انداز میں وہ سب لوگوں کو ان کے مطالعہ سے ہماری انسانی رفاقتوں کی مسرتیں ذرا کم ہی میسر آتی ہیں مگر خطوں کی زمین اتنی ملائم اور شاداب ہوتی ہے کہ سارا خط ایک قدرے کھلا معلوم ہوتا ہے۔ مخاطب کے ذوقی تقاضے بھی اتنے مدنظر رہتے ہیں کہ خطوں میں مکتوب الیہ کے لئے تلخی بھی ہو تو بھی ہم سب کے لئے بڑے مزے ہیں — بعض بزرگوں نے خطوطِ شبلی کے حساب کو شبلی کی اخلاقی کمزوری کا ثبوت بہم پہنچایا ہے مگر یہ بھول گئے کہ ہوا ملنے کا ایک خاص مذاق ہوتا ہے یہ شبلی کی خوش قسمتی تھی کہ ان کو زمانہ اچھا ملا — کیونکہ موجودہ زمانے کو تو شبلی کی یہ ادا کچھ اور بھی اچھی لگی۔ بالفرض اگر کوئی اور زمانہ ہوتا تو شاید شبلی کے یہ بازاں کی رسوائی کا سامان بنتے بناتے جاتے — مگر اس دور میں تو یہ سب لقابیاں اور بے جابیاں رنگین مزاج شبلی کے قصے کو کچھ اور بھی رنگین بنا گئیں! اور سچ تو یہ ہے کہ یہ خطوط بھی چھپے تو بھی شبلی کی جذباتی تشنگی کے راز تو "شعر العجم" کے اندازِ بیان سے ہی کھل جاتے ہیں۔ اس لئے "شعر العجم" کا مصنف اگر خطوطِ شبلی کا ہیرو بھی نکلا تو چنداں تعجب نہ ہوا۔

گرچہ ہے طرزِ تغافل پردہ دارِ رازِ عشق
پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

رشید کے گروہ میں حالی کے خطوط بھی ان کی سادہ اور متوازن شخصیت کے آئینہ دار ہیں۔ ان کے خطوط میں خوش مذاقی اور مدعا نگاری کا پُرلطف آمیزہ موجود ہے ان میں شخصی ادعا کم ہے۔ مکتوب الیہ کا لحاظ زیادہ نمایاں ہے۔ حالی کے خط ان کی ذات سے زیادہ ان کے مکتوب الیہ کے حالات اور ذہنی کوائف پر روشنی ڈالتے ہیں۔ صاف بیانی اور تطبیق، سادگی کے ساتھ آمیز ہو کر ان کے خطوط کو حسن و اعتبار دیتے ہیں — بعض ناقدوں نے حالی کے مزاج کی خشکی کا گلہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے خط پڑھ کر مکتوب الیہ کو اطمینان بخش پیغام تو مل جاتا ہے مگر دل میں جوش پیدا نہیں ہوتا — لیکن اس سے انکار نہ ہوگا کہ حالی کے خطوں کے مطالعہ سے ذہنی کشادگی اور وسعت کی ایک فضا ضرور پیدا ہوتی ہے — ان کے خط دوسروں کی ذاتی ملکیت بن کے محدود نہیں رہتے بلکہ وہ نفعِ عام ذوقِ عام کی چیزیں بن جاتے ہیں — حالی کے خط دراصل مرثیہ کی طرح محض مقصد کے جذبے سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں غالب کی سی آورد سے کم گلائی، اور شبلی کا سا جوشِ جذبات نہیں جس کا محرک رفاقتوں کے جذبات اور تقاضوں کی آبیاری سے ہوتی ہے حالی کی زندگی ہی ایک ایسی جوئے نرم رو سے مشابہ ہے جس کی موسیقی کی دھنیں نہایت نرم اور مدھم سی رہا ہیں۔ حالی کے مزاج کا توازن ان کے خطوں میں کم منعکس ہوا ہے۔ ان کے یہاں خود نمائی نہیں — ان کے خطوط میں حقیقت کی پُرخلوص سادہ بیانی ہے — انہوں نے خط کو ذہن کا تماشا بنایا ہے زندگی کا پردہ یعنی ان کے خطوط میں نہ

سن محض خط ہی جو اپنا اصلی فرض (مدعا کا ابلاغ) نہایت اچھی طرح انجام دیتے ہیں۔ وہ اس سے زیادہ حالی کا ان سے کوئی مطالبہ بھی نہیں۔ نہ ہم اس سے زیادہ ان سے کوئی مطالبہ کر سکتے ہیں۔

سر سید کے زمانے سے لے کر ۱۹۱۴ء تک کے دور تک کے کئی اکابر کے مکاتیب مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں ہر رنگ کے لکھنے والے اور ہر مزاج کے خط نگار سامنے آ سکتے ہیں۔ ان میں داغ دہلوی، امیر مینائی، شوق قدوائی، ریاض خیر آبادی، سید ناصر علی وغیرہ کے خطوں میں جدا جدا انداز ہیں، وہ جدا جدا مسرتیں ملتی ہیں۔ ان میں سے بعض ادبیت پر زور دیتے ہیں بعض شخصی جزئیات کے اظہار کو مد نظر رکھے رہے ہیں بعض مکتوب الیہ کے پاس خاطر اور دل جوئی کو باقی ہر شے پر مقدم جانتے ہیں۔ ان سب میں ایک خصوصیت مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ان سب میں رنگ قدیم کی جھلک نظر آتی ہے۔ یعنی وہ ذرا تکلف، آرائش و آرائش کا خاص خیال، شخصی جزئیات کم، ادبی ذوق کی زیادہ، استعمال شعر کا برمحل مگر فراواں استعمال، مکتوب الیہ کے رتبہ کا خاص لحاظ اور اپنے سے زیادہ اس کی دلداری اور فرحت کا خیال، پھر یہ خاص کوشش کہ خط کا کوئی لفظ ذکر و خطاب یا ترکیب موزوں کی سند تک بھی چوک نہ جائے ــــ وہ یہ قدیم مجلسی اخلاق کا بنیادی عقیدہ تھا ــ

اگر چہ عطا بینی ، بخشندہ
زہی ہیچ کس عاجز تر از خویشتن

اس دور میں البتہ القاب و آداب میں نیا رنگ آ گیا ہے یعنی ان میں اختصار پیدا ہو گیا ہے اور اختصار جیسے کہ میر مہدی صاحب کے اندر ہیں، میر مینائی اپنے مختصر القاب میں کبھی کبھی سجع و رعایت کا اہتمام کرتے ہیں۔ مگر پر لطف طریقے سے مثلاً سعادت ضمیر، پیارے ضمیر یا عزیز از جان منشی ضمیر حسن وغیرہ۔

اس دور کے خط نگاروں میں ریاض خیر آبادی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ــــ ریاض کے خطوں میں ان کی اپنی شخصیت کے ماضی جھلک دکھتے جاتے ہیں۔ کہیں کہیں غالب کی سی بذلہ سنجی ہے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

"برادر کی طرح سے یہ پرورش کیا کم ہے کہ دونوں وقت پیٹ بھر کر کھاتا ہوں اور دن رات دعائیں دیتا ہوں یہ مستزاد بر آں کہ اللہ نے آپ سے محبت والے کو جو بے آس کا مدعا بنا یا ہے۔ آپ کی ہر چیز کو اپنی چیز سمجھتا ہوں اور خوش رہتا ہوں۔ آپ کو دیکھ کر سب فکریں دور ہو جاتی ہیں۔ انشاء اللہ ...."

اس اقتباس میں سامنے "مستزاد بر آں کہ" کے سوا باقی کسی قدر غالب کے تیور ہیں۔ ان کے خط عموماً مختصر مگر جچے ہوتے ہیں اور ضرورت پڑے تو مناسب طول بھی اختیار کر جاتے ہیں۔ لمبے خطوں میں طبیعت کچھ زیادہ ہی کھلتی دکھائی دیتی ہے۔ ان میں ادبی چاشنی کچھ زیادہ تیز ہے ــــ مکتوب الیہ سے زیادہ وہ اپنی طرف متوجہ ہیں، ہاں کبھی کبھی جو خیال آ جاتا ہے تو ایک آنکھ اس کی طرف بھی دیکھ لیتے ہیں۔ وہ شعر کا استعمال کرتے ہیں۔ مگر جب کرتے ہیں تو برمحل۔

اکبر الہ آبادی کے خطوط عجیب بھی ہیں اور مختصر بھی۔ اختصار کی خشکی ظرافت سے، اور اکثر موقعوں سے اچھے اچھے اشعار سے دور کر جاتے ہیں ــــ ایک خط ملاحظہ ہو۔

برادرم سلمہ اللہ تعالیٰ

افسردگی طبع روز افزوں ہے۔ شاید کچھ کہا بھی ہو تو یاد نہیں ؎

پہلے تنہائی سے گھبراتا تھا میں
زندگی سے اب تو گھبرانے لگا

ارادہ ہے کہ آخر اگست میں لکھنؤ میں حاضر ہو جاؤں

آپ کی محبت اور یاد آوری کا ممنون

اکبر

جوانی کے خط نسبتاً لمبے ہیں مگر عموماً اختصار پسندی کی طرف میلان ہے ــــ ایسا معلوم ہوتا ہے خط محض مجبوری سے لکھتے ہیں۔ خط ان کے لئے جذبات کی "رہائی" کا نام نہیں۔ یہ کام وہ اپنی شاعری سے لیتے ہیں اور اسی کو کافی سمجھتے ہیں۔ البتہ جہاں بحث و مذاکرہ کی نوبت آ جاتی ہے تو استدلال کی تکمیل اور مخاطب کی تشفی کے لئے طول نویسی سے بھی دریغ نہیں۔ چنانچہ خواجہ حسن نظامی کے نام ان کے خطوط معمول سے زیادہ طویل ہیں۔ اس دور کے باقی خط نگاروں کی بھی اپنی اپنی خصوصیات ہیں مگر یہ مضمون ان کی تفصیلات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

جنگ عظیم اوّل کے بعد ذہن و فکر نے جو نئے انقلاب قبول کئے ان سے خط نگاری بھی متاثر ہوئی۔ یہ دور ۱۹۲۶ء تک قائم رہا۔ اس زمانے میں سرسید کے دور کی کلاسکی منطقی اور افادی روح کے خلاف ایک جذباتی رومانی رد عمل ہوا اس کے بڑے علمبردار ابوالکلام اور اقبال تھے۔ اس زمانے میں جداجدا حیثیتوں سے مہدی الافادی، نیاز فتحپوری، سید سلیمان ندوی، عبدالماجد دریابادی، رشید احمد صدیقی اور کئی دوسرے اہل قلم بھی شامل ہوتے گئے البتہ سرسید کا رنگ بھی کہیں کہیں قائم رہا۔ اس رنگ کے سب سے بڑے نمائندہ ادیب اور خط نگار مولوی عبدالحق ہیں۔

اگر اس دور کی خط نگاری میں منفرد صاحب طرز مکتوب نگاروں کے انتخاب کی اجازت ہو تو مندرجہ بالا اکابر میں سے صرف ابوالکلام آزاد اور مولوی عبدالحق ہی کا انتخاب ممکن ہو سکے گا ــــ مہدی، نیاز، سید سلیمان اور عبدالماجد کے خطوط میں بھی انفرادیت کے نقوش پائے جاتے ہیں۔ اور ان کے ممتاز ادبی خصائص کا عکس ان کے خطوط میں بھی موجود ہے مگر سابق الذکر دو بزرگوں کی خط نگاری فن کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ خصوصاً ابوالکلام آزاد کی مکتوب نگاری اختصاص کے اس نقطۂ عروج پر پہنچی ہے جہاں ادب کی بین الاقوامی سرزمین نمودار ہو رہی ہے ان کے خطوط کا جو سلسلہ "مکاتیب ابوالکلام" کے نام سے ادبستان لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس میں بعض خطوط ۱۹۰۷ء کے بھی ہیں (ایک سلسلہ کاروان خیال بھی ہے) ان خطوط میں ابوالکلام کے اس دور کی شخصیت جلوہ گر ہے جس میں ان کا جوش حیات عنفوان عالم شباب میں تھا۔ اور ان کی تحریر کا دریا بھی چڑھاؤ پر تھا ــــ الہلال (دور اوّل) کے انداز ان کے ان خطوں میں نمایاں ہیں۔ جوش، اغرابت، کہیں سادگی، کہیں اغلاق، اختراع و ایجاد، الفاظ و معانی ــــ عربیت، ناصحانہ طرز تخاطب، مولوی کے اشعار، قرآن و حدیث کے اقتباسات، فارسی کے اشعار نغز ــــ جذباتی خطیبانہ اور

ہیجانی طرزِ بیان، نثر کی شعریت، خیال کی رنگینی ـــ مخاطب کو اپنے سادہ انداز تکلم کے طلسم سے مبہوت رکھنے کے ڈھنگ ـــ غرض غالب ابوالکلام کی بھی سحر آفرینیاں ان کے مکاتیب میں موجود ہیں ـــ ان کے سوانی کاروباری اور معاملاتی خانگی کاروباری معلوم نہیں ہوتے ـــ ان میں بھی بےتکلفی، دلی گرمی اور مخاطب سے لگاؤ کی صفات پائی جاتی ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی خط نگاری کو "غبار خاطر" کے خطوط سے بڑی شہرت حاصل ہوئی ـــ یہ خطوط ۱۹۴۶ء میں منظرِ عام پر آئے اور اس وقت سے متعلق ہیں جب مولانا قلعہ احمد نگر میں اسیرِ زنداں تھے ـــ ان کا مخاطب گو بظاہر مولانا حبیب الرحمان خان شروانی ـــ مگر ان خطوں کے مطالب خصوصیت کی تنگ نائیں محدود نہیں کیے جا سکتے ـــ ان کا مخاطب ماضی و حال و مستقبل کا ہر قاری ہے ـــ وہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ خط نگار خود ہی اپنا مکتوب الیہ بھی ہو ـــ بہرحال یہ خطوط بہت مقبول ہوئے ان کی قبولِ عام کا راز ایک لحاظ سے تذکرہ اور الہلال سے بھی زیادہ نکلا اس کا سبب یہ ہے کہ ان خطوط میں ابوالکلام کے لطیف ترین نقوش ملتے ہیں ـــ وہ شخصی رنگ جو ان کی دوسری تحریروں میں چھپ چھپا کر رونمائی کرتا تھا اب اس کو قلعہ احمد نگر کی تنہائیوں میں کھلنے کا خوب خوب موقع ملا ـــ ان کی دوسری تحریروں میں گل و بلبل یا حمزہ و گل کے ساتھ خار و خس بھی کھٹکتے ہیں۔ جوشِ خطابت اور زورِ کلام کے سیلاب میں جو کچھ سامنے آتا ہے مرجوں کے پردوں پر اڑتا ہوا نظر آتا ہے مگر غبار خاطر میں گل ہی گل ہیں۔ یہاں آزاد کی شخصیت کا باغ سدا بہار ہے یہاں بات کا انداز نسبتاً سادہ، بیان دلنشین، آرائشِ بیان، خوش مذاق گفتگو کرنے والے کی مشفقانہ کہانی کی طرح کی دلچسپی ـــ اس میں جا بجا خیالات فارسی سے لائے ہوئے اشعار، بہترین و منتخب اشعار جن میں انسانی ذہن و فکر اور دانش و بینش کا خلاصہ سمٹ آیا ہے، سبحان اللہ!
اگر یہ غبار خاطر ہے تو پھر سیمِ گل کس بلا کا نام ہے

غبار خاطر کہنے کو خطوط کا مجموعہ ہے مگر ان کا صحیفہ ... والا مصرعہ بتا رہا ہے کہ ان کو خط کہنے میں بھی تامل ہوتا ہے۔ یہ خطوط شخصی اور خیالیہ EASSAY ہیں جن میں زیادہ تر اپنی ذات مرکزِ توجہ ہے۔ ان میں کاتب خط مخاطب کے لیے اپنے ماحول کے متعلق بہت کچھ سیراب و شاداب معلومات بہم پہنچاتا ہے۔ مگر ایسی جگہ میں مکتوب الیہ کے متعلقات نہ ہونے کے برابر ہیں ـــ بس اپنی ہی شخصیت اور ماحول کی رنگین اور خیال انگیز تصویر کشی ہے ـــ غالب کے یہاں بھی اس قسم کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔ مگر غالب ایک باقاعدہ خط نگار تھے۔ یعنی ان کے لیے سلسلہ مکاتبت تفریح سے بڑھ کر فن اور فن سے کہیں بڑھ کر زندگی تھا ـــ ان کے خطوں میں مکالمہ، ہم کلامی یا ہم کلامی کی آرزو ہے ـــ ابوالکلام کے خط خود کلامی کے سرچشمے سے فیض یاب ہوتے ہیں ان کو کسی خاص مکتوب الیہ کے سہارے کی ضرورت نہیں ـــ ابوالکلام کے خطوط کے جتنے مجموعے نظر سے گزرے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالکلام خط نگاری میں دو باتوں کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ اول یہ کہ وہ مختصر خط کی بے ذوقی اسی وقت اختیار کرتے ہیں جب کوئی راہِ فرار نہ مل سکے۔ ان کے اکثر خط صاحبِ طول کے مالک ہیں ـــ دوسری بات یہ کہ آپ کے نزدیک خط محض ابلاغ میں سے ایک لطیف ترین فن ہی نہیں بلکہ وہ اسے اعلیٰ درجے کے مجلسی ذوق اور حسنِ معاشرت کا نمائندہ بھی سمجھتے ہیں ـــ مولانا ابوالکلام کا سوزِ تنہائی اور خلوت سے ان کی محبت کا راز تو سبھی کو معلوم ہے مگر وہ اس تنہائی سے خط کے جب کدے میں جب نکلتے ہیں

چمک نہیں جو عام قاری کے لئے لذت آفریں ثابت ہو سکے مگر سادہ بیانی اور لطیف نکتہ آفرینی کے سبب ان کے خط پڑھنے کے قابل ہوتے ہیں۔ تفصیل کے وہ بھی شیدائی ہیں اور جزئیات پر خاص نظر رکھتے ہیں۔

۱۹۳۶ء کے بعد ملک میں حقیقت نگاری اور نفسیات کے مطالعہ کا جذبہ بیدار ہوا۔ اس کے زیر اثر خط نگاری کے آداب و رسوم نے بھی ایک نئی کروٹ لی۔ اس نئے ماحول میں جن لوگوں کے خط منظر عام پر آئے ہیں ان میں واقعیت خاص طور سے ملحوظ ہے اور خود کو چھپانے کا جو انداز اس سے پہلے خطوں میں چلا آتا تھا، اب وہ ترک ہوتا گیا۔ اور صاف گوئی کا میلان عام ہو گیا۔ آداب و القاب میں بھی ایک گونہ آزادی برتی جانے لگی۔ اور بعض اوقات تو عمر و رتبہ کی رعایات بھی ترک ہو گئیں۔ خطوں میں قدیم وضع داریوں کے خلاف اس دور میں کامل بغاوت نظر آتی ہے۔ اس دور کے خطوط میں اس زمانے کی اضطرابی اور پریشاں خیالی کے پورے آثار موجود ہیں عام طور سے خطوں میں نظم اور اہتمام کی کمی ہے۔ اور ادبیت کے لئے بھی کوئی خاص کوشش نظر نہیں آتی۔ مگر واقعیت نگاری اور حقیقت پسندی کے جذبے نے خط نگاری پر خاص اثر کیا۔ گذشتہ چند برسوں میں بعض مشاہیر کے خطوں کے کچھ مجموعے شائع ہوتے ہیں۔ مثلاً ہم عصر شعراء کے خطوط (مرتبہ ضیاء الاسلام) اور روح مکاتیب (مرتبہ ساغر نظامی) اول الذکر میں وہ خط ہیں جو ضیاء الاسلام کے نام جوش ملیح آبادی۔ جگر مراد آبادی۔ ساغر نظامی آزاد انصاری۔ تاجور نجیب آبادی۔ روش شاہجہاں پوری۔ سیماب اکبر آبادی حفیظ جالندھری اور اختر حسرتی نے لکھے ہیں ــــ دوسرے مجموعے میں ساغر نظامی کے نام خطوط ہیں جن کے لکھنے والوں میں کم و بیش سبھی ادبی اور سیاسی شخصیتیں ہیں۔ جن میں سے بعض کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں آ چکا ہے (مزاح و ظرافت کے سلسلے کے لوگوں میں شوکت تھانوی کا مجموعہ بار خاطر بھی ہے)۔ ان سب خط نگاروں میں جوش ملیح آبادی اور فراق کے خطوط خاص طور سے لائق ذکر ہیں ــــ جوش کے خطوں میں بے باک صاف گوئی ہے چنانچہ ایک خط میں لکھا ہے ــــ "میں بدنامی اور تلخی کی حد تک صاف گو انسان ہوں" بس ان کے خطوط بھی کچھ ایسے ہی ہیں اور اگرچہ ضروری نہیں کہ ان کا ہر خط راز دار بدنام کنندہ اور تلخ ہی ہو مگر صاف گوئی کا عنصر ہر جگہ ہے۔

فراق کے خطوں کی صاف گوئی کے معاملے میں جوش کے خطوں سے کسی طرح کم نہیں مگر جب علمی موضوع زیر بحث آتا ہے تو ان کے خطوں میں فاضلانہ اور علمی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اکثر اپنے خطوں کی رونق اپنے ہی اشعار سے بڑھاتے ہیں۔ اور ان کی توجہ دوسرے سے زیادہ اپنی طرف ہوتی ہے۔ ساغر نظامی نے "روح مکاتیب" کے ایک نوٹ میں ان کے متعلق لکھا ہے ــــ

"اپنے خطوں میں وہ اپنے تمام وجود کے ساتھ نمایاں ہے وہی جلتی ہوئی آنکھیں، وہ آنکھیں ہنستا ہوا۔ عجیب عجیب حرکتوں کے ساتھ کشش جیسی دلکشی اور دل دوز حرکتوں کے ساتھ ایسی بے ساختگی اور سادگی شاید ہی کسی کے خطوں میں نظر آسکے اور اتنی صداقت! جو ذوق کی اخلاقی بلندی اور فطرت کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔"

اس نئے زمانے میں اردو میں مکاتیب کے بیں ایسے مجموعے اور بھی شائع ہوتے ہیں۔ وہ ہیں (۱) نقوش زنداں (مرتبہ سجاد ظہیر کے خطوط اپنی بیوی کے نام) (۲) زیر لب (صفیہ اختر کے خط اپنے شوہر جاں نثار اختر کے نام) اور حریم کے نام

ڈاکٹر تاثیر کے خطوط اپنے شاگرد عزیز محمود نظامی کے نام (خطوں کے ان مجموعوں کے علاوہ حال ہی میں چودھری محمد علی ردولوی کے خطوط کا مجموعہ "گویا دبستان کھل گیا" کے نام سے اکادمی پنجاب نے شائع کیا ہے۔ یہ چاروں سلسلے خطوط نگاری کے جدا جدا مگر جدید ترین مذاق کی بھی غمازی کر رہے ہیں۔

بیویوں کے شوہروں کے نام اور شوہروں کے بیویوں کے نام خط لکھنا کوئی نئی بات نہیں مگر ایسے خطوں کی اشاعت یقیناً نئی سی بات ہے ــــ تاریخ میں تاجدار واجد علی شاہ کے خط اپنی بیگمات کے نام ایک استثنا ہے جو مندرجہ بالا نظریے کی تائید کرتا ہے کسی بیوی کی طرف سے دوری اور ہجر و فرقت کے زمانے میں اشتیاق کا اظہار قدرتی ہونے کے باوجود ذرا سا غیر رسمی فعل معلوم ہوتا ہے مگر دورِ جدید میں مذاق و میلان کی تبدیلی نے اس صاف گوئی کے لئے میدان تیار کر دیا ہے "نقوشِ زنداں" میں ان تنہائیوں کی یاد ہے۔ جن میں سید سجاد ظہیر اپنی سخت جان سیاسی زندگی کے باوجود محبت کی دوری کو محسوس کر رہے ہیں۔ سجاد ظہیر کے یہ خط واقعیت اور خلوص سے پر ہیں ان میں کوئی تصنع نہیں کوئی بناوٹ نہیں بس ان سادہ جذبات کا پاکیزہ سا اظہار ہے جن سے ان کا قلب معمور ہے۔ سجاد ظہیر نے ان میں کسی فلسفیت کا اظہار نہیں کیا۔ واقعات و معاملات سے جو پیغامات وابستہ ہیں ان پر بے تکلف لہجے میں گفتگو کی ہے۔ خطوں میں گھریلو ماحول پیدا کیا ہے۔ بچی کی یاد۔ بچی کی تصویر۔ امی ابا کا ذکر۔ بجو بی بی کو سلام۔ غرض ان خطوں میں ساری خاندانی فضا آنکھوں میں کھچ جاتی ہے۔ پھر شادی کے دورِ اول کی یادیں ہیں۔ جن کی ایک ایک جھلک خط نگار بار بار پیش کرتا جاتا ہے ــــ ان خطوں میں خط نگار کے اپنے ہی جذبات کا اظہار نہیں بلکہ مکتوب الیہ کے جذبات کا جواب اور ردِ عمل بھی ہے۔ ان خطوں میں ترازو کے دونوں پلڑے برابر نظر آتے ہیں یعنی خط نگار اور مکتوب الیہ دونوں کی تصویریں آمنے سامنے لگی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ ان خطوں میں صاف گوئی تو ہے مگر بے باکی نہیں وقار۔ ٹھہراؤ، تہذیب سب کچھ ہے ــــ مگر خشکی نہیں۔ محبت، سچی محبت اپنی ساری شرافتوں اور متانتوں کے ساتھ ان خطوں میں جلوہ گر ہے۔ کہیں کہیں تخیل بھی ہے اور خیال کا مصور بھی دنیا کی تصویر کشی کر رہا ہے۔ مبالغہ ہیجان اور بے ضرورت جذباتیت کہیں بھی نہیں ــــ ہاں درد اور تنہائی کی کمی نہیں "نقوشِ زنداں" کے خط اردو خطوط میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔

"زیرِ لب" بھی نقوشِ زنداں ہی کا انداز رکھتی ہے۔ مگر ان خطوں میں اطمینان کی وہ فضا نہیں ملتی جو نقوشِ زنداں میں ہے ــــ ان میں مجبوری اور حرمان کے گہرے زخم رستے نظر آتے ہیں۔ ان میں پیاس ہی پیاس ہے ــــ ایسی پیاس جس سے لب خشک ہی نہیں بلکہ لب گویا پھٹ سے رہے ہیں ع

"لبِ خشک در تشنگی مردگاں کا"

ان خطوں کا سارا لہجہ زیرِ لب کا نہیں ایک فریاد بر لب کا ہے ان میں وہ قدرتی جذباتیت ہے جو نفسیات کے ساتھ اس وقت ضرور وابستہ ہو جاتی ہے جب اس کا ہر نشتر اپنی محرومیوں کے خلاف کھل جائیں۔ ان خطوں میں واقعات و معلومات کا عنصر کم ہے جذباتیت کا زیادہ ــــ سادگی، بے تکلفی اور خلوص۔ یہ سب صفات ان خطوں میں بھی ہیں ان میں گہری 'اپنائیت' اور خصوصیت ہے گرم جوشی اور غم کی تپش نے ان کی فضا کو قدرے تلخ بنا دیا ہے ــــ یہ خطوط بھی اس لحاظ سے انفرادیت رکھتے ہیں

کہ اس قبیل کی چیزیں ہماری زبان میں معدوم ہیں۔

ہریم کے نام ڈاکٹر تاثیر کے خطوط ہیں۔ ایک شاگرد کے نام۔ ان خطوط کا انداز علمی ہے اور بیشتر جزئیات بھی علم و فضیلت سے متعلق ہیں۔ ان میں خلوص تو ہے مگر بے تکلفی نہیں اور شاگرد و استاد کے درمیان جو فاصلہ ہوتا ہے وہ قائم ہے۔ ذاتی تفصیلات سے زیادہ افادہ و تربیت مد نظر ہے اور بعض خط تو مقالات کی حد میں داخل ہو گئے ہیں۔ اس مجموعے کے اکثر خطوط طویل ہیں مگر ان کا علمی مواد کہیں کہیں ثقیل ہو گیا ہے لیکن انداز بیان کی برجستگی اور تاثیر کی گرمی صحبت نے ان کو خشک نہیں ہونے دیا۔

”گویا دبستان کھل گیا“ ایک ایسے شخص کے خطوط ہیں، جس نے خط نگاری کو زندگی کا ایک ضروری شعبہ قرار دے رکھا ہے۔ ان خطوں کا مالک خط نگاری کو صرف مسرت کا چشمہ خیال کرتا ہے بلکہ ان کو دانش و بینش اور بصیرت حیات کا ذریعہ بھی سمجھتا ہے — یہ خط ذہنی فراغت اور روحانی سکون سے لبریز ہیں۔ ان میں گھریلو پن بھی ہے اور حقیقت بھی۔ خط نگار کو اچھی گفتگو اور جزئیات نگاری سے خاص دلچسپی ہے۔ غالب کی طرح وہ بھی احوال کی تفصیل بندی کا خاص شوق رکھتا ہے۔ ان خطوں سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ خط نگار کو مکتوب الیہ کی تالیف قلب کا ہر حال میں خیال رہتا ہے۔ چودھری محمد علی کو اردو کا فطرت نگار ادیب کہا جاتا ہے ان کے ان خطوط نے ان کے اسلوب بیان کی انفرادیت کے جوہر خاص طور سے نمایاں کیے ہیں۔ ان خطوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کامیاب ادیب اگر چاہے تو بات چیت اور تحریر کے درمیانی فاصلوں کو بالکل مٹا سکتا ہے — یہ خطوط اردو خط نگاری کی تاریخ میں ایک نئے مقام کی نشان دہی کر رہے ہیں۔

اور شاگرد تھے۔ جو لوگ ان کی پیروی میں بڑی شاعری کو جھیل چکے تھے۔ ان کے لئے اب ان کی نثری جدتوں کو برداشت کر لینا کیا مشکل تھا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں وہ اپنا اصلاحی منصوبہ کسی اعتراض یا احتجاج کے خدشے کے بغیر مکمل کر سکتے تھے۔ چنانچہ یہی انہوں نے کیا۔ اردو میں "حضرت مخدوم، مکرم و معظم جناب، فیض مآب صاحب دامت برکاتہم" یا "سید صاحب جمیل المناقب، عالی خاندان، سعادت و اقبال توامان" یا "برخوردار سعادت آثار، ختم برگوپال، سلمہ اللہ تعالےٰ" قسم کے القاب الشاذ کالمعدوم کا حکم رکھتے ہیں۔ وہ مکتوب الیہ کو کسی ایسے لفظ سے مخاطب کرتے ہیں جو اس کے حسب حال ہو۔ میاں، بھائی صاحب، میری جان، برخوردار، پیر و مرشد، حضرت، جناب عالی، قبلہ، سید صاحب وغیرہ۔ بلکہ بعض اوقات تو وہ کوئی لفظ بھی نہیں لکھتے فوراً اظہار مدعا کرنے لگتے ہیں:

"کیوں مرزا تفتہ اتم بے وفا ہیں گنہگار؟"

"سچ ہے، اگر آپ استاد کا مصرع نہ لکھتے تو یہ "بروئے ستارہ رنگ" کہاں سے کھلتا۔"

"کیوں یار! کیا کہتے ہو؟" وغیرہ۔

اس طرح کے تخاطب کی بے تکلفی اور یگانگت ظاہر ہے۔ اس کا نفسیاتی اثر یہ ہوتا ہے کہ خط پڑھنے والا پہلے لفظ ہی سے اپنے آپ کو لکھنے والے کے بالکل قریب محسوس کرنے لگتا ہے۔ اگر آپ شروع کی دو تین سطریں رسمی ادب و آداب میں صرف کر دیں تو جب تک مکتوب الیہ مطلب کی بات تک پہنچے اس کا ذہن ان تکلفات میں الجھ کر آپ سے کوسوں دور پہنچ چکا ہوگا۔ اس کے برعکس اگر آپ خط ایسے انداز سے شروع کریں جیسے مکتوب الیہ آپ کے سامنے بیٹھا ہے اور آپ اس سے باتیں کر رہے ہیں، تو بُعدِ مکانی کے باوجود آپ دونوں ذہنی اعتبار سے آپس میں بہت قرب محسوس کریں گے اور آپ کو کاغذ پہ لکھے ہوئے بے جان الفاظ میں سے بھی لکھنے والے کی آواز سنائی دینے لگے گی۔ مرزا خود بھی اپنے خطوط کی اس خصوصیت سے آگاہ تھے۔ ایک دوست کو لکھتے ہیں:

"میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلے کو مکالمہ بنا دیا۔"

مرزا کے خطوط کی دوسری خصوصیت ان کا خلوص اور صداقت ہے یقیناً وہ فرشتہ نہیں، بلکہ ہماری طرح کے گوشت پوست کے انسان ہیں اور لامحالہ ان میں بشری کمزوریاں بھی ہیں اس لئے ان کے خطوں کے بارے میں یہ قسم تو نہیں کھائی جا سکتی کہ ان میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب سچ ہے اور انہوں نے کسی واقعے کے مالہ و ماعلیہ سے متعلق سب کچھ بے کم و کاست لکھ دیا ہے اور ان میں کسی جگہ انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں۔ لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ بالکل درست اور شک و شبہ سے بالا ہے کہ صاف گوئی اور بے ریائی ان کے لفظ لفظ سے ٹپکتی ہے۔ وہ واقع کے اظہار میں نہ کسی اور کو بخشتے ہیں نہ اپنے آپ کو۔ لوگوں نے ان پر طرح طرح کے اعتراض کئے ہیں اور وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں خود غالب ہی کے خطوں سے شہادت پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ اگر غالب ایسے ہی تھے جیسا ان کا خیال ہے، تو وہ یہ مقامات اپنے خطوں میں سے حذف نہ کر دیتے۔ ان میں سے بیشتر خط غالب نے خود اپنے احباب سے جمع کر کے مرتب کے حوالے کئے تھے اور جو دوسروں نے جمع کئے تھے ان سے متعلق بھی گمان غالب ہے کہ شائع ہونے سے پہلے ان کی نظر سے گذرے تھے۔ اس صورت میں ان کے لئے ان میں رد و بدل اور ترمیم کر دینا کیا مشکل تھا۔ وہ چاہتے تو آسانی سے ان کی وہ عبارتیں نکال ڈالتے جن سے ان پر کسی طرح حرف آ سکتا تھا لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور ستم یہ کہ آج انہیں خطوں کی بنا پر لوگ ان پر حملے کرتے ہیں۔

میں لکھتے ہیں

"عزیزی! میرے ہر خط کا جواب طلب نہیں ہوتا۔ یہ اس لئے لکھتا ہوں کہ تم کو یہ ...
خیال نہ ہو کہ ہر وقت لکھنے کی تکلیف ہوتی ہے۔ جب فرصت ہوا کرے جی چاہے جواب لکھو
لیکن مجھ کو اجازت دو کہ میں ضرورت بے ضرورت جب جی چاہے لکھوں۔"

مکتوب الیہا یورپ کے سفر پر گئیں اس لئے خط و کتابت بند ہو گئی۔ واپس آئیں تو سلسلہ پھر سے جاری ہو گیا۔ جب ان کا خط آیا تو جواب میں لکھتے ہیں

"عزیزہ عطیہ! تمہارا خط جو مدت کے بعد آیا تو سب سے پہلے میں نے آنکھوں سے لگایا اور دیر تک
بار بار پڑھتا رہا۔ افسوس، دیر تک ملنے کی امید نہیں۔ میں وطن، احباب، آرام سب چھوڑ سکتا
ہوں لیکن ایک مذہبی اور قومی کام کیونکر چھوڑ دوں۔ [illegible] بمبئی یا جزیرہ دو قدم پر تھے۔ ...
سے صورت یہ رہ رہ کے بعد منظور کر لیا کہ پھر بھی لکھنؤ آئیں لیکن تم کی ذرہ نوازی کیوں کرو گی؟"

ایک دوست سے معلوم ہوا کہ وہ لکھنؤ آ رہی ہیں۔ دیکھئے کیا مزے کا خط لکھا ہے:

"خاتون محترم! کل اتفاق سے مولوی مشیر حسین صاحب قدوائی ملنے آ گئے تھے۔ ان سے
آپ کے لکھنؤ آنے کا ذکر آیا۔ انہوں نے کہا کہ "وہ میری مہمان ہوں گی" اس لئے میں یہ لکھنا
ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر آپ لکھنؤ آئیں اور کسی کی مہمان ہوں تو میں اس زمانہ میں لکھنؤ چھوڑ کر
چلا جاؤں گا۔ یہ بات دوسری ہے کہ ایک دو روز آپ ان کے ہاں ٹھہریں اور ان کی
ان کی مستورات سے ملیں۔"

پھر جب مولوی مشیر حسین قدوائی سے ان کی آمد کی خبر سنی تو دوبارہ لکھتے ہیں:

"مولوی مشیر حسین نے تمہارے ارادۂ سفر کی خوش خبری سنائی لیکن وہ فقرہ یاد ہے کہ کہیں
ہوتے اور کہیں ٹھہرو گی تو میں لکھنؤ سے نکل جاؤں گا۔"

بعض خواہشوں کا اظہار کس حسرت سے کرتے ہیں:

"اصل یہ ہے کہ میں چاہتا تھا کہ میرے کسی کام میں تمہارے نام کی شرکت ہو۔ اس کا اصل طریقہ
تو یہ تھا کہ کوئی تصنیف تمہارے نام پر ڈیڈیکیٹ کرتا لیکن افسوس نہیں کر سکتا۔ میں جن حالات
میں گھرا ہوں تم سمجھتی ہو اور جانتی ہو کہ اس سے دشمنان قوم کو میرے کاموں کو نقصان پہنچے گا جو
میرے لحاظ میں ہیں۔"

"عطیہ! بار بار جی چاہتا ہے کہ تم کوئی چیز طلب کرو اور میں یہاں سے بھیجوں، کیا لکھنؤ
میں کوئی چیز تمہارے قابل نہیں؟ آم تو جزیرہ تک اچھے نہ پہنچیں گے۔"

جناب عطیہ بیگم صاحبہ کی ایک بہن جناب نازلی بیگم نواب صاحب جنجیرہ کی بیگم تھیں۔ انہوں نے شبلی کی فرمائش پر ندوہ میں ایک کمرہ اپنے خرچ پر بنوا دیا۔
شبلی نے اس کے شکریے میں چند شعر کہے۔ ان میں ایک شعر ہے ؎

نازم کہ ایں خجستہ [illegible] است   کا وازۂ ... بر عالم رسیدہ است

اس میں عطیہ کا لفظ آیا ہے تو اس کی تشریح کرتے ہیں:

"شعرائے اہل عرب عموماً کنایہ سے نام لینا بلاغت اور لطافت خیال کرتے ہیں۔ جو لوگ جہانگیر بادشاہ کی مدح میں قصیدے لکھتے تھے عموماً نور جہاں بیگم کا نام لاتے تھے۔ لیکن ہمیشہ کنایۃً۔ کبھی کسی نے تشریح نہیں کی۔ مثلاً سعیدا کا ایک قصیدہ ہے جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

اے سایۂ خدا ز تو پُر نور شد جہاں — بادا ہمیشہ نورِ خدا سائبانِ تو

اسی اصول پر میرا شعر بھی ہے اور یوں تو میں اکثر تمہارے لئے دعائیہ غزل، خیر مقدم وغیرہ سب کچھ لکھ چکا ہوں اور عطیہ لکھنے پڑھنے کی کیا بات ہے۔ میرا ہر رونگٹا اور ہر جنبشِ زبان تمہاری توصیف اور تعریف کا ایک شعر ہے۔"

ستم یہ ہوا کہ جناب عطیہ بیگم اس پر بگڑ گئیں کہ میرا نام کیوں شعر میں لکھا ہے۔ لوگ دیکھیں گے تو کیا کہیں گے۔ مولانا کو ابھی لکھ چکے ہیں کہ میں نے کنایۃً یہ تمہارا نام لکھا ہے لیکن اس عتاب سے سٹپٹا گئے اور معذرت کی:

"عزیزی! اچھا ہوا کہ میں نے ان سطروں کے معنی تم سے دریافت کئے ورنہ ممکن تھا کہ میں پھر تمہارا نام کسی موقع پر لاتا اور تم کو رنج پہنچتا۔ لیکن مجھے حیرت ہے کہ تم یہ کیونکر سمجھی ہو کہ وہ تمہارا نام ہے۔ عطیہ کے معنی داد و دہش اور انعام کے ہیں اور اسی معنی میں یہ لفظ میں استعمال کرتا ہوں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اتفاق سے یہی تمہارا نام بھی ہے۔ غیر آدمی کیونکر جان سکتا ہے کہ میں نے تمہارا نام لیا ہے۔ اس لئے تم کو رنج کرنے کی کیا وجہ؟ بہرحال آئندہ نہ لکھوں گا۔ تم شاید اس کو تحسین طلب سمجھتی ہو اور میں شاہنشاہ سے بھی اس قسم کا خیال ننگ سمجھتا ہوں۔"

عطیہ بیگم صاحبہ کا خط تین چار مہینے سے نہیں آیا۔ لکھتے ہیں اور صرف ایک مصرع۔ لیکن کیسا مصرع کہ جس کی تفسیر میں ایک پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

"مے شود اگر بہ سلامے دل ما شاد کنی"

ایک دوسرے خط کے آخر میں اپنا نام لکھتے ہیں:

"بیکس شبلی نعمانی ہوں"

لیکن کہاں تک اقتباس نقل کرتا جاؤں۔ یہ خطوط بقول ...... مولوی عبدالحق "بمنزلہ سدا بہار" ہیں۔ یہ ایک مخلص اور بے ریا دل کی آواز ہیں۔ ان میں صداقت کی کھنک ہے اور ان کے لفظ لفظ میں [illegible] بول رہی ہے۔ یہ مختصر مجموعہ ادبیت سے قدر کے لائق ہے۔ شبلی اگر ان خطوط کے سوا اور کچھ نہ لکھتے حالانکہ انہوں نے اپنی تصنیفات سے اس زبان کا دامن مالا مال کر دیا ہے تو بھی ان کا نام اس وقت تک زندہ رہتا جب تک اردو کے پڑھنے اور سمجھنے والے موجود ہیں۔

مہدی کے خطوط میں "افاداتِ مہدی" اور "خطوط (مکاتیبِ مہدی)" کے مجموعے ان کی وفات کے بعد شائع ہوئے۔ ان سے

معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیسی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ان کا تنقیدی شعور اس قدر پختہ ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ نہ صرف علم و ادب میں بلکہ ملکی سیاسیات میں بھی ان کے تمام اندازے بعد کے واقعات نے صحیح ثابت کر دکھائے۔ بقول نواب صدر یار جنگ، مہدی آفندی کے مزاج میں "یونانیوں کے سنگتراشوں کی سی نزاکت اور حسن پرستی ہے"۔ ان کے مزاج کی نفاست کا یہ عالم ہے کہ وہ دوم درجے کی کوئی چیز پسند نہیں کر سکتے۔ کتاب کا موضوع بلند ہو، اور عمدہ ہو، اچھے کاغذ پر صاف ستھری چھپے، اس کی جلد اعلیٰ درجے کی ہو، یہی صورت مضمون کی بھی ہونا چاہیے، اس میں کوئی جھول یا کھٹک نہ ہو، اسلوب میں توازن رہے اور زبان میں ناہمواری نہ آنے۔ غرض ہر ایک چیز کی ذرا سی خراش پر ان کی نظر رہتی تھی۔ ان کے دماغ میں اپج کا مادہ بہت تھا۔ ہر روز نئی نئی اصطلاحیں گھڑتے رہتے۔ اگر خود نہ بنا پاتے تو دوستوں سے پوچھتے۔ اسی طرح نہایت اچھوتے اور نئے نئے عنوان سوچتے رہتے اور وہ اپنے نام پر چھپے۔ اپنے دوستوں کو آمادہ کرنے کی کوشش کرتے کہ وہ ان نئے موضوعات پر طبع آزمائی کریں۔ شبلی کی، مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالماجد دریابادی سے نیاز اور مولانا پروفیسر عبدالباری سے نسبتاً کہیں بے تکلفی تھی۔ ان کے نام کے خط دیکھئے۔ ہر خط میں عنوان کے دیئے جاتے ہیں کہ اس موضوع پر کتاب لکھئے اس پر مضمون قلمبند فرمائیے۔ آپ کے خلاف مضمون نہیں ہوگی رہ گئی۔ ایک یہ بھی غیر معروف بات در آئی۔ اتنا ہی نہیں۔ وہ اپنا جال اپنے حلقے سے باہر بھی پھیلانے سے نہیں چوکتے۔ حالی اور عبدالرزاق کانپوری (البرامکہ والے) ان سے عمر میں کہیں بڑے تھے لیکن وہ ان سے بھی فرمائش کرتے ہیں کہ میں نے آپ کے لئے یہ موضوع انتخاب کیا ہے اس پر کتاب لکھ ڈالئے۔ میر ناصر علی سے کہتے ہیں کہ آپ اپنے مضامین کا مجموعہ چھپائیے۔ غرض کہ مہدی نے عجیب و غریب دل و دماغ پایا تھا۔ لکھنا پڑھنا ان کا اوڑھنا بچھونا تھا اور انہیں جب بھی سوجھتی تھی، اردو زبان کی آرائش و زیبائش کی، اس میں تصنیف و تالیف کی اور علم و فن کی ترقی کی۔

مہدی صاحب طرز نثر نگار ہیں۔ ان کی زبان آسان نہیں، بلکہ ثقیل الفاظ سے بوجھل ہے، اس کے باوجود اس میں رنگینی اور رومانیت بدرجہ اتم ہے۔ اگر کھوج لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ حقیقت میں ان کی رومانیت کا سلسلہ بلکہ منبع صلائے عام والے میر ناصر علی اور تک پہنچتا ہے۔ نیاز فتح پوری بھی میر ناصر علی سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔ یہ دونوں میر صاحب موصوف کے نیاز مند اور دوست، صلائے عام کے مداح اور مضمون نگار تھے۔ میر ناصر علی کی نثر میں ایک خاص قسم کا البیلا پن تھا۔ ان کے حافظے میں خدا معلوم کتنے شعر محفوظ تھے اور وہ اپنی نثر میں ان کا استعمال ایسا برجستہ اور بے ساختہ کرتے تھے جیسے انگوٹھی میں نگینہ جڑ دیا جاتا ہے۔ اس صدی کی دوسری اور تیسری دہائی میں ناصر علی بہت مقبول رہے اور ہمارے بہت سے اچھا لکھنے والے پہلے پہل صلائے عام ہی کے افق پر نمودار ہوئے۔ ان میں مہدی اور نیاز نے ناموری اور شہرت حاصل کی۔ تعجب ہوتا ہے کہ ڈاکٹر محمد حسن نے اپنے مقالے "اردو ادب میں رومانوی تحریک" میں دنیا جہان کی اور باتیں تو لکھی ہیں لیکن اردو کی رومانوی تحریک پر ناصر علی کا کتنا اثر اور احسان ہے، اس کا ذکر تک نہیں کیا۔

اب مہدی کے خطوں سے چند مثالیں ملاحظہ کیجئے۔

مسز سروجنی نائیڈو جب ابتدا میں قومی جلسوں میں شریک ہوتی ہیں تو ان کی جاذب نظر شخصیت اور ولولہ انگیز خطابت نے "جنت نگاہ" اور "فردوس گوش" کا [illegible] امتزاج پیش کیا گیا تھا صاحب [illegible] اور اہل مجمع دم بخود اور ہر ایک نے ہتھیار ڈال دئے تھے۔ اسی زمانے میں سید سلیمان ندوی نے معارف میں شذرات میں اس پر تبصرہ کیا۔ مہدی نے جب یہ شذرات دیکھے تو انہیں خط لکھا:

"آپ نے سروجنی پر جو بجلیاں گرائی ہیں وہ اس سلسلہ کا مضمون "مساوات" پر بس

خوبصورتی سے ادا کی ہے بلکہ یہ ہے کہ وہ نازک خیالی کی آخری حد ہے جس سے بار بار پڑھا اور لطف اٹھاتا رہا۔

جس زمانہ میں یہ پہلی دفعہ اسٹیج پر آئی ہے اور اس کی زبان سے یہ شعر نکلا ہے ؎

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بسے
شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

خوب یاد ہے کہ ہنستے ہنستے دل تھام کر بیٹھ گئے تھے۔ چلچلاتی دوپہر سے ڈھلتی چھاؤں زیادہ خوشگوار ہوتی ہے یہ حسن و عشق کا ایک نہایت ہی نازک نکتہ ہے۔ عورت ان باکیف تو ہو ؎

من فدائے بت شوخے کہ بہ ہنگام وصال
بمن آموخت خود آئین ہم آغوشی را

مدت سے سوچ رہا تھا اس کی تھوڑی سی تعریف کروں اپنی چند سطروں کا تحفہ پیش کروں لیکن آپ نے میرے لئے بالکل گنجائش نہیں چھوڑی اور ساتھ ہی میرے دل کا ارمان پورا کر دیا۔ جو خاکہ آپ نے کھینچا ہے وہ بس جس پہلو سے دیکھی ہے وہ "لال" کی چیز نہیں۔ خلاف شکر میں اس طرح کوٹ کوٹ کر بھرا ہے کہ خود آپ سے داد لینے کو جی چاہتا ہے لیکن ایک خلش رہ گئی۔ اکابر کی تخفیف الحرکتی "کمسلوخہ نہیں لیکن "تصنیف کبرو" فی الحلال کی زبان ہے جو آپ کے لب و لہجہ کی اخاست اور موقع کلام کے لحاظ سے بیگانی سی معلوم ہوتی ہے۔ بس اس قدر کافی تھا کہ "حافظ کو آٹھویں صدی میں حسن ظلوف کی شکایت تھی جو دسویں صدی کی عورت دیکھ اس سے بھی بڑھی ہوئی ہے" میری غرض یہ ہے کہ تعلق الفاظ کی جگہ صرف مفہوم کی تحقی سے کام لیا جاتا۔ یہ باتیں کوئی اور آپ کو نہیں لکھے گا لیکن مجھ کو جس حد تک خلوص ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ ان نکتوں پر غایت ظہور کی وجہ سے ہر دل کی نگاہ نہیں پڑتی آپ کے نوٹس میں لاؤں۔"

مہدی کے نزدیک عورت پیدا ہی اس لئے ہوئی ہے کہ دنیا کے حسن و لطافت میں اضافہ کرے۔ وہ اس کی ایک ایک ادا پر جان چھڑکتے ہیں۔ عورت کی نفسیات پر اور وہ بھی جنسی نفسیات پر انھوں نے بڑے پتے کی باتیں لکھی ہیں۔ اس میں اگر ان کا کوئی حریف ہے تو خود انہی کا معنوی استاد میرناصر علی۔ افسوس کہ ناصر علی کے مضامین کا مجموعہ شائع نہ ہوا اور اس طرح اردو والے ایک صاحب طرز انشا پرداز کی تحریرات سے محروم ہو گئے اور اسی سلسلے سے بھول بھی گئے۔ نوجوانوں میں سچ کہتے ہیں جو ناصر علی اور علامۂ عام کا نام بھی جانتے ہیں، حالانکہ ایک زمانے میں ان دونوں کا طوطی بولتا تھا۔ سچ ہے ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔

خیر تو مہدی کے خطوں کے چند اور اقتباس دیکھئے:

(۱) "آپ اکبر پر اس لئے نہ ہنسئے کہ مسلمانوں کو اونٹ کی سواری کی عادت ہیں۔ ہی ورد

چاریل کی ٹرک کچھ بڑی بات نہیں۔ آپ کی نقل و حرکت مشرق و مغرب میں رہتی ہی تھی کہ یہ
دونوں آپ پر سٹے ہوئے ہیں۔ شملہ آپ کو پسند نہیں آیا، لیکن مجھے تو نام سے دلچسپی ہے
دیکھیے پھولوں کی سیج پر "جوانی کی ورزش" کی شائستہ اپنے چاہنے والے سے کیا کہتی ہے ؎

دوسرا تیسرا یہ جلسہ ہے — یہ بھی کیا کوئی شہر شملہ ہے"

---

(۲) "مدت سے وطن دگر کچھ نہیں گیا۔ ایک چکر میں پڑ گیا تھا۔ انگریز کی دل کی سیاہی
جب قلم سے ٹپکتی ہے تو زیادہ جھلکتی ہے۔ لباس ستمبر میں ایک کم سن کی نظر لگ گئی۔ ستمبر ہی
کی ایک ٹانگ، حریف کو سر ڈالنی پڑی اور میں خدا خدا کر کے ڈیڑھ سال کے بعد گھر سے
کچھ ملا، یعنی تحصیلداری پر جس کا تپسان شامل نہیں، مستقل ہو گیا۔ یہ اتفاقی تقریب اس لئے ہے
کہ وطن آیا تو دارالمصنفین میرے لئے گھر آنگن ہوگا اور آپ سے بوسہ پیام کی جگہ آپ
عزت بخشنے والا لب بہ لب کی ٹھہرے گی۔ آخری فقروں سے آپ کے تقدس میں کچھ
فرق تو نہیں آیا!"

---

(۳) "آپ کا چستان صغریٰ، وہ بھی "تحفۂ رمضان"، دل پر بہت ہی لائق رشک رہا۔ حق یہ ہے
کہ حسن لطیف اپنی پاکیزہ وضعی اور رنگ فراوانی کے ساتھ "کائنات" کے خوبصورت چہرے کا
"غازہ" ہی نہیں بلکہ ہمارے لئے تریاقِ زندگی بھی ہے کہ بغیر اس کے دنیا رہنے سے رہنے
کے لائق نہیں۔"

---

(۴) "بھائی معزول! مدت سے کچھ خبر نہیں۔ میں بھی خاموش رہا لیکن آپ کے درد دل کے
احساس سے خالی نہیں۔ رفیقۂ زندگی شراب کی طرح جتنی پرانی ہو زیادہ کیف ہوتی ہے
یہ وہ راز ہے جو ہوس پرستی کے نیساں ابروں کی سمجھ میں نہ آئے۔ لیکن میں اس کے اندازہ سے
قاصر نہیں ہوں۔ کیونکہ اس زہر کی تلخی میرے حصہ میں آچکی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ میں اس
وقت محروم ہوا جب عمر کی دوپہر تھی۔ لیکن ڈھلتی چھاؤں لمبی عمر کے پچھلے دور میں تو یہ سانحہ
بالکل ناقابل تلافی ہوتا ہے۔ خاص کر ایک ایسی خوش صفات اور وفا شعاری کی ابدی جدائی
دراصل شوہر کی روحانی موت ہے۔ ان خیالات کے ساتھ میں کیا آپ کی تشفی کر سکتا ہوں۔
لیکن آپ تو بہت دیندار اور پورے مولوی ہیں۔ حوادث کے لحاظ سے "اشتیاق ایزدی"
یا اس کی مترادف سہی لیکن بجز تسلیم ختم ہے جو منہ چاہا یاد ہی آئے۔"

صلائے عام کے لئے ایک مضمون بھیجا۔ میرزا محمد علی نے اسے پسند کیا، اس پر انہیں لکھتے ہیں،

"تعریف سے خوش ہونا انسانی کمزوری ہے جسے اگلے لوگ حماقت سمجھتے تھے لیکن سچا اعتراف میرے خیال میں ادبی زندگی کا اجارہ ہے۔ اس لئے خوش ہوں کہ آپ کے مسلک میں میری بات بھی ہوتی ہے۔ "مقیاس الشباب" کی آپ کو داد دینی ہوگی۔ نوجوان کے دکھ کے ساتھ کیونکر ممکن تھا کہ . اس کا خیال نہ آتا، جیسے مغربی شعراء بھی [illegible]" لکھتے ہیں۔ میں نے اس موقع پر وضع شش کے لئے "مقیاس الشباب" لکھا ہے اور یہ خاص میری کمزوری ہے۔ آپ دیکھیں گے متانت میں کس قدر شوخی کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور اگر یہ نہیں ایسا کہ اس ترکیب پہ مجھے ناز ہے تاہم لذتِ احساس سفارشی ہے کہ اچھی سوجھی۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ کہیں اس سے میرے مذاقِ خاص کی غمازی تو نہیں ہوتی! میں آپ کی نگاہ میں ذرا ثقہ رہنا چاہتا ہوں۔"

مہدی کی پہلی بیوی انہیں جوانی میں داغِ مفارقت دے گئی تھی۔ ایک مدت کے بعد دوسرا نکاح کیا۔ اسی زمانے میں میرزا محمد علی کو اس کی خبر دیتے ہوئے لکھا

"پیارے جناب! میں ادھر ہفتہ عشرہ آپ کی طرف سے کچھ غافل سا رہا لیکن اس کی وجہ بہت دلچسپ ہے۔ آپ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا کہ دنیا میں کسی کو چاہنا غضب ہے لیکن اس سے زیادہ قیامت یہ ہے کہ کہیں سے آواز آئے کہ "تجھ پہ مرتا ہے تو میں بھی جان دیتی ہوں"۔

پہلے پہل آنکھیں کھولیں، مدت ہوئی ایک رفیقِ زندگی مل گیا تھا تو خوابِ طفلی کی ننھی تعبیر پہلو میں تھی۔ زندگی کا بہترین حصہ اس کی پرستش میں گذارا، لیکن اس نے ترکِ رفاقت کی، آج تک داغ دل میں موجود ہے ؎

یہ سینے میں تازہ دوانی رہے گا   ترا داغ دل پر نشانی رہے گا

دنیا سے طبیعت بیزار ہو گئی۔ قصد کر لیا پھر کبھی عقد نہ کروں گا۔ کئی برس یوں ہی گذر گئے۔ چپ ڈھب کی چیز نظر نہ آئی جیسی چاہتا تھا وہ سب کی چیز نہ تھی۔ خدا خدا کر کے ایک مہینہ ہوا گئی تیرہ شب [illegible] آئی، وہ آج اس لائق ہو گیا کہ آپ کو اپنے احرام سے [illegible] خبر دیتے جھجکتا ہوں میں بعض امور میں کسی حد تک مغربیت پسند کرتا ہوں، یعنی تھوڑی سی آزادی لیکن مصیبت یہ ہے کہ تعزیز خاندان کے ساتھ گفتگو کی کوئی حد نہیں اور ہمارے ہاں اس قسم کے احرام اندھیرے کا نشانہ ہیں جس سے مجھ کو طبعی نفرت ہے۔ لیکن شکر ہے کہ اندھیرے میں بجلی چمکی اور وہ گوہرِ شب چراغ مل گیا جس کی تلاش تھی۔ صورت تنی تو ہو جسے آپ مجسم شاعری کہہ سکیں جس کی دلکش آوازوں میں موسیقی کا مزا دے جو اپنی لطافت و نزاکت کے لحاظ سے

شائستگی کا انتہائی مکمل ہو۔

نفاست چاہتی ہے کہ حسن سیرت کے ساتھ صورت کی بھی اچھی ہو لیکن مشکل ہے کہ بندہ و ساری ہیں کوئی بھی حد دا و روز مرہ کی جگہ سادگی کریں او نفیس پیدا ہونے لگیں اور حسن صبیح کی جگہ ایک طرح کا نمک ایجاد کیا گیا لیکن جس طرح میں روم یونان کی کوئی چیز پسند نہیں کرتا ' یہاں بھی یہ معیار قائم رہا۔ آئندہ ہفتہ میں میرے پاس آجائے گی اور آپ اس کی جلوہ گری کے آثار سوائے عام کے صفحوں پر پردے پر دے میں پائیں گے۔"

اقتباسات خاصا طویل ہو رہے ہیں، لیکن جی نہیں مانا کہ مہدی کی تنقید کی دو ایک مثالیں پیش کئے بغیر گزر جاؤں۔ کسی زمانے میں لکھنؤ سے مولانا عبد الماجد دریا بادی کے زیر ادارت ہفتہ وار اخبار "حقیقت" نکلا تھا۔ بس یہ مولانا دریا بادی کا ہفتہ وار تھا اور وہ نام سے اور بے نام اس میں لکھا کرتے تھے۔ مدیر حقیقت نے ایک ناول "ریحانہ" لکھا اور اسے مولانا دریا بادی کے نام معنون کیا۔ جب اس کا ایک نسخہ مہدی کو ملا تو انہوں نے اس پر اپنی رائے یوں ظاہر کی:

"ریحانہ میں لکھنؤ کی شستہ زبان کا دعویٰ کیا گیا ہے، لیکن ایک موقع پر شہر جانے کی گفتگو اور اس کا لب و لہجہ اس قدر عامیانہ اور سوقیانہ (VULGAR) ہے کہ ایک بھٹیاری بھی اس لہجے پن کا تحمل نہیں کر سکتی۔ عالم شوخ سہی لیکن لہجہ کی پستی بھی ایک انداز تھا۔ اظہار سے زیادہ خیال کے لئے بعض ٹکڑوں کو چھوڑ دیا تھا لیکن ان نزاکتوں پر آپ کی طرح دوسروں کی نظر نہیں پڑے گی۔ بہتر سمجھیں گے تصویر کے دونوں رخ ہیں، جس کو زیادہ نمایاں کر کے دکھایا ہے اور یوں مقصود ہاتھ سے نہیں گیا۔"

ادب اور لٹریچر کی تعریف ملاحظہ ہو:

"میری غرض مستقلاً "بیل لٹریچر" یعنی (belles lettres) سے ہے۔ غالب سے اپنی مستقل پسندی کے ساتھ اس رنگ کو کسی حد تک پایا لیکن نفس لٹریچر جو خود ایک مستقل چیز ہے خاص طرح کی نزاکت اور نزاکت خیال چاہتا ہے۔ مرے روزمرہ اور محاورے کے الٹ پھیر سے کام نہیں چلتا۔ یہ بات میں آپ میں پاتا ہوں یعنی آپ جو کچھ لکھتے ہیں خالص ادیب کی حیثیت سے اور کمال انشا پردازی کا تقاضا یہی ہے کہ ادب یعنی لٹریچر و اصناف سخن کی طرح خود مستقل بالذات ہو۔"

افسوس کہ مہدی نے بہت کم وقت پایا۔ سرکاری ملازمت تھی اس لئے بھی فرصت کم ملتی تھی اور عمر بھی کم ہی پائی۔ خوش و خرسند ہو لے دولت مستعجل بود۔

میں نے مہدی کے ساتھ نیاز فتحپوری کا نام لیا ہے۔ نیاز کے خطوط کے کئی مجموعے "مکتوبات نیاز" کے نام سے چھپ چکے ہیں شاید یہ بات عام طور پر معلوم نہیں کہ چند خطوں کو چھوڑ کر ان میں سے بیشتر کسی خاص شخص کے نام نہیں لکھے گئے بلکہ جب انہیں خیال آیا انہوں نے

قلم برداشتہ چند سطریں خط کی شکل میں لکھ دیں۔ ان میں چند خط خود میرے نام ہیں لیکن یہ مشکل ہے کہ معلوم کیا جائے کہ کتنے خط اصل میں اور کتنے برائے نام۔ بہرحال جہاں تک انشا کا تعلق ہے یہ بے مثال ہیں اور اردو کی بہترین نثر کے نمونے ان میں موجود ہیں۔

مہدی کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد کے خطوط کا مجموعہ غبارِ خاطر قابلِ ذکر ہے۔ مولانا کے علم و فضل کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ وہ ایسے وقت میں پیدا ہوئے جب مسلمانوں میں سیاسی زوال کے باعث علم و فن کی طرف سے کچھ بے نیازی سی پیدا ہو گئی تھی اس لئے ان کی کما حقہ قدر نہیں ہوئی۔ کس حسرت سے فرماتے ہیں:

"میری زندگی کا سارا ماتم یہ ہے کہ اس عہد و محل کا آدمی نہیں تھا مگر اس کے حوالے کر دیا گیا۔"

حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ دو تین سو برس پہلے پیدا ہوئے ہوتے تو آج ہم انہیں بھی ان ائمہ دین اور اساطینِ علم کے گروہ میں جگہ دیتے جن کے نام سن کر فرطِ ادب و عقیدت سے بے اختیار ہماری گردنیں جھک جاتی ہیں۔ چونکہ وہ ہمارے سامنے ہیں اور اس کے علاوہ سیاسیات نے بھی انہیں اتنی فرصت نہیں دی کہ وہ اپنے افکارِ قلم بند کر دیتے اس لئے ہم ان کا مقام پہچاننے سے قاصر ہیں۔

مولانا آزاد نے یہ خطوط جیل خانے میں لکھے تھے لیکن چونکہ اس زمانے میں رسل و رسائل پر پابندیاں تھیں اس لئے یہ مکتوب الیہ کو بھیجے نہیں گئے۔ جب وہ رہا ہوئے تو انہوں نے انہیں چھاپنے کی اجازت دے دی اور اس طرح مکتوب الیہ کو بھی یہ مطبوعہ شکل ہی میں ملے۔ دنیائے ادب میں غالباً اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

ان خطوط میں بھی وہی رنگارنگی اور بوقلمونی ہے جو مولانا آزاد کی اپنی زندگی میں ہے۔ ان میں سیاست ہے، دین ہے، فلسفہ ہے، افسانہ ہے، ادب ہے، تاریخ ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ انشا ان سب پر بھاری ہے۔ ہر جگہ طرزِ تحریر ایسا دلکش اور زبان ایسی پیاری ہے کہ

وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

ان سے اقتباس کرنا مشکل ہے کیونکہ عبارت میں وہ تسلسل اور روانی ہے کہ جب تک صفحے کے صفحے نقل نہ کئے جائیں۔ نہ موضوع ختم ہوتا ہے اور نہ اس کا پورا لطف ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

سب سے پہلے آپ بیتی کا ایک ٹکڑا سنئے:

"اب سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ وہ بھی کیا زمانہ تھا اور طبیعت کے کیا کیا ولولے تھے۔ میری عمر سترہ برس سے زیادہ نہ ہو گی لیکن اس وقت بھی طبیعت کی افتاد یہی تھی کہ جس میدان میں قدم اٹھائیے پوری طرح اٹھائیے اور جہاں تک راہ ملے بڑھتے ہی جائیے کوئی کام بھی ہو لیکن طبیعت اس پر کبھی راضی نہیں ہوتی کہ ادھورا کر کے چھوڑ دیا جائے۔ جس کوچے میں بھی قدم اٹھایا اسے پوری طرح چھان کر چھوڑا۔ ثواب کے کام کئے تو وہ بھی پوری طرح کئے۔ گناہ کے کام کئے تو انہیں بھی ادھورا نہ چھوڑا۔ رندی کا کوچہ ملا تھا تو اس میں بھی سب سے آگے رہے تھے، پارسائی کی راہ ملی تو اس میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہے۔ طبیعت کا تقاضا ہمیشہ یہی رہا کہ جہاں کہیں جائیے، ناقصوں اور خامکاروں کی طرح نہ جائیے۔ رکھو راہ رکھئے تو راہ کے کاملوں سے۔ شیخ علی حزیں نے میری زبانی

کہا تھا ؎

ما دست بہم بودہ زدیم چاک گریباں — شرمندگی از خرقۂ پشمینہ ندارم "

مولانا چائے کے بہت رسیا تھے اور چائے بھی خاص چینی۔ جن ایام میں یہ جیل میں تھے وہاں بھی یہی پیتے تھے لیکن ان کے ہمنوا احباب اس نعمتِ گراں مایہ کے قدرداں نہیں تھے۔ ان کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یہاں ہمارے زندانیوں کے قافلہ میں اس جنس کا شناسا کوئی نہیں ہے۔ اکثر حضرات دودھ اور دہی کے شائق ہیں اور آپ سمجھ سکتے ہیں کہ دودھ اور دہی کی دنیا چائے کی دنیا سے کتنی دور واقع ہوئی ہے۔ عمریں گذر جائیں، پھر بھی یہ مسافت طے نہیں ہو سکتی۔ کہاں چائے کے ذوقِ لطیف کا شہرستانِ کیف و سرور اور کہاں دودھ اور دہی کی شکم پروری کی نگری۔

اے تر جائے گزارا ہو تشیں عشق — رکھتی ہے آج لذتِ زخمِ جگر کہاں

جواہر لال نہرو چائے کے عادی ہیں اور چائے پیتے بھی ہیں، خصوصاً یورپ کی شرل کے ذوق میں بغیر دودھ کی۔ لیکن جہاں تک چائے کی نوعیت کا تعلق ہے عام راہ سے باہر قدم نہیں نکال سکتے اور اپنی معمولی ہندوستانی قسموں پر قانع رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ان حضرات کو اس چائے کے پینے کی زحمت دینا نہ صرف بے سود تھا بلکہ "وضع الشئ فی غیر محلہ" کے حکم میں داخل تھا ؎

مے بہ زاہد مکن عرضہ کہ ایں جوہرِ ناب
پیشِ ایں قوم بہ سودائے خزف نرسد

ان حضرات میں صرف ایک صاحب ایسے نکلے جنہوں نے ایک مرتبہ میرے ساتھ شرکت کرتے ہوئے یہ چائے پی تھی اور محسوس کیا تھا کہ "اگرچہ بغیر دودھ کی ہے مگر اچھی ہے"۔ یعنی دنیز قزوینی دودھ والا گرم شربت ہوا جو وہ روز پیا کرتے ہیں، مگر یہ بھی چنداں بری نہیں۔ زمانے کی عالمگیر بدذوقی دیکھتے ہوئے یہ ان کی صرف "اچھی ہے" کی داد بھی مجھے اتنی غنیمت معلوم ہوئی کہ کبھی کبھی انہیں بلا لیا کرتا تھا کہ آئیے ایک پیالی اس "اچھی ہے" کی بھی پی لیجیے۔

عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است

ان کے لئے یہ صرف "اچھی" ہے تھی۔ ورنہ چائے کا سارا معاملہ ہی ختم ہو جائے اگر یہ "اچھی ہے" ختم ہو جائے۔ غالب کیا خوب کہہ گیا ہے ؎

زاہد از ما خوشۂ تاکے بچشمِ کم مبیں — نیست ماخوذی کہ یکجا خانہ نقصاں کردہ ایم "

انسانی دماغ نقل اور تقلید کا کس طرح گرویدہ ہے۔ عقیدہ اور خیال کتنا ہی غیر معقول اور غلط کیوں نہ ہو، انسانی طبیعت آسانی سے اسے چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ آج ہم تعجب کرتے ہیں کہ انبیاء اور مصلحین کی کیوں اتنی مخالفت ہوئی۔ اس کی تہ میں یہی بات ہے۔ مولانا آزاد ایک خط میں اسی موضوع پر لکھتے ہیں:

"انسان کی دماغی نشو و نما کی راہ میں سب سے بڑی روک اس کے تقلیدی عقائد ہیں۔ اسے کوئی طاقت اس طرح جکڑ نہیں دے سکتی جس طرح تقلیدی عقائد کی زنجیریں کر دیا کرتی ہیں۔ وہ ان زنجیروں کو توڑ نہیں سکتا اس لئے کہ توڑنا چاہتا ہی نہیں۔ وہ انھیں زیور کی طرح محبوب رکھتا ہے۔ ہر عقیدہ، ہر عمل، ہر نقطۂ نگاہ جو اسے خاندانی روایات اور ابتدائی تعلیم و صحبت کے ذریعہ مل گیا ہے اس کے لئے ایک مقدس ورثہ ہے۔ وہ اس ورثہ کی حفاظت کرے گا مگر اسے چھونے کی جرأت نہیں کرے گا۔ بسا اوقات موروثی عقاید کی گرفت اتنی سخت ہوتی ہے کہ تعلیم و گرد و پیش کا اثر بھی اسے ڈھیلا نہیں کر سکتا۔ تعلیم دماغ پر ایک نیا رنگ چڑھا دے گی، لیکن اس کی بناوٹ کے اندر نہیں اترے گی۔ بناوٹ کے اندر ہمیشہ نسل، خاندان اور صدیوں کی متوارث روایات ہی کا ہاتھ کام کرتا رہے گا۔"

ایک جگہ بہار کا ذکر کرتے ہوئے بلبل کے تذکرے میں یوں گہر افشانی کی ہے:

"درحقیقت یہ ہے کہ نوائے بلبل بہشت بہار کا طبعی ترانہ ہے۔ جو لوگ اس بہشت سے محروم ہیں وہ اس ترانے کے ذوق سے بھی محروم ہیں۔ سرد ملکوں کو اس عالم کی کیا خبر۔ انسان کی برف باری اور یخ بستگی کے بعد جب موسم کا رخ پلٹنے لگتا ہے اور بہار اپنی ساری رعنائیوں اور جلوہ فروشیوں کے ساتھ باغ و صحرا پر چھا جاتی ہے تو اس وقت برف کی بے حسیوں سے ٹھٹھری ہوئی دنیا یکایک محسوس کرنے لگتی ہے کہ موت کی افسردگی کی جگہ زندگی کی سرگرمیوں کی ایک نئی دنیا نمودار ہو گئی۔ انسان اپنے جسم کے اندر دیکھتا ہے تو زندگی کا تازہ خون ایک ایک رگ کے اندر ابلتا، کھولتا دکھائی دیتا ہے۔ اپنے سے باہر دیکھتا ہے تو فضا کا ایک ایک ذرہ عیش و نشاط ہستی کی سرمستیوں میں رقص کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ آسمان و زمین کی ہر چیز جو کل تک محرومیوں کی سوگواری اور افسردگیوں کی جانکاہی تھی، آج آنکھیں کھولئے تو حسن کی جلوہ طرازی ہے۔ کان لگائیے تو نغمہ کی جاں نوازی ہے، سونگھئے تو سرتا سر بوئے گل کی عطر بیزی ہے۔"

بہر نوع یہ نثر بھی شعر ہی ایسا ہے کہ اگرچہ یہ عروض کے کسی اصول پر پورا نہ اترے لیکن اس کا لطف شعر سے کسی طرح کم نہیں۔ یہی سبب ہے کہ اس سے پوری طرح لطف اندوز ہونا بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔

اوپر کے اقتباس بھی اس سے خالی نہیں لیکن ایک اور مختصر سی عبارت دیکھئے جس میں تصویر کشی کی گئی ہے۔

"رات کا سماں، ستاروں کی چھاؤں، ڈھلتی ہوئی چاندنی اور اپریل کی بھیگی ہوئی رات چاروں طرف تاج کے سارے سر اٹھائے ہوئے کھڑے تھے۔ بُرجیاں دم بخود بیٹھی تھیں۔ بیچ میں چاندنی سے دُھلا ہوا مرمریں گنبد اپنی کرسی پر بے حس و حرکت متمکن تھا۔ نیچے جمنا کی روپہلی جدولیں بل کھا کھا کر دوڑ رہی تھیں اور اوپر ستاروں کی ان گنت نگاہیں حیرت کے عالم میں تک رہی تھیں۔ نور و ظلمت کی اس ملی جلی فضا میں اچانک پردہ ہائے ساز سے لرزتے بے حرف اٹھتے اور ہوا کی لہروں پر بے روک تیرنے لگتے۔ آسمان سے تارے جھڑ رہے تھے اور میری انگلی کے زخموں سے نغمے ــــ

زخمہ بر تارِ رگِ جاں می زنم — کس چہ داند تا چہ دستاں می زنم"

حقیقت یہ ہے کہ ان خطوط کی خوبیوں کا اندازہ ان اقتباسات سے نہیں ہو سکتا۔ پوری کتاب اس قابل ہے کہ اسے مسلسل مطالعہ میں رکھا جائے اور بار بار پڑھا جائے۔

ابھی پچھلے دنوں ایک اور ایسا خطوط کا مجموعہ شائع ہوا ہے کہ اسے دیکھ کر جی خوش ہو گیا اور اسے پڑھ کر وجدان وجد کرنے لگا خدا کا شکر کیا کہ ؎

ابھی کچھ رنگ باقی ہیں جہاں میں

میری مراد چودھری محمد علی ردولوی کے خطوط سے ہے جو "گویا دبستاں کھل گیا" کے دلچسپ عنوان سے شائع ہوئے ہیں۔ ان خطوں میں وہی بے ساختگی اور آمد ہے جو غالب کا حصہ تھی۔ چودھری محمد علی کی خدمت زبان کی تعریف فضول ہے کہ وہ اس دریا کے پرانے شناوروں میں۔ بقول نیاز فتحپوری "وہ لکھتے نہیں بات کرتے ہیں۔" دوسرے لفظوں میں انہوں نے بھی غالب کی طرح مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے میں نے انہیں باتیں کرتے نہیں سنا لیکن ان خطوں کے پڑھنے کے بعد میں یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کی گفتگو بھی بڑی دلچسپ اور باغ و بہار ہوگی۔ نیاز ہی نے لکھا ہے کہ "جس نے انہیں بات کرتے سنا ہے وہ ہی سمجھ سکتا ہے کہ منہ سے پھول جھڑنا کسے کہتے ہیں۔" میں شرح صدر سے اس پر "آمنّا" بالغیب" کہہ سکتا ہوں۔

آج کل ہمارے ادیب اور مصنف جو زبان لکھتے ہیں اسے دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ مشکل مشکل لفظ، عربی اور فارسی ترکیبوں کی بھرمار، عبارت میں الجھاؤ، طول کلامی ان کا امتیازی نشان ہے۔ یہ اصحاب گھر بار یا گلی بازار میں اس زبان میں گفتگو نہیں کرتے۔ آخر کیا بات ہے کہ ایک شخص بات چیت میں تو چنگی بھلی زبان بولتا ہے جس کے سمجھنے میں خود اسے کوئی کاوش نہیں کرنا پڑتی اور جس کے سمجھنے میں سننے والے کو دماغ پر زور نہیں دینا پڑتا۔ ادھر دل سے نکلی اُدھر دل پر اثر انداز ہوئی۔ لیکن جونہی وہ کچھ لکھنے بیٹھتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا تحریر انتخاب صراح و قاموس" ہے۔ یکی ہے اس کے اور سبب بھی ہیں لیکن بولنے اور لکھنے کی زبان میں جو نمایاں فرق ہے میرے نزدیک اس کی بڑی وجہ خود لکھنے والوں کی غلط فہمی ہے۔ یہ اصحاب خیال کرتے ہیں کہ جب تک مشکل اور پرشکوہ الفاظ نہ لکھے جائیں پڑھنے والے پر رعب نہیں پڑے گا، یا شاید تحریر کمزور رہ جائے گی۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ بے شک بعض موضوع ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے روزمرہ کی سیدھی سادی زبان کافی نہیں ہوتی اور شاید مناسب بھی نہیں ہوتی لیکن علمی اور فنی موضوعات کو چھوڑ کر جہاں اصطلاحات سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں

کوئی ادب ایسا مضمون نہیں جو ہم اپنی مادری زبان میں ادا نہ کر سکیں۔ جب سے ہمارے انگریزی داں اصحاب نے اردو میں لکھنا شروع کیا ہے آہستہ آہستہ ایک اور نقص یعنی داخل ہو گیا ہے۔ آپ کسی ڈاکٹر صاحب یا ایم اے کا مضمون دیکھ لیجئے۔ آپ کو قدم قدم پر ایسے فقرے ملیں گے جو انگریزی سے ترجمہ معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی بندشیں، ترکیبیں اور محاورے کسی طرح ہماری زبان کے مزاج سے میل نہیں کھاتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اصحاب سوچتے انگریزی میں اور لکھتے اردو میں ہیں۔ دونوں زبانیں جاننے کی وجہ سے اپنے خیال کا ترجمہ فوراً اردو میں کر لیتے ہیں لیکن چونکہ مزاج میں کاہل انگاری بہت ہے اس لئے وہ اس بات کی پروا نہیں کریں گے کہ جو کچھ لکھا جا رہا ہے وہ ہمارے مستند معیار پر بھی پورا اترتا ہے یا نہیں۔ بے شک زبان بڑھتی دولت ہے۔ اس میں نئے الفاظ آتے رہتے ہیں اور پرانے الفاظ میں سے ترک بھی ہوتے رہتے ہیں۔ اسلوب اور طرز کا بھی یہی حال ہے۔ آج ایک طرز مقبول ہے کل وہی مردود ہو جاتا ہے۔ تجربوں سے کوئی نہیں روکتا۔ اگر کوئی روکتا ہے تو وہ زبان کی ترقی کا دشمن ہے لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ آپ کو کھلی چھٹی دے دی جائے کہ آپ زبان کو امیر خسرو کی اہل بنا کے رکھ دیں۔

میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ آپ چودھری محمد علی کے یہ خط پڑھیں تو آپ کو معلوم ہو کہ زبان کیسے کہتے ہیں اور اس میں کیسے کیسے خیالات ظاہر کرنے کی صلاحیت ہے۔ آپ صفحوں کے صفحے پڑھ جائیے، آپ کو کسرۂ اضافت کہیں ڈھونڈے سے نہیں ملے گا۔ اس کا سبب یہی ہے کہ وہ جو زبان بولتے ہیں اسی میں انہوں نے خط لکھ دیئے ہیں۔ ایسی رواں دواں نثر بہت مدت کے بعد دیکھنے میں آئی اور اسے پڑھ کر بے ساختہ زبان سے نکل گیا "خوش گفتن و دُرسفتن"۔

اب دو تین مثالیں دیکھئے۔ پہلے دو ایک تازہ تشبیہیں ملاحظہ ہوں۔

بیٹی کی بیماری کی خبر سنی ہے۔ اسے لکھتے ہیں:

"قربانت شوم! سن رہا ہوں کہ تمہارے دشمنوں کو حرارت آ گئی۔ تمہاری بیماری کا میں بھی
وہی کیفیت ہوتی ہے جو میر تقی میر کی برسات میں پرانے گھر کو دیکھ کر ہوتی تھی کہ
تر تنک ہو تو سوکھتے ہیں ہم"

ان کی ایک کتاب "کشکول محمد علی شاہ فقیر" ہے۔ کاتبوں اور ناشروں نے اس کا ستیاناس کر دیا ہے۔ اس کی اطلاع ایک دوست کو دیتے ہیں:

"کشکول محمد علی شاہ فقیر" امید ہے کہ ڈھائی برس کے بعد پریس سے آ جائے۔
جیسے ہی آئی حاضر کروں گا مگر صلاح الدین صاحب! چھاپنے والے نے کیا ظلم کیا
ہے۔ چھپائی ایسی ہے جیسے یتیم بچے کا منہ ہوتا ہے۔ غلطیاں ایسی ہیں کہ جیسے بڑے
گھر کی لونڈی ہوتی ہے۔ کتاب تمسخر ہو کر رہ گئی ہے، اور ہم ہیں کہ بے بس، بے اختیار
دم بخود بیٹھے ہیں۔"

ایک دوست کی بیوی فوت ہو گئی ہیں۔ اسے تعزیت کا خط لکھتے ہیں اور دیکھئے کیسے انوکھے طریقے سے ہمدردی کا اظہار کیا ہے:

"میں ناتجربہ کاری کے زمانہ میں تعزیت اور پرسے پر ہنسا کرتا تھا۔ میری ایک لڑکی

جو بہت دنوں سے بیمار تھی۔ اس کے علاوہ چار لڑکیاں اور بھی تھیں، وہ گزر گئی۔ صبح کو ایک صاحب تعزیت کو آئے۔ بیچارے کم سن تھے، آ کر چپ بیٹھ گئے میں نے کہا — ہاں تو پھر شروع کیجیے "بھی کیا بیمار تھی؟ مجھ کو اطلاع بھی نہیں ہوئی خدا آپ کو صبر دے۔" وہ بیچارے پریشان ہو گئے۔ اس کے بعد میرا اکلوتا لڑکا گزر گیا۔ اس واقعے کے بعد ایک دیہاتی جاہل ملاقاتی نے ہمدردی کی عجیب بھونڈے طریقے سے اس نے مجھے تسکین دی۔ مگر یہ معلوم ہوا کہ جیسے زخم پر کسی نے مرہم رکھ دیا۔ اس نے کہا، "وہ لڑکا تمہارا تھا ہی نہیں۔ اگر تمہارا ہوتا تو تمہارے پاس رہتا۔ وہ جس کا تھا اس نے لے لیا، تم کیوں رنج کرتے ہو"

ہاشمی صاحب! اس وقت بھی وہ زخم ہرا ہے اور اس وقت بھی وہ مرہم اپنا کام کر رہا ہے۔ اس کے بعد سے میں ہر پہلو سے تعزیت کی قیمت سمجھنے لگا اور اسی وجہ سے یہ صفحہ سیاہ کیا کہ شاید دلی ہمدردی غم میں کچھ افاقہ کرے۔ ارحم الراحمین آپ حضرات کو صبر دے۔ آمین!

محمد علی کی مزاح کی حس بہت تیز ہے۔ موقع مل جاتے تو ہنسنے ہنسانے سے نہیں چوکتے۔ اگر کسی اور پر نہیں ہنس سکتے تو اپنے آپ کو ہی تختۂ مشق بنانے میں دریغ نہیں۔ ایک دوست جن سے بہت دن سے ملاقات نہیں ہوئی اور انھوں نے خیر خیریت کا خط بھی نہیں لکھا، انھیں لکھتے ہیں:

"زمانہ اور اسباب زمانہ اتنے دوسرے ہو گئے ہیں کہ معلوم گنتے ہیں کہ جن سے مل کر جی خوش ہوتا تھا اور اب برسوں خبر بھی نہیں ہوتی۔ خود ہمارے ساتھی تو قریب قریب ختم ہو چکے۔ جیسے کہ ہم نے اپنے سے کم سن لوگوں سے بزم سجا لی تھی۔ گویا سینگ کٹا کے بچھڑوں میں داخل ہو گئے تھے۔ مگر خدا کا کرنا ایسا ہے کہ ان سے بھی واسطہ نہ رہا۔ اب دو ایک بڈھے رہ گئے ہیں۔ ان سے کبھی ملاقات ہو جاتی ہے تو آپس میں ایسی باتیں ہوتی ہیں، جیسے ہم لوگ اعراف میں بیٹھے ہیں۔"

صحت خراب ہے اور کمر میں درد ہے۔ اس کی اطلاع ایک صاحب کو دیتے ہیں:

"آج کل علاوہ روحانی تکلیف کے ایک جسمانی تکلیف بھی اضافہ ہو گئی ہے۔ یعنی کمر میں سخت چلک آ گئی ہے۔ آپ کہیں گے کہ یہ کون ایسی مصیبت تھی جس کی بنا پر احباب سے خراج ہمدردی وصول کیا جائے۔ حضرت بات یہ ہے کہ بابا

"دو کاشتہ میرے پاس ایک غرض سے کہ آئے اور بہت چالاکی سے اپنا مطلب نکالنے میں مصروف ہو گئے۔ میں نے کہا: "ہو نہ کاشتہ! اپنا مطلب نکالنے کے لئے دوسروں کے نقصان کی پروا نہیں کرتے۔" انہوں نے جواب دیا "ہم وہ کاشتہ نہیں ہیں جو آپ سمجھتے ہیں۔" اسی طرح میری کمر کی چٹاپ وہ نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ یہ ایسی چٹک ہے جو فارسی میں چٹنی بتا دیتی ہے۔"

ایک صاحب کو بہت دن سے خط نہیں لکھا۔ انہوں نے ایک خط کا جواب نہ ملنے پر دوسرا لکھا ہے۔ اس پر لکھتے ہیں:

"بھائی خورشید! سلام شوق۔ آپ کا محبت نامہ آیا تھا اور جہاں تک یاد پڑتا ہے میں نے جواب بھی لکھا تھا مگر قسم نہیں کھاؤں گا۔ ممکن ہے لکھنے کا ارادہ ہی کرتے کرتے رہ گیا ہوں۔ بہر حال اگر وہ خط میں نے نہ بھی لکھا ہو تو آپ ڈاک خانے دور سہی ہوں، مگر از دل دور کبھی نہیں رہے۔ اس دوسرے خط کا بھی شکریہ قبول فرمائیے۔ میں زندہ ہوں اور ابھی تک چلا جاتا ہوں مگر ابھی تک یہ حالت ہے کہ ایک دن اگر بالکل ہی چلا جاؤں تو افسوس کر لیجئے گا۔ مگر تعجب کی گنجائش نہ ہوگی۔"

اسی طرح ایک دوسرے دوست کو لکھتے ہیں انہیں بھی ان کے خطوں کے جواب نہیں دئے:

"مائی ڈیر مولانا! ایک عورت تھی، وہ بڑی ہنس مکھ تھی۔ جس مرد کو دیکھتی تھی ہنس دیتی تھی۔ اس کے شوہر کو کچھ یہ بات پسند نہ تھی

عشق است و ہزار بدگمانی

اس نے اپنے شوہر کو اطمینان دلایا: "ہنسنا میرا اسبھاؤ بالم تم چیتا نہ ما نیو۔"[1] یہی حال میری کوتاہ قلمی کا ہے۔ آپ اپنے خطوط محبت کا جواب دیر میں پا کر اعجازنہ کیجئے۔ اگر میں روز روز خطوط کا جواب دیا کروں تو اتنی تمہیدیں کہاں سے پاؤں۔"

اگر میں اسی طرح اقتباس نقل کرتا جاؤں تو بلا مبالغہ آدھی کتاب نقل ہو جائے۔ کتاب کی خوبیوں کا اندازہ اس کے پڑھنے ہی سے ہو سکتا ہے۔ ان خطوں کی امتیازی خصوصیت ان کا تصنع سے عاری ہونا ہے۔ انگریزی میں ایک محاورہ ہے (THINKIG ALOUD) یعنی اونچی آواز سے سوچنا۔ یہ تعریف پوری طرح ان خطوں پر صادق آتی ہے۔ چودھری محمد علی نے یہ خط نہیں لکھے بلکہ ان کے قرطاس جس وقت وہ یہ باتیں سوچ رہے تھے ان کے ذہن و قلب کی تصویر کھینچ لی ہے۔ اب بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ کیمرے کی تصویر اصل سے مختلف ہو۔

---

[1] یعنی پیارے! ہنسی مذاق میری گھٹی میں پڑا ہے، تم اس سے بدگمان نہ ہونا۔

تصویر تو اصل کے مطابق ہی ہوگی۔

ان خطوں کے پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان کا لکھنے والا محبت کرنے والا باپ، مخلص دوست، خدا سے ڈرنے والا آدمی اور اچھا اور بیباک شہری، اور بڑے مرتبے کا انسان ہے اور جب کوئی آدمی بڑے مرتبے کا انسان ہو تو اسے اس کی پروا نہیں ہوتی کہ لوگ اسے شیعہ سمجھتے ہیں یا سنی۔ ہندو خیال کرتے ہیں یا مسلمان۔ اس کے نزدیک انسان خلاصۂ کائنات ہے۔ کیونکہ انسان خلیفۃ اللہ فی الارض ہے نہ کہ سنی یا شیعہ، ہندو یا مسلمان۔

ختم کرنے سے پہلے ایک بات لکھ دوں کہ اگر "گویا دبستان کھل گیا" کا دوسرا ایڈیشن شائع ہو تو اس کی کتابت اور تصحیح پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ چودھری محمد علی کی مختصر سوانح عمری کا اضافہ لازمی ہے اور مکتوب الیہم کے کوائف اور ان کا مکتوب نگار سے کیا رشتہ ہے اس کی وضاحت اشد ضروری۔

عکسی خطوط

کعبے کس منہ سے جاؤ گے غالبؔ
شرم تم کو مگر نہیں آتی

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

داغ دل گر نظر نہیں آتا
بو بھی اے چارہ گر نہیں آتی

نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

غیر پھرتا ہے لیے یوں ترے خط کو کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

اس نزاکت کا برا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا
ہاتھ آویں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے

میں بلاتا تو ہوں اس کو مگر اے جذبۂ دل
اس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

مرزا غالب کے خط کا بقیہ حصہ

لوہارو — صبح روز آدینہ ۱۹ جون — بیرنگ

بمطالعہ مہاراجہ برخوردار سعادت و اقبال نشان مرزا علاؤالدین خاں بہادر سلمہ اللہ تعالیٰ

مفتوح باد

اصل لفافے کی عکسی تحریر جس میں یہ خط ملفوف کر کے بھیجا گیا۔

مکتوب سر سید احمد خان

مکتوب الیه مولوی سید ممتاز علی صاحب

مکتوب مولانا حالی

مکتوب الیہ وحشت کلکتوی

مکتوب علامہ ڈاکٹر محمد اقبال

Dr. Sir Mohd. Iqbal, Kt.
M.A., Ph.D.
Barrister-at-Law,
Lahore.

[illegible]

مکتوب الیہ مولانا محمد عرفان صاحب

مکتوب ڈپٹی نذیر احمد

عالی جناب

السلام علیکم۔ آپ کو شاید معلوم ہو کہ میں نے بڑی محنت سے قرآن مجید کا اردو ترجمہ کیا ہے
کیونکہ اس کے لیے اتنے برس محنت شاقہ اٹھانی پڑی ہے اور تراجم موجودہ
اور تفاسیر اور احادیث سے مطابق کرنے کے لیے مولویوں کا اسٹاف رکھنا
پڑا ہے تب کہیں جا کر یہ ترجمہ میرے نزدیک بامحاورہ سلیس مطلب خیز
مستند اور تراجم مروجہ سے بہت بہتر ہوا ہے۔ ترجمے کے ساتھ اشارات بھی
رکھ دیئے گئے ہیں اور منظور یہ ہے کہ ان اطراف میں اچھی طرح اعلان کر دیا جائے
کہ قرآن مجید کا نیا ترجمہ مل سکتا ہے۔ پہلے آپ دیکھ کر اچھی طرح اطمینان
حاصل کر لیجیے کہ آیا واقع میں یہ ترجمہ تراجم موجودہ سے کہیں بہتر ہے یا نہیں
اور اگر آپ کے نزدیک بہتر ثابت ہو تو آپ اس کی سرپرستی کیجیے
کیونکہ اس کی اشاعت میں مدد دینا گویا اغراض دیانت کی تکمیل کرنا ہے
بلکہ اگر آپ کر سکیں تو اس ترجمہ کی کیفیت کو سرکار کے گوش زد کریں
اور ان سے سرپرستی کی تحریک فرمائیں۔ ترجمے کا حجم اور سواد خط اور چھاپہ
آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ قیمت جو قرار دی گئی ہے اس میں کوئی ذاتی مفاد
مقصود نہیں ورنہ میں اگر اسی میں اور مولویوں کی تنخواہ لگاتا تو سو روپے
جلد لاگت پڑتی مگر میں نے یہ تمام جتایا کیا ہے ان اجری الا علی اللہ
حیدرآباد میں آپ سے تفصیلی ملاقات نہ ہونے کا افسوس باقی رہ گیا۔

فقط خاکسار نذیر احمد
۵ جنوری سنہ ۹۹ء

ترجمہ زیر ہدیہ آپ کی خدمت میں
روانہ کیا گیا ہے اور مقدمہ کا
رد بدل کیا گیا ہے اور اس میں
بعض کمی ایزادی۔

مکتوب الیہ نواب مولانا سید علی حسن صاحب

مکتوب نواب محسن الملک

Honorary Secretary's Office.
M. A.-O. COLLEGE.
Aligarh, ______ 190

مکتوب الیہ مولوی بشیر الدین صاحب (اٹاوہ)

مکتوب منشی محمد ذکاءاللہ

مکتوب الیہ مولانا محمد حسین آزاد

مکتوب مولانا حبیب الرحمن شروانی

CENTRAL OFFICE OF
SULTAN JAHAN MANZIL
ALIGARH

مکتوب الیہ طاہر فاروقی صاحب

مکتوب مولانا شوکت علی

"KHILAFAT HOUSE,"
Love Lane,
BOMBAY, 10.

THE CENTRAL KHILAFAT COMMITTEE (INDIA)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

BOMBAY, 7.7. 1931.

مکتوب الیہ مولانا غلام رسول صاحب مہر

مکتوب مولانا محمد علی جوہر

Telephone No. 3556 — Telegrams COMRADE Delhi

The Comrade.

Kucha Chelan

Date:

مکتوب الیہ مولانا محمود احمد عباسی

مکتوب وحیدالدین سلیم

دفتر معارف
علی گڑھ } 6/6/99

جناب من

آپ کا مضمون بعنوان [illegible] "عرب کی تصنیفات اور اہل یورپ کی فیاضی" کو ناظرین معارف نے بہت پسند کیا اور اخباروں میں بھی نقل ہوا ہے اب لوگ منتظر اور مشتاق اور بیتاب ہیں کہ اسکے باقی حصے بھی اسی آب و تاب سے معارف میں چھپ کر انکی نظر سے گذریں۔ کیا آپ ناظرین معارف کے اس اشتیاق اور انتظار پر رحم نہ کرینگے۔

مکتوب الیہ نواب سید علی حسن صاحب

آپ کی عنایتوں سے تو یہی امید ہے کہ اس کا جلد سے

آپ نہ صرف عنایت نامہ ارسال کریں گے بلکہ

اپنے مضمون کے بقیہ حصے بھی بلطف فرمائیں گے۔

"المختلف" کی باقی دیگر جلدیں جب کہ

آپ نے رحمت فرمائی کی زحمت ہوں

تو عنایت مربیانہ سے بعید نہ ہوگا۔

والسلام مع خیر ختام

آپ کا نیاز مند قدیم

وحید الدین سلیم

مکتوب سید احمد دہلوی (فرہنگ آصفیہ)

حافظ صفدر علی صاحب مصحح سنگ رفاہِ عام پریس لاہور نے میری کتاب فرہنگ آصفیہ
کی جلد چہارم کے پہلے تقریباً نصف سے زیادہ بنا دی ہے۔ میرا خیال تھا کہ منشی علی بخش صاحب
زیادہ اس کام میں درستی [illegible] مہارت نہیں رکھتا کیونکہ اول تو وہ گورنمنٹ بک ڈپو
میں میرے ماتحت [illegible] تحسین و آفرین کے مورد رہے۔ دوسرے
یہ کہ حافظ صاحب کے استاد بھی رہ چکے ہیں۔ لیکن چونکہ منشی علی بخش صاحب نے تقاضائے عمر
یہ کام بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اس وجہ سے یہ کہنا بیجا نہیں کہ اس وقت حافظ صفدر علی صاحب سے
بہتر لاہور میں کوئی [illegible] نہیں ہے۔ انہوں نے صفحے کے صفحے میری کتاب کے از سر نو
بہتر لکھ کر اکثر اوقات خود سے غلط [illegible] غلطیوں کو نہایت احتیاط اور درستی سے
بنایا بلکہ املا بھی کہیں غلطی نہیں کی۔ انگریزی اور ناگری کے الفاظ بھی خوب بنائے
پس اس سے زیادہ کیا لیاقت ہو سکتی ہے۔ میں خوش ہو کر انکو کچھ ہاں [illegible] یہ سطور
بھی دیا لیکن میں خوش جب ہوتا کہ اس وقت انکی خدمت جیسا کہ چاہتا تھا
ویسی کر سکتا اور جسکو اس وقت کی عسرت مانع نہ آتی۔ فقط ۱۲ جولائی ۱۹۰۱ء

سید احمد دہلوی بقلم خود

۱۲/۷/۱۹۰۱

مکتوب الیہ حافظ صفدر علی صاحب

مکتوب احسن مارہروی

مکتوب ابیه مولوی بشیر الدین احمد

مکتوب مولانا راشد الخیری

مکتوب الیه مولوی سید ممتاز علی صاحب

مکتوب ناصر نذیر فراق

[illegible]

مکتوب بنام سید محسن علی صاحب

مکتوب حاب دہلوی

دفتر روزنامہ ہمت لکھنؤ

مکتوب الیہ مولانا لطف علی بریلوی صاحب

مکتوب ڈاکٹر انصاری

مکتوب الیہ مولوی محمد عرفان صاحب

مکتوب وحشت کلکتوی

ڈھاکا ۲۲ نومبر ۵۱ء

عزیزی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

محبت نامہ مورخہ ۲۰ نومبر پہنچکر باعث مسرت ہوا۔ معلوم ہوا کہ آپ عنقریب حیدرآباد سندھ جانے والے ہیں۔ وہاں پہنچتے ہی آپ مجھے اور اپنے احباب کو اپنے نئے پتے سے آگاہ کیجیئے۔ جرم صاحب ڈھاکا آئے تھے۔ معلوم ہوا کہ وہ "منبع کائنات" کا زیبا مضمون بھیج چکے ہیں۔ بیخود صاحب کا حال معلوم نہیں اور میں "وحشت نمبر کائنات" کے متعلق اپنے کسی ملنے والے سے ذکر کرنا نہیں چاہتا۔ آپ اس کام کو بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ ترانۂ وحشت کی کتابت ہو رہی ہے اور ممکن ہے دسمبر کے اخیر تک کتاب مکمل ہو جائے۔

آپکا مضمون "ترقی" میں میری نظر سے گزرا۔ یہ مضمون قابل قدر ہے۔ ڈھاکا میں اکثر میرے ملنے والوں نے اسکو دیکھا اور تعریف کی۔ ایک فہرست سی میرے شاگردوں کی اس میں نظر آئی۔ یہ نہ ہوتی تو بہتر تھا۔ اس فہرست میں چند نام ایسے ہیں جنکے متعلق میں نہیں چاہتا کہ لوگ انہیں میرے شاگرد سمجھیں۔ خیر اب "تیر از کمان رفت"۔

حضرت شمس کے تذکرہ میں آپ نے عزیز کا نام لکھا ہے۔ یہ انکے شاگرد نہ تھے اپنے بھائی صولت سے اصلاح لیتے تھے۔ انکو آپنے بقید حیات بتایا ہے۔ دو تین سال ہوئے انہوں نے قضا کی۔ اکمل مرحوم کے متعلق آپنے لکھا ہے کہ اگر انکا سارا کلام جمع کیا جائے تو کم از کم پانچ ضخیم دیوان مرتب ہو سکتے ہیں۔ یہ حقیقت نہیں ہے۔ بمشکل ایک دیوان مرتب ہو سکتا ہے۔ مرحوم کہتے کم تھے لیکن جو کہتے تھے خوب کہتے تھے۔

ڈھاکا کے شعراء میں آپنے ایک نام لکھا ہے سید [illegible] الحسنین کاکوی۔ انکا تخلص کملی نہیں "شرف" ہے۔

امید ہے کہ آپ مع متعلقین بخیر ہیں۔

آپکا خیر طلب

وحشت

مکتوب الیہ وفا راشدی صاحب

مکتوب سید سلیمان ندوی

نمبر ۳۷۸۳

SHIBLI ACADEMY

دار المصنفین

Azamgarh. (U. P.)

192

بنام

مکتوب الیہ ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

مکتوب غلام بھیک نیرنگ

MUSLIM UNIVERSITY,
ALIGARH.

مکتوب الیہ حکیم محمد اسحق حقانی

مکتوب میر ناصر علی

"SALALAM"
Farrash-khana,
DELHI

مکتوب الیه مولوی غلام یزدانی صاحب

مکتوب شاد عظیم آبادی

مولانا محمد مسلم روحی فداکم   السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میرے خط کے جواب میں آپ کا خط پہونچا مجھ کو پہلے ہی یقین تھا کہ آپ ضرور ایسی کتاب کی قدر کریں گے - قریب پانچ سو محاورے تو میں منضبط کر چکا ہوں اور کئی سو ایسے محاورے جن میں بسبب امتداد زمانہ مجھ کو شبہ تھا ملا جلال الدین اڈیٹر حبل المتین کے پاس بھیج دئے ہیں عنقریب جواب آجائے گا میرے خیال میں ہزار دو سے زیادہ محاورے جمع کئے جا سکیں گے گرمی کی شدت میں اس پیرانہ سالی میں بہ مجبوری دو ڈھائی گھنٹے کام کرنا ہوتا ہے آج صاف کرانا تھا کہ آپ کا خط پایا اچھا معلوم ہوا کہ بطور نمونہ کے آپ کے پاس بھیج دوں جہاں تک اس صفحہ میں جو محاورات درج ہیں وہ ہنوز مسلم الثبوت نہیں ہیں آگے ویسے ویسے الفاظ اور محاورے لکھے جائیں گے کہ اہل ہند کے کانوں نے نہیں سنے ہیں — اس نمونہ کو دیکھ کر اپنی رائے قلم بند کیجئے اور اس کو جلد واپس کیجئے - فارسی والی مثنوی اور وہ دستور العمل اور نسخہ بالضرور میرے پاس بھیج دیجئے اس کے متعلق تبدیل ترمیم کے دفعہ ہو کر میرا علاوہ بیکار نہ دیں گے غالباً آپ بھی اس کو گوارا نہ کریں گے جب تک یہ چیزیں واپس نہ آئیں گی خلاصہ مرتب نہیں ہو سکتا جس قدر توقف ہوگا مجھ پر الزام نہیں آپ نے اپنا حال کچھ نہ لکھا - کیسے دنوں میں رمضان کیا گذرا کہاں پر مشغولی کیسی ہے کہ ایسے لوگ مجھ سے ملتے ہی تو سب کا جواب دیکر ممنون فرمائیے

دعاگو

احقر شاد

۲۹ ماہ صیام ۱۳۴۱ھ

مکتوب الیہ پروفیسر محمد مسلم صاحب

مکتوب منشی پریم چند

[illegible]

پریم چند

مکتوب الیہ نحور نجیب بادی

مکتوب میر ناصر علی

"SALA-I-AM,"
Farrash-khana,
DELHI

مکتوب بنام مولوی غلام یزدانی صاحب

مکتوب مولانا عبد الحلیم شرر

[illegible]

مکتوب الیہ مولوی سید ممتاز علی صاحب

مکتوب مولوی عنایت اللہ

مکتوب الیہ مولوی غلام یزدانی صاحب

مکتوب مفتی کفایت اللہ

[illegible]

جناب مکرم دام مجدکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ محبت نامے نے مسرور فرمایا۔ یاد آوری کا شکریہ
آپ دعا کی برکت اور حضرات رفقاء کی شفقت و کرم سے سفر حجاز بخیریت و راحت
وطن کو عافیت کے ساتھ واپس ہوا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ

مکرمی میں تو وحدت کی سعی کر رہا ہوں اور دیگر رفقا بھی مگر مسلمانوں میں افتراق و شقاق
کی خلیج زیادہ وسعت پذیر ہو رہی ہے کہ موجودہ حیثیت ہی تباہی کے لئے کیا کم ہے
وسعت پذیری کا خوف زیادہ ہے۔ مگر خدا جانے ہندوستانیوں کی بدقسمتی کا آفتاب
کب ہوگا اور ان کی صبح کب طلوع ہوگی۔ وقت مقدر ہے کہ جس وقت ترقی کی تلاش
اور ہم ان کی ظلمت نور و خیرہ کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دستگیری فرمائے

... عاجز کی طبیعت زیادہ بیمار رہتی ہے

... مسعود الحلیم صاحب مولوی ... سفر میں ہیں۔ مولانا احمد سعید صاحب سلام فرماتے ہیں

محمد کفایت اللہ غفرلہ

دہلی

مکتوب الیہ مولانا غلام رسول صاحب مہر

مکتوب اختر شیرانی

شاہکار ۔ لاہور

قبلۂ محترم! آداب فرزندانہ ۔ گرامی نامہ باصرہ نواز ہوا۔
زیادہ مسرت یوں بھی حاصل ہوئی کہ خط آپ کے مخصوص طرز میں تھا ۔ اجازت
ہو تو اسے شایع کر دیا جائے۔
"تاجور نمبر" کے لیے اس نمبر میں اعلان کر رہا ہوں ضروری
ہدایات جلد بھجوایئے۔
بیدار صاحب بیٹھے ہیں ۔ وہ نمبر کے لیے ایک نظم لکھیں گے۔
"احسان" کو کل بلواؤں گا ۔ مگر میں یہ نہیں سمجھا کہ اُس سے کس قسم کا مشورہ
لیا جانا چاہیے۔
ٹائٹل پیج اس مرتبہ بدلنا ہے ۔ میں نے تو جولائی نمبر کے لیے
بھی فیصلہ کر لیا تھا مگر دفتر کی سستی اور پریس کی چستی نے معاملہ خراب
کر دیا یعنی پریس کو (طلا) پہنچنے سے پہلے پرچہ طبع کر چکے تھے۔
اب آپ کا نام یوں شایع ہو گا " شمس العلما علامہ تاجور نجیب آبادی
مجھے اندیشہ ہے کہ شائع شدہ نمبر کی طرف لوگوں نے زیادہ توجہ نہ
کی ہوگی کیونکہ دور سے سرورق دیکھ کر پرانے رنگ کا خیال پیدا ہوتا ہے
آپ کی (۱) غزل (۲) شذرات (۳) مبارکباد کے خطوط (۴) اور ہدایات
کا شدت سے انتظار ہے۔
دو کاپیاں جو خطوط کے لیے وقف ہیں، یہ فیصلہ کیجیے نمبر کی شروع
میں جائیں گی یا آخر میں؟ پریس میں کوئی کاپی نہیں بھیجی جا سکتی۔
امید ہے آپ مع الخیر ہوں گے ۔ استانی صاحبہ کی خدمت میں آداب

بچوں کو دعا اور پیار ۔ نیاز مند

اختر شیرانی

مکتوب الیہ تاجور نجیب آبادی

مکتوب سلطان حیدر جوش

Hamid Manzil,
Marris Road
ALIGARH U.P.
7.6.44

محبی! السلام علیکم۔

مئی کا مہینہ ایک ہفتہ ہوا کہ گزر گیا۔ آپ یہاں تشریف نہ لا سکے اور میں بھی "یوم صوفی" کی صدارت کے لئے آگرہ نہ پہنچ سکا

اب یہ سنئے کہ میں نے اپنی تازہ ترین تصنیف ختم کر لی ہے۔ یہ وہی ہے جس کا نام تمثال میں نے دہلی سے اپنی تقریر میں نشر کیا تھا۔ اس میں ۱۲ نہایت پھڑکتے ہوئے افسانے ہیں۔ اپنی بتیس سالہ ملازمت کے غیر معمولی مشاہدات کا مرقع افسانوں کے لباس میں رکھ دیا ہے۔ کوشش کی ہے کہ افسانوں کے جس قدر نمونے مغرب نے آج تک بنائے ہیں وہ سب آ جائیں، بلکہ ایک افسانہ محض ٹیلیفون پر بنایا۔ اس وقت تک اچھوتی جدت ہے۔ ضخامت میں اسکول کی ڈبل دار کاپیوں کے، جن ۱۹ سطریں فی صفحہ ہوتی ہیں، پورے ۲۵۸ صفحے ہیں۔ مئی کے ختم پر یہ ایک سالہ کوشش شکر ہے کہ اختتام کو پہنچ گئی

اب خدا جانے کیا ارادہ ہے؟ — سب سے پہلے آپ کو لکھ رہا ہوں۔ والسلام

جواب اگر بھیجنا ہے تو جلد دیجئے۔

احقر سلطان حیدر جوش

مجھے آپ کے دولت خانہ کا پتہ نہیں یاد۔ اس لئے یونیورسٹی کے پتہ سے بھیجتا ہوں۔

مکتوب الیہ محمد طاہر فاروقی صاحب

مکتوب خواجہ حسن نظامی

ارم بنگلہ - بنجارہ ہل حیدرآباد -
۸ محرم ۱۳۶۷ھ - ۲۲ نومبر ۱۹۴۷ء شنبہ

پیارے میاں مولوی غلام یزدانی صاحب السلام علیکم۔
کاغذات ہیں دیکھ کر کے ارسال خدمت کرتا ہوں
اخبار منادی حیدرآباد سے جاری کرنے کی اجازت مل گئی
ہے۔ اور میں اردو مجلس کے تازہ جلسے کے حالات درج کرنا ضروری
سمجھتا ہوں۔ لہٰذا مضمون کی نقل اور جعفر یار جنگ کے مضمون کی نقل
مرحمت فرمائیے۔ مضمون کے ضروری حصوں کا انتخاب شائع کرنا ہے
آثار قدیمہ کی نسبت آپکی کوئی کتاب یا تحریر ہو تو
وہ بھی عنایت کیجئے تاکہ معلومات ذریعہ سے منادی میں ان کا
ذکر جاری رہے۔

میری صحت زیادہ خراب ہو گئی ہے۔ اور اب ہر وقت ضعیف اور
علیل ہو گیا ہوں۔ چلنا پھرنا مشکل ہے۔ تاہم اخبار جاری ہونے تک
جاری ہوگا اور میں دن کے وقت وہاں رہا کرونگا۔ اور جب تک
پیروں میں دم ہے ناشتہ رات کے بعد اپنا پڑے گا۔

آپکے سوال نامے کے جواب میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ بہت
صحیح ہے۔ مگر جن حالات کو مرزا لکھتے ہیں وہ حالات کچھ اور ہیں
ان میں آپ بھی مبتلا ہیں۔ اسلئے آپکو متوجہ کرانے کو لکھ دیا۔
حسن نظامی

مکتوب الیہ مولوی غلام یزدانی

مکتوب پنڈت دتاتریہ کیفی

Brij Mohan Dattatrya Kaifi

77-78, D Block,
MODEL TOWN, P O.,
LAHORE

۱۔ دریا گنج۔ دہلی

۲۳ر نومبر ۴۸ء

جناب مکرم

تسلیم۔ عنایت نامہ کا شکریہ۔ استفسارات کے جواب یہ ہیں:

(۱) پیڈل چلانا بہتر ہوگا میری رائے میں

(۲) رلاڈیاں۔ میں ر اور د ساکن ہیں۔ واؤ ساکن ہے اور ڈ مکسور۔

(۳) مخروطہ۔ اگرچہ اس کے معنی میں بعض لغات میں مخروطی بھی لکھا ہے لیکن استعمال اس لفظ کا مخروط ہی کے معنی میں ہوتا ہے

(۴)۔ شفا کے معنی ہیں بیماری کے بعد اچھا ہو جانا یعنی صحت بدنی کا عود کرنا۔ زخم کی نسبت تندرستی کے منافی ہے کیونکہ اس کے معنی ہونگے کہ زخم بیماری سے پہلے جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا جس کے معنی کچھ نہیں بنتے کیونکہ زخم تو خود ایک بیماری ہے۔ اسی واسطے اسی وجہ سے دوسری شکل یعنی زخم کو شفا ہو گئی بھی غلط ٹھہرتا ہے۔ صحیح فقرہ ہوگا "زخم سے شفا ہو گئی" جسم کو

مشکور رہیے

نیاز کیش

برجموہن دتاتریہ کیفی

مکتوب الیہ آغا محمد صادق صاحب

مکتوب سائل دہلوی

سید صاحب بنیاز فرما۔ تسلیمات و نیاز ۔ السلام علیکم ۔ نوازش نامہ شرف لایا ۔ میں نے بجواب حکم

حسب الارشاد زور کی کچھ اپنی اشعار مثنوی کے سنا اختتام کر دیئے ہیں جو بھی الفاظ مستقر کی متعلق

یاد آئے کچھ لکھ دیئے ہیں ۔ میں کسی بھی مخالف نہیں جیسا جو سلف سے ہو ۔ تذکیر و تانیث جو مروج زبان ہے

میری زور دو میری زبان کی روز مرہ مسلک بھی ہے ۔ صحت میری خراب ہے پانوں سوجن سے میں محتاج ہو کر

فرش پر اور بستر سے ہو گیا ۔ ضعیف ستر سالہ حیات ہے بعد صحت فرما دیں گے اصلاح قبلہ کے واسطے

منتخب کر لیں تو کچھ حاضر کر دوں گا ۔ رہنمائی تعلیم کی صورت بھی سالہا سال سے نہیں ہو سکی

آپ مجھے جو سمجھتے ہیں ۔ میں بھی خوش ہوں گا اس سے زیادہ زیادہ

از ابوالمعظم سراج الدین احمد خاں سائل

۲۰ دسمبر ۳۳ء

مکتوب احمد دل محمد قضا

مکتوب ظفر الملک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[illegible]

مکتوب الیہ اظہار الحسن صاحب

مکتوب فرحت اللہ بیگ

[illegible]

مکتوب الیہ ڈاکٹر غلام یزدانی صاحب

مکتوب الیہ عبدالمجید صاحب سالک

اپنے ہاتھ سے لکھوا اور مجھ کو بھیجو تا کہ میں ان کو تہنیت میں خط لکھوں۔ واللہ ہرگز مجھ سے پڑھا نہیں گیا۔ تشویش و تشویر میں ہوں کہ کیا کروں۔ تم یہ بوجھ مجھ پر سے اٹھا لو۔ تیسری بات یہ کہ یہ معاملہ حضرت صاحب پر ظاہر نہ ہو اور میرے اس خط کا جواب جلد آئے۔

غالب۔ ۲۵ دسمبر ۱۸۶۶ء

---

(۲)

۳ مارچ ۱۸۶۷ء

اے میری جان![1]

کس وقت میں مجھ سے غزل مانگی کہ میرے واسطے کچہری کے جواب دینے کا زمانہ قریب آگیا۔ میرا حال اب جس کو دریافت کرنا ہو وہ اہلِ محلہ سے دریافت کرے۔ تمہاری خاطر عزیز ہے۔ فکر کی۔ بارے نفسِ ناطقہ نے ابھی کچھ بھی مدد دی۔ نو شعر پہنچتے ہیں، لیکن نہ شاعرانہ نہ عارفانہ۔

غزل

ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں　　　میں دشتِ غم میں آہوئے صیاد دیدہ ہوں
ہوں دردمند، جبر ہو یا اختیار ہو　　　گہ نالۂ کشیدہ، گہ اشکِ چکیدہ ہوں
جاں لب پہ آئی تو بھی نہ شیریں ہوا دہن　　　از بسکہ تلخیِ غمِ ہجراں چشیدہ ہوں
نے سبحہ سے علاقہ نہ ساغر سے واسطہ　　　میں معرضِ مثال میں دستِ بریدہ ہوں
ہوں خاکسار پر نہ کسی سے ہے مجھ کو لاگ　　　نے دانۂ فتادہ ہوں نے دامِ چیدہ ہوں
جو چاہیے نہیں وہ مری قدر و منزلت　　　میں یوسفِ بہ قیمتِ اول خریدہ ہوں
ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ　　　ہوں میں کلامِ نغز ولے ناشنیدہ ہوں
اہلِ ورع کے حلقے میں ہر چند ہوں ذلیل　　　پر عاصیوں کے فرقے میں میں برگزیدہ ہوں

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسدؔ
ڈرتا ہوں آئینے سے کہ مردم گزیدہ ہوں

---

(۳)

بنام جناب ذکی دہلوی مرحوم

بندہ پرور!

آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ آپ از روئے شرافتِ نسبی و لیاقتِ حسبی آفتاب و ماہتاب ہیں۔ آپ کا کیا کہنا ہے۔ اس

---

[1] یہ خط نواب امین الدین احمد خاں بہادر والیِ لوہارو کے نام ہے۔ اس کے سر ورق میں تاریخ درج ہے۔ اس خط میں اردو کی جو غزل ہے وہ شائع شدہ ہے۔ خط سے معلوم ہو گیا کہ یہ غزل کب لکھی گئی تھی۔　　(مالک رام)

عمر میں علم و فضل میں وہ پایۂ بلند حاصل کیا ہے کہ دوسرے کو یہاں تک پہنچنا مشکل ہے۔ مثنوی کے اشعار میں نے دیکھے اور پڑھے بطریق سہل لطف نہ سکے ہیں۔ اردو فصیح، عبارت سلیس، الفاظ نہایت سنجیدہ و متین، حروف حرف شستہ و رفتہ، جو خوبیاں نظم میں چاہئیں وہ سب موجود مگر میری مدح میں اتنا مبالغہ کیوں کیا ہے میں تو اقلیم سخن کا گدا ہوں، خاک نشین ہوں، شہنشاہ کہاں سے ہو گیا۔ خیر آپ کی ارادت میرے لئے موجب سعادت ہے۔ جو صاحب شعر میں خود ستائی کو بُرا جانتے ہیں کیا انہوں نے بجز از شاعر مالا بجز ظہیر وغیرہ نہیں سنا ہے یا اساتذہ مستند الکمال کا فخریہ کلام اون کی نظر سے نہیں گذرا۔ ماشاء اللہ اس امر خاص میں کیا کیا بلند پروازی اور اپنے کلام کی کیسے کیسے مدح طرازی کی ہے۔ شیدائے عالمگیری کہتا ہے ؎

چیست دانی بادۂ گلگوں مصفّا جوہرے — حسن ما پروردگارے عشق ما پیغمبرے

تین شعر میں تین شاعروں کے بسبیل نمونہ یہاں لکھتا ہوں باقی مائدہ کلام اہل سخن پر حوالہ کرتا ہوں۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

ما اقلیم معنے رسول آمدیم — سنائی و فردوسی از امتانم

دوسرا اس سے بھی بڑھ کر کہتا ہے ؎

بہ ملک سخن آں خدائے قدیرم — کہ سعدی یکے باشد از بندگانم

تیسرا کچھ اور ہی راگ گاتا ہے ؎

حوض کوثر کہ شرب الروح ست — ناودانے ز بزم رنگین ست

ناودان یعنی موری، وہ بڑا گیپ اوس گڑھے کو کہتے ہیں جس میں مطبخ اور حمام وغیرہ کا پانی جمع ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ من تعلیات الشعرا۔ میر صاحب میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں اس پر امراض متضادہ مزمن میں گرفتار ہوں، بالکل مضمحل القوا بیٹھا لکھنا پڑھنا سب مشکل ہو گیا۔ اگر تحریر جواب میں تاخیر ہو جائے معاف رہوں۔ والسلام مع الوف الاکرام۔ فقط

دعائے خیر کا طالب فقیر غالب ۹ جنوری ۱۸۶۸ء بروز چہار شنبہ۔

(۲)

بنام نواب امین الدین احمد خاں[1]

بھائی سے دو سوال ہیں۔ ایک تو یہ کہ مجموعۂ نثر[2] کے چھاپنے کو کیا کروں۔ وہ جو تھا اس حقیقت پر کہ منشی نول کشور، نواب

---

[1] نواب امین الدین احمد خاں، نواب احمد بخش خاں کے بیٹے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد لوہارو کے رئیس قرار پائے۔ ۱۸۲۷ء سے اپنی وفات ۱۸۶۹ء تک لوہارو کی جاگیر کا انتظام انہی کے ہاتھ رہا۔ نواب ضیاء الدین احمد خاں نیّر و رخشاں ان کے بھائی تھے اور جاگیر میں شریک لیکن انہیں امور ریاست سے کچھ تعلق نہ تھا۔ امین الدین کے انتقال کے بعد نواب علاؤ الدین احمد خاں علائی ان کے جانشین ہوئے۔ ان سب لوگوں سے غالب کے گہرے تعلقات تھے۔ اس رقعہ پر مکتوب الیہ کا نام درج نہیں لیکن قرین یقین ہے کہ مرزا نے یہ رقعہ نواب امین الدین احمد خاں کو لکھا ہے۔ اس پر تاریخ تحریر درج نہیں۔ راقم کے خیال میں اس کا زمانۂ تحریر ۱۲۸۰ھ (مطابق ۱۸۶۳ء) ہے۔ (ممتاز الدین احمد)

[2] ۱۲۸۰ھ میں منشی نول کشور دہلی آئے اور مرزا سے ملے۔ انہوں نے کلیات نثر چھاپنے کی خواہش ظاہر کی۔ مرزا نے نواب ضیاء الدین احمد خاں سے مسودہ لے کر منشی صاحب کے حوالے کیا۔ چھپنے میں تعویق ہوئی تو مرزا بار بار تقاضا کرتے رہے اور یہ رقعہ لکھا۔ بالآخر کلیات چار سال کے بعد ۱۲۸۴ھ میں مطبع نولکشور سے شائع ہوا۔ یہ ایڈیشن اب بہت کمیاب ہے۔

ضیاء الدین خاں سے واسطے انطباع کے لے گیا ہے۔ جب یہ واقع نہ ہوا تو اب اس کو نکال ڈالو اور اس کی جگہ کوئی تشبیب اور ہی لکھ دوں۔

اوراقِ اشعار مرحومی زین العابدین خاں[1] مستعار ہیں اس واسطے کہ تم اپنے ان کے مجموعے کی تصحیح اس سے کر لو۔ پھر یہ امر واقع ہوا یا ہونے والا ہے۔

ترجمہ ابو الفدا[2] کی جلد واپس پہنچی ہے۔

جواب کا طالب ، غالب

(۵)

بنام مولوی عزیز اللہ شاہ عزیز صفی پوری[3]

خاں صاحب عنایت مظہر سلامت۔

آپ کا مہربانی نامہ آیا۔ اوراقِ پنج رقعہ[4] نظر فروز ہوئی۔ خوشامد فقیر کا شیوہ نہیں۔ نگارش تمہاری پنج رقعہ سابق کی تحریر سے فضلاً دستاً بلند تر ہے۔ اس میں یہ معانی نازک اور الفاظ آبدار کہاں؟ مگر ایک امر سے تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ یہ نثر ظہوری کی نہیں ہے ارادت خاں تخلص بہ واضح عالم گیری امراؤں میں سے ایک شخص تھا۔ مینا بازار[5] اور پنج رقعہ اس کی فکر کا نتیجہ ہے۔ توالی کسرات کی طرز ایجاد کی ہوئی اس کی ہے۔ مرحبا ہے مظفر ہنر نکلا۔ یعنی تم نے خوب لکھا ہے ع

نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اوّل

جہاں آپ نے فقیر[6] کا مطلع لکھا ہے وہاں آپ بہ عرف مجھے معروف کرتے ہیں۔ متوقع ہوں کہ یا شعر نکال ڈالو یا عرف کی جگہ تخلص لکھ دو۔

نجات کا طالب ، غالب

---

[1] زین العابدین خاں عارف، مرزا کی سالی کے بیٹے جنہیں غالب اپنے بیٹے کی طرح چاہتے تھے۔ پہلے شاہ نصیر کے شاگرد ہوئے، پھر مرزا سے اصلاح لینے لگے۔ دیوانِ اردو کے کئی نسخے ہندوستان میں موجود ہیں۔

[2] غالباً تاریخ عالم مصنفہ ابی الفدا کا اردو ترجمہ، جو مولوی کریم الدین دہلوی نے کیا تھا اور مطبع العلوم دہلی سے ۱۸۴۶ء میں شائع ہوا تھا۔ مختار الدین احمد۔

[3] عزیز صفی پوری ۱۸۵۱ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ وہیں عربی و فارسی کی تحصیل کی۔ غدر کے ہنگامے ہوئے تو لکھنؤ چھوڑ کر صفی پور (ناؤ) اپنی ننھیال چلے گئے اور وہیں انہوں نے اپنی پوری عمر گزار دی۔

تصانیف کی تعداد چالیس سے کم نہیں جن میں دیوانِ اردو، فیوضِ ولایت، خمخانۂ کلام نظم فارسی، ارمغان، جشن گلشن شاہجہانی، پنج رقعہ، ترجمہ فسانۂ عجائب منظوم، اور مثنوی فتح مبین، در جواب شاہنامہ قابل ذکر ہیں۔ عزیز کا انتقال ۸ جولائی ۱۹۲۸ء کو ہوا۔

یہ دونوں خط غالب کے رقعات کے کسی مجموعے میں اب تک نہیں شائع ہوئے۔ (مختار الدین احمد)

[4] شاہ صاحب کی فارسی نثر کا مختصر سا مجموعہ جو چھپ بھی گیا ہے۔

[5] یہ بات مشکوک ہے کہ مینا بازار اور پنج رقعہ ملا ظہوری کی لکھی ہوئی ہے۔ اس بحث کے لیے ڈاکٹر نذیر احمد لکھنؤ یونیورسٹی کا تحقیقی مقالہ مینا بازار دیکھنا چاہئے۔

[6] شاہ صاحب نے غالب کی جگہ مرزا نوشہ لکھ دیا تھا۔ غالب کو اپنے عرف سے جو چڑ تھی وہ معلوم ہی ہے۔ (مختار الدین احمد)

(۶)

بنام مولوی عزیز اللہ شاہ عزیز صفی پوری

سخن شناس نۂ دلبرا خطا ایں جا است ۔ یہ جملہ کیا میرا شعر نکال ڈالا، یا حرف کی جگہ تخلص لکھ دو، معیوب ابھی خاطر کیوں ہوا اور اس سے یہ مفہوم کیونکر پیدا ہوا کہ میں تمہارے کلام کو اصلاح نہ دوں گا ۔ تمہیں غور کرو کہ شعر کو علاقہ تخلص سے ہے یہ نام سے ۔ ۔ حرف سے ۔ میں نے تو اصلاح دی تم نے بگاڑ دیا ۔ ذہن تمہارا موزوں ہے اکثر جی کی طرف جاتا ہے ۔ تمہارے اس شعر میں حک و اصلاح کی گنجائش نہیں ۔ پنج رقعہ سابق سے نقل و مثال تمہاری عبارت بہتر ہے ۔ اس قول کو یاد رکھو گے تو انشا اس کا وہی اعجاز طبع ہوگا مع مسودہ خط ۔

نجات کا طالب : غالب

(۷)

بنام نامعلوم شخص

بندہ پرورا!

آج میں نے وہ انگریزی عرضی روانہ کر دی اور صبح کو آپ کا کمار مسودہ اور میرے محسن کا رقعہ آپ کے نام کا مجھ کو دے گیا ۔
اس عنایت کی شکر میں کیا خدمت بجا لاتا ہوں ایک رباعی بھیجتا ہوں اس کو آپ پڑھ کر اور لطف اٹھا کر، جو صاحب کی خدمت میں بھجوا دیجئے ۔
امید ہے تشدید میم و تخفیف میم دونوں طرح مستعمل ہے ایسا نہ ہو کہ جناب ممدوح اس کو رعایت سمجھیں ۔ پہلے اور دوسرے مصرع میں بہ تخفیف میم ہے اور تیسرے مصرع کا میم مشدد ہے ۔

غالب !

(۸)

بنام نواب علاؤالدین خاں علائی

جانِ غالب!

دو خط تمہارے متواتر پہنچے ۔ مقری عرفا میں سے ہے بہتر اس کے کلام میں مضامین حقیقت انگیز ہیں لیکن "دامان نگہ دارد و گریبان نگہ دارد" اس زمین میں کسی کی غزل میں نے نہیں دیکھی ۔ حاجی محمد جان قدسی کی غزل اس زمین میں ہے سے

در بزم وصال تو بہنگام تماشا　　　نظارہ ز جنبیدن مژگان گلہ دارد

یہ ایک شعر اس کا مجھے یاد ہے ۔ بھائی تمہارا باپ بدگمان ہے یعنی مجھ کو زندہ سمجھتا ہے ۔ میرا سلام کہو اور یہ شعر میرا پڑھ سناؤ سے

گماں زیست بود بر منت ز بیدردی　　　بدست مرگ شہید نشانگان تو نیست

مجھے کافور و کفن کی فکر پڑ رہی ہے وہ شکر شعر و سخن کا طالب ہی زندہ ہوتا تو وہیں کیوں نہ چلا آتا ۔ مجھ پر سے تکلیف اشعار اٹھاؤ اور تم ہی ذہن میں شعر کو کہہ کر بھیج دو میں اصلاح دے کر بھیج دوں گا ۔ صاحب مجھے پیر کیا سمجھے ہیں واللہ میرا کلام ہندی یا فارسی کچھ میرے پاس نہیں ۔ آگے جو کچھ حافظہ میں موجود تھا وہ لکھ بھیجا اب جو کچھ یاد آ گیا وہ لکھتا ہوں سے

باں کہ عاشق سخن از ننگ نام چیست　　　در امر خاص حجت دستور عام چیست

؎ [illegible]

بستم ز خون دل کہ دو چشم اناں تر است — گر می نخورد شراب و نہ بینی بجام چیست
با دوست ہر کہ بادہ بہ خلوت خورد مدام — داند کہ حور و کوثر و دار السلام چیست
ما خستہ ایم و بودہ مے مداوائے ما — ما خستگان حدیث حلال و حرام چیست
از کاسہ کرام نصیب است خاک ما — تا از فلک نصیبہ کاس کرام چیست
غالب اگر نہ خرقہ و مصحف بہم فروخت — پرسد چرا کہ نرخ مئے لعل فام چیست

۲ شعر نہ یاد آسکے ۵ یاد آگئے خیر گانے کو یہ بھی کافی و مکتفی ہیں[1]۔

دل بردہ حق آنست کہ دلبر نتواں گفت — بیداد تواں دید و ستمگر نتواں گفت
در رزمگہش ناچخ و خنجر نتواں برد — در بزمگہش بادہ و ساغر نتواں گفت
درخشندگی ساعد و گردن نتواں جست — زیبندگی یارہ و پیکر نتواں گفت
پیوستہ مے و بادہ و ساقی نتواں خواند — ہموارہ نوا نشئہ بت و آذر نتواں گفت
در گرم روی سایہ و سرچشمہ نجوئیم — با ما سخن از طوبی و کوثر نتواں گفت
ہنگامہ سر آمد چہ زنی دم ز تظلم — گر خود ستمی رفت بمحشر نتواں گفت
آں راز کہ در سینہ نہانست نہ وعظ است — بر دار تواں گفت و بہ منبر نتواں گفت

کارے عجب افتاد بدیں شیفتہ ما را
مومن نبود غالب و کافر نتواں گفت

کوئی امید بر نہیں آتی — کوئی صورت نظر نہیں آتی
آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی — اب کسی بات پر نہیں آتی
موت کا ایک دن معین ہے — نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
داغِ دل گر نظر نہیں آتا — بو بھی اے چارہ گر نہیں آتی
جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد — پر طبیعت ادھر نہیں آتی
ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی — کچھ ہماری خبر نہیں آتی
کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب — شرم تم کو مگر نہیں آتی

---

[1] یہ خط پہلے چھپ چکا ہے مگر نامکمل، پہلا خط اس مصرع پر ختم ہو جاتا ہے:

پرسد چرا کہ نرخ مئے لعل فام چیست — (ملاحظہ ہو مکاتیب غالب از عرشی طبع دوم)

خط کی باقی عبارت اس میں نہیں آئی لیکن اصل خط میں موجود ہے جو غالباً کسی وجہ سے ابتدا ہی میں حذف ہو گئی۔ میرزا نے اپنی ایک اور فارسی غزل اور ایک اردو غزل بھی اس خط کے ساتھ بھیجی تھیں جیسا کہ مضمون خط سے واضح ہے۔ دربار سے ایسی غزلوں کی فرمائش آئی تھی جنہیں گانے کے لیے قوال کو دیا جا سکے۔

نکتہ چیں ہے غمِ دل اس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

میں بلاتا تو ہوں اس کو مگر اے جذبۂ دل
اس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

اس نزاکت کا برا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا
ہاتھ آئیں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

غیر پھرتا ہے لیے یوں ترے خط کو کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

منظور نہیں ہے اور بلاشبہ خیرات مخفی ہزار درجہ خیرات جلی سے بہتر ہے۔ مگر نیک نیتی اور بے ریائی کو تسلیم کر کے دوسرے پہلو پر بھی لحاظ لینی ضرور ہے کہ اعلان اس قسم کی خیرات کا جو قومی بھلائی سے نہ شخصی مراعات سے متعلق ہے اور قوم کو اس قسم کی خیرات کی شدید ضرورت ہے ذریعہ ہوگا اوروں کی ترغیب کا اور خیرات دینے والا اجر اللہ ل مل عمیر کا عالم میں مزید داخل ہوگا۔ پس قومی فلاح کے کاموں میں اعلان خیرات کرنا اگر نیت نیک ہو تو وہ چند جز کا مستحق کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس اعلان سے قومی عظمت اور اسلامی شوکت ثابت ہوتی ہے جو ہماری عین منشا اور آرزو رہی ہے۔ آپ نے مدرسۃ العلوم کو ملاحظہ نہیں فرمایا اور جس نے نہ دیکھا ہو اس کے خیال میں بھی نہیں سکتا کہ وہ کیسا ہوگا۔ اس کی عمارت جس شان و شوکت سے بنائی قرار دی گئی اور جس قدر کہ اس وقت تک بن چکی ہے قومی عظمت اور اسلامی شوکت کو ثابت کرتی ہے۔ ایک انگریز نے کہا کہ یہ خیال کہ مسلمانوں میں قومی جوش اور ان میں سے قومی عظمت جاتی رہی علیگڑھ میں جا کر اور مدرسۃ العلوم کی عمارت کو دیکھ کر بالکل غلط ثابت ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ جبکہ غیر قوم کے لوگ اس کی دیواروں پر جا بجا مسلمانوں کے نام کثرت سے کندہ دیکھتے ہیں تو اور بھی زیادہ قومی عظمت اور اسلامی شوکت کا اثر ان کے دل میں بیٹھتا ہے۔ پس ان وجوہ سے آپ مجھ کو مجاز رہنے دیں کہ اس روپیہ کو ایک مناسب فنڈ میں داخل کروں اور اس کے ساتھ آپ کے نام نامی کی بطور یادگار نشانی قائم کروں۔

مدرسۃ العلوم کی درمیانی عمارت جو سٹریچی ہال سے موسوم ہے بہت بڑی عمارت ہے۔ سات ہزار روپیہ اس کی لاگت کا تخمینہ ہوا اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ لاگت آوے گی — اس میں نہایت خوش اسلوبی سے ایک ٹکڑوں میں پتھر لگائے گئے ہیں۔ جس بزرگ نے پانسو روپیہ دیا ہے وہ روپیہ اس کی تعمیر کے فنڈ میں جمع کیا گیا ہے اور ان پتھروں میں سے ایک پتھر پر اس کا نام کندہ کر دیا ہے۔ جس قدر نام کندہ ہو چکے ہیں غیر قوم کے لوگ جب ان کو دیکھتے ہیں تو قومی عظمت کا بے انتہا اثر ان کے دل پر ہوتا ہے اور مسلمانوں کے دل بھی ایک قسم کی فرحت اپنے میں پاتے ہیں۔ پس میرا ارادہ ہے کہ آپ کے عطیہ کو بھی اسی فنڈ میں داخل کروں اور آپ کا نام بقید ولدیت کندہ کر دوں جبکہ آپ نے یہ روپیہ عنایت کیا اور مجھ کو مختار کیا کہ اس کو کسی کار خیر میں صرف کروں تو اب آپ کو اس میں مداخلت منظور نہیں ہے۔ آپ ثواب میں داخل ہو گئے۔ اب جو کچھ ثواب دنیا میں ہے وہ میری گردن پر ہے۔ اگر میری نیت بخیر ہے تو خدا سے امید ہے کہ مجھ کو بھی میری نیت کے موافق بدلہ دے گا۔ اس تحریر کا میں آپ سے جواب نہیں چاہتا۔ میں یہی کروں گا جو انشاءاللہ جلد ہوگا۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس اب کے سال الہ آباد میں ہوگا۔ ۲۸، ۲۹، اور ۳۰ دسمبر تواریخ اجلاس مقرر ہوئی ہیں پہلے اجلاس میں دو اور تنقیح بائیں لگے جو بحث کے لیے پیش ہوں گے۔ مگر تمام بحثیں تعلیم مسلمانان سے متعلق ہوں گی۔ نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں غالباً اسباب تنزل مسلمانان پر لیکچر دیں گے۔ ہمارے کالج کے ایک نہایت نیک اور عالم پروفیسر انگریز مسٹر آرنلڈ چین اور جاوہ میں اسلام کی ترقی اور وہاں کے مسلمانوں کی حالت پر لیکچر دیں گے۔ وہ یہ ثابت کریں گے کہ بغیر کسی زور حکومت کے وہاں اسلام پھیلا ہے۔ اس وقت انہی دو صاحبوں کا ارادہ معلوم ہوا ہے مگر مولوی سید علی بلگرامی جو حیدر آباد سے آنے والے ہیں وہ بھی کوئی لیکچر دیں گے غرضکہ تمام جلسہ میں ہائے مسلمان ہائے مسلمان اس کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

گذشتہ سال کی جلاس کی رپورٹ بطور نمونہ آپ کے ملاحظہ کے لیے بھیجتا ہوں منظور فرمائی جاوے اور آپ مجھ کو ہمیشہ اپنا نیازمند خادم نیازمند تصور فرماویں۔ آپ کی خدمت میں نیازنامجات ارسال کرنے باعث بہت فخر کا ہوگا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خاکسار سید احمد علی گڑھ ۲۰ر نومبر ۱۸۸۹ء

بنام نواب سید علی حسن مرحوم

(۳)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم من مولوی سید محمد علی حسن خان بہادر

آپ کا نوازش نامہ پہنچا ممنون یاد آوری ہوا اگر آپ کا تشریف لانا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں بمقام الہ آباد ہوتا تو بلاشبہ قوم کو نہایت عزت ہوتی اور آپ کی ملاقات سے میرے لئے باعث فخر و مسرت!

جلسۂ الہ آباد درحقیقت قومی شان و عزت کا جلسہ تھا اور قومی مطالب کے لئے اس میں نہایت کامیابی ہوئی۔ رپورٹ جلسۂ مذکور معہ تین لیکچروں کے جو اس میں دیئے گئے خدمت عالی میں روانہ ہوتی ہے۔ امید کہ از راہ الطاف ان کو قبول فرماویں گے انگریزی خوان ماسٹر جو لائق ہو تلاش سے مل سکے گا۔ مگر درست جلدی سے ملنا ذرا مشکل ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو تلاش کیا جاوے مگر جس مدرسہ کے لئے درکار ہے اس کا کسی قدر حال سے بھی مطلع فرمانا ضرور ہے یعنی سررشتہ تعلیم ریاست کس کے ماتحت ہے اور اس ماسٹر کو کس سے تعلق رہے گا۔ کیونکہ ریاست ہائے ہندوستانی میں جب تک ان کو حمایت نہ ہو لائق آدمی جانا پسند نہیں کرتے۔ جن کو اور کہیں کچھ نہیں ملتا یا اچھی لیاقت نہیں رکھتے وہ آنے کو طیار ہوتے ہیں۔ بس اگر اس کو پسند ہو تو کچھ مفصل ارقام فرماویں میں تلاش کرنے میں کوشش کروں گا۔

میرا ارادہ حیدر آباد جانے کا ہے اور کسی قدر خیال بھوپال آنے کا بھی ہے گو کہ بھوپال میں کالج کی بھی کامیابی ہونے کی توقع نہیں ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ مجھے ریاست بھوپال کا حال اس سے زیادہ کہ وہاں کے ارکان میں باہمی رنج و بے لطفی ہے، اور کچھ معلوم نہیں ہے لیکن اگر میں وہاں آؤں تو میرے نزدیک سب ایک سے ہوں گے اور ہر ایک سے کالج کی امداد میں چندہ یا خیرات چاہوں گا پس میں حیران ہوں کہ مجھے کیا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔

افسوس ہے کہ ریاست بھوپال سے قومی مدرسہ مسلمانان کے لئے کچھ امداد نہیں ہوتی اور شاید اب بھی نہ ہو۔ مگر بھوپال میں بہت سے مسلمان رئیس و اہلکار ہیں ان سے کیوں توقع امداد نہ رکھی جاوے۔ میں آج ایک خط اس باب میں منشی محمد انعام علی صاحب کو لکھتا ہوں۔ آپ کی اس بات میں جو رائے ہو اس سے بھی مطلع فرمایا جاوے۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ!

خاکسار سید احمد۔ علی گڑھ۔ ۱۰ جولائی ۱۸۸۹ء

بنام نواب سید علی حسن مرحوم

(۴)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم معظم من ابوالنصر مولوی سید محمد علی حسن خان بہادر

نوازش نامہ عالی مورخہ ۲۰ موصول ہوا مجھ کو پہنچا ممنون عنایت کیا۔ جو کچھ کہ آپ نے واسطے بہتری مسلمانوں کے حق میں سرکار عالیہ سے سعی فرمائی، وہ درحقیقت عمدہ اور اس ناچیز کے حق میں کلمۂ خیر فرمائے اس کی نسبت بجز اس کے کہ اجرکم علی اللہ ادا کیا کروں کیا کہہ سکتا ہوں بلاشبہ سرکار عالیہ کو تائید مدرسۃ العلوم میں تامل ہوگا خصوصاً اس وجہ سے کہ مخالفین نے بہت کچھ غلط باتیں نسبت مدرسۃ العلوم کے مشہور کر رکھی ہیں علاوہ اس کے ایک عام خیال نسبت حسنات و خیرات و مبرات کے محدود ہو گیا ہے۔ اس خیال کو توڑنا اور یہ بات دل میں جمانی کہ درحقیقت جس امر کی مسلمانوں کو ضرورت ہے اور جس کے نہ ہونے سے مسلمانوں کی روز بروز ذلت ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ اسلام کی بھی ذلت ہے اس میں تائید کرنا اور اس ذلت سے مسلمانوں کو نکالنا سب سے بڑی حسنات

ہیں شامل ہیں ۔ .... اور ظاہر ہے کہ ریں میں یا محتیٰ میں کچھ کام آنے والی نہیں ہے مگر انگریزی نہ جاننے کے سبب روز بروز مسلمانان ہندوستان ذلت و خواری میں پڑتے جاتے ہیں ، عہدہ ہائے سرکاری سے روز بروز خارج ہوتے جاتے ہیں ۔ اعلیٰ عہدے ان کے ہاتھ سے نکلتے جاتے ہیں ۔ ہندو و بنگالی روز بروز ترقیاں پاتے جاتے ہیں اور مسلمان ہر امر میں ان کے مغلوب و دست نگر ہوتے جاتے ہیں ۔ پس مسلمانوں کو ہندوؤں و بنگالیوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے یا ان سے مغلوب نہ ہونے دینے کے لئے مسلمانوں کو انگریزی زبان کی تعلیم دینا درحقیقت ہندوؤں اور بنگالیوں پر ان کو فتحمند کرنا ہے اور اس زمانہ میں جو حال مسلمانوں کا ہے درحقیقت ان کی تعلیم انگریزی میں امداد کرنا پوری حسنات میں داخل ہے مگر سرکار عالیہ کو یا عموماً مسلمانوں کو اس خیال کی طرف ...... بحالات سے ہے ۔

مدرستہ العلوم میں مسجد کی تعمیر مکمل نہ ہونے سے درحقیقت طالب علموں کو نماز کی تکلیف ہے ۔ خاب سرآسمان جاہ نے جو چندہ دو ہیرویا تھا اس سے مسجد کرسی تک تعمیر ہو کر رہ گئی ہے اسی پر ایک چھپر ڈال دیا ہے جس میں نماز ہوتی ہے ۔ دو سو طالب علموں کے قریب پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں ان کے وضو کے لئے پانی کا اہتمام بھی مشکل ہوتا ہے ۔ اس کے لئے کنواں بھی بن رہا ہے اسی مسجد کے صحن میں وضو کے لئے حوض بھی بن رہا ہے ۔ اگر سرکار عالیہ مسجد ہی کے لئے تائید فرمائیں گی تو بہتر ہے ۔ ابھی کی کسی قدر تکمیل ہو جاوے گی میں کل یہاں سے علی گڑھ جاؤں گا اور وہاں پہنچ کر کوئی تاریخ روانگی بھوپال مقرر کر کے آپ کو اور وزیر صاحب کو اطلاع دوں گا ۔

ہمارے سب کام توکلت علی اللہ ہوتے ہیں ! جو خدا کو منظور ہوگا ہوگا ؎

کارساز ما بفکر کار ما ست　　فکر ما در کار ما آزار ما ست

جو خدا کو منظور ہے وہ ہوگا مگر آپ نے جو سعی و کوشش کی اس کا شکر ہم پر واجب اور ماجرا دینا خدا کے اختیار میں ہے ۔ والسلام علیکم !

خاکسار

سید احمد ۔ الہ آباد ۸ اگست ۱۸۹۰ء

---

(۵)

<u>بنام سید علی حسن صاحب مرحوم</u>

جناب مخدوم و مکرم من ابوالمنصر مولوی سید محمد علی حسن خان بہادر !

آپ کا نوازش نامہ پہنچا ۔ جہاں آپ کی اور عنایتوں کا میرے دل پر نقش ہے اس سعی و عنایت کا بھی جس کے سبب آپ کے اور مخدومی عالمگیر محمد خان صاحب کے نام سے ہز ر روپیہ کا اضافہ ہوا ' ہزار ہزار شکر ہے ۔ نومبر کے تشریف لانے میں حاضر موجود رہوں گا ۔ تمام احباب جو میرے ساتھ ہیں وہ سب آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں کوئی وقت تجویز فرما کر اطلاع فرما دیں تاکہ وہ سب حاضر ہوں ۔

میں تو آپ کے دسترخوان نعمت کا ایک ٹکڑا کھانا بھی فخر سمجھتا ہوں مگر نہایت عاجزی سے ملتمس ہوں کہ دعوت کو ملتوی فرمایئے کیونکہ میرا عہد ٹوٹ جاوے گا اور حیدرآباد میں باعث نقصان عظیم ہوگا ۔

پانسو روپیہ جو آپ کی طرف سے دیا جاتا ہے اس کو میں کاغذات و حسابات میں آپکے نام سے کہ بابت دعوت نقد عنایت کیا لکھوں گا بلکہ عالمگیر محمد خان صاحب بھی اگر ایسی ہی اجازت دیں تو مدرستہ العلوم کو حیدرآباد میں زیادہ فائدہ ہوگا ۔ اس کے متعلق مفصل حالات زبانی عرض کروں گا ۔ والسلام !

خاکسار

سید احمد ۔ بھوپال ۱۲ ستمبر ۱۸۹۱ء

بنام نواب سید علی حسن صاحب

(۶)

جناب مخدومی و مکرمی!

بجواب عنایت نامہ ملتمس ہوں کہ جو آپ کی خوشی ہے اوس کی تعمیل میں ہم سب کو عذر نہ ہوگا۔ تعمیل ارشاد ہوگی۔ بعد نماز مغرب ہم سب حاضر وقت کھانا ہوں گے، اور وہاں سے کھانا کھا کر اسٹیشن چلے جاویں گے۔

خانہ آباد دولت زیادہ۔ والسلام!

خاکسار: سید احمد ۳ ستمبر ۱۸۹۱ء

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

(۷)

مخدوم و مکرم من جناب ابوالنصر نواب سید علی حسن خان بہادر!

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۱ مارچ اور آپ کی مرسلہ چار جلد فتح البیان کی پہنچا۔ آپ کی عنایت اور نوازش کا اور اس امر کا کہ آپ کو ہر وقت مدرسۃ العلوم کا خیال رہتا ہے ممنون ہوا۔ البیان جو آپ نے عنایت کیا ہے حتی المقدور فروخت کیا جاوے گا اور جس قدر قیمت وصول ہوگی مدرسہ میں داخل کی جاوے گی۔ نہایت عمدہ مضمون جو آپ نے تجویز کیا ہے۔

جلد تہذیب الاخلاق سنہ ۱۳۱۲ ہجری اور جلد کامل ۱۳۱۳ ہجری خدمت عالی میں مرسل ہے۔ ۱۳۱۱ھ کا پرچہ شعبان علیحدہ تھا اس واسطے پوری جلد بھیج دی گئی ہے۔ یہ دونوں جلدیں خاص میری ملکیت ہیں۔ کالج سے ان کو کچھ علاقہ نہیں اس لئے بطور نذر آپ کی خدمت میں مرسل ہیں امید کہ آپ قبول فرماویں گے۔ زیادہ بجز نیازمندی کے اور کیا عرض کروں۔ والسلام!

خاکسار سید احمد

بنام جناب سید علی حسن صاحب مرحوم

(۸)

جناب مخدومی مکرمی نواب علی حسن خان بہادر دام اقبالہ!

آپ کے مشکوئے معلیٰ میں فرزند ارجمند کے پیدا ہونے کی مبارکباد دیتا ہوں۔ خدا اس کی عمر دراز کرے اور آپ کے سایۂ عاطفت میں با اقبال ہو۔ آمین!

ایسی خوشی اور مبارکی میں قوم کو یاد رکھنا ضروری ہے۔ خدا کا اصلی شکریہ اس کے بندوں کے ساتھ سلوک کرنا ہے۔ پس آپ خدا کے شکریہ میں قومی کام قومی بھلائی میں کچھ عنایت فرمایئے۔ فقط والسلام!

خاکسار: سید احمد۔ علی گڑھ ۱۲ مئی ۱۸۹۳ء

(۹)

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم خلف والا جاہ نواب صدیق حسن خان صاحب

جناب مخدوم مکرم نواب محمد علی حسن خان بہادر

چند روز ہوئے کہ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۶ اگست میرے پاس پہنچا تھا باعث اعزاز ہوا تھا۔ ان دنوں میں بعض امور ایسے درپیش تھے کہ مجھ کو نہایت کم فرصت تھی اس لئے تحریر جواب میں تاخیر ہوئی۔ آپ معاف فرماویں۔ جو الفاظ عنایت اور شفقت آمیز آپ نے اپنے عنایت نامہ میں لکھے ہیں میں ان کا دل سے شکر گزار ہوں۔ مجھ ناچیز کو ایسے الفاظ سے یاد فرمانا جو آپ کے

عنایت نامہ میں مندرج ہیں صرف آپ کی بزرگی اور عنایت ہے۔ تاریخ اسلام کی بابت صرف ایک رسالہ انگریزی شائع ہوا ہے جس کی جلدیں میں نے مدرسہ کو دے دی ہیں اور کچھ جلدیں ہنوز فروخت کو باقی ہیں۔ عمر اس کی قیمت ہے اگر آپ فرماویں تو میں آپ کے پاس بھیج دوں۔ مگر اس کا اردو میں ترجمہ کرنا اور چھاپنا اب مناسب وقت نہیں ہے۔ وہ زمانہ گیا اور اب زمانہ نہیں ہے کہ ان پرانے قصوں کو پھر یاد دلایا جائے۔

تاریخ اسلام مصنفہ مسٹر آرنلڈ یورپ میں چھپ رہی ہے بعد چھاپہ ہونے کے ہندوستان میں آوے گی اس کا ترجمہ کرانے کے لئے مسٹر آرنلڈ کی اجازت درکار ہوگی بسبب تعطیل کالج کے مسٹر آرنلڈ پہاڑ پر گئے ہوئے ہیں۔ جب وہ واپس آویں گے تو میں ان سے ذکر کروں گا۔ آپ سے ملنے کو ہمیشہ دل چاہتا ہے مگر فاصلہ اس قدر دور دراز ہے کہ نہ میں آپ کے پاس آسکتا ہوں اور آپ کو ایسے اشغال رہتے ہیں کہ جن سے آپ کو بھی فرصت نہیں ہوتی۔

میں آپ کو اپنا دلی دوست اور معین و مددگار اس قومی کام کا سمجھتا ہوں جس کے انجام پر میں نے اپنی عمر صرف کی ہے اور مجھ کو امید آپ سے کہ آپ ہمیشہ اس کام کے مددگار رہیں گے۔

اب کے سال محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس شاہجہان پور میں قرار پایا ہے جو حسب معمول اخیر دسمبر میں ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس جلسہ میں تشریف لاویں گے اور مجھ سے اور اور احباب سے آپ سے ملاقات ہوگی۔ شاہجہان پور کے جلسہ کے مہتمم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب وکیل عدالت قرار پائے ہیں۔ اگر آپ کا ارادہ تشریف آوری کا ہو تو ان سے آپ خط و کتابت فرماویں۔

والسلام علیکم

خاکسار

سید احمد۔ علی گڑھ، ۱ ستمبر ۱۸۸۵ء

---

(۱۰)

بنام نواب علی حسن مرحوم

مخدوم و مکرم بندہ جناب ابوالنصر نواب سید علی حسن خان بہادر

بعد سلام مسنون التماس یہ ہے کہ بلحاظ اس شفقت اور عنایت کے جو آپ کو میرے حال پر ہے اور بلحاظ اس قومی ہمدردی کے جو مسلمانوں کی ترقی اور بہبودی کی آپ کے دل میں ہے۔ مجھے جرأت ہوتی ہے کہ آپ کی خدمت عالی میں ایک ضروری امر التماس کروں۔

آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ دفتر مدرسۃ العلوم کے ہیڈ کلرک نے بذریعہ جعلی چیکوں کے ایک زر خطیر زر امانت مدرسۃ العلوم میں سے جو بنک میں جمع تھا غبن و تصرف کر لیا جس کے سبب سے نقصان کثیر زر امانت مدرسۃ العلوم میں ہو گیا۔ اگر وہ غبن و تصرف صرف زر امانت ہی میں ہوتا تو صبر کیا جاتا مگر اس غبن و تصرف کے سبب چالیس ہزار روپیہ بنک کا مدرسہ پر فاضل ہو گیا اور اگر زر فاضلات کی ادائی جلد تر تدبیر نہ کی جاوے تو اس کا سود اس قدر بڑھ جاوے گا جس کا ادا کرنا ناممکن ہوگا اس لئے یہ تجویز ہوئی ہے کہ اس زر فاضل کو چندہ باہمی سے جس قدر جلد ممکن ہو ادا کیا جاوے چنانچہ اس کے لئے چندہ کھولا گیا ہے اور احباب اور ٹرسٹیان کالج نے قریب دس ہزار روپیہ کے چندہ دینے کا وعدہ کیا ہے اور اور لوگوں نے بھی اس میں چندہ دیا ہے۔ اس لئے میں آپ سے تین امر کی درخواست کرتا ہوں اور امید ہے کہ آپ اس پر توجہ فرمائیں گے۔

اول یہ کہ آپ بھی اپنی ذات خاص سے اس نقصان کے پورا کرنے میں کچھ امداد فرماویں تاکہ زر فاضل بنک کا ادا

کیا جاوے۔

دوسری درخواست یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو حضور جناب بیگم صاحبہ سے بھی اس باب میں عرض و معروض کریں۔ اگر جناب ممدوحہ بھی کچھ عنایت فرماویں گی تو اس وقت میں نہایت مدد پہنچے گی۔

اگرچہ میرا ارادہ تھا کہ حضور جناب بیگم صاحبہ کی خدمت میں بھی کوئی عرضی لکھوں مگر میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ اگر آپ سے اس باب میں کچھ ممکن ہو تو عرض معروض کیجئے۔

تیسری درخواست یہ ہے کہ علاوہ اپنی ذات خاص و حضور جناب بیگم صاحبہ کے اور لوگوں سے بھی اگر ممکن ہو تو اس امر کے لئے کچھ چندہ وصول کیجئے۔ آپ کی کوشش اور سعی سے امید ہے کہ کچھ نہ کچھ وصول ہو جائے گا۔ والسلام علیکم!

خاکسار، سید احمد۔ علی گڑھ ۱۲ ؍ جون ۱۸۹۶ء

---

(۱۱)

بنام نواب سید علی حسن مرحوم

جناب مخدوم و مکرم معظم من ابو النصر نواب سید محمد علی حسن خان بہادر!

محمد یعقوب علی صاحب، حکام نگار وہ کاری جناب کا خط مورخہ ۸ ؍ ستمبر ۱۸۹۶ء بعہ نصف قطعہ نوٹ ہائے تعدادی ایکہزار روپیہ جو آپ نے ازراہ فیاضی و شفقت بزرگانہ بتلافی نقصان کالج عنایت فرمایا ہے میرے پاس پہنچا۔ میں آپ کی عنایت و نوازش کا دل سے شکر ادا کرتا ہوں اور شکر ادا کرتا رہوں گا اور یہ عریضہ نیاز بطور رسید نصف قطعہ ثانی نوٹ مذکور خدمت عالی میں مرسل ہے۔

والتسلیم مع التعظیم!

خاکسار

سید احمد۔ علی گڑھ ۸ ؍ ستمبر ۱۸۹۶ء

---

(۱۲)

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

جناب مخدوم و مکرم معظم من!

آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ میں نے مولوی صاحب سے کتاب زبحی کی بابت کہا تھا انہوں نے کہا کہ میرے پاس نہیں ہے میری رائے میں ان سے کسی قسم کی کوشش کی توقع نہیں رکھنی چاہئے بلکہ وہ اس کتاب کو پسند نہیں کرتے پس آپ کو جہاں سے مل سکے تلاش کیجئے ان سے کچھ توقع نہ رکھئے۔ والسلام!

خاکسار، سید احمد۔ علی گڑھ ۵ ؍ نومبر ۱۸۹۶ء

---

(۱۳)

بنام نواب سید علی حسن

مخدومی و مکرمی ابو النصر نواب سید علی حسن خان بہادر!

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۸ ؍ نومبر پہنچا۔ ممنون یاد آوری ہوا۔ آپ کی خیر و عافیت و صحت مزاج سے طمانیت ہوئی۔ منشی امتیاز علی صاحب کے انتقال کا افسوس ہے۔ خدا کرے کہ جناب عالیہ بیگم صاحبہ کو کوئی ایسا وزیر مل جاوے جو ملک کی اور قوم کی بھلائی کر سکے اور باعث نیک نامی ریاست اور حسب مرضی و پسند جناب عالیہ ہو۔ خدا کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ ایسا ہی شخص ریاست کو مل جاوے۔

آپ کی یاد آوری کا شکر گزار ہوں۔ والسلام علیکم!

خاکسار، سید احمد۔ علی گڑھ ۔۔ ؍ نومبر ۱۸۹۶ء

---

(۱۴)

بنام جناب محمد عبدالسلام صاحب مرحوم

مخدومی مکرمی محمد عبدالسلام صاحب

آپ کا عنایت نامہ از مقام پرتاب گڈھ پہنچا۔ جو تجویز کہ آپ نے اس میں مندرج کی ہے میں تو اس کو نہایت نامناسب اور محض ناواجب اور سراسر بیجا سمجھتا ہوں۔ والسلام!

خاکسار سید احمد۔ علی گڈھ ۱۱ جون ۱۸۹۶ء

---

(۱۵)

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

مخدوم مکرم من جناب ابوالنصر نواب سید محمد علی حسن خان بہادر!

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۷ جون پہنچا۔ اول تو میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ کو ہمیشہ مدرسہ کی تائید کا خیال رہتا ہے بعد اس کے سید عبدالرب صاحب کا اور ان نیک دل لوگوں کا جنہوں نے سید عبدالرب صاحب کے اضافہ کی خوشی میں ایک ایک روپیہ دیا دل سے شکر ادا کرتا ہوں۔ کہ یہ بزرگ جو باوجود اپنی قلتِ معاش کے کالج کی مدد کرتے ہیں ان کا میں زائد از حد شکر گذار ہوں جو کہ باوصف قلتِ معاش کے قومی مدرسہ کا خیال رکھتے ہیں۔

مبلغ ـــــ میرے پاس پہنچ گئے ہیں اور مدرسہ میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ خدا دینے والوں کا بھلا کرے۔

نواب محسن الملک اٹاوہ چلے گئے ہیں ۲۱ جون کو واپس آجاویں گے۔ خطبات احمدیہ انگریزی زبان میں موجود ہے۔

ایک جلد خدمتِ عالی میں روانہ ہو رہی ہے پانچ روپیہ اس کی قیمت ہے اور محصول ڈاک اس کے علاوہ۔

میں آپ کی عنایت اور یادآوری کا مکرر شکر ادا کرتا ہوں۔ والسلام!

خاکسار سید احمد۔ علی گڈھ ۱۹ جون ۱۸۹۶ء

---

(۱۶)

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

مخدوم و مکرم من جناب ابوالنصر نواب سید علی حسن خان بہادر!

جو کہ مجھ کو آپ کی خدمت میں خالص نیازمندی ہے اس واسطے میں بلا تکلف تین امر آپ کی خدمت میں لکھتا ہوں آپ بھی بلا تکلف ان کا جواب ہاں یا نا کار رقام فرماویں گے۔

امر اول یہ ہے کہ میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میں آپ کو ٹرسٹی مقرر کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ مجھ کو امید ہے کہ آپ میرے بعد بھی کالج کی بہتری اور سرپرستی کا خیال رکھیں گے۔ پس آپ مطلع فرمایئے کہ آپ بخوشی ٹرسٹی ہونا منظور فرماتے ہیں یا نہیں۔

دوسرا امر یہ ہے کہ بسعی منشی امتیاز علی صاحب مرحوم کے جناب عالیہ بیگم صاحبہ بھوپال نے دس ہزار روپیہ تعمیر مسجد کے لیے عنایت فرمایا تھا اب اس مسجد کی تعمیر کی نوبت پہنچ گئی ہے صرف برج اور مینار اور استرکاری باقی ہے۔ نماز اس میں ہونے لگی ہے اور موذن اور امام وغیرہ اس کے لیے مقرر ہو گئے ہیں اور ایک مولوی صاحب واسطے وعظ اور تعلیم مذہبی کے بمشاہرہ اسی روپیہ ماہواری مقرر کیا۔ میں چاہتا ہوں کہ پچاس روپیہ ماہواری یا کم و بیش حضور عالیہ جناب بیگم صاحبہ کی طرف سے واسطے اخراجات مسجد کے مقرر ہو جاویں۔ میں نے اس باب میں مولوی عبدالجبار خان صاحب کو بھی خط لکھا تھا مگر انہوں نے کچھ جواب نہیں دیا۔ پس آپ کی سعی اس امر میں

کچھ کارگر ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اگر کارگر ہو سکے تو سعی فرمائیے اور اگر کارگر نہ ہو سکے تو خیر۔

تیسرا امر یہ ہے کہ میں آپ کی عنایت کا اور عزیزان دوستوں کی عنایت کا جنہوں نے واسطے تلافی نقصان کالج کے چندہ دیا دل سے شکر ادا کرتا ہوں لیکن نقصان ضمانت بنک کی اب تک قریب پچیس [۲۵۰۰۰] ہزار روپیہ کے باقی ہے اس کی ادا کے لئے میں چاہتا ہوں کہ چند دوست مل کر بقدر اپنی حیثیت کے روپیہ بطور قرض بلا سود دیں پانچ برس کی میعاد پر اور میں ان کو دستاویز لکھ دوں گا اور بنک سے طمانیت کرا دوں گا کہ تاریخ معینہ پر بنک سے روپیہ مل جاوے گا۔ ہم کو چھ [۶] روپیہ سیکڑہ کے حساب سے زر ضمانت سود دینا ہوتا ہے اور جس کی نہایت زیر باری ہوتی ہے۔ ہمارے پاس بھی نوٹ جس قدر بنک میں جمع ہیں ان کا سود [۱۲۵۲] سالانہ ملتا ہے جو اس قرضہ کی ادا کے لئے بنک میں جمع ہوتا رہے گا پس پانچ برس کے اندر [۱۲۲۰۲] صرف سود پر امیری نوٹوں کے ہو جاویں گے سر سالار جنگ مرحوم کی جاگیر میں سے جو روپیہ کالج کو ملتا تھا وہ چند روز سے رک گیا تھا مگر اب اس کے ملنے کا حکم ہو گیا ہے اور جو ہمارا واجب الطلب ہے وہ بگشت ملے گا۔

جن دوستوں نے نقصان کے پورا کرنے کے لئے چندہ لکھا ہے منجملہ اس کے [۱۲۵۹] روپیہ وصول ہونا باقی ہے جو وصول ہو جاوے گا۔ ڈیڑھ ہزار [۱۵۰۰] روپیہ ہمارے ایک دوست واسطے پورا کرنے نقصان کالج کے دیتے ہیں جو پانچ برس کے عرصہ میں نو ہزار [۹۰۰۰] روپیہ ہو جاویں گے۔ مجموع ان کل رقمات کا بتعداد [۲۹۹۲۹] ہوتا ہے پس ہم بآسانی میعاد معینہ پر کل زر قرضہ ادا کر دیں گے بلکہ اس سے بیشتر۔ پس آپ ایسی کوشش کر سکتے ہیں کہ حضور عالیہ بیگم صاحبہ ہم کو کچھ روپیہ قرض دیں یا آپ اپنے پاس سے اور اپنے احباب سے ہم کو کچھ روپیہ قرض دلا سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کا صاف جواب بلا کسی تکلف کے لکھ دیجئے گا۔ میں نے اور چند دوستوں کو بھی خطوط لکھے ہیں کیونکہ کسی ایک شخص سے پچیس ہزار روپیہ ملنا غیر ممکن ہے لیکن اگر اس بارہ دوست بقدر اپنے مقدور کے قرض دینا چاہیں تو جمع ہو جانا ممکن ہے۔ اس قدر میں خود لکھ چکا تھا کہ آپ کا عنایت نامہ مرقومہ میرے پاس پہنچا۔ اس کا جواب کل یا پرسوں میں آپ کو لکھوں گا۔

اور میں ہر طرح سے جو تعلیم کا کام آپ اٹھانا چاہتے ہیں دل و جان سے اس میں مدد دینے کو موجود ہوں۔ والسلام علیکم

خاکسار سید احمد۔ علی گڑھ ۱۴ر جولائی ۱۸۹۰ء

محمد حسین آزاد

(۱)

بنام محمد ذوق رضوی مچھلی شہری

آپ کے حبِ وطن کا خیال قابلِ ہزار تعریف کے ہے، اور یہ عنایتِ خاص جو بندۂ آزاد کے حال پر مبذول ہوئی ہے اس کا شکریہ ادا ہی نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں اپنی طبیعت کا حال کیا بیان کروں۔ آپ تصویر منگاتے ہیں۔ میرا یہ حال ہے کہ کئی برس ہوئے آئینہ دیکھنا چھوڑ دیا کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ کبھی آئینہ سامنے آ جاتا ہے تو اپنے آپ کو پہچان نہیں سکتا۔ جو شخص خود اپنی صورت دیکھ کر نہ سامنے آ سکے اسے فوٹوگراف اتروانا اور تصویر کھنچوانا کب گوارا ہوگا۔

دو برس ہوئے ایک دوست رہتے ہیں، یہ ضد کر کے مجھے لے گئے اور میری تصویر اتروائی۔ اگرچہ رنج ہوا مگر پھر شکرِ خدا کیا کہ الحمد للہ اسے حسن الاعضا اور حلیہ تصویر نے پیدا کیا ہے اور رکھا ہے۔ حقیقتاً اب میں اپنا حال کیا عرض کروں۔ ڈیڑھ مہینے کے بعد آج انشاء اللہ زمانے کا ارادہ ہے۔ اگر خدا پورا کرے۔ کیا کروں فرصت نہیں ہوتی اور جو وقت بچتا ہے کہتا ہوں کہ چار سطریں لکھوں گا۔ زمانے کو جو دیکھنا ہے دیکھا جائے گا۔ آج کل دربارِ اکبری لکھ رہا ہوں۔ اس میں اکبر کے امرائے دربار کا حال آپ اسی طرح پڑھیں گے جس طرح آبِ حیات میں شعرا کا دیکھا۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ ہر ایک امیر کے حال کے بعد اس کی تصویر بھی ہو۔ چند تصویریں بہم پہنچائی ہیں مگر بعض اب تک نہیں ملیں۔ اگر آپ کے ذریعہ سے ممکن ہو تو ضرور مطلع فرمائیں۔

محمد حسین عفی عنہ۔ فروری ۱۸۸۲ء

---

(۲)

بنام میر حسن حیدرآباد

جنابِ من! ادام اقبالکم و حفظکم اللہ اکرم!

تسلیم۔ آپ کا رقعہ ۲ مرتبہ پایا مگر اس نے رنج کو دو بالا کیا کیونکہ نہایت دل شکستگی پائی جاتی تھی۔ ایسے دل ہرگز نہ ہونا چاہئے۔ مولوی اسد اللہ غالب موجود ہیں۔ انشاء اللہ آپ پہلے سے اچھا ہو گا۔ میں نے انہیں مفصلاً کچھ نہیں لکھا آپ کو بھیجتا ہوں کہ جو حسبِ عرض کرتے ہیں اب جلد انتظام ہو جائے گی۔

ع تجھے پھر کون سی مشکل ہے اے میر ۔۔۔ اگر تیرا علی مشکل کشا ہے

میں گنہگار، روسیاہ کس منہ سے کہوں کہ دعا کرتا ہوں۔ خیر جو کچھ ہے خدا قبول کرے۔ دنیا کے اعتبار سے اتنا ہوا کہ جہاں جہاں ہو سکا خیالات کو بدلا، جہاں جہاں ہو سکا قلم کو رسائی دی ہے۔ جو کچھ خدمت میں پہنچا ہے ملاحظہ فرمایئے گا۔ میرے پاس کیفیت احوال کے پہنچنے کا کوئی رستہ نہیں، آپ ہی کوئی تسلی نامہ لکھیں تو لکھیں۔ اگرچہ غیروں کو اس بات کا یقین نہ آئے لیکن غالباً آپ کے دل پر اس فقرہ کا اثر ہوگا کہ مجھے شاید ہی کچھ آپ سے کم رنج ہو۔ میں رویا اور میں نے اور میرے بچوں نے اس مرحوم کی نماز و فاتحہ پڑھی۔ مجھے امید نہیں کہ ان کے بیٹوں نے پڑھی ہوگی۔ حضرت آپ ہم لوگوں کو ایسا ہی جانتے، آپ کے جد جانتے ہیں۔ ہم کچھ اور لوگ ہیں۔ انشاء اللہ ان کے صدقے سے ان کی خاک آستاں کے صدقے سے ان کے کتوں کے صدقے سے خیر و برکت شامل حال رکھے اور فی الحال تو یہی عرض ہے کہ خدا آپ کی بات کو بنا دے۔ فقط والدعا و بالتماس الدعا۔

آزاد — ۱۵ فروری ۱۸۸۳ء

(۳)

جناب من!

تسلیم۔ الحمد للہ علیٰ احسانہ۔ قد جاء الحق علیٰ مکانہ۔ کل اخبار میں اس خبر کا ظہور دیکھا جس کا آپ نے ۔۔ میں ہر بار بیان کیا تھا۔ چاہا تھا کہ مولوی صاحب یعنی آپ کے بھائی صاحب کو مبارکباد لکھوں، پھر کہا کہ آپ کو لکھنا انہی کو لکھنا ہے۔ الٰہی اب پروردگار مع استقلال اور خیر و برکت کے ساتھ مبارک کرے۔ دل بہت چاہا کہ حاضر خدمت ہوں مگر کالج میں سالانہ امتحان ہوتا ہے ۱۰، ۱۲ کے دن عربی و فارسی کا امتحان ہے۔ مجھے ۶ جماعتوں کے لئے سوالات بنانے ہیں۔ کچھ بنا لئے ہیں کچھ کل بناؤں گا۔ ۲۳، ۲۴ دن کے بعد چھٹیاں آنے والی ہیں۔ انشاء اللہ ان میں ایک دن حاضر ہوں گا اور خان سنگراں کو بھی ساتھ لیتا آؤں گا۔ تسلیم بالاکرام والتماس دعا۔

محمد حسین آزاد۔ لاہور، بنگلہ ایوب شاہ ۱۶ فروری ۱۸۸۴ء

(۴)

بنام میر حسن حیدرآباد

جناب من!

تسلیم۔ پرسوں شفق کے ۲ پرچے ایک ہی لفافہ میں پہنچے۔ کل صبح کی ریل میں روانہ کئے ہیں رسید سے معزز و عنایت فرمایئے گا۔ خدا کرے پہنچیں کہ شفق کی طرح صرف نہ ہوں۔ ڈاک کا مطلق اعتبار نہیں، روز نقصان اٹھا رہا ہوں۔ نواب قوی جنگ کرنل صاحب ہی تو تھے جنہوں نے بڑی محبت سے ایک خط لکھا، اور اور تصنیفات طلب فرمائیں۔ میں نے نیرنگ خیال بھیجی۔ ۲۰ دن کے بعد خط آیا کہ کتاب نہیں پہنچی۔ خیر مجھے ۳ روپے کی کتاب پر ۲ روپے رجسٹری کے دینا تو آپ کو کیا جواب دیتا۔ دمڑی کی بڑھیا ٹکا سر منڈائی۔ نوکری کا ابھی تک فیصلہ نہیں ہوا۔ یونیورسٹی لیت و لعل کر رہی ہے اور کہتی ہے کہ ہم تجویز کر رہے ہیں۔ بہت خوب، اور بھی اچھا، یہی حقوق کا خاص

۱۔ یہ مکتوب غالباً میر حسن کے نام ہے، جو حیدرآباد میں رہتے تھے۔ مولانا محمد حسین آزاد انھی کو "جناب من" یا "اعلیٰ جناب من" کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ نیز انھی کے نام ایک خط مرقومہ ۲۴ فروری ۱۸۸۴ء میں خان سنگراں کے ارسال کا ذکر ہے (مکتوبات آزاد طبع ثانی ص ۴۳)

ہیں اگست ستمبر کی چھٹیاں بھی اسی میں گذر جائیں گی۔

ابراہیم انشاء اللہ ۸، ۱۰ دن میں رڑکی کو روانہ ہوگا کیونکہ یکم مئی سے جماعت کھلے گی اور کوئی بات قابلِ تحریر نہیں ہے مگر دعا و التماس دعا!

آزاد - لاہور بنگلہ ایوب شاہ ۱۶؍ اپریل ۱۸۸۴ء

---

(۵)

بنام نامعلوم

عزیز من زاد اللہ افضالکم!

بعد از دعائے فراواں معلوم باد۔ تمہارا محبت نامہ پہنچا۔ اس لئے باعث مسرت ہوا۔ مجھے تو خبر ہی نہ تھی۔ خدا تمہیں صحت دے۔ گھبراؤ نہیں، علاج کرتے رہئے۔ انشاء اللہ شفا ہوگی۔

میرا حال بدستور ہے۔ مدرسہ کا حال یہ ہے کہ حضور رسائم صاحب بہادر پرنسپل بھی ہیں اور انسپکٹری حلقہ لاہور کی بھی فرماتے ہیں۔ ڈاکٹر شلپ مالگ صاحب انسپکٹر حلقہ انبالہ ہو کر شملہ تشریف لے گئے ہیں۔ ان کی جگہ ایک صاحب عارضی طور پر تشریف لائے ہیں۔ کوب صاحب ان کا نام ہے۔ یہ بھی عالم ہیں اور بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ ماسٹر جیرولی پرشاد اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ ماسٹر ساگر چند بشرح ایضاً بابو شاہ جی بھوشن بشرح ایضاً مگر مستقل۔

بس اور کیا لکھوں۔ اپنی علالت کی طرف سے تم ہرگز گھبراؤ نہیں انشاء اللہ عنقریب رو بصحتی ہے۔ دعا و التماس دعا!

محمد حسین عفی عنہ، پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور

امیر مینائی

(۱)

بنام منشی محمد عسکری وسیم ترمذی خیرآبادی

نور چشم من - کل قطعات تاریخ بھیج چکا ہوں - ایک قطعہ تاریخی اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے، اس کے بعد خیال آیا کہ نام سے تاریخ پیدا کی جائے - اس وقت ایک صورت سے موزوں ہوئی اس کو بھی لکھے بھیجتا ہوں اگر یہ قطعہ پسند ہے تو خیر ۔

خفت کہ باز بخاک و گفتہ شد سینہ چاک　　طالعش در گردش از دور نجوم آمد کنوں
سال مرگ از نام آں مرحوم پیدا کرد امیر　　در ریاض فاطمہ باد نجوم آمد کنوں

۱۱۴۵　۱۵۴ = ۱۲۹۹

چاہیے کہ دونوں تاریخوں کی اور کیفیت پسند اور ناپسند سب عزیزان دیاران انجمن کے لکھ بھیجئے اور جس تاریخ کا کندہ ہونا قرار پائے اس سے بھی اطلاع دیجئے - میرے ایک مشفق سخنور شیرازی میرے پاس تشریف رکھتے تھے - انہوں نے اس تاریخ کو پسند کرکے دو مصرعے اوّل کے اس طرح موزوں کیے

اندریں ماتم سرا نادیدہ چشم روزگار　　ماتم زنیاں کہ از دور نجوم آمد کنوں

۱۲ر جمادی سنہ ۱۸۸۳ء　　راقم آثم امیر احمد از رامپور

(۲)

بنام جناب سید محمد عسکری صاحب وسیم ترمذی خیرآبادی

میاں وسیم - تمہاری پریشانی سے مجھ کو بھی پریشانی ہوئی - سوائے کام چھوڑ کر چلے جانے کے اور جو بات امکانی ہو تم مجھ کو بتاؤ تو وہ میں کروں - میں کسی حالت میں اپنے عزیز اپنے دوست کا نقصان نہیں چاہتا مگر تم خود سمجھتے ہو کہ (امیر اللغات کا) ایک حصہ مکمل ہو جانے تک تمہارے جانے سے اس کام کو نقصان سخت پہنچے گا آئندہ تم کو اختیار ہے تم بجائے خود خوب سمجھ کر جو درخواست قابل قبول ہو - مجھ سے کرو اس میں میں حاضر ہوں اور تمہاری راحت سے بہ حلف ملتمس ہوں کہ مجھے راحت ہوتی ہے اور تمہاری تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے کفاف تمہارا ؟ کم ہے اور اب مجھے پسند نہیں کہ تمہارا کفاف ترقی نہ کرے - آئندہ سے میں تم کو معہ تنخواہ خادم دس روپیہ ماہوار کے دوں گا - اور تمہارے پاس سے یہ خط نہ آتا تو بھی میرا یہ قصد حتمی تھا - اس سے زیادہ کوئی فکر کرے

خیال میں نہیں آتی کہ تمہاری پریشانی رفع کردوں۔ تم میری پریشانی مٹانے کے لئے جواب مفصل مجھے لکھو کہ سکونِ خاطر ہو فقط

۲۱ر دسمبر ۱۸۹۸ء

امیر فقیر علی عنہ

اس رقعہ کو شائع نہ کرنا یا واپس کر دینا یا احتیاط سے رکھنا۔

بنام مرزا داغ دہلوی

(۲)

مصدرِ لطفِ اتم۔ قدیمی مکرم سلامت۔ سلام مسنون اخلاص مقرون۔ مدت کے بعد نوازش نامہ[1] آیا۔ ممنون یادآوری فرمایا۔ بندہ نواز! مجھے یاد نہیں کہ میں نے کسی خط کا جواب قلم انداز کیا ہو۔ یہ میرے مقدر کی نارسائی کہ خط نہ پہنچا ہو۔ بہرکیف جرم ناکردہ کا عذرخواہ ہوں۔ اخبار گورکھپور میں میاں حق نے آپ کا مخاطب بخطاب استاد السلطان ہونا اور سات سو روپیہ مشاہرہ مقرر ہونا چھاپا۔ یہ دیکھ کر نہایت مسرور ہوا تھا۔ مگر اس تحریر[2] میں ان دونوں اعزازوں کا ذکر نہ تھا۔ اس وجہ سے وہ سرور گھٹ گیا۔ عزت افزائی جو سرکار دولت مدار نے شگفتہ سے فرمائی وہ میرے سرور اور آئندہ ترقیوں کی امیدوں کو بڑھا رہے ہیں۔ خدا جلد ظہور میں لائے۔

شکایت جو آپ نے "صنم خانۂ عشق" دیوان دوم کے نہ پہنچنے کی لکھی ہے۔ وہ دیوان چھپا کہاں؟ وہ ملک تک کہ نہ پہنچتا؟ تالیفات کہنہ کا حصہ میں آپ کے واسطے سے نہ پہنچا معاذاللہ اس وجہ سے کہ آپ نے رشک و حسد سے نہ گنوائیں۔ افسوس کہ اتنی مدت تک یکجائی رہ کر میری طبیعت کی صفائی دیکھ کر بھی آپ کو بدگمانیاں باقی ہیں۔ میاں بوڑھے ہو گئے ہو، یہ شیوہ چھوڑ دو کہ زبردستی رکاوٹ کے لئے ایک بات قرار دی ہے۔

اول تو[3] میں خطاب لینے ہی کے قابل اپنی قابلیت کو نہیں سمجھتا۔ اور پھر درخواست دے کر خطاب لینا یہ تو بالکل پسند نہیں۔ میاں اب تو وہ وقت آگیا کہ مرحوم و مغفور کا خطاب بارگاہ شہنشاہ حقیقی سے عطا ہو۔ کوئی اور حوصلہ نہیں ہے۔

آپ کا تازہ کلام دیکھ کر جی خوش ہو جاتا ہے۔ میں کہتا کیا ہوں جو بھیجوں۔ جی افسردہ رہتا ہے۔ کبھی کسی گلدستے والے کے اصرار سے کچھ بکتا ہوں تو وہ چھپ جاتا ہے۔ یہ فراغتیں چشم بد دور آپ کے واسطے ہیں کہ شعر کے سوا کوئی فکر نہیں۔ خدا جمعیت خاطر بڑھائے۔

اور سنئے یار![4] استاد السلطان ہونے کی مٹھائی تو لا، یا اُستاد دا یا اُستاد برسوں کہا گیا ہے۔ صاحب جو

---

[1] ۱۸۹۱ء میں نظام دکن میر محبوب علی خاں نے مرزا داغ کو "استاد السلطان" کا خطاب دیا۔ اخباروں میں اس کی خبر چھپی۔ امیر مینائی نے بھی دیکھا۔ ان ہی دنوں میں مرزا داغ کا خط امیر کے پاس آیا۔ لیکن انہوں نے اپنے خطاب و اعزاز کا ذکر نہ کیا تھا۔ اس خط کے جواب میں امیر صاحب نے یہ خط لکھا۔

[2] یعنی مرزا داغ کے خط میں۔

[3] مرزا داغ نے اپنے خط میں امیر صاحب کے خطاب کے متعلق استفسار کیا ہوگا۔ اس کا جواب ہے۔

[4] اس بے تکلفی اور خلوص کا کیا کہنا!

وہ وقت یاد ہو۔ استاد کی شیرینی نہ دو۔ امید ہے کہ کبھی کبھی رسم رسل و رسائل رہے۔ میں ابتدا سے تمہارا دوست اور خیر خواہ ہوں۔ میری طرف سے گمان فاسد نہ کیا کرو۔ زیادہ کیا لکھوں۔

۳۱ مارچ سنہ ۹۱ء — امیر فقیر

بنام دل شاہجہانپوری

(۴)

مجی سلام مسنون۔ آپ کے اکثر مہربانی نامے آئے اور افسوس ہے میں اپنی معذوریوں کی وجہ سے جواب نہ دے سکا۔ حبس بول کا دورہ اب کے سخت پڑا جس میں دو مرتبہ آتا تا طبیب سے کام لیا گیا۔ خون کئی روز تک آیا۔ اب اللہ کی عنایت سے افاقہ ہے۔ امید ہے کہ آپ اپنی خیریت سے کبھی کبھی مسرور کرتے رہیں گے۔ ادھر سے اگر جواب میں تاخیر ہو تو مجھے رنجور و معذور سمجھ کر بے التفاتی پر محمول نہ کریں۔

رامپور ۶ نومبر سنہ ۱۸۹۳ء — امیر فقیر

بنام دل شاہجہانپوری

(۵)

مجی سلام مسنون۔ دعائے مسنون۔ بہت سے گرامی نامے آپ کے آکر باعث شکر گزاری ہوئے۔ رنجوری و معذوری نے مجھے جواب دینے سے محروم رکھا۔ اس وقت ۲۰ اپریل کا کارڈ پیش نظر ہے۔ اس کا جواب سنئے۔ چلبن نہ فارسی ہے نہ عربی اس کی اضافت فارسی کی ہرگز جائز نہ ہوگی جناب معترض اس کے لئے سند نہیں معتبر علم ہے شہر کا نام ہے اس کا ترجمہ عربی فارسی میں کیا ہوگا۔ لہٰذا یہی لفظ ترکیبوں کے ساتھ بلا تردد باندھئے آپ کا مصرع جس میں لیس چلبن ہے یوں اصلاح ہو سکتی ہے

دل صد چاک میں دیکھا کئے رخ روشن انکا — ہم نے نظارہ کیا ڈال کے چلمن ان کا

آپ ہر خط میں اپنی غزل طلب کرتے ہیں۔ آج میں نے دمکان بھر تلاش کی انہیں مل سکی دیکھ کر بھیجتا۔ مسودات کلام کثرت سے جمع ہے اس میں کہیں بے ترتیبی سے ادھر ادھر ہو گئی ہوگی جواب ڈھونڈھنے سے پہلے اطلاعاً آپکو لکھا

رامپور ۹ مئی سنہ ۱۸۹۵ء — امیر فقیر

بنام منشی امتیاز احمد خاں صاحب راز رامپوری[1]

(۶)

پیارے راز عمرو دراز۔ خزانہ خالی ہونے کا جو ذکر تم نے کیا۔ اس مضمون کے مرتفع کرنے کے لئے میں نے رباعی

۱؎ منشی امتیاز احمد خاں صاحب راز رامپوری مرحوم (عرف پیارے خاں) امیر مینائی کے شاگرد رشید تھے۔ ریاست رامپور میں حضرت امیر کے قریب ہی رہتے تھے۔ مستاجر تھے۔ یعنی سرکاری دیہات کا ٹھیکہ لیتے تھے۔ حضرت جلیل مرحوم کے ساتھ مل کر امیر اللغات میں بھی راز صاحب نے کام کیا ہے حضرت امیر جب ان کو خط لکھتے تھے تو راز صاحب کے عرف (پیارے) کی مناسبت سے القاب میں کبھی "پیارے راز" کبھی "پیارے پیارے" لکھتے تھے ایک مرتبہ جناب پیارے خاں صاحب راز ریاست بھوپال میں تھے۔ حضرت امیر مینائی نے بیگم صاحبہ بھوپال کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ کر پیش کرایا تھا۔ بیگم صاحبہ نے پسند کیا اور فرمایا کہ قحط کے سبب سے خزانہ خالی ہے ورنہ اس کا معقول صلہ دیا جاتا۔ یہ جواب امیر صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے ایک رباعی لکھ کر راز صاحب کو بھوپال بھیجی کہ سرکار میں پیش کریں۔

کی۔ جسے خوشخط لکھوا کر تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ بہت جلد اپنے صاحب کی خدمت میں پہنچاؤ۔ اور کہو کہ مہربانی کر کے سرکار عالیہ متعالیہ کے ملاحظے سے گزرانیں۔ اور جو کیفیت ہو اس سے آگاہ کرو۔ یہاں خیریت ہے۔ کئی روز ہوئے تمہارے خط کے جواب میں ایک تحریر بھیج چکا ہوں۔

۲۴ر ستمبر ۱۸۹۶ء امیر فقیر

وہ رباعی یہ ہے :۔

رباعی

کب ہے یہ خدائی کارخانہ خالی ۔ عالم سے نہیں کوئی زمانہ خالی
معمور ہے گنجینۂ دل ہمت سے ۔ ممکن ہی نہیں کہ ہو خزانہ خالی

(۷)

<u>بنام دلؔ شاہجہان پوری</u>

محبی ضمیر سلمہٗ القدیر۔ پندرہ بیس دن ہوئے کہ ایک نوجوان کشیدہ قامت کپڑوں کے تاجر شاید عبدالقدیر ان کا نام ہے۔ شعر بھی کہتے ہیں اور اس تجارت کا کارخانہ ان کا رونق پر ہے، یہاں کے سوداگر کی طلب پر کپڑے لائے تھے اور مجھ سے بھی مل کر کچھ اپنے شعر سنائے تھے تمہاری خیر و عافیت بھی میں نے ان سے پوچھی تھی غالب ہے کہ ان سب پتوں سے تم ان کو پہچان گئے ہو گے ان سے مل کر میری طرف سے کہو کہ کپڑے بھیجنے کا وعدہ اب تک وفا نہ ہوا اب فی الفور حسب وعدہ بھیجیں اس کے کپڑے پختہ جو چھٹنے نہ ہوں میرے پاس بھجوا دیں میں نے ان کے بھروسے پر یہاں کپڑوں کا بندوبست نہیں کیا۔ اور جو کچھ وہ کہیں اور جو بات قرار پائے اس سے مجھے مطلع کرو، اپنے بزرگوں کو میری طرف سے سلام مسنون پہونچا دو۔ مکرمی منشی ظہیر خاں صاحب اور محمد ولی جناب حافظ صاحب قبلہ کی خدمت میں سلام و نیاز عرض کرو۔

رام پور ۴ر جنوری ۱۸۹۸ء امیر فقیر

(۸)

<u>بنام منشی امتیاز احمد خاں صاحب نازؔ رامپوری</u>

ایک مرتبہ موسم سرما میں حضرت امیرؔ مینائی نے پیارے خاں صاحب نازؔ سے فرمایا کہ اپنے علاقے سے کچھ کھورا[1] اور اپلے بھیج دینا۔ جب تعمیل ارشاد میں تاخیر ہوئی تو اس طرح یاد دہانی کرتے ہیں :۔

رام پور۔

پیارے نازؔ۔ ایک مطلع مخفر تھرتھراتے ہوئے دل سے کہا ہے اور کپکپاتے ہوئے ہاتھوں سے لکھا ہے سنو اور اس کی قدر کرو :۔

نہیں کچھ تاپنے کو، دست و پا سردی سے اکڑے ہیں
نہ کھورا ہے نہ کنڈے ہیں نہ پیٹھے ہیں نہ کڑے ہیں

۱۲ر دسمبر ۱۸۹۵ء امیر فقیر

---

[1] لکڑی کی چھیلن یا چھوٹے ٹکڑوں کو کھورا کہتے ہیں۔

بنام احسن مارہروی

(۹)

دلنوازِ من سید علی احسن صاحب۔
کارڈ آیا مسنون یاد آوری کیا۔ گلدستے کی ترتیب اور طبع کو میری غزل پر موقوف نہ رکھیے۔ میری طبیعت اچھی نہیں اور میرے گھر میں کئی عزیز بیمار ہیں۔ میں غزل نہیں کہہ سکتا۔ آئندہ پھر کسی زمین میں موقع ملے گا تو کہوں گا فقط۔ جلیل کی طرف سے سلام نیاز۔

۲۲ر جون ۱۸۹۸ء — امیر فقیر

بنام ولی شاہجہانپوری

(۱۰)

سعادت نصیب سید ہے ضمیر اللہ تعالیٰ تمہاری عمر و اقبال و سعادت مندی و کمال میں برکت دے۔ محبت اور اخلاص سے لبریز تمہارا خط اس وقت آیا اور مجھے محظوظ کیا۔ اس کا مجھے بھی افسوس ہے کہ نور چشم مسعود احمد تم سے اپنا وعدہ پورا کئے بغیر شاہجہانپور سے واپس آئے۔ ان کو اس میں سخت معذوری و مجبوری پیش آئی۔ شاید آپ نے بھی سنا ہوگا کہ حضرت مولانا محمد شاہ کی طبیعت بہت دفعتاً ناساز ہو گئی جس کی وجہ سے ان کا سفر ملتوی کرنا پڑا کہ وہ جلسۂ ندوہ میں بھی شریک نہ ہو سکے اور بعد ازاں ایسی حالت ہو گئی کہ قبل اختتام ندوہ ان کے رفقاء کو واپس آنا پڑا۔ یہ ممکن نہ تھا کہ مسعود احمد جناب مولانا سے جدا ہو کر ایسی حالت میں وہاں رہ جاتے اور آپ سے مل کر آتے۔ ان کو خود بھی انتہا کا افسوس ہے اور کمال خجالت ہے لیکن ان کی معذوری ہر طرح قابل قبول ہے اور ان کا اس طرح چلا آنا ہرگز نہ قابل عفو ہے۔ زیادہ تر تاسف یہ ہے کہ جناب قبلہ حافظ صاحب کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکے جن کے شرف ملازمت کا میں بھی آرزومند ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کے مقدس انفاس میں برکت دے۔ ان کی شفقت بزرگانہ اور تمہاری محبت مخلصانہ کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ بندہ نواز کے لئے جو شیرینی تیار کرائی گئی اور تہیۂ ضیافت کیا اس کا شکریہ میری طرف سے قبول کیا جائے۔ جناب حافظ صاحب کی خدمت میں میری یہ تحریر پیش کر دو اور میری طرف سے نیز مسعود احمد کی جانب سے سلام نیاز بکمال خلوص عرض کرو۔ زیادہ کیا عرض کروں غالباً مسعود احمد بھی معذرت آپ کو لکھیں گے۔ بھتیجی منشی خورشید خاں صاحب کو میرا سلام نیاز کہو۔ مسعود احمد آپ سب صاحبوں کے حسن اخلاق کے نہایت معترف ہیں۔ میرے امراض کی حالت بدستور ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہر حال میں شکر ہے۔ اپنی خیریت سے ہمیشہ مطلع کرو۔ والسلام

رامپور ۲۱ر اپریل ۱۸۹۹ء — امیر فقیر

بنام ولی شاہجہانپوری

(۱۱)

محبِ من سلام شوق۔ کارڈ آیا [illegible] دامن نگاہ تنگ و گل [illegible]
تکلف [illegible] کسی کا شعر ہے

[illegible] — امیر فقیر

بنام دل شاہجہانپوری

(۱۲)

محبی و شفیقی، سلام مسنون - مدت کے بعد آج آپ کی غزل دیکھنے کی نوبت آئی معاف کیجئے گا بیمار تھا ایک دنبل نے جو ران میں نکل آیا تھا مہینوں مجھے بستر معذوری سے اٹھنے نہ دیا آپ کے بہت سے عنایت نامے آئے۔ سخت انفعال ہے کہ جواب بھی نہ دے سکا اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور سخن سنجی کی توفیق اس سے زیادہ عطا فرمائے۔ حافظ صاحب کی فارسی غزل دیکھ کر جی خوش ہوا مگر مجھ میں مصرع لگانے کی فرصت اور اطمینان کہاں۔ آپ حافظ صاحب کی خدمت میں میرا حال تمام و کمال عرض کر کے میری طرف سے معذرت کر دیجئے کہ وہ کسی طرح ناخوش نہ ہوں۔ فقط

امیر فقیر   ۲۹ جولائی رامپور

بنام دل شاہجہانپوری

(۱۳)

محبی سلام مسنون - غزل آپ کی دیکھ کر بھیجتا ہوں - مجھے اس زمانے میں حبس بول کے متصل دورے پڑتے تھے تمام عمر کی بار بار دیت اٹھنے ہیں۔ دل چور ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی غزل دیکھنے اور آپ کے خطوط کا جواب دینے میں اس قدر تاخیر ہوئی۔ زمین بہت تنگ تھی اس پر بھی آپ نے بہت زیادہ شعر کہے اور اچھے کہے عیوب سے پاک کرنے کی غرض سے کچھ شعر نکال کر مختصر کر دیئے گئے ہیں۔ اب بھی سرو شعر ہیں بہت ہیں۔ تیروں کا گنجان ہو کر بیٹھنا زبان نہیں ہے۔ درخت آبادی اور خط کی نسبت گنجان کہا جاتا ہے۔ بعض قسم اعلیٰ قند کی چائے کے واسطے ضرورت ہے۔ معلوم نہیں شاہجہانپور میں اس کا آج کل کیا نرخ ہے آپ تحقیق کر کے لکھئے بلکہ تھوڑا سا قند بطور نمونہ بھیجئے تاکہ آئندہ بقدر ضرورت آپ کو بھیجنے کی تکلیف دی جائے۔

امیر فقیر   رامپور ۲۲ ستمبر

بنام دل شاہجہانپوری

(۱۴)

عزیز از جان منشی ظہیر حسن سلمکم اللہ تعالیٰ۔ دعائے صلاح و فلاح دارین محبت نامہ سعادت شمار آیا بشکر کی تفصیل بھی پہنچی۔ دونوں نے مرہون منت کیا حق تعالیٰ سعادت و لیاقت کے ساتھ تم کو شاد و آباد رکھے اور عمر و اقبال میں ترقی دے۔

از دست امیر بے نوا ناید ہیچ
جز آنکہ بصدق دل دعائے بکند

مجمع محاسن فرو ال مرام محترم ظہیر خان کی خدمت گرامی میں سلام مسنون، اخلاص مشحون پہنچے۔ محبی و عزیزی حافظ جلیل حسن اور سعید صدر قرۃ العین مسعود احمد بارب بسلام ہیں۔

امیر فقیر

داغ

بنام نواب حسن علی خاں امیر جاگیردار

(۱)

نواب صاحب قبلہ فضائل شعار سلمہ اللہ تعالیٰ

تین دن سے خط کا منتظر ہوں، جواب ندارد۔ لفافہ جو شرفا کے واسطے ہے اس پر خفا ہوں یہ سنے خوب جھاڑا ہے۔ پانچ سو میر لڑکی سے لائیں یہ پچاس یہاں سے منگئے دس آپ سے مانگتی ہیں ذرا ان کو جھاڑ دیجئے گا۔ میں نے جوان کو خط لکھ دیا ہے وہ ان کے خط میں ہے اس کو آتا ہے کہ آپ بھیجا ہی تو بڑی عنایت۔ ایک غزل طرف اور بھیجتا ہوں۔ یہ نہ معلوم ہوا کہ پہلی سب غزلیں شیعہ بیاض پر چڑھ گئیں کہ ابھی کوئی باقی ہیں۔ یہاں خیریت ہے گرمی کی شدت ہے۔ بچوں کو دعا کہیں۔ فقط

فصیح الملک داغ دہلوی یکم جون ۱۹۰۳ء مطابق ۴ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ

بنام نواب حسن علی خاں امیر جاگیردار

(۲)

نواب صاحب سلام!

میں خیر کا طالب ہوں، ہر رنج کا منتظر نہیں۔ مرمت کی کیا صورت ہوئی اس بارش میں مشکل ہے۔ بی حجاب کل سے بیمار ہیں اور آپ کی مشتاق۔ ان کا مکان گرا، جان بچ گئی۔ اس کی مرمت ہو رہی ہے۔ یہاں زمین ٹھکانا نہیں۔ زیادہ نیاز!

فصیح الملک داغ دہلوی

یکم اگست ۱۹۰۳ء مطابق ۷ جمادی الاول ۱۳۲۱ھ بروز یک شنبہ

بنام لقمان الدولہ

(۳)

الحمد للہ خیریت سے ہوں۔ روزہ رکھ رہا ہوں۔ کمشنر صاحب صفائی پیاد گھاٹ سے جھگڑا ہے۔ شانہ کے درد کے واسطے دوا بھیج دو۔ پہلی دوا مفید ہوئی۔ فقط!

داغ دہلوی

لہ یہ خط لقمان الدولہ کی ایک غزل پر اصلاح لکھ کر اسی کے نیچے مرزا داغ نے قلمبند کر دیا ہے۔

بنام نواب لقمان الدولہ[1]

(۴)

مہربانِ من!

آپ کی غزل بہت اچھی ہے۔ آپ کے استاد[2] شاگرد فیض صاحب[3] نے بہت خوب بنائی ہے۔ غزل کی تعریف آپ کی طبیعت کی رسائی کی اور ان کی اصلاح کی داد دیتا ہوں۔ کہیں بھی گنجائش اصلاح نہیں ہے۔ نسوخ لکھے ہیں اس کو آپ خود دیکھ سکتے ہیں۔

بیچمدان: فصیح الملک داغ دہلوی

---

[1] دیکھیے مکاتیب احسن مارہروی۔

[2] دل کے پہلے استاد حفیظ الدین یاس (م ۱۲۶۰ھ – ۱۳۲۳ھ) تھے جو مرزا داغ کی آمد حیدر آباد سے قبل مرحوم نظام میر محبوب علی خاں آصف کے بھی استاد تھے۔ مرزا داغ نے ان کی اصلاح کی تعریف کی ہے۔

[3] حافظ میر شمس الدین محمد فیض (م ۱۱۹۵ھ تا ۱۲۸۳ھ) حیدر آباد کے استاد الاساتذہ اور مشہور صوفی تھے۔ اپنے عہد کے سب سے بڑے مصنف، شاعر اور اہل اللہ سمجھے جاتے تھے۔ شمس الامرا کو علمی و ادبی خدمات کی طرف مائل کیا۔ ان کی ایک سو سے زیادہ کتابیں اور متعدد دیوان شائع ہو چکے ہیں۔

ذکاء اللہ

(۱)

بنام مولانا محمد حسین آزاد

جناب مولانا صاحب!

آپ کا محبت نامہ پہنچا۔ نسخہ ہے ۔۔۔ بکنسری اور ۔۔۔ دونوں میرے پاس ہیں مگر ان کے مالک اجازت بھیجنے کی نہیں دیتے۔ ۔۔۔ ویسا غلط لکھا ہوا ہے کہ نقل کا بھی نہیں۔ چھاپہ کی کتاب ہے اگر کسی مولوی انگریزی کی کوٹھی میں تلاش کرو گے تو مل جائیں گی۔ مجھ سے کئی دفعہ لوگوں نے کہا کہ یہ صلح آپ کرا دیجئے۔ لیکن میں نے یہی کہا کہ دل کا حال کپڑوں کا سا نہیں ہوتا کہ دھونے سے ہی صاف ہو جائے۔ جب دل میں کدورتیں آ جاتی ہیں تو مشکل سے وہ صاف ہوتی ہیں۔ جب تک مولوی صاحب کا یہ خیال ہے کہ میری نظم کا خاکہ اڑانے کا سب لوگوں نے قصد کیا ہے جب تک دل صاف نہیں ہو سکتا۔ میرے نزدیک صلح کرنا مناسب ہے اگرچہ اس کو بقا بہت دنوں تک نہیں۔ مگر اس میں ایک بات ہے اور اس میں آپ کی عالی حوصلگی پائی جاتی ہے۔ فقط۔

ذکاء اللہ (۱۸۸۰ء)

---

(۲)

بنام نواب محسن الملک

جناب فیض مآب نواب محسن الملک محسن الدولہ منیر نواز جنگ بہادر سلامت!

تسلیم و نیاز کے بعد معروض خدمت عالی یہ ہے کہ جناب کا والا نامہ حسب ضابطہ مورخہ ۔۔۔ ۱۳۰۷ ہجری مطابق ۵ / ۳ / ۹۰ میرے پاس آیا۔ اسی مضمون کا مراسلہ نواب انتصار جنگ بہادر کا مورخہ ۱۲ جنوری ۱۸۹۰ء میرے پاس آیا تھا۔ ان دونوں خطوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو امور تصفیہ طلب ہیں۔ اول اکتیس روپیہ جو ماہ بماہ میرے پاس ہی رکھا ہے وہ مشاہرہ کا اور منشی سید احمد ہیں کیونکر تصفیہ ہو۔ دوم عنایت آصفیہ کے حصہ غیر مطبوعہ کیونکر طبع ہو کہ جس سے کتاب تمام ہو جو سرکار عالی مقام کی غرض خریداری سے ہے۔

سوم منشی سید احمد کو مشاہرہ سے کیونکر نجات ہو

امر اول کی نسبت عرض یہ ہے کہ ۔۔۔ صاحب بہادر ۔۔۔ ماہ فروری ۱۸۸۹ء کو اس روپیہ کی بابت

سے یہ مسودہ ہے۔ اس کے آگے کچھ نہیں لکھا ہے

فیصلہ ہو گیا تھا کہ دو ہزار تین سو اٹھاون روپیہ چھ آنے تین پائی ساہوکار لے اور سات سو اکتالیس روپیہ نو آنے تین پائی منشی سید احمد لیں۔
چنانچہ اس فیصلہ ثالثی کے موافق تقسیم روپیہ کی روبکار مولوی عنایت الرحمٰن خاں صاحب کے پاس رجسٹری شدہ لفافہ میں ۲۲ فروری ۱۸۹۸ء کو بھیجی گئی اور رسید اس کی مولوی صاحب نے بھیج دی۔ یہ کاغذات ان کے پاس یا دفتر سرکار عالی میں مثل حیدرآبادی کاغذات میں شامل ہوگا۔
میں کوئی وجہ نہیں پاتا کہ جو فیصلہ بہ تراضی طرفین ہو چکا ہے اس کو تبدیل کروں۔ اس لئے میں نے روپیہ کی تقسیم اس طرح قرار دی اور ساہوکار نے میرے پاس رسید بھیج دی ہے۔ میں اس کو روپیہ دے دوں گا۔ مگر منشی سید احمد نے مجھے رسید روپیہ کی نہیں دی۔ نہ وہ اس روپیہ کے لینے پر راضی معلوم ہوتے ہیں۔ سو یہ ان کی عاقبت اندیشی سے بعید ہے۔ اگر انہوں نے روپیہ لے کر رسید دے دی تو میں دونوں شخصوں کی رسیدیں بھیج دوں گا۔ نہیں تو ساہوکار کو روپیہ دے کر رسید اور باقی روپیہ بھیج دوں گا۔

دوم امر کی نسبت التماس یہ ہے کہ منشی سید احمد اپنی کتاب لغات آصفیہ کا مسودہ میرے پاس بھیج دیں۔ میں اس کو ساہوکار مذکور سے روپیہ لے کر بہت جلد چھپوا دوں گا۔ اس صورت میں جناب کو یہ ضرور ہوگا کہ جو روپیہ سرکار عالی سے بابت قیمت لغات آصفیہ باقی ہے وہ میرے پاس اثنائے طبع کتاب میں یا بعد ارسال فرمائیں۔ جناب نواب انصار جنگ بہادر نے مجھے رقام فرمایا ہے کہ اگر تم اس روپیہ کے لینے کی درخواست کرو تو سرکار عالی یہ روپیہ بھیج دے گی۔ بموجب قرار نامہ رجسٹری شدہ کے منشی سید احمد نہ خود اس کتاب کو چھاپنے کے مجاز ہیں نہ دوسرے کو اجازت دے سکتے ہیں۔ اگر حیدرآباد میں کتاب چھپے گی تو عدالت میں نالش فیصلہ دائر ہوگا اور معلوم نہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔

سوم امر کی نسبت یہ گزارش ہے کہ جس وقت کتاب چھپ جائے گی تو دونوں شخصوں میں آدھی آدھی کتابیں دے دی جائیں گی وہ اپنے آپ فروخت کر لیں گے۔ ساہوکار قرار نامہ کے بموجب ایک دفعہ اور چھاپنے کا مجاز ہوگا اور سید احمد صاحب کو اختیار ہوگا کہ جتنی دفعہ چاہیں چھاپیں۔

میری رائے ناقص میں یہ فیصلہ ایسا ہے کہ جس میں انصاف بھی ہے اور آئندہ کوئی عدالت میں جھگڑا بھی نہیں کھڑا ہوگا۔
آئندہ جو مصلحت رائے عالی ہو اس کی تعمیل کی جائے فقط!

جناب کا نیازمند محمد ذکاء اللہ ۱۴ فروری ۱۹۰۱ء و ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۱۸ھ

نوٹ۔ یہ خط بجنسہ نقل کیا گیا ہے۔ مگر جگہ جگہ بعض الفاظ پڑھنے کے قابل نہیں۔
اصل خط میرے پاس محفوظ ہے۔ — تمکین کاظمی

ڈپٹی نذیر احمد

(۱)

بنام نواب سید علی حسن خاں بہادر

جناب عالی:

کرامت نامہ پہنچا۔ میں نے حقیقت واقعی بے کم و کاست بالمشافہ عرض کر دی تھی۔ اب کامیابی ہو تو اور ناکامی ہو تو دونوں صورتوں میں جناب کا احسان میرے ذمہ ثابت ہو چکا اور یہی مدت العمر ممنون رہوں گا۔ اگر کسی ہم مقابل کے لئے سفارش نہیں کی گئی تو ناکامی کا احتمال ضعیف ہے۔ لیکن آپ نے خود میں اس کی کچھ صراحت نہیں فرمائی۔ رہی حکام انگریزی کی سفارش، اس کا حال یہ ہے کہ بیس برس سے میں سرکار انگریزی سے بے تعلق محض ہوں۔ دس برس کے قریب حیدرآباد رہا اور اس کے بعد سے خانہ نشین ہوں۔ اور چونکہ خدمت کی جستجو نہ تھی طبیعت نے بے فائدہ خوشامد، دربدر، بار، دربار کو گوارا نہ کیا۔ لیکن جس وقت تک میں سرکار انگریزی میں تھا لیفٹیننٹ گورنر تک کے سرٹیفکیٹ کتاب میں آپ نے ملاحظہ کئے ہوں گے۔ بڑی خدمت کے لئے بڑے عہدیداروں کی سفارش درکار ہے اور یہاں دلی کے ڈپٹی کمشنر و کمشنر مجھ کو جانتے پہچانتے ہیں۔ ان لوگوں نے بہت تپاک کئے ہیں اور ضرور میری نسبت اچھا خیال رکھتے ہیں اور پوچھا جائے تو اچھا ہی ظاہر کریں گے لیکن میں ان کی کوٹھیوں پر ان کے سلام کو بھی نہیں گیا۔

چونکہ آپ نے ایک طرح کا تعلق اس معاملہ سے پیدا کر دیا ہے وقتاً فوقتاً مجھ کو اطلاع ہوتی رہے تو زہے عنایت۔

خاکسار نذیر احمد۔ ۳ر دسمبر ۱۸۹۶ء

(۲)

بنام نواب سید علی حسن خاں بہادر

جناب عالی!

السلام علیکم۔ آپ کو شاید معلوم ہے کہ میں نے بڑی محنت سے قرآن مجید کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ مجھ کو اس کے لئے تین برس محنت شاقہ اٹھانی پڑی ہے اور تراجم موجودہ اور تفاسیر اور احادیث سے مطابق کرنے کے لئے مولویوں کا اسٹاف رکھنا پڑا ہے تب کہیں جا کر یہ ترجمہ میرے نزدیک بامحاورہ، سلیس، مطلب خیز، مستند اور تراجم موجودہ سے بہت بہتر ہوا ہے۔ ترجمے کے ساتھ

اشارات بھی رکھ دیئے گئے ہیں اور منظور یہ ہے کہ ان اطراف میں اچھی طرح اعلان کر دیا جائے کہ قرآن مجید کا نیا ترجمہ مل سکتا ہے۔ پہلے آپ دیکھ دیکھا کر اچھی طرح اطمینان حاصل کر لیجئے کہ آیا واقعی میں یہ ترجمہ تراجم موجودہ سے بہتر ہے یا نہیں اور اگر آپ کے نزدیک بہتر ثابت ہو تو آپ اس کی سرپرستی کیجئے۔ کیونکہ اس کی اشاعت میں مدد دینا گویا اغراض رسالت کی تکمیل کرنا ہے بلکہ اگر آپ کر سکیں تو اس ترجمہ کی کیفیت کو سرکار کے گوش گذار کریں اور ان سے سرپرستی کی تحریک فرمائیں۔ ترجمہ کے حجم اور سواد خط اور چھاپ سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ قیمت جو قرار دی گئی ہے اس میں کوئی ذاتی منفعت مضمر نہیں ورنہ میں اگر اپنی محنت اور مولویوں کی تنخواہ لگاتا تو حسب فی جلد لاگت پڑتی مگر میں نے یہ کام احتساباً کیا ہے۔ ان اجری الا علی اللہ۔

پیرانہ سالی میں آپ سے تفصیلی ملاقات نہ ہونے کا افسوس باقی رہ گیا۔ ترجمہ تو ہدیۃً آپ کی خدمت میں روانہ کیا گیا ہے اور صرف ناظرین کا ۔۔۔۔ کیا گیا ہے براہ مہربانی ۔۔۔۔ کرا دیجئے گا۔ فقط!

خاکسار نذیر احمد ۔ ۸ جنوری ۱۸۹۶ء

(۳)

بنام خان بہادر بشیر الدین احمد (اٹاوہ)[1]

مکرمی!

السلام علیکم۔ میں نے جو مضمون مدراس کانفرنس کے لئے لکھا تھا آج بذریعہ رجسٹری آپ کے نام روانہ کیا گیا۔ آپ کے کام کا ہو تو حسن تمہید کے ساتھ چاہتے چھاپئے۔ میں آپ کو گھٹانے بڑھانے کی بھی اجازت دیتا ہوں۔

خاکسار نذیر احمد ۔ ۲۰ مارچ ۱۹۰۲ء

(۴)

بنام خان بہادر بشیر الدین احمد (اٹاوہ)

مکرمی!

آپ کے گرامی نامہ ملاطفت آمیز مشعر نیاز مندی کا جواب مرحمت ہوا کہ ارسال کیا گیا۔ ہنوز امورات مستفسرہ سے اطلاع نہیں ہوئی توقع کہ براہ نوازش جواب سے مطلع کیجئے تاکہ میں اس کے مطابق عمل کروں۔

نیاز مند: نذیر احمد جمالی ۱۷ اپریل ۱۹۰۲ء

(۵)

بنام خان بہادر بشیر الدین احمد (اٹاوہ)

مکرمی!

السلام علیکم۔ چالیس حمائل جو آپ کو روانہ کی گئی تھیں ہر چند آپ نے ان کی رسید اخبار میں چھاپ دی ہے مگر دفتر میں رکھنے کے لئے ایک رسید باقاعدہ آپ کے ہاں سے ملنی چاہئے۔ فقط!

خاکسار نذیر احمد ۔ دہلی ۲۱ مئی ۱۹۰۳ء

---

[1] یہ چار خطوط اٹاوہ میں محفوظ ہیں۔ (عطیہ ڈاکٹر مختار الدین احمد علی گڑھ)

مولانا حالی

بنام محسن الملک

(۱)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم و معظم دام مجدہم

بعد تسلیم نیاز کے التماس یہ ہے کہ دو جلدیں کتاب "حیات سعدی" کی اور دو جلدیں "مسدس مد و جزر اسلام" کی خدمت والا میں ارسال کرتا ہوں۔ ان میں سے دو سادی جلدیں آپ کے ملاحظہ کے لئے اور دوسری دو جلدیں جن پر دو پیل (?) چڑھا ہوا ہے حضور نواب صاحب بہادر دام اقبالہ کی نذر کے لئے ہیں۔ پہلی کتاب میں نیاز مند نے شیخ سعدی کی لائف اور ان کی تمام تصانیف پر ریویو کسی قدر جدت کے ساتھ لکھا ہے جس پر منشی محمد ذکاء اللہ صاحب کا ریویو علیگڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ مورخہ ۱۶ مارچ میں چھپا ہے اور جس کو پنجاب اور اضلاع شمال و مغرب کے معتبر اشخاص عموماً پسند کرتے ہیں۔

دوسری کتاب یعنی مسدس مد و جزر اسلام کے آخر میں ایک نیا ضمیمہ ۲۰ بند کا اکثر کار پرداز احباب کی تحریک سے اضافہ کیا ہے جس کی نسبت ابھی میں نہیں کہہ سکتا کہ پبلک کی کیا رائے ہوگی۔

غالباً جناب کو کثرت مہمات مروجہ کے سبب یاد نہ رہا ہوگا لیکن نیاز مند کو خوب یاد ہے کہ ان دونوں کتابوں کی نسبت جن کی ترتیب و تدوین ختم نہ ہوئی تھی علاوہ زبانی ہامی کے حضرت سے مختلف اوقات میں اعانت و خریداری کی امید دلائی گئی تھی اور زیادہ تر اسی امید کے بھروسے پر ان دونوں کتابوں کے ایک ساتھ چھپوانے کی جرأت کی گئی ہے۔ التماس یہ ہے کہ اگر ان کتابوں کی اشاعت ملک میں مفید بھی جاتی ہو تو از راہ قدر افزائی و کرم دو دو نسخے جو حضور نواب صاحب بہادر کی نذر کے لئے ارسال خدمت والا کئے جاتے ہیں مع یادداشت منسلکہ نیاز نامہ بیشگاہ جناب حشمت مآب الیہ میں گذران کر جس قسم کی اعانت یا رعایت ممکن ہو اس کے لئے سفارش فرمائیں۔

جو محنت اور زیر باری مجھ کو برداشت کرنی پڑی ہے اس کا تدارک تمام و کمال ہو جائے گا۔ اگرچہ ہندوستان میں مصنف کی وقعت ایک بک سیلر سے زیادہ نہیں ہے اور پھر اگر کوئی حق آپ پر ایسا ہے جس کے سبب سے میں آپ کو اپنی تکلیف دینے کا مجاز ہوں لیکن سچ یہ ہے کہ آپ کے ساتھ ہم لوگوں کو ایک حسن ظن اس قسم کا ہے کہ جس امر کی تحریک کو ڈھائی برس سے زیادہ گزر چکے ہیں آج تک اس سے قطعی مایوسی نہیں ہوئی مگر کامیابی تو بہت مشکل ہے اگر امید بھی قائم رہے تو غنیمت ہے۔

زیادہ نیاز

نیاز نامہ خاکسار الطاف حسین حالی از دہلی کوچہ پنڈت ۲۹ مارچ ۱۸۸۶ء

۱۔ غالباً یہ خط اس وجہ سے جناب محسن الملک کا اعادہ (?) سلسلے میں ان دونوں کتابوں کی جلدیں حیدرآباد میں خریدی گئی تھیں جن کی رسائد کی نقول اور عبدالرحیم خاں کے موسومہ خط کی نقل مرتب کے پاس محفوظ ہے۔ (تمکین کاظمی)

بنام مولوی عبدالرحیم خان صاحب

(۲)

مولوی صاحب مخدوم و مکرم دام مجدکم

تسلیم! عنایت نامہ آیا حسب ارشاد قطعہ رسید ٹکٹ لگا کر اس نیازنامہ کے ساتھ خدمت شریف میں ارسال کرتا ہوں جب روپیہ وصول ہونے کا وقت آئے اس رسید کو داخل فرما کر روپیہ وصول کر لیجئے گا۔ ایک عریضہ جناب مولوی سید مہدی علی خاں بہادر کی خدمت میں بھی اسی وقت بھیجتا ہوں کہ روپیہ مولوی عبدالرحیم خاں صاحب کے حوالہ کر دیا جائے کیونکہ روپیہ کی رسید میں نے مولوی صاحب موصوف کے پاس بھیج دی ہے۔ آپ کی تحریر کے موافق شکریہ کا خط بھی جناب ممدوح کی خدمت میں بھیج چکا ہوں۔ روپیہ اگر مناسب ہو تو بذریعہ کرنسی نوٹس کے بھیج دیجئے کیونکہ منی آرڈر کی فیس زیادہ لگے گی مگر لفافہ جس میں نوٹ ملفوف ہوں اس کی رجسٹری ضرور کرا دینا چاہئے آئندہ جیسا آپ مناسب سمجھیں ویسا کیجئے گا۔ زیادہ نیاز

نیازنامہ خاکسار الطاف حسین از دہلی کوچہ پنڈت ۲۱ جون ۱۸۸۶ء

(۳)

نقل رسید

منکہ الطاف حسین حالی مدرس عربی و فارسی اینگلو عربک اسکول دہلی باشم چونکہ مبلغ پانصد روپیہ سکہ چہرہ شاہی عطیہ سرکار عالی در وجہ تصنیف المجلّات "حیات سعدی" و "مسدس مد و جزر اسلام" بتوسط مولوی محمد عبدالرحیم خان صاحب دہلوی ملازم سرکار عالی از دفتر متعلقہ وصول یافتم بنابراں ایں چند حرف بطریق رسید نوشتہ شد کہ بطریق یادگار داخل دفتر موصوف باشد۔

تحریر تاریخ ۲۳ جون ۱۸۸۶ء مطابق ۱۸ رمضان ۱۳۰۳ھ

یہ عبارت ٹکٹ پر ہے: الطاف حسین حالی بقلم خود

بنام مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب رئیس بھیکم پور

(۴)

جناب من!

لفظ ہاتھ میں بلاشبہ ہائے مخلوط ہے لیکن بات اور ہات کا قافیہ بھی شعرا نے باندھا ہے۔ قافیہ کی ضرورت ایسی ایسی خفیف فروگذاشتوں کو جائز کر دیتی ہے۔ مرزا غالب کبھی اور کسی کی جگہ کبھو اور کسو کو غیر فصیح سمجھتے تھے لیکن ان کے اردو دیوان میں قافیہ کی جگہ کسو اور کبھو باندھا ہوا ہے۔ میں بھی ہمیشہ ہاتھ کو ہائے مخلوط کے ساتھ لکھتا ہوں مگر قافیہ میں ہات باندھنا جائز سمجھتا ہوں۔ زیادہ نیاز!

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت محلہ انصاریان ۷ فروری ۱۸۹۰ء

والا جناب[1]

(۵)

مکرمی مولوی سید احمد صاحب دہلوی مصنف فرہنگ آصفیہ خدمت والا میں آتے ہیں۔ جو امر کہ ان کو اس سفر دور و دراز پر مجبور کرنے کا باعث ہوا ہے، آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ ان کے لئے کسی کی سفارش کی ضرورت نہیں، ان کی سفارش خود ان کی واجب الرحم حالت ہے جس کا کسی قدر اندازہ آپ مولوی سید علی صاحب بلگرامی کی رپورٹ سے جو ان کے پاس موجود ہے کر سکتے ہیں۔ میں یہ عریضہ صرف اس لئے لکھتا ہوں کہ حیدرآباد سے چلتے وقت میں نے ان کے باب میں آپ کی خدمت میں کچھ عرض کیا تھا۔ اس وقت

[1] اصل خط میرے پاس موجود ہے معلوم نہ ہو سکا یہ کس کے نام ہے۔ تمکین کاظمی

اس کے واشے کو زیادہ وسیع کر دیجئے تو یہ بالکل اسی قسم کی کتاب ہو جائے گی جیسی سلف ہیلپ ہے۔ اس کتاب میں اور بھی بہت سی
خوبیاں ہیں مگر میں نے صرف ایک خوبی کا جو کہ تمام تصنیف کی جان ہے ذکر کرنا کافی سمجھا ہے۔

میں خیال کرتا ہوں کہ اگر آپ انگلش لٹریچر سے واقف نہ ہوتے تو ایسی تصنیف کا خیال ہرگز آپ کے دل میں نہ گزرتا
پس تا وقتیکہ ندوۃ العلما انگریزی تعلیم کی ضرورت پر زور نہ دے گی اس کی بیخ و پکار سے کوئی معتدبہ نتیجہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس کے ساتھ میرا
یہ بھی خیال ہے کہ صرف انگریزی تعلیم جب تک کہ اس میں مشرقی تعلیم کی چاشنی نہ دی جائے گی ہرگز مفید اثر پیدا نہیں کر سکتی۔ مجھے ایک
انگریزی تعلیم یافتہ بھی ایسا نظر نہیں آتا جو مسلمان علماء کے حالات پر ایک ایسی کتاب لکھ دے جیسی کہ آپ نے لکھی ہے۔ میرے
نزدیک یہ کتاب ایسی ہے کہ اس کی ایک ایک دو دو جلدیں ہر مدرسۂ اسلامیہ میں رہنی چاہئیں بلکہ محمڈن کالج کے طلبا بھی اس سے
مستفید ہوں تو بہت مناسب ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ کتاب آپ نے اپنے خرچ سے چھپوائی ہے یا ندوۃ العلما نے اس کو چھپوایا
ہے۔ مسلمان اور خاص کر پرانے خیالات کے مسلمان ایسی کتابوں کے خریدنے میں بہت ممسک ہیں اس لئے مدارس اسلامیہ میں
اس کو مفت تقسیم کرنا چاہئے۔ آخر میں میری یہ دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے عام رئیسوں اور رئیس زادوں کو اسی طرح زیورِ علم و لیاقت
و حسنِ اخلاق سے آراستہ کرے جیسا کہ اس نے شروانی رئیسوں میں آپ کو زیورِ علم و فضل و اخلاق سے آراستہ کیا ہے اور آپ کو
جملہ مکروہات روزگار سے محفوظ رکھ کر صدہا سال تک زندہ و سلامت رکھے۔ زیادہ نیاز۔

خاکسار الطاف حسین حالی عفی عنہ از پانی پت۔ ۱۰ ستمبر ۱۸۹۵ء

---

(۸)

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

والا جناب!

مکرمت نامہ شریف صادر ہوا جس سے خاکسار کو عزت حاصل ہوئی۔ قاری عبدالرحمٰن صاحب کے باب میں جو کچھ ارشاد
ہوا ہے اس کا تہ دل سے شکر ادا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ ضرور کبھی نہ کبھی کامیاب ہوں گے۔

جو عنایت آمیز الفاظ در باب طلب خاکسار تحریر فرمائے گئے ہیں وہ میرے لئے سرمایۂ نازش ہیں۔

حاجت کند از رہ بندہ نوازش　　　خواند چو بسوئے خود گدا را

میں تعمیل حکم کے لئے بسر و چشم حاضر ہوں مگر آج کل سرسید مرحوم کی لائف لکھنے اور اس کے چھپوانے میں مصروف ہوں اس لئے جب تک
کہ اس ضروری کام سے فارغ نہ ہو جاؤں کہیں نقل و حرکت کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ سرسید کی لائف اب تک کبھی کی ختم ہو جاتی مگر
اول تو میں دو تین مہینے بیمار رہا، پھر صاحب مطبع کی بیوی کا انتقال ہو گیا اس کے بعد وہ خود شدید بیمار ہو گئے اور کئی مہینے تک مطبع کا تمام
کاروبار بند رہا، اس سبب سے سخت تعویق واقع ہو گئی۔ اب چند مہینے سے پھر کام شروع ہوا ہے، اور اگر خدا کو منظور ہے تو تین چار مہینے میں کتاب ختم ہو جائے گی اور مجھے
ختم ہونے سے پہلے اشاعت کتاب کا ملاحظہ عالی میں گزرنا ہوگا۔ لائف میں جو سب سے زیادہ دشوار گزار مرحلہ ہے وہ تفسیر قرآن کا ریویو ہے اور اس مشکل ہو کہ تمام
زیر تحریر ہے یہ مرحلہ طے ہو جانے کے بعد پھر آگے میدان صاف ہے۔ غالباً الفاروق حضور کے ملاحظہ سے گذر چکی ہوگی حضور مصنف نے ایک نسخہ مجھ کو بھی عنایت
کیا ہے اور میں اس کو اول سے آخر تک دیکھ چکا ہوں۔ واقعی یہ ہے کہ اس کتاب کی تعریف میں جس قدر کہا جائے سب بجا ہے جس قدر اس کی تعریف کی جائے اس سے زیادہ
کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ جس قدر امید تھی اسی قدر اس کی پائیگی نکلی ہے اگرچہ خدمت سے سنگین ہو تو اس کو شوق کے ساتھ دیکھنا چاہئے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار دعاگو الطاف حسین حالی از پانی پت ضلع کرنال ۱۰ مئی ۱۸۹۹ء

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور

(۹)

جناب خاں صاحب مخدوم و مکرم دام مجدہم

عنایت نامہ کریمہ متضمن مسلمان معلم کی طلب پہنچ کر مسرور ہوا۔ میں جہاں تک خیال کرتا ہوں اس میں کامیابی ہونی مشکل ہے۔ پانی پت میں سے دو برس کہ ایک مولوی کی ہم نے حال معلوم ہے سجاد حسین نے جبکہ وہ کرنال میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر تھے پانی پت میں ایک مدرسہ مسلمانان قائم کر کے اس معلم کی تنخواہ دس روپیہ ماہوار اس میں ذکر رکھا تھا گو کہ دس مہینے میں شاگرد ہیں استاد کے برابر ہو گئے بلکہ بعض اس سے بھی بڑھ گئے۔ بہرحال تو اس کی استعداد کافی ہے اور نہ سبب اس کا یہ ہے وہ تو ذرا بھی آئے گی مگر اس کا حال یہ ہے جو گذارش کیا گیا۔ مولوی احمد علی خاں صاحب سب جج علی گڑھ نے اس کو بلانا چاہا تھا مگر جب اس کے مذہب اور استعداد کا حال سنا تو انہوں نے موقوف رکھا۔ دلّی میں جہاں تک میں سمجھتا ہوں لائق استاد عنقا شمار ہے مگر میں اپنے جناب سے دریافت کروں گا، اگر کوئی لائق معلم مل گیا تو اس کے حالات سے اطلاع دوں گا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بجٹ میٹنگ اور سالانہ جلسے کے متعلق جو جنٹ سیکرٹری کالج نے ٹرسٹیوں کے پاس بھیجا تھا اس کا جواب بہت کم لوگوں نے بھیجا ہے۔ وہاں سے آئے ووٹوں کی تعداد کافی نہیں ہے۔ غالباً آپ کو معلوم ہوگا کہ ماریسن صاحب نے یہاں علی گڑھ میں اس طرح سے شروع کیا ہے کہ سید محمود صاحب کو پریسیڈنسی سے سبکدوش کیا جائے اور ویسا ہی ارادہ نواب محسن الملک کا معلوم ہوتا ہے پس اگر اس سالانہ جلسے میں جو ۲۸ جنوری کو ہونے والا ہے سید محمود کی علیحدگی کے لئے ٹرسٹیوں کے کافی ووٹ نہ آئے تو کالج کا خاتمہ معلوم ہوتا ہے اگر آپ کو کسی ذریعے سے معلوم ہو جائے کہ ۲۸ جنوری سے پہلے کافی ووٹ آ گئے یا نہیں تو میں نہایت ممنون ہوں گا اگر آپ مجھے مطلع فرمائیں گے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۲۵ جنوری سنہ ۱۹[illegible]ء

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور

(۱۰)

جناب من!

آج کل دلّی میں مہمانوں کا لفظ مؤنث بولا جاتا ہے اور اکثر حاصل مصدر جو الف اور نون سے بنتے ہیں وہ مؤنث ہی بولے جاتے ہیں جیسے چڑھان، ڈھلان، اٹھان، اڑان وغیرہ مگر مہمان مذکر بولا جاتا ہے۔ استانی کے باب میں جب تک میں خود دلّی نہ جاؤں سند جواب نہیں ہو سکتی۔ شاید عنقریب وہاں جانا ہو۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے اور کسی مفید مشغلے میں مصروف ہوں گے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۴ مارچ سنہ ۱۹[illegible]ء

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور

(۱۱)

مخدوم و مکرم دام مجدہم!

التسلیم اولیٰ بالتقدیم۔ عنایت نامہ پہنچا۔ مدتوں یاد آوری ہوا۔ آپ نے جو عنایت اور محبت بھرے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں ان کا خاص شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اگرچہ علی گڑھ میں سرسید کے بعد ویسی دل لگی نہیں رہی جیسی ان کے سامنے تھی مگر خدا کا شکر ہے وہاں سے بالکل انقطاع بھی نہیں ہوا۔ قطع نظر دوستی اور محبت کے تعلقات کے سب سے بڑا تعلق محمڈن کالج کا ہے جو [illegible] سے شروع ہوا،

بخدا جی چاہتا ہے کہ وہاں چل کر دو چار مہینے رہوں مگر جب تک سرسید کی لائف ختم نہیں ہوتی میں کہیں جنبش نہیں کر سکتا۔ اس کے
پورا ہونے میں جن وجوہ و اسباب سے تاخیر ہوئی ان کی تفصیل تو بہت طولانی ہے اور اس کا لکھنا بھی فضول ہے۔ خلاصہ
یہ ہے کہ لائف انشاء اللہ عنقریب ختم ہونے والی ہے اگر خدا کو منظور ہے تو اس سال کے ختم ہونے سے پہلے شائع ہو جائیگی
اور پھر بشرط زندگی فراغ خاطر کے ساتھ علی گڈھ میں رہنا ہو سکے گا۔ دیوان اردو کا جو مصرع آپ نے تحریر فرمایا ہے افسوس ہے
کہ وہ خود مصنف کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ اگر پبلشر ذی ہوش ہوتا تو اس کا یہ کام تھا کہ اس شعر کو نکال ڈالتا مگر پبلشر ایک ہندو گو ایڈیٹر
صاحب شیخ سید ممتاز علی صاحب بے پروا ہیں یہ غلطی کیا اس میں ایسی ایسی بہت سی غلطیاں نکلیں گی۔

یہاں بھی اب کی دفعہ جیسی گرمی اور آندھیاں اور خاک باری ہوئی تب کبھی پہلے نہ دیکھی نہ سنی مگر خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر
ہے کہ پرسوں سے یہاں برسات کی کیفیت پیدا ہوئی ہے کل دن کو بھی بارش ہوئی اور رات کو بھی معتدبہ چھینٹا ہو گیا جس کی نسبت
لوگوں کا خیال ہے کہ آل سے آل مل گئی ہے اور تخم ریزی شروع ہو گئی ہے۔ بیس بیس تیس تیس کوس سے بھی بارش کے ہونے کی خبر
آئی ہے مگر زیادہ مفصل حالات اخباروں سے معلوم ہوں گے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ضلع علی گڈھ میں بھی اس بارش کا اثر ضرور پہنچا ہوگا۔
مدت سے شمس العلماء مولانا شبلی کا حال معلوم نہیں۔ ندوۃ العلماء کی نسبت عجیب عجیب افواہیں سنی جاتی ہیں مگر معتبر ذریعہ سے کوئی بات
آج تک نہیں سنی گئی۔ نواب لفٹیننٹ گورنر کے دل میں اس کی طرف سے شکوک کا پیدا ہونا معلوم ہوتا ہے کہاں تک صحیح ہے اگر آپ کو
فرصت ہو اور آپ مناسب سمجھیں تو اس کے مختصر حال سے خاکسار کو ضرور مطلع فرمائیں۔ زیادہ نیاز

خاکسار نیاز مند الطاف حسین عفی عنہ از پانی پت ۲ر جولائی سنہ ۱۹۰۰ء

---

(۱۲)

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور۔

مخدومی!

میں نہایت ادب سے معافی چاہتا ہوں سرسید کی لائف قریب الاختتام ہے۔ مجھے امید ہی ہے کہ دسمبر تک شائع
ہو جائے اور کام بہت باقی ہے اس لئے سر کھجانے کی فرصت نہیں مجھے دو مہینے نہایت پریشانی میں گذرے۔ میری اہلیہ کا رمضان
میں انتقال ہو گیا اور وبا نے نہایت پریشان رکھا اب بخار پھیلا ہوا ہے۔ بارش کی طغیانی جیسی تمام ملک میں ہوئی ہے آپ کو معلوم
ہوگی اس وجہ سے آپ کے حکم کی تعمیل نہیں ہوئی۔ ذرا اطمینان ہو جائے تو میں نظر کر کے ضرور دیکھوں گا آپ کا عنایت نامہ سابق حفاظت کیا
ہوا ہے۔ نواب محسن الملک کو مجبور کرنا چاہئے کہ اپنا استعفا واپس لے لیں ورنہ بہت باب میں مدرسے کی طرف سے بہت بے چینی پیدا
ہو جائے گی۔ میں بھی متعدد تحریریں ان کی خدمت میں بھیج چکا ہوں۔ آپ نے جو تحریر فرمایا ہے کہ "مسلمانوں کی خود غرضی کا مرض لاعلاج
معلوم ہے" میں نہیں سمجھا کہ اس کا اصل مطلب کیا ہے۔ کیا کچھ لوگ محسن الملک کے مخالف ہیں اگر نامناسب نہ ہو تو ان صاحبوں
کے نام سے ضرور مطلع فرمائیں۔ معلوم نہیں ہمارے حاجی اسمٰعیل خاں صاحب کی اس میں کیا رائے ہے اور مرزا عابد علی بیگ صاحب
کیا چاہتے ہیں اور نواب لطف علی خاں کیا فرماتے ہیں۔ زیادہ نیاز

خاکسار حالی از پانی پت ۱۱ر اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ء

لوگوں کو ضرور مشتاق ہونا چاہیے تھا مگر جہاں تک خیال کیا جاتا ہے مصنف کی بے وقعتی نے بیوگ کی بھی قدر گھٹا دی ہے۔ جن لوگوں سے یہ امید تھی کہ اس کتاب کے منگوانے میں ایک دوسرے پر سبقت کریں گے ان کی طرف سے سرد مہری کے سوا میں نے اب تک کچھ نہیں دیکھا۔ اگرچہ اس قلیل عرصے میں کتابیں توقع سے زیادہ فروخت ہو گئی ہیں مگر ایسی قدردانی سے وہی شخص خوش ہو سکتا ہے جو تجارت کے سوا تصنیف و تالیف کا اور کوئی مقصد خیال نہیں کرتا۔ بلاشبہ میں نے کسی سے اشتہار یا ریویو وغیرہ لکھنے کی خواہش ظاہر نہیں کی مگر میرا خواہش نہ کرنا اس بات کا ہرگز مقتضی نہ تھا کہ سرسید کا کوئی دوست اس کتاب سے بالکل نوٹس نہ لے اور اخباروں کو جانے دیجیے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ جس کو سرسید کی یادگار کہا جاتا ہے اور جس کا اہتمام محمڈن کالج کے آنریری سیکرٹری اور سرسید کے جانشین اور ان کے زبدۂ احباب کے ہاتھ میں ہے، آج تک حیات جاوید کی نسبت اس میں ایک حرف نہیں لکھا گیا۔ اگرچہ میں صدق دل سے اقرار کرتا ہوں کہ سرسید کی لائف جیسی کہ چاہیے تھی ویسی مجھ سے نہیں لکھی گئی لیکن اس کے ساتھ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ میں نے باوجود اپنی نااہلیت کے اس بار گراں کو اپنے ذمے لے کر سرسید کے تمام احباب اور حواریین کو ایک فرض کفایہ سے سبکدوش کیا ہے اور اس صلے میں اپنے زعم میں یہ سمجھے ہوئے تھا کہ سرسید کے احباب اگر اس تصنیف کو پسند نہ کریں گے تو اس کی اشاعت میں ضرور مدد دیں گے مگر آج تک کسی نے اس کی بات نہیں پوچھی بلکہ بجائے امداد کے بعض اصحاب متوقع ہیں کہ ان کی خدمت میں ایک کاپی بطور تحفہ پیش کی جائے۔ حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب نے سرسید کی زندگی میں وعدہ کیا تھا کہ پانسو روپیہ کی کتابیں خرید کر کالج کو دوں گا مگر میں سرسید کو اور اپنے تئیں بڑا خوش قسمت سمجھوں گا جب یہ سنوں گا کہ انہوں نے کوئی کاپی ڈیلی سے خرید فرمائی ہے اور اس کو مطالعے کے لائق سمجھا ہے۔ آپ یقین جانیے کہ میں اس زمانے کی قومی ترقی کے آگے ایسے لوگوں کی تحریرات کو جو عربی یا محض اردو فارسی کے مدعی ان ہیں لاشے محض جانتا ہوں مگر کوئی جو اپنا جاوا پورنے میں خستہ ہے طاقت صرف کرتا ہے وہ اسی کو عربی والعلس خدا ان سے بچو۔ بار گراں خود تصور کرتی ہے اس لئے کہا گیا ہے ؎

اگر بریاں کند بہرام گورے
نہ چوں پائے ملخ باشد ز مورے

امید ہے کہ آپ میری اس خارج از بحث ورزیادہ سرائی کو معاف فرمائیں گے۔ زیادہ نیاز

آپ کا نیاز مند الطاف حسین حالی از پانی پت، ۱۷ جون ۱۹۰۱ء

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور

(۱۴)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم!

عنایت نامہ پہنچا۔ رسالے کے مطالعے سے رسالہ کا لطف دونا ہو گیا۔ بہت عمدہ مثنوی ہے۔ اس میں کسی قسم کا تصرف کرنے کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی گو جیسا کہیں کہیں شعرائے ایران و ہندوستان کے مسلمات کے خلاف کیا گیا ہے جیسے کرشمہ کا قافیہ جلوہ یا برسیں کا قافیہ عیوب یا مبتلا کا قافیہ آیا وغیرہ وغیرہ۔ مگر میرے نزدیک اب ان قیود کا اٹھا دینا ہی بہتر ہے جن کے سبب سے شاعری کا میدان نہایت تنگ ہو گیا ہے۔ گلشن کی تاریخ کا ترجمہ حسب تحریر مولوی مہدی علی صاحب ایم۔ اے جو انہوں نے مسٹر مارلیس کے ایما سے کچھ گئی تھی میں نے اپنے ایک عزیز کے ہاتھ ریس صاحب کے پاس بھیج دی ہے مگر اب تک باوجود گزرنے پندرہ سولہ روز کے اس کی رسید نہیں آئی۔ میری عنایت الٰہی جہاں تک کہ فرصت رہ سکتا ہوں اچھا ہوں۔ مولوی سید وحید الدین صاحب سلیم نے

رسالہ معارف ماہ جون و جولائی میں حیاتِ جاوید پر ایک بسیط ریویو لکھا ہے جو غالباً اگست کے شروع تک شائع ہو جائے گا۔ نواب محسن الملک بہادر نے بھی کچھ ریمارکس کرنے کا ارادہ کیا ہے مگر ان کا ارادہ ایسا ہی ہے جیسا ہر مسلمان حج کا ارادہ رکھتا ہے۔ مولوی عبدالحلیم شرر نے خلاف توقع اس کتاب کی تعریف رسالہ دلگداز میں لکھی ہے جیسی۔ نعمان خان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب کا بھی ارادہ کچھ لکھنے کا ہے میں نے سنا ہے کہ نواب محسن الملک کو انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں اس کتاب سے نوٹس نہ لینے کی شکایت لکھی تھی اور کسی صاحب کو اس باب میں کچھ نہیں لکھا اس لئے میں سب صاحبوں کا شکرگزار ہوں۔ اور بھی کئی دوستوں نے ریویو لکھنے پر آمادگی ظاہر کی ہے مگر چونکہ ریویو لکھنا ذرا محنت کا کام ہے امید نہیں کہ ایک آدھ کے سوا کوئی کچھ لکھے۔ افسوس صد افسوس ہزار افسوس کہ پرسوں بروز چہارشنبہ حکیم حاذق الملک عبدالمجید خاں نے اسی مرض میں جو ایک عرصے سے ان کو لاحق تھا دلی میں وفات پائی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ——
امید ہے کہ آپ مع جملہ متعلقین کے بخیریت ہوں گے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۱۲ر جولائی سنہ ۱۹۰۱ء

پانی پت ۱۲ر اکتوبر سنہ ۱۹۰۱ء

(۱۷)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم!

تسلیم۔ میں بعض وجوہ سے ووٹ کا کاغذ بابت اس جلسہ کے ٹرسٹیان کہ جو ۲۰ اکتوبر سنہ حال کو منعقد ہونے والا ہے ۱۲ ستمبر تک سیکرٹری صاحب کی خدمت میں نہیں بھیج سکا اس لئے قواعد جدیدہ کے موافق میں نے ان پر اپنی جلسہ مذکورہ میں پیش کرنے کے لئے آپ کو اپنی طرف سے نائب مقرر کیا ہے۔ وہ پراکسی کے فارم جو سیکرٹری صاحب نے میرے پاس بھیجے تھے اس کی خانہ پری کر کے ان کے پاس بھیج کر لکھ دیا ہے کہ میں نے اپنی طرف سے آپ کو اپنے ووٹ دینے کے لئے قائم مقام مقرر کیا ہے کیونکہ شاید جلسہ ٹرسٹیان میں میں خود حاضر نہ ہو سکوں۔ لہٰذا اس نیاز نامہ کے ساتھ میں اپنی رائیں ہر مد کے متعلق آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں امید ہے کہ آپ جلسہ ٹرسٹیان منعقدہ ۲۰ر اکتوبر میں میری رائیں پیش کر دیں گے۔ زیادہ نیاز!

آپ کا نیازمند الطاف حسین حالی ٹرسٹی محمڈن کالج علی گڑھ

میں آپ کو یہ بھی اختیار دیتا ہوں کہ میری جس رائے کو آپ قرینِ مصلحت نہ سمجھیں اس کی جگہ جو کچھ آپ کی رائے ہو میری طرف سے ظاہر فرما دیں۔

حالی

نقل رسید

(۱۸)

باعث تحریر آنکہ

بابت سنہ ۱۳۱۱ فصلی الٰہی میں حسب دستور سہ شنبہ تقسیمات سرکار عالی میں نیاز مند کی مصنفہ کتابیں خریدی گئی تھیں ان کی قیمت مبلغ دو سو چونسٹھ روپیہ دس آنے سکہ کمپنی معرفت مولوی عبدالحق بی۔ اے ایڈیٹر رسالہ افسر وصول ہوئے اس لئے یہ رسید لکھ دی گئی۔

فقط! مرقومہ ۴ر نومبر سنہ ۱۹۰۱ء

وظیفہ خوار سرکار عالی الطاف حسین حالی بقلم خود

(اصل محفوظ در ذخیرہ شیفتگی کاظمی)

---

(۱۹)

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خان صاحب رئیس بھیکم پور

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم!

آپ نے سن لیا ہو گا کہ ہز مجسٹی امپرر آف انڈیا کی علالت کی وجہ سے آج دربار تاج پوشی ملتوی ہو گیا اور ہندوستان میں جو جو تعطیل قرار پائی تھی اس کے التوا کا حکم بذریعہ تار برقی کے تمام ملک میں شائع کر دیا گیا۔ چونکہ بیماری کا حال معلوم نہیں ہوا کہ معمولی ہے یا خدانخواستہ کوئی سخت مرض ہے، اس لئے آج کا دن تشویش و تردد میں گزرا۔ اس حالت میں کسی کام کے کرنے کو جی تو نہیں چاہتا تھا مگر آپ کے عنایت نامے کو آئے ہوئے کئی دن گزر چکے تھے اس لئے اس کا جواب عرض کرنا ضرور تھا۔

لکچر مع نظم اور عنایت نامہ تینوں ایک ساتھ وصول ہوئے۔ قصور عبرت کو اوّل میں نے مخزن میں دیکھا تھا پھر تہذیب نسواں میں دیکھی اور اب لکچر کے ساتھ اس کو بھی اوّل سے آخر تک پھر پڑھا اور واقعی ہر دفعہ اس کے پڑھنے سے لطف تازہ حاصل ہوا۔ فاسئلک ما کررتہ یتضوع ۔۔۔ اوّل تو مضمون ہی فی نفسہٖ موثر اور عبرت انگیز ہے اور پھر مناسب الفاظ اور خوبیٔ بیان نے اس میں اور بھی جان ڈال دی ہے مگر شاید یہ بڑھاپے کا تقاضا ہے کہ جو اثر پہلے عمدہ نظم کے پڑھنے یا سننے سے دل پر ہوتا تھا وہ بات اب نہیں رہی اور یہی وجہ ہے کہ فکر شعر سے اب طبیعت کوسوں بھاگنے لگی ہے۔

لکچر جس وقت میرے پاس پہنچا جب تک اس کو اوّل سے آخر تک نہیں دیکھ لیا اپنی جگہ سے نہیں اٹھا اگرچہ اس میں بعض خیالات ایسے ظاہر کئے گئے ہیں جن سے مجھ کو اتفاق نہیں ہے لیکن اس بات کے خیال کرنے سے بے انتہا مسرت ہوتی ہے کہ ہمارے لکچروں اور لکچراروں میں آپ کے سبب سے ایک مستقل اور قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔ سب سے پہلے میں نے آپ کی وہ بے مثل تقریر سنی تھی جو حافظ الملک کی یادگار کے جلسے میں بمقام علی گڑھ اسٹریچی ہال میں آپ نے کی تھی۔ اس کے بعد اخلاق اسلامی پر جو لکچر آپ کا انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں چھپا ہے اس کے دیکھنے کا اتفاق ہوا اور اب یہ لکچر جو حمایت اسلام پر آپ نے لاہور میں دیا تھا میری نظر سے گزرا۔ مسلمانوں میں اوّل تو عموماً قحط الرجال ہے اور پھر خاص کر رؤسا کے طبقے میں تو علمی مذاق، اہل مفقود ہی ہو گیا ہے۔ پس یہ کچھ کم خوشی اور فخر کا مقام نہیں ہے کہ ہمارے رئیسوں میں ایک ایسا شخص موجود ہے جو علاوہ اعلیٰ درجے کے علمی اور مذہبی مذاق کے مسلمانوں کا خیر خواہ اور اسلام کا حامی اور قومی کاموں میں بھی سرگرم ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حادثات سے محفوظ رکھے اور اسلام کی خیر خواہی اور مسلمانوں کی ہمدردی سے آپ کو حظ وافر نصیب کرے۔ زیادہ نیاز

خاکسار نیاز مند الطاف حسین حالی از پانی پت ۲۶ جون ۱۹۰۲ء

---

(۲۰)

بنام مولوی بشیر الدین

جناب من!

کانفرنس گزٹ کا بطور ضمیمہ کے البشیر کے ساتھ شائع ہونا بہت مناسب ہوا ہے۔ خدا کرے کہ وہ مفید بھی ہو۔ ایک صاحب نے یہ صلاح دی ہے کہ "کانفرنس گزٹ" کے اوپر واضح قلم سے یہ الفاظ اور لکھنے چاہئیں "ایم۔ اے۔ او۔ ایجوکیشنل" تاکہ وہ دوسری کانفرنس اور مسلمانوں کی کانفرنسوں میں تمیز ہو۔ میں بھی اس رائے کو پسند کرتا ہوں۔ اطلاعاً عرض کیا گیا۔

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۱۸ اگست ۱۹۰۲ء

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور

(۲۱)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم!

تسلیم۔ عنایت نامہ پہنچا۔ مولوی ذوالفقار حسین صاحب کے انتقال کا حال معلوم ہونے سے نہایت افسوس ہوا۔ میں ان کے حال سے اور ان کے خاندان کے اکثر لوگوں سے واقف ہوں۔ ایسا آدمی ملنا سخت دشوار ہے۔ یہ صاحب دہلوی الاصل نہ تھے بلکہ ان کا خاندان شیل دہلی تھا۔ ریاست داوری و بہادر گڑھ کے علاوہ ہیں۔ ایک قصبہ کلیانہ ہے جو مرحوم جھجری میں مغرب اضلع سے مولوی ظہور علی بتقریب ملازمت سرکاری وہاں سے دہلی چلے آئے تھے پھر اپنے وطن کی طرف رُخ نہیں کیا۔ مولوی ذوالفقار حسین صاحب اعجاز کے جلسے بعد میں نے شاید کلیانہ دیکھا بھی نہ ہوگا۔ اہل کلیانہ منطق کے فن سے ایک خاص مناسبت رکھتے تھے۔ ایک کلیانوی بزرگ سے میں نے بھی ہم سنی میں کچھ پڑھا تھا۔ بہرحال مرحوم کا بدل مشکل سے ملے گا اور خاص کر پانی پت میں تو ایسے لوگوں کا وجود مغتنم ہے مگر میں گرد و نواح کے قصبوں میں اور نیز دہلی میں تلاش کراؤں گا۔ اگر کوئی لائق آدمی میسر آیا تو فوراً آپ کو اطلاع دوں گا۔ امید ہے کہ آپ بہمہ وجوہ خیریت سے ہوں گے افسوس ہے کہ مدت دراز کے بعد بتقریب تاریخ سرآزاد علی گڈھ جانا ہوا تھا مگر آپ سے اور نیز مکرمی محمد ولی اللہ خاں صاحب سے ملاقات کا اتفاق نہیں ملا۔ دہلی میں بھی جبکہ حکیم واصل خاں صاحب کے ہاں ہنگامۂ رقص و سرود گرم تھا ایک بجلی کی سی چمک نظر آئی تھی پھر برابر آنکھیں ترستی رہیں۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔ والسلام خیر ختام۔

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۲۳؍ اپریل ۱۹۰۵ء

نقل رسید

(۲۲)

مبلغ ۱۰ روپیہ بابت قیمت کتاب یادگار غالب جو ۳۰ نسخے میں حسب حکم سرکار عالی العام خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ سرکار موصوف میں بیاز منشا آگرہ سے خریدی گئی تھی معرفت سررشتہ موصوف کے وصول ہوئی۔

چونکہ پہلی رسید تلف ہوگئی تھی اس لئے مکرر یہ رسید لکھی گئی۔ فقط مرقومہ ۲ ماہ شوال ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۰ جنوری ۱۹۰۵ء

(یہ الفاظ ایک آنہ کے ٹکٹ پر ہیں)　　وظیفہ خوار سرکار عالی الطاف حسین حالی بقلم خود

(محفوظ در ذخیرۂ تمکین کاظمی)

بنام عبداللہ حسینی مرتب

(۲۳)

کوسگی علاقہ جاگیر نواب سرسالار جنگ بہادر میں ایک قدیم قصبہ ہے جس کے تاریخی و جغرافی حالات پر ایک مفید رسالہ سید عبداللہ صاحب حسینی متخلص بہ حسینی نے جو خاص کوسگی کے رئیس ہیں مرتب کیا ہے۔ یہ رسالہ ان لوگوں کے لئے جو قدیم زمانہ سے دلچسپی رکھتے ہیں ایک نہایت قابل قدر چیز ہے مصنف موصوف نے اس کے ترتیب دینے میں بہت سی قدیم و جدید تواریخ سے مدد لی ہے اور بہت سے ایسے دلچسپ حالات اس میں درج کئے ہیں جن کے فراہم کرنے میں ان کو بڑی زحمت اٹھانی پڑی ہوگی۔ رام چندر جی کے زمانہ سے لے کر زمانہ حال تک کے اہم واقعات جو کوسگی اور اس کے گرد و نواح سے علاقہ رکھتے ہیں اس میں کامل تفصیل کے ساتھ لکھے گئے ہیں اور اس کا جغرافیہ اور اس کے ذرائع آبپاشی و محاصل زمین و خانہ شماری و مردم شماری اور باشندوں کی زبان وغیرہ کی کیفیت اور مزارات اہل اللہ کا بیان بہت عمدگی سے لکھا گیا ہے۔ اگرچہ یہ ایک مقامی تصنیف ہے جس سے خاص گرد و نواح کے باشندوں کو

زیادہ دلچسپی ہونی چاہیے لیکن چونکہ اس کو ہندوستان کے افضل ترین مدبر نواب مختار الملک بہادر مرحوم و مغفور کے حالات سے تعلق ہے اور نیز خاندان موصوف کے حالات بھی اس میں درج ہیں اس لحاظ سے وہ ایک ایسا مجموعہ ہے جس سے عام ہندوستانی برابر لطف اٹھا سکتے ہیں۔ امید ہے کہ مولوی سید عبداللہ صاحب کی کوشش جو اس کتاب کے ترتیب دینے میں ان کو اٹھانی پڑی ہے ملک میں حسن قبول کا درجہ حاصل کرے گی۔

راقم الطاف حسین حالی وارد حیدرآباد ۲۸ جولائی ۱۹۰۶ء

بنام مولوی قمر علی صاحب

(۲۴)

مہربانی فرما کر میرے عزیز محمود احمد صاحب عباسی کے حال سے مطلع فرمائیے کہ وہ بالفعل بریلی میں ہیں یا علی گڑھ میں اور ان کا مزاج کیسا ہے اور حضرت شاہ نظام الدین صاحب کے صاحبزادے یعنی مولانا نیاز احمد صاحب قدس سرہٗ کے پوتے کا پورا نام مع لقب اور جس محلہ میں وہ تشریف رکھتے ہیں بالتفصیل مجھے لکھ بھیجئے اور اس تکلیف دہی کو معاف فرمائیے۔ امید ہے کہ آپ بہر صورت بخیریت ہوں گے۔

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۱۹ فروری ۱۹۰۹ء

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

(۲۵)

جناب نواب صاحب مخدوم و مکرم!

تسلیم اور بعد ازاں التماس ہے کہ آپ کی تصنیف جدید فطرۃ الاسلام کا ایک نسخہ عطیہ جناب خاکسار کے پاس پہنچا۔ اس خاص عنایت کا شکریہ تہِ دل سے ادا کرتا ہوں۔ رسید اور شکریہ بھیجنے میں اس وجہ سے تاخیر ہوئی کہ میں ایک عرصے سے علیل چلا جاتا ہوں۔ اگرچہ اب تک کوئی مرض مہلک عارض نہیں ہوا مگر لکھنا پڑھنا بالکل چھوٹ گیا ہے۔ جی چاہتا تھا کہ فطرۃ الاسلام کے مطالعہ سے مستفیض ہونے کے بعد جواب عرض کروں لیکن ضعفِ بصارت اور ضعفِ دماغ نے مجبور کر دیا ہے۔ اکثر احباب و اکابر اپنی تصنیفات بھیج کر ممنون فرماتے ہیں مگر میں ان سے بہت ہی کم مستفیض ہوتا ہوں۔ اگرچہ دوسرے شخص سے پڑھوا کر سننا ممکن ہے مگر سننے سے جی خوش نہیں ہوتا خصوصاً عمدہ تصانیف کو خود پڑھ کر جو لطف آتا ہے سننے سے وہ کیفیت حاصل نہیں ہوتی۔ بہرحال موجودہ شکایتیں رفع ہونے کے بعد ضرور کوشش کروں گا کہ خود پڑھ کر یا کسی عزیز سے سن کر آپ کے افاداتِ طیبات سے مستفیض ہوں۔

فہرست مضامین دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ دہریت اور الحاد وبائے عام کی طرح چاروں طرف پھیلا ہوا ہے ایسی کتابوں کا شائع ہونا نہایت ضروری و مفید ہے۔ آپ نے قوم کی بہت بڑی خدمت کی ہے خدائے تعالیٰ اس کا اجر دے گا۔ امید ہے کہ جناب مع متعلقین و متوسلین کے بہر وجوہ خیریت سے ہوں گے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار دعا گو الطاف حسین حالی از پانی پت ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۰ء

بنام سید افتخار عالم صاحب

(۲۶)

مکرمی سید صاحب دام مجدہم

آپ کا الطاف نامہ مع عطیہ ترکی کے پہنچا۔ میرے سر میں پانچ سات دن سے درد رہتا ہے اس وجہ سے اب تک جواب نہیں لکھ سکا۔ درد میں تخفیف ہو جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد اس فرض سے سبکدوش ہوں گا۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ رسید کے ساتھ ہی حیات النذیر کی نامکمل جلد جو آپ نے بھیجی ہے وہ بھی بھیج دوں گا اور دوسری مکمل جلد کا منتظر رہوں گا۔ زیادہ نیاز۔

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت یکم اکتوبر ۱۹۱۲ء

نواب محسنؔ الملک

بنام منشی ذکاء اللہ صاحب

(۱)

مخدوم و مکرم بندہ شمس العلماء منشی ذکاء اللہ صاحب دام لطفہٗ

مولوی سید احمد مصنف فرہنگ آصفیہ جن کی چار سو کتابیں سرکار نے خرید فرمائی ہیں یہاں آئے اور جناب نواب مدار المہام سرکار عالی کی ملازمت حاصل کی۔ نواب انتصار جنگ[۱] بہادر اور بندہ نے بھی ان کے مشکلات جو کتاب کے چھاپ کے ختم ہونے میں پیش ہیں سنیں اور سرکار میں عرض کیا کہ کسی طرح اس کتاب کا کام ہو جانا چاہئے تاکہ جس غرض سے سرکار نے چار سو جلدیں خریدی ہیں وہ حاصل ہو اور اس پر یہ امر قرار پایا ہے کہ یہ معاملہ آپ کے سپرد کیا جائے اس لئے میں آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ آپ مہربانی کر کے اتنی محنت اپنے اوپر گوارا فرمائیے کہ جو معاملہ ان کا ساہوکار سے ہے وہ کس قدر پر ہو سکتا ہے اور وہ کس طرح اس کے پنجے سے نجات حاصل کر سکتے ہیں اور سرکار کی کیا مدد اس کام میں مطلوب ہے اور آئندہ بقیہ ماندہ کتاب کے چھاپنے کے لئے یہ بہتر ہوگا کہ سرکاری مطبع حیدرآباد میں چھپوائی جاوے اور مولوی سید احمد صاحب اس کی تصحیح یہاں آکر یا وہاں سے کر کے دیا کریں۔ آپ سے بہتر اس کام کے واسطے دوسرا کوئی نہیں ہے اس لئے آخری تصفیہ اس کا آپ کی رائے عالی پر موقوف ہو سکے گا۔ زیادہ نیاز!

محسن الملک ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۰۶ھ (۲ فروری ۱۸۸۹ء)

بنام انتصار الملک بہادر

(۲)

بخدمت شریف جناب مخدوم صاحب سلمکم[۲]

یہ خطوط سید احمد صاحب کے آپ کے ملاحظہ کے لئے بھیجتا ہوں۔ آپ کی کیا رائے ہے۔ براہ مہربانی مطلع فرمائیے تاکہ ویسا ہی جواب ان صاحب کو دیا جاوے۔ فقط!

محسن الملک ۶ شوال ۱۳۰۶ھ (۲۷ مئی ۱۸۸۹ء)

---

۱ نواب وقار الملک۔

۲ یہ خط محسن الملک کا انتصار جنگ بہادر کے نام ہے اور اسی کی پشت پر انتصار جنگ کا جواب بھی ہے۔ یہ متعلق ہے سید احمد دہلوی مصنف فرہنگ آصفیہ سے۔ اصلی خط میرے پاس محفوظ ہے۔ (تمکین کاظمی)

جناب من،

اصل تو یہ ہے کہ سرکار کا منشا اس خریداری سے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے یہ رہا ہے کہ کتاب تمام و کمال چھاپی جاوے اور جو معاملات مصنف اور سرکار کے درمیان ہوئے ہوں ان سے ہم کو کچھ مطلب نہیں۔ سرکار عالی کا تعلق خود مصنف سے ہے انہوں نے سرکار میں کتابیں داخل کی ہیں اس وقت تک جو خیال کیا گیا تھا کہ سرکار سے، در مصنف سے فیصلہ ہو جاوے وہ محض ایک اخلاقی امر تھا مگر اس قدر اور ہونا چاہیے کہ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ خاں بہادر سے، دریافت کیجیے کہ ان کی رائے کیا ہے اور ان کو سرکار کی یہ پالیسی بتلا دی جائے اور اس عرصے میں مصنف کو مطلع کر دیا جاوے کہ وہ چندے اور تامل فرماویں اور مطمئن رہیں۔

میری رائے یہ ہے آئندہ آپ کے نزدیک جیسا مناسب ہو۔[1]

انتصار جنگ محمد علی ۷ شوال ۱۳۱۳ھ (۲۲ مارچ ۱۸۹۶ء)

(۳)

بنام مولوی بشیر الدین

مکرمی مولوی بشیر الدین صاحب!

مجھے اوروں سے کچھ امید نہیں کہ لکھنؤ سبھا کر کانفرنس کا انتظام کریں۔ اگر آپ سے ہو سکے تو آپ خود لکھنؤ جائیے اور کوشش کیجیے اگر آپ کی کوشش میں ناکامیابی ہوئی تو یا آپ کی کانفرنس موقوف رہے گی یا علی گڑھ میں برخاتمہ خرابی ادا کی جائے گی۔

خط راجہ نوشاد علی خاں کے نام بھیجتا ہوں اور کوئی شخص اب انہیں نظر آتا کہ میرے خط پر کچھ خیال کرے۔ فقط!

مہدی (محسن الملک) علی گڑھ ۴ اگست ۱۹۰۱ء

(۴)

بنام نواب سید علی حسن

جناب مخدوم مکرم بندہ نواب علی حسن خاں بہادر

آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ لکھنؤ میں تشریف رکھتے ہیں اور امین الدین کے ذریعے سے آپ کا پتہ بھی دریافت کیا تاکہ خط لکھوں مگر پتہ معلوم نہ ہوا۔ آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے عنایت نامہ بھیج کر یاد فرمایا۔

آپ نے جو خواہش فرمائی ہے وہ تمام قوم کی ممنونی کا باعث ہے۔ آپ کو قومی ہمدردی تو ہمیشہ سے ہے اب وہ آتش دل مشتعل ہو گئی ہے۔ یہ قوم کی خوش نصیبی ہے۔ اگرچہ آپ کا بھوپال سے تشریف لانا دشمنوں کو پسند ہوا جو قوم کے لئے مفید ہوا

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد   خمیر مایۂ دکان شیشہ گر سنگ است

قوم کی پہلی خدمت تو یہ ہے کہ آپ تعلیمی معاملات پر وقتاً فوقتاً کچھ مضمون لکھ کر علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں بھیج دیا کیجیے۔ دوسری یہ ہے کہ اپنے دوستوں اور ملنے والوں کو قومی کاموں پر متوجہ کیجیے اور مدد و مشورہ اور مساعی جمیلہ کر دیا کیجیے۔ ایک تجویز ہو رہی ہے کہ تعداد ٹرسٹیوں کی زیادہ کی جائے۔ اس وقت منتخب ہوں گے جو وہ سب ممبر ہیں، اگر یہ تجویز منظور ہو گئی تو ٹرسٹیوں کی فہرست میں آپ کا معزز نام بھی ضرور نظر آوے گا مگر ٹرسٹی ہونا اور نہ ہونا اور بات ہے۔ آپ کی شان اس سے ارفع اور اعلیٰ ہے اور آپ سے ہر طرح کی مدد ملنے کی امید ہے۔

---

[1] اصل خط تمکین کاظمی کے ذخیرے میں محفوظ ہے۔

میں ایک درخواست جو بہت چھپائی ہے کرتا ہوں۔ یقین ہے کہ آپ اس کو منظور فرماویں گے یعنی علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ
کو آپ خرید کریں جس کی سالانہ قیمت [illegible] ہے اور اگر محمڈن میں بھی آپ داخل ہونا چاہیں تو [illegible] آپ دے کر اس کو
مدد دے سکتے ہیں۔ پچھلا اخبار بطور نمونہ آپ کی خدمت میں مرسل ہے۔

محسن الملک از علی گڑھ یکم اگست ۱۹۰۳ء

---

(۵)

بنام مولوی بشیر الدین

مکرمی بشیر الدین صاحب!

فروری کا مہینہ بھی آدھا ہو گیا اور آپ کی رپورٹ کانفرنس کا ابھی آغاز بھی نہیں ہوا۔ اب بھی آپ کچھ مہینے لگا دیں گے اور یہ مجھے منظور نہیں۔ چاروں طرف سے رپورٹ کی مانگ ہو رہی ہے اور آپ نے اب تک کوئی مضمون کانفرنس کی کارروائی پر اخبار میں بھی نہ لکھا اور اخباروں میں مضمون بھی لکھ گئے، باتیں بھی ظاہر کر دی گئیں، اس کے نتائج پر بھی بحث ہو گئی اور آپ کے یہاں اب تک ریزولیوشن بھی مشتہر نہ ہوئی۔ چندہ دینے والوں کی فہرست بھی شائع نہ کی گئی۔ ہمارے اور ہمارے کالج کا، نیز آپ کے اوپر بھی پڑ گیا۔ میں آخر فروری میں دورہ پر جاتا ہوں اگر اس عرصے میں رپورٹ کا خاکہ آپ نے تیار نہ کر دیا تو آپ جانیں اور آپ کی رپورٹ۔ میں نہ دیکھ سکوں گا نہ اصلاح کر سکوں گا اور یہ تو مجھے معلوم ہے کہ میرا لکھنا آپ پر کچھ اثر نہ کرے گا اس لئے کہ اوّل تو آپ بیمار، اس پر کام کا انبار اور یک انار و صد بیمار۔

آپ نے باوجود میرے متواتر طلب کے نواب سراج الدین خان کی انگریزی اسپیچ بھی نہ روانہ کی۔ فقط والسلام!
آپ اس کا جواب دیں کہ آپ کی طبیعت کیسی ہے اور اگر ممکن ہو تو دو ایک روز کے لئے آپ یہاں ہو جائیں گے، آمد و رفت کا خرچ یہاں سے دیا جائے گا۔

مہدی (محسن الملک)

---

(۶)

بنام مولوی بشیر الدین

مخدوم مکرم بندہ مولوی بشیر الدین صاحب!

کل انوار احمد صاحب آئے اور مسودات روئیداد کانفرنس کے جو نوٹ لکھنے والوں نے تحریر کئے تھے اپنے ہمراہ لائے جیسا کہ آپ کو خود معلوم ہے اب کی مرتبہ نوٹ لکھنے والوں نے ہوشیاری اور مستعدی سے کام نہیں کیا۔ پہلے بھی ان کے نوٹ ایسے ہی ہوں گے مگر آپ نے دو بار ایک دفتر کا دفتر اپنے قلم سے لکھا تھا اس لئے وہ اچھے معلوم ہوتے تھے۔ بہر حال ان نوٹوں اور مسودوں سے اسپیچوں اور تقریروں کو درست کرنا روح القدس کا کام ہے۔ سوائے بشیر الدین کے کسی اور شخص سے یہ نہیں ہو سکتا میں اب کی مرتبہ عمر ماردی کی کانفرنس سے ایسا شکستہ دل ہو گیا ہوں کہ رپورٹ شائع کرنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ نہایت ناکامیابی ہوئی

---

۱ خط پر تاریخ درج نہیں، غالب ہے یہ فروری ۱۹۰۳ء کا ہے۔

اور اس کا سبب صرف بد انتظامی اور فضول خرچ ہے۔ اب کی مرتبہ ایسے رنج اور شکایت کے خط میرے نام آئے ہیں کہ مارے شرم کے جواب بھی نہیں دے سکا۔ دل نہیں چاہتا اور ندامت ہوتی ہے کہ کانفرنس کے لئے روپیہ مانگا جائے یا ڈیپوٹیشن بھیجے جاویں۔ غضب خدا کا ہے[1] صرف ہوا اور نتیجہ سوائے شکایت اور ملامت کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ آج آپ کا خط آیا اس سے اور نیز انوار احمد کی زبانی آپ کی پریشانی اور تکلیف کی کیفیت معلوم ہو کر نہایت رنج ہوا اور جو خطوط میں نے لکھے تھے ان کے لکھنے پر نہایت افسوس اور شرمندگی ہوئی۔ مجھے اگر یہ کیفیت معلوم ہوتی تو ہرگز کوئی ایسی بات نہ لکھتا جس سے آپ کو ذرا بھی رنج ہوتا۔ میں نے صرف جلد کام ہونے کی غرض سے بے تکلف آپ کو وہ باتیں لکھی تھیں جس سے آپ کو غصہ آتا اور میرا یہ خیال تھا کہ غصہ میں آکر آپ جلد رپورٹ لکھ کر بھیج دیتے اور سب کام چھوڑ دیتے مگر مجھ کو یہ کیا معلوم تھا کہ وہاں حالت ہی دوسری ہے اور آپ بیماریوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ میں نہایت افسوس کرتا ہوں اور جو رنج آپ کو پہنچا اس کی معافی چاہتا ہوں۔ آپ کی قدر اور محبت جس قدر میرے دل میں ہے وہ میرا ہی دل جانتا ہے۔ چھیڑ چھاڑ دوسری چیز ہے مگر کوئی ایسی بات جس سے آپ کو رنج ہو کرنا نہایت رنج دہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس رنج کو جو میرے خطوں سے پہنچا معاف کریں گے۔

مدراس کی رپورٹ کی نسبت میرا وہی خیال ہے جو پہلے تھا ہرگز کسی قسم کی بدمزگی میرے دل میں نہیں ہوئی۔ جو محنت اس رپورٹ پر آپ نے کی اور جس خوبی سے آپ نے اس کو لکھا اس کی تعریف عارضی نہ تھی بلکہ اصلی تھی۔ انوار احمد صاحب شاید میری بات سمجھے نہیں۔ میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ دلی کی کانفرنس کی رپورٹ میں تقریریں طول طویل لکھنا فضول اور بے فائدہ ہے اور اسپیچوں کے طول دینے میں کچھ حاصل نہیں۔ وہ یہ سمجھے کہ میں نے یہ غلط کہا کہ اسپیچیں آپ نے طول دی ہیں۔ میں نے خود ان اسپیچوں کی نسبت دیکھ کر جو کچھ میں نے لکھا تھا وہ مطلب وہی تھا مگر آپ نے اس کی نظم و ترتیب ایسی خوبی سے کی کہ مجھے اس کے دیکھنے سے خود خوشی ہوئی۔ مگر کیسا ہی وقت آپ ان اسپیچوں کے مرتب کرنے میں صرف کریں جس میں کوئی خاص خوبی اور خاص بات نہ ہو روپیہ کا زیادہ خرچ ہونا اس کا حاصل یہ ہے کہ . . .[2] کانفرنس کا خرچ دو ہزار تک ہوتی ہے۔ [illegible] صاحب کا تقاضا جاری ہے اور غیر ضروری خرچ کے نہ ہونے سے اب تک چھپا نہیں۔ روپیہ جن کاموں کے لئے دیا تھا نہیں مختلف سیکشنوں کی جو [illegible] ہوتے ہیں ان کے لئے روپیہ مانگا جاتا ہے۔ یہاں کیسہ خالی ہے روپیہ کہاں سے دیا جائے؟ ایسی حالت میں رپورٹ کا حجم اگر زیادہ ہوا اور وہ بھی دس ماہ کے بعد شائع ہوئی تو اس سے کیا حاصل؟ اس میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے آپ ناراض ہوتے۔ ہاں جس طرح سے آپ کو میرا بیان نقل کیا گیا اس سے رنج پہنچنا ممکن تھا۔ آپ کے اس فقرہ سے کہ خوب انعام دیا آپ کو [illegible] درحقیقت مجھے شرمندگی ہوئی۔ بلاشبہ بعض فقرات سے میرے خطوں کے آپ نے ایسا خیال کیا ہوگا مگر بشیر الدین یقین جانو وہ باتیں صرف تمہاری طبیعت کو مشتعل کرنے اور جلد کام کرنے کے لئے تھیں، نہ کہ دل سے۔

یہ امر مجھے بہت ناگوار ہے کہ آپ بوجہ آزادی طبیعت کے [illegible] میں آتے۔ جہاں کوئی بھی ناداری آپ سے چھپی جاتی ہے اور یہ آپ کو اپنی مرضی کے خلاف کام کرنا پڑتا ہے۔ آپ کسی کے نوکر نہیں آپ کسی کے دبیل نہیں آپ کسی کے ممنون احسان نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ آپ آزاد ہیں اور یہاں کے آنے کو ناداری کے خلاف سمجھیں اور ایسی [illegible]

---

[1] یہ رقم صحیح معلوم نہیں ہوتی۔
[2] یہ حصہ کٹا ہوا ہے۔

اور میرا آپ پر زور زیادہ حبِ دوستی کے سبب ہے۔ آپ میرے ساتھ دوستانہ برتاؤ کرتے ہیں، مہربانی سے پیش آتے ہیں، برا کہا سنتے ہیں، اس لئے مجھے بھی جرأت ہوتا ہے کہ آپ سے وہ باتیں کہوں جو دوسروں سے نہیں کہہ سکتا۔ شکایت بالیدشرط دوستانہ ہی ہے۔ اگر یہ خیال میرے دل میں رہتا تو کسی بے تکلفی کی حالت میں بھی ایک لفظ زبان سے ایسا نہ نکلتا جو سوائے مخلص دوستوں کے دوسروں سے نہیں کہا جا سکتا۔

کانفرنس کا کام آپ نے اپنی مہربانی سے لیا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس میں آپ کو کچھ مالی فائدہ نہیں ہوا بلکہ نقصان پہنچا۔ اگر آپ کو یہ خیال ہے کہ میں نے آپ کو معاوضہ کے خیال سے ایسی حرکت کی تو اس کا مجھے افسوس ہے۔ میرے تو وہم و گمان میں ایسی بات نہیں ہوئی۔ چونکہ آپ خود جانتے ہیں کہ رپورٹ کے شائع ہونے میں تاخیر ہونے سے اس کا لطف جاتا رہتا ہے اور سب سے زیادہ آپ اس خبر کے شاکی رہتے تھے اس لئے میں نے آپ پر تاکید کیا اور اسی حالت میں بعض الفاظ قلم سے ایسے نکل گئے جس سے آپ کو رنج ہوا۔ رہا دہلی میں تکلیف پہنچانا اس کے لئے آپ ہی شاکی نہیں ہیں بلکہ کوئی کانفرنس کا ممبر جس کو تکلیف نہ پہنچی ہو۔ میں ڈھائی مہینے بیمار رہا اور میرے گھر کے لوگ اب تک اس تکلیف سے جو ان کو دلی میں ہوئی خارج نہیں ہوئے۔ ایسا کبھی نہ ہو تا جب دہلی میں کانفرنس کرنے کی تجویز قرار پائی تھی ہوئے نقصان اور تکلیف اور شکایت کے کچھ حاصل نہ ہو اور جو مصارف پیدا ہوئے بعض لوگوں کی وجہ سے پہنچا اس کی تلافی برسوں میں بھی نہیں ہو سکتی۔ آپ تو چند دن وہاں بیمار ہو گئے تھے اور اسی کا سبب ہے کہ اب تک بیمار چلے جاتے ہیں۔

طاعون نے جو اس کے سبب کو دور لاکر یہ وہ بھی ہماری بدقسمتی ہے۔ مجھے یہ سن کر کہ آپ کے مکان کی آب و ہوا خراب ہو گئی ہے اور طاعون کے سبب سے کام بند ہو گیا تھا یہاں تک کہ اخبار بھی جاری نہ ہو سکا، نہایت افسوس ہے اور مجھے کس قدر رنج کہ ان باتوں کی لاعلمی کی وجہ سے میں نے آپ کو اور پریشان کیا جس کی میں معافی چاہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ ضرور معاف کریں گے۔

رپورٹ موجودہ مسودات سے اگر کوئی لکھ سکتا ہے تو صرف آپ لکھ سکتے ہیں۔ اگر آپ کی طبیعت اس قدر بحال ہو کہ آپ ایک ماہ میں اس رپورٹ کو لکھ دیں تو میں آپ کے پاس سب کاغذات واپس کر دوں ورنہ میں خود زیادہ بطور خلاصہ کے لکھ کر شائع کر دوں گا اور جو اصلی اسپیچیں اور لکچر یا طبع کی وہ درج کر دوں گا۔ باقی اسپیچوں کا نہایت مختصر خلاصہ لکھ دوں گا۔

مجھے آپ کے اس خیال سے کہ جو فقرہ آپ نے لکھا وہ آپ اپنے اوپر عائد سمجھیں گے اور کانفرنس سے ذلیل ہوں گے نہایت رنج ہوا۔ خدا جانے اس کا مطلب یہ ہے کہ میں آپ کو اپنا دوست نہ سمجھوں اور آئندہ شامل نہ ہوں گے، آپ سے بھی برتاؤ کروں اور آخری فقرہ سے آپ کے حد کے مجھے نہایت رنج ہوا۔ اور آپ اپنے قصور کی معافی چاہتے ہیں، یہ لکھ کر کہ میں ناحق اپنے اوپر جرمانہ کرتا ہوں اس لئے میں آپ کا قصور معاف نہیں کرتا۔ والسلام!

مہدی
(محسن الملک)
۱۰ راپریل ۱۹۰۶ء

بنام مولوی بشیر الدین

(۷)

مکرمی مولوی بشیر الدین صاحب!

یہ مہینہ بھی ختم ہوا اور مسودہ روئیداد کا ختم نہ ہوا۔ کل کانفرنس کی میٹنگ علی گڑھ میں نے رپورٹ کا ذکر نہ کرنے دیا مگر درحقیقت لوگوں کو بہت ناامیدی ہوئی اور میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی حالت نہایت افسوس کے قابل ہے اس دفعہ کے البشیر کی چھپائی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی حالت نہایت نازک اور نہایت واجب الرحم ہے۔ چونکہ آپ مجھ سے زیادہ اس تاخیر پر افسوس کر رہے ہیں اس لئے اس باب میں کچھ آپ کو لکھنا تکلیف دینا ہے۔

بجٹ تیار ہوتا ہے۔ اگر آپ نے اپنے اسکول کی اسکیم تیار نہ کی اور آپ یہاں سے کر خود نہ آئے تو یہ سال بھی خالی جائے گا اور آپ کے اسکول کے لئے نہایت ضرورت ہے کہ کسی طرح پر اس کی مالی حالت درست کی جائے۔ فقط!

محسن الملک، علی گڑھ، ۲۷ مئی سنہ ۱۹۰۳ء

بنام مولوی بشیر الدین

(۸)

مکرمی مولوی بشیر الدین صاحب!

آپ نے جنرل اسٹینڈنگ کمیٹی کانفرنس میں کمیٹی کے روبرو کہا تھا کہ کانفرنس کی رپورٹ آخر جولائی تک آ جاوے گی۔ نصف مہینہ اگست کا بھی گذر گیا مگر رپورٹ کا پتہ نہیں۔ اب صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ آپ کو اپنے وعدہ کا نہ آپ کو کانفرنس کا نہ میری عزت کا، نہ اپنی ذلت کا کچھ خیال ہے۔ خدا جانے آپ رپورٹ میں کیا طول طویل لکھ رہے ہیں جو ختم ہی نہیں ہوتی۔ کانفرنس کو مولوی عبدالاحد نے ذلیل اور آخر کو آپ نے تباہ کر دیا۔ میرا تو منہ نہیں پڑتا کہ کسی کو کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے لکھوں یا چندہ ممبری مانگوں۔

اب اگر رپورٹ بھی ہوئی تو کب چھپے گی اور کب تقسیم ہوگی، و آخر کیا ہوگا؛ لوگ مجھ پر لعنت کریں گے اور اب کی مرتبہ کانفرنس میں اتنا روپیہ بھی نہ ملے گا کہ معمولی خرچ سال بھر کا چل سکے۔ اس رپورٹ کے سبب سے آپ نے افواہ حد کو بھی روک لیا کہ وہ کالج اور میموریل فنڈ کا کچھ کام کرتے اور آپ نے اخبار میں بھی معذرت تاخیر رپورٹ کی نہ چھاپی۔ اس اخبار میں اگر آپ نے بصراحت اس کے متعلق مضمون نہ لکھا اور معذرت نہ کی تو میں انسٹی ٹیوٹ سوسائٹی کے اخبار میں اپنی طرف سے اپنی روسیاہی اور ذلت کا عذر چھاپنے پر مجبور ہوں گا۔

محسن الملک، ۱۰ اگست سنہ ۱۹۰۳ء

بنام مولوی بشیر الدین

(۹)

مخدومی مولوی بشیر الدین صاحب!

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں اور کیونکر آپ کے ساتھ کام کروں۔ ایک بُری عادت آپ میں یہ ہو گئی ہے کہ آپ خطوں کا جواب نہیں دیتے۔ اگر دو سطر میں جواب بھی دے دیا کرو تو اس قدر تو معلوم ہو کہ تم زندہ ہو اور مرے نہیں۔ میں نے تم کو تین خط لکھے مگر ایک کا بھی جواب نہیں آیا۔ تمام دنیا میں پارسال کی طرح پھر یہی ذلت اور رسوائی ہوگی کہ وقت پر کام نہ ہوا۔ آپ نے نہ اس وقت تک رزولیوشن بھیجے، نہ چندہ کی فہرست اور میں اس وقت تک ان سب کمیٹیوں کے ممبروں کو کچھ اطلاع نہیں دے سکا جو مختلف کاموں کے لئے مقرر ہوئے ہیں۔ آج کا اخبار بھی پہنچا اس میں بھی سب کچھ ہے سوائے کانفرنس کے نہ اس کی کچھ کیفیت ہے نہ رزولیوشن۔ اگر ہے تو پریسیڈنٹ کو سختی کے ساتھ برا بھلا کہا گیا ہے۔ یہ طریقہ یعنی جس سختی سے آپ تحریر کرتے ہیں مجھ کو تو پسند نہیں ہے آپ ہی اس کو شاید پسند کرتے ہوں۔ رائے ظاہر کرنے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ سختی سے کام لیا جائے۔ بلکہ خوبی اسی میں ہے کہ اپنا مطلب نرم لفظوں میں ظاہر کیا جائے اور انسانیت اور اخلاق کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے۔ لیکن مجھ کو اس سے کچھ مطلب نہیں، نہ میں آپ کا ناصح ہوں نہ آپ کسی کی سننے والے ہیں۔ ہاں مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ آپ مجھے بہت تکلیف دیتے ہیں اور وقت پر میرے خطوں کا نہ جواب دیتے ہیں نہ کام کرتے ہیں آپ رزولیوشن اور فہرست چندہ کی بھیج دیجئے یا جواب دیجئے ورنہ میں کوئی دوسرا انتظام کروں گا۔ مجھے پارسال کے سے آثار نظر آتے ہیں کہ باتوں ہی میں دن گذر جاویں گے اور رپورٹ وقت پر تیار نہ ہوگی لیکن میں آپ سے صاف کہے دیتا ہوں کہ میں اب اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر آپ رپورٹ نہ لکھ سکیں تو جن لوگوں نے نوٹ لکھے ہیں ان کو میرے پاس بھیج دیجئے تاکہ میں خود اپنے سر ماروں اور آپ کو آئندہ تکلیف نہ دوں۔

یہ کیا طریقہ آپ نے اختیار کیا ہے کہ اول آپ اخبار میں شائع کر کے کالج کو بدنام اور فضیحت کر دیتے ہیں پھر مجھے توجہ دلاتے ہیں۔ کالج کے طالب علموں پر پولیس کا کیا اچھال چلا اور کیا ہوا جس پر آپ میری توجہ چاہتے ہیں اور درصورت عدم توجہ ہونے کے آپ بذریعہ اخبار کالج کی فضیحت کرنے پر آمادہ ہیں۔ مجھے اس وقت تک کچھ معلوم نہیں کہ کیا ہوا۔ بجائے اخبار میں لکھنے کے اول مجھ کو تو اطلاع دی ہوتی۔ یہ کوئی دوستی نہیں ہے نہ کالج کی خیر خواہی کہ آپ ایسی باتیں کہ جس سے مسلمانوں کو کالج کے خلاف جوش پیدا ہو اخبار میں لکھ دیں اور مجھ کو خبر تک نہ کریں اور پھر بھی گول گول لکھیں جس سے یہ بھی نہ معلوم ہو کہ کیا آفت ہوئی۔ کیا قیامت برپا ہوئی۔ خیر اگر اسی کا نام آزادی اور خیر خواہی ہے تو یہ آپ کو مبارک رہے اور جو آپ کا دل چاہے کریں۔ سائیں احمد اور علی محمد گواہ ہیں۔

محسن الملک ۱۵ر جنوری ۱۹۰۳ء

بنام نواب سید علی حسن

(۱۰)

جناب من!

والا نامہ مورخہ ۱۵ اگست پہنچا۔ ممنون فرمایا۔ یہ تجویز آپ کی نہایت مناسب ہے کہ ہز آنر[1] کے نام سے وظیفہ موسوم کیا جائے مگر ہز آنر کو اس وقت اطلاع دی جاوے گی جبکہ اس کا سرمایہ مستقل کالج میں جمع ہو جاوے گا۔
اس لئے کہ چند وظیفہ ہز آنر کے نام پر چندہ دوامی ہو وہ دوامی کو، مدن کالج سی وقت کر سکتا ہے جبکہ مستقل سرمایہ اس کے سپرد کر دیا جائے اور یہ قاعدہ کی بات ہے آپ بھی خود اس کو پہلے سے سمجھتے ہوں گے۔ والسلام!

محسن الملک

نزد آنریری سیکرٹری آفس ایم۔ اے۔ او کالج ۲۲ اگست ۱۹۰۰ء

بنام نواب سید علی حسن

(۱۱)

بعالی خدمت جناب مخدوم بندہ مصطفی الدولہ حسام الملک نواب علی حسن خان صاحب زاد مجدکم!

تسلیم! میں عربی تعلیم کے متعلق نقل چٹھی کی جو گورنمنٹ کی طرف سے آئی تھی بذریعہ لفافہ مورخہ ۴ مارچ کے آپ کی خدمت میں بھیج چکا ہوں۔ اس کے بعد میں ہز آنر سے بمقام لکھنؤ ملا۔ ہز آنر نے زبانی ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے عربی کے وظیفہ کے لئے چندہ دینے کا وعدہ کر لیا ہے جب تک وہ بقدر اس آمدنی کے فنڈ جمع نہ کریں اور کالج کے ہاتھ میں اس کی آمدنی نہ آ جائے یا کالج پورے طور پر اس آمدنی کے دوامی ہونے پر اطمینان نہ کر لے ہم گورنمنٹ آف انڈیا کی خدمت میں دوبارہ عربی کی اسکیم کی منظوری اور عربی کے پروفیسر کی تنخواہ دینے کے لئے سفارش نہیں کر سکتے۔ اگر چندہ کا وعدہ کرنے والے اس کا انتظام نہ کر دیں گے تو ان کا وعدہ ماہوار چندہ دینے کا قابل اطمینان نہ سمجھا جائے گا نہ ان کا چندہ دوامی خیال کیا جائے گا نہ گورنمنٹ اس پر بھروسا کرے گی اور نہ اس کی بنیاد پر گورنمنٹ آف انڈیا اس اسکیم کو منظور کرے گی۔

چونکہ ہز آنر اخیر جولائی میں علی گڑھ تشریف لانے والے ہیں اور اس وقت حضور ممدوح قطعی فیصلہ اس کا فرمائیں گے، اس لئے آپ ۲۵ جولائی ۱۹۰۰ء تک اپنے موعودہ چندہ کی آمدنی کے بقدر روپیہ نقد بھیج دیں یا کالج میں بقدر اس آمدنی کے کرے بنانے کا خرچ بھیج دیں یا کوئی دوسرا ایسا انتظام کر دیں جس سے آپ کے موعودہ وظیفہ کی آمدنی کالج کے ہاتھ میں آ جائے یا اس پر ایسا باضابطہ اطمینان ہو کہ وہ وظیفہ مستقل اور دوامی سمجھا جائے۔

چونکہ یہ معاملہ گورنمنٹ آف انڈیا میں اصلاح پکا ہے اور ہز آنر نے خود اسے جو سب میں جو تعلیم کے تذکرہ کا وعدہ جولائی سنہ گذشتہ[2] کو دیا تھا آپ کا نام نامی اور موعودہ چندہ تحریر فرما کر گئے تھے کہ یہ ہے اس لئے اگر اس چندہ کے دوامی ہونے کے لئے آپ نے فنڈ کا انتظام نہ کر دیا اور آپ کا نام نامی فہرست میں چندہ کی قائم نہ رہا تو یہ امر آپ کی شان اور وضع سے بعید ہوگا اور پبلک پر بھی اس کا برا اثر پڑے گا اور یہ تو یقینی بات ہے کہ عربی کی بجز اس اسکیم کے اس وجہ کے لئے خود رہ نامنظور ہو جائے گی۔

۱؎ یعنی یوپی کا لفٹیننٹ گورنر ۲؎ جولائی ۱۹۰۰ء

یہ آخری عریضہ ہے جو آپ کی خدمت میں اس معاملے کے متعلق لکھا جاتا ہے۔ براہِ مہربانی اس کا جواب بذریعہ رجسٹری شدہ خط کے جلد دیجئے تاکہ ہز ہائنس کے روبرو جبکہ جناب ممدوح آخر جولائی میں یہاں تشریف لائیں گے پیش کر دیا جائے۔ کیونکہ ہز ہائنس جب یہاں تشریف لائیں گے اس معاملہ کو قطعی فیصل فرمائیں گے اور یہ آپ یقین کر لیں کہ سالانہ چندہ دینے کے وعدہ کو بغیر اس کے کہ گرانٹ کا انتظام کر دیا جائے ہز ہائنس مثل انکار کے سمجھیں گے۔ فقط!

محسن الملک علی گڑھ ۱۹ مئی ۱۹۰۵ء

بنام مولوی نظام الدین حسن

(۱۲)

جناب مخدوم و مکرم بندہ مولوی نظام الدین حسن صاحب!

تسلیم۔ مصطفیٰ حسین کے خط سے معلوم ہوا کہ بھوپال میں ان کو کامیابی ہوئی اور کانفرنس کے لئے چندہ بھی ملا اور امید ہے کہ ہز ہائنس مع جناب بیگم صاحبہ بھی مدد کریں گی اور آپ کے واپس آنے پر اس کا اعلان ہونے والا تھا چونکہ اب آپ تشریف لے آئے ہیں اس لئے میں یہ عریضہ لکھتا ہوں کہ آپ براہِ مہربانی حضور عالیہ سے ایک معقول رقم دلوا دیجئے۔ چونکہ آپ ہمیشہ خود مدد کیا کرتے ہیں اور آپ ہی کی مہربانی سے ہز ہائنس نے بارہ سو روپیہ تعلیم نسواں کے لئے منظور کر دیا ہے اس لئے مجھے آپ کو تکلیف دینے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر مجھے کانفرنس کی حالت نے اس قدر لکھنے پر مجبور کیا ہے۔ کانفرنس بالفعل قرضدار ہے اور بمبئی اور لکھنؤ کی لوکل کمیٹیوں نے کچھ روپیہ نہیں دیا اور اب کی جو ایجنٹ کانفرنس کے لئے بھیجے گئے تھے ان کو بھی کچھ نہیں ملا۔ میں بمبئی اور مدراس سے کانفرنس کے لئے کچھ چندہ جمع کرنے کی غرض سے علی گڑھ سے نکلا تھا مگر یہاں آ کر بیمار ہو گیا۔ وہ بیماری بھی ایسا سخت کہ کچھ کام نہیں کر سکا۔ دو ہفتہ سے قریب کمرہ سے باہر نہیں نکلا۔ جب چلنا پھرنا نہ ہو تو چندہ کیونکر مل سکتا ہے اس لئے خاص ضرورت ہے کہ کہیں سے کوئی بڑی رقم کانفرنس کے لئے ملے۔ مجھے آپ سے بہت امید ہے اور پورا یقین ہے کہ آپ کی ذرا سی کوشش سے ہز ہائنس معقول رقم عطا فرمائیں گی خصوصاً شادی کی مبارک تقریب ہے۔ میں آپ کو ہرگز تکلیف نہ دیتا اگر کسی اور طرح پر کام نکلتا معلوم ہوتا۔

جو لوگ ڈیپوٹیشن میں بنگلور گئے تھے، وہاں کو بہت اچھی کامیابی ہوئی۔ چار ہزار روپیہ کا عام چندہ ہوا اور دو ہزار دو روپیہ گورنمنٹ میسور نے دیئے۔ کم سے کم اتنا تو آپ ہم کو اپنے یہاں سے دلوا دیجئے۔

محسن الملک

بمبئی ۱۲ ستمبر ۱۹۰۵ء

پشت پر تحریر ہے:

شامل مثل مدرسۃ العلوم علی گڑھ — نظام الدین

غلام عباس

---

(۱۳)

بنام نواب افسر الدولہ بہادر

آنریری سیکرٹری آفس ایم۔ اے۔ او کالج
۴ر جولائی علی گڑھ (غالباً ۱۹۰۶ء) [۱] ڈرافٹ سے چھاپا ہے

جناب مخدوم و مکرم بندہ نواب افسر الدولہ بہادر!

تسلیم۔ تعلیم نسواں کا ڈیپوٹیشن وہاں آتا ہے اگرچہ وہاں عموماً ایسے معاملات میں دلچسپی نہیں ہے مگر آپ کو اس ضروری اور مفید کام میں خاص توجہ ہے اس لئے آپ کے بھروسے پر یہ لوگ آتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ کی مہربانی اور کوشش سے یہ ڈیپوٹیشن وہاں سے محروم نہ آئے گا اور آپ سے پوری امید ہے کہ جہاں تک آپ سے ہو گا آپ امداد سے دریغ نہ فرمائیں گے۔ ہماری قوم کو تو ایسے کاموں سے نہ دلچسپی ہے نہ اس پر توجہ بلکہ نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ایسی قومی خدمت کرنے والوں کو محض بھیک مانگنے والوں سے بھی بدتر سمجھتے ہیں لیکن خال خال مثل آپ کے ایسے روشن خیال مسلمان بھی موجود ہیں جو ایسے کاموں کی قدر کرتے ہیں اور ایسے قومی خدمت کرنے والوں کو عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں۔ مجھے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ؎

کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

جناب نواب صاحب! جب میں دوسری قوموں کی حالت دیکھتا ہوں اور ان کی کوشش اور محنت اور ایسے کاموں میں فیاضی پر نظر کرتا ہوں تو اپنی قوم کی حالت پر نہایت رنج ہوتا ہے اور اکثر یہ خیال آتا ہے کہ جس قوم پر خدا کا غضب ہو اور جو قوم مسخ ہو گئی ہو اس کے لئے کوشش کرنا محض بے سود ہے۔ دل چاہتا ہے کہ جس خبط میں گرفتار ہوں اسے چھوڑ دوں اور غم نداری بز بخر کا مقولہ اپنے اوپر کیوں صادق آنے دوں مگر عادت سے مجبور ہوں اس لئے کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہوں مگر افسوس ہے کہ نہ مدد ملتی ہے نہ قوم کو ذرا توجہ ہوتی ہے۔ بہرحال السعی منی والاتمام من اللہ شاید کچھ ہو جائے اور اس مردہ جسم میں قوم کے پھر کچھ جان آ جائے۔ زیادہ نیاز!

محسن الملک

---

(۱۴)

بنام مولوی بشیر الدین

۱۴؍ جولائی ۱۹۰۶ء بمبئی، مالٹس اینکس

مکرمی بشیر الدین صاحب!

آپ کا خط آیا جو کچھ آپ نے لکھا ہے اس کا ایک ایک لفظ صحیح ہے اور میں اس کی دل سے تصدیق کرتا ہوں اور اپنی طرف سے انہی الفاظ کو آپ کی نسبت لکھتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ بھی اس کی تصدیق کریں گے کہ مجھے بھی آپ سے ویسی ہی محبت ہے جیسی کہ آپ کو مجھ سے۔ باقی رہی خفگیاں اور غصے کی باتیں، یہ تو ساز و نیاز ہیں جو آپ کے لئے مخصوص ہیں۔

---

[۱] یہ خط کسی دوسرے شخص سے لکھوایا گیا ہے۔ محسن الملک نے اس پر صرف دستخط کئے ہیں۔ اس پر شروع میں تاریخ ہے مگر سنہ نہیں۔ البتہ اس کے ساتھ ایک انگریزی خط آفتاب احمد خان کا تھا جس پر سنہ ۱۹۰۶ء درج ہے اس لئے اسے بھی ۴ر جولائی ۱۹۰۶ء کا سمجھنا چاہئے۔
(تمکین کاظمی)

آپ کو جو کامیابی انٹرنس کے امتحان میں ہوئی اس پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں[1]۔ یہ نتیجہ آپ کے اس حال کا ہے اور خدا نے چاہا تو روز بروز اس میں ترقی ہوگی۔ آپ بھی ضرور آئیے۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کو کیا ملے گا مگر میں کوشش ضرور کروں گا اور کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔ اب تک جس طرح پر ترقی پر کام ہوتے ہیں ویسے ہی یہ کام ہو گئے۔ آپ کی ملاقات کو خود دل چاہتا ہے اس لئے کہ یہاں تنہا پڑے پڑے طبیعت گھبرا گئی ہے۔ آپ کے یہاں آنے سے کچھ دن لطف سے گذر جائیں گے۔

محسن الملک

(۱۵)

جناب مخدوم و مکرم بندہ!

دو تین روز سے میں یہاں آیا ہوا ہوں اور متعلق ریفارم سکیم کے گورنمنٹ کے خاص خاص حاکموں سے گفتگو ہوئی ہے منشاء گورنمنٹ کا یہ ہے کہ جو تجویزیں اس نے پیش کی ہیں ان پر کامل بحث اور کافی غور کیا جائے اور پبلک اپنی رائے آزادی کے ساتھ دے اور اس میں جو اصلاحیں معلوم ہوں ان کو پیش کرے۔ تاکہ بعد آجانے تمام رایوں کے گورنمنٹ اس پر غور کر کے قطعی فیصلہ کرے۔ مسلمانوں کے لئے نہایت نازک اور کام کرنے کا وقت ہے اور ان کو چاہیے کہ گورنمنٹ کی منشاء کے موافق اس کی تجویزوں کی نسبت اپنی رائے صاف صاف دیں اور متفق ہو کر متفقہ یادداشت پیش کریں۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے ذریعہ سے اس کام کا ہونا مناسب ہے اور جس طرح پر ڈیپوٹیشن کے وقت سب ہندوستان کے معزز مسلمانوں نے مل کر کام کیا تھا ویسا ہی اب ریفارم کے متعلق مل کر کام کرنا چاہیے۔ کسی کسی خیال سے اختلاف کرنا اور اپنی طرف سے علیحدہ علیحدہ کارروائی کرنا مناسب نہ ہوگا اس لئے میں آپ کی توجہ اس طرف چاہتا ہوں کہ جو تحریریں نواب وقار الملک بہادر سیکرٹری مسلم لیگ کی طرف سے آپ کے پاس پہنچیں ان پر آپ غور کریں اور ایک جلسہ میں اپنی تجویزیں بطور یادداشت کے لکھ کر کے ان کے پاس بھیج دیں۔ تاکہ بعد آجانے تمام رایوں کے پھر ایک یادداشت مرتب کی جائے اور کراچی میں جبکہ کانفرنس کا اجلاس ہوگا ان ہی دنوں میں کوئی ایک دن اس کے تصفیہ کے لئے مقرر کیا جاوے اور جو آخری یادداشت گورنمنٹ میں بھیجی قرار پاوے وہ وہاں مرتب کر لی جاوے۔ اس کام میں اگر ذرا غفلت یا تاخیر کی گئی یا کسی غلط خیال سے اختلاف کیا گیا اور مل کر کارروائی نہ کی گئی تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ایسا نقصان مسلمانوں کو پہنچے گا کہ جس کی تلافی نہ ہو سکے گی۔

دوسرا امر قابل گذارش یہ ہے کہ یہاں اگر مجھے معلوم ہو کر بجائے اس کے کہ ایک بڑی مجلس کر کے شکریہ کا تار وائسرائے کے حضور میں بھیجا جاوے۔ مناسب یہ ہے کہ مختلف مقامات میں جلسے کئے جائیں اور مختلف انجمنوں کے ذریعے سے علیحدہ علیحدہ شکریہ کے تار وائسرائے کے حضور میں بھیجے جائیں۔ اس کا اثر بھی اچھا ہوگا اور پبلک اور گورنمنٹ کو مسلمانوں کی دلچسپی لینے کا یقین ہوگا۔ اس لئے میں آپ سے چاہتا ہوں کہ آپ اس کا انتظام کریں اور نواب وقار الملک بہادر سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ اس کے متعلق آپ کو لکھیں گے۔ اس کام میں غفلت نہ کرنی چاہیے۔ ایک مسودہ تار کا جو تحریر کیا گیا ہے

---

[1] نظر بظاہر سکول کے طلبہ کی کامیابی کی طرف اشارہ ہے۔

آپ کے ملاحظہ کے لئے بھیجتا ہوں۔ جو تار شکریہ کا آپ کی طرف سے بھیجا جائے اس میں بہ تبدیل الفاظ اگر ایسا ہی مضمون ہو تو مناسب ہوگا۔

آپ نہ صرف اپنی انجمن کی طرف سے ہی تار بھیج لیجئے بلکہ دیگر انجمنوں کی طرف سے بھی جن کو آپ جانتے ہوں۔ اگرچہ لکھنؤ کے راہ سے آیا تھا مگر رات کا وقت تھا اس لئے آپ کو اطلاع نہیں دی اور آپ کو آنے کی زحمت سے بچایا۔ میری طبیعت مکدر ہے شاید یہاں کی ہوا کچھ فائدہ دے[1]۔ فقط

محسن الملک

(۱۹)

مخدوم و مکرم بندہ!

بعد سلام بیشمار کے التماس ہے کہ ڈاکٹر سید سراج الحسن کے متعلق میں آپ کو لکھ چکا ہوں کہ کرنل بار نے بہت عمدہ چٹھی لکھ بھیجی ہے غالباً اب تک آپ کو اس کی کیفیت معلوم ہو گئی ہوگی۔ بالفعل وہ دورہ پر ہیں جب آپ ان کے بالمشافہ کی ضرورت سمجھیں مجھے اطلاع دیں۔

مجھے بعض دوستوں نے صلاح دی ہے کہ کالج کی مدد کے لئے حضور عالیہ ہر ہائنس بیگم صاحبہ سے درخواست کی جائے کہ وہ ڈیپوٹیشن آنے کی اور کالج کے حالات سننے کی اجازت دیں اور کچھ مدد فرمائیں۔ اگر ہر ہائنس اجازت دیں تو میں خود اس ڈیپوٹیشن میں شریک ساتھ ہوں مگر بغیر آپ کی صلاح کے ایسی جرأت نہیں کر سکتا اس لئے میں آپ سے پرائیویٹ طور پر پوچھتا ہوں کہ ایسی درخواست کرنا مناسب ہے یا نہیں۔ اس وقت کالج کی طرف ہز ایکسیلنسی لارڈ کرزن اور تمام حکام کی نہایت توجہ ہے۔ اگر حضور عالیہ اپنے قومی کالج پر توجہ کریں تو نہایت ناموری ہوگی اور حضور عالیہ کی عالی دماغی کا ثبوت ہوگا۔

آپ سے بہتر کوئی شخص جان سکتا ہے کہ اس سے کیسے آئندہ فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔ قوم میں ناموری اور شہرت اور ملک کے لوگوں میں بھی محبت اور غیرت انہی باتوں سے پیدا ہوتی ہے اور گورنمنٹ پر جو ایسی باتوں سے اثر ہوتا ہے وہ بھی آپ سے پوشیدہ نہیں۔ بالفعل اگر زیادہ از نقد عطا کرنے کا موقع نہ ہو تو عربی کی تعلیم کے لئے ماہانہ مدد حضور عالیہ اچھی طرح فرما سکتی ہیں۔ ہمارا کالج اگرچہ مسلمانی کالج ہے مگر افسوس ہے کہ عربی کی تعلیم اچھی نہیں ہوتی۔ اس کے لئے نہایت اعلیٰ درجہ کے عالم درکار ہیں اور پڑھنے والوں کے لئے وظیفے دینے کی ضرورت ہے۔ اس صیغہ کے اچھی طرح پر چلانے کے لئے بالفعل ساڑھے سات سو روپیہ ماہوار درکار ہیں اگر اس میں کا نصف حصہ یا جس قدر مناسب ہو حضور عالیہ عطا فرمائیں تو ان کے نام سے عربی ڈیپارٹمنٹ قائم ہو سکتا ہے۔ بہرحال میں اس وقت خانگی طور پر آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ڈیپوٹیشن کے آنے کی درخواست کی جائے یا نہیں۔ آپ خانگی طور پر اس کا جواب دیں[2]۔

محسن الملک۔ علی گڑھ۔

---

[1] اس مکتوب میں جن اصلاحات کا ذکر ہے وہ منٹو مارلے کی اصلاحات تھیں جو اس زمانے میں حکومت کے زیر غور تھیں۔ ڈیپوٹیشن سے مراد وہ ڈیپوٹیشن ہے جو سر آغا خان کی سرکردگی میں لارڈ منٹو کے پاس پیش ہوا تھا اور اس نے دوسرے معاملات کے علاوہ مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا تھا۔

[2] یقینی طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ خط کس کے نام ہے لیکن ظاہر ہے کہ حضور عالیہ سے علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال مراد ہیں۔ اغلب ہے کہ نواب سید علی حسن خان (صفی الدولہ حسام الملک) کو لکھا گیا ہو۔

بنام مولوی بشیر الدین

(۱۷)

مکرمی بشیر الدین صاحب!

آپ نے کانفرنس گزٹ میں مناسب شکایت اسکول ایجوکیشن کی کی ہے اور اسٹینڈنگ کمیٹی کو خوب ڈرایا ہے مگر مجھ سے نہ آپ نے زبانی اس کی نسبت کچھ کہا، نہ کسی کو کہا اب تک معلوم نہیں کیا معاملہ ہے اور کیا شکایت ہے۔ یہ عجب بات ہے کہ کام سے خود الگ کیا جاوے اور کمیٹی کو اطلاع نہ دی جائے اور آئندہ کے لئے ڈرایا جائے۔ کانفرنس گزٹ اب کیوں جاری ہے۔ یکم اگست سے تو سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی نے آپ کے سامنے اس کے موقوف کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ افسوس کہ اس وقت کسی کے پاس اتنا روپیہ نہیں ہے کہ آئندہ تنخواہیں جلد کی دی جاسکیں۔ دہلی کی کانفرنس نے اول اور آپ کی تاخیر نے فوراً اس کے بارے میں ۔۔۔[1] نقصان پہنچایا بلکہ کہنا چاہئے کہ کانفرنس کا خاتمہ کر دیا۔ ہمارے حیرت آتی ہے کہ وہاں اب سے کوئی ایک بھی کانفرنس کی مدد پر راضی نہیں ہوتا اور پانچ روپے دینا نہیں چاہتا۔ فقط!

مہدی (محسن الملک)

بنام نواب وقار الملک

(۱۸)

مخدوم بندہ!

اب کے میل[2] میں کسی کا خط بھی نہیں آیا نہ تار یہاں تک کہ [3] ــــ صاحب کا بھی نہیں۔ فریدوں جی صاحب[4] نے تو شاید کمال احتیاط کی وجہ سے خود لکھنا ہی چھوڑ دیا۔ خدا کرے کہ وہ زیادہ محتاط نہ ہو جاویں۔

آپ تاروں کا جواب اس قدر دیر سے دیتے ہیں اور اس سے جو طبیعت کو کوفت ہوتی ہے۔ کیا آپ وہاں دوبارہ[5] صاحب سے مشورہ کر کے جواب دیتے ہیں یا دیر کر کے بھیجا ہے یا کیا بات ہے کہ اتنی دیر ہوتی ہے اور جواب بھی تسلی بخش نہیں ہوتا ہوں جو تار دیا ہے اس کے جواب کا منتظر ہے۔ اگر آپ نے تمام تفصیلات پر مطلع ہونے کے بعد دے اور حکم دینے کو زیادہ مناسب جانا تو کام کا ہونا زیادہ مشکل ہے مگر غالباً اب میرے اخیر کے تار پر ضرور قطعی حکم بھجوا دیں گے۔

یہاں کے کام اب بند ہو گئے ہیں۔ لوگ باہر چلے۔ اکتوبر نومبر تک کچھ کام نہ ہوگا۔ اگر آپ کا جواب خاطر خواہ آگیا تو شاید تمہیدی انتظام کچھ ہو جاوے ورنہ اس کی بھی اُمید نہیں اور میں بعد اکتوبر کے بعد رہنا نہیں چاہتا اس لئے کہ سردی میں میرا مزاج ضرور بگڑ جائے گا اس لئے اگر کام شروع نہ ہوا اور رہنا پڑا تو مناسب ہوگا کہ اب ہی واپس آنے کی اجازت دیں اور مہدی حسن کو رہنے کے لئے لکھ بھیجیں۔ اس لئے کہ نومبر سے پہلے کام شروع نہ ہوگا اور تمام موسم سرما میں یہاں رہنا پڑے گا اور یہ تو ظاہر ہے کہ مجھ سے اس کی برداشت نہ ہو سکے گی۔ ماتحیات میں نظم کا حال دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے کامیاب کیا اور سرکار[6] نے جلی توجہ اور نیک نامی کے ساتھ واپس آئے۔ ہم غریبوں نے بھی کچھ انتظام کیا ہے اس کے بھی کچھ نتیجے ظاہر ہوں گے۔

مہدی (محسن الملک)

---

۱ ایک آدھ لفظ پڑھا نہیں گیا۔ ۲ ظاہر ہے کہ خط ولایت سے لکھا گیا۔ ۳ نام درج نہیں۔ ۴ صاحب بعد از آں سر فریدوں الملک ہو گئے تھے۔

۵ نام درج نہیں۔ ۶ سرکار سے بظاہر اشارہ حضور نظام کی طرف ہے۔

بنام منشی منصب علی خان

(۱۹)

جناب مخدوم و مکرم بندہ منشی منصب علی صاحب!

تسلیم۔ شنیدہ تنے کہ گفتند وشمر با تو رونماد   اے سب بے نصیب گرتم واے بے او بلم

میں نے جو عریضہ آپ کی خدمت میں بھیجا تھا اوس کے جواب سے اب تک محروم ہوں۔ مجھے اندیشہ تھا کہ آپ کو کچھ ملال یا رنج ہوگا مگر جو لوگ بھوپال سے آئے اون کی باتوں سے یہ خیال تو جاتا رہا اس لئے کہ مجھے معلوم ہوا کہ آپ کی مہربانی بدستور ہے اور جو عمدہ خیالات آپ کے تھے اون میں کچھ فرق [۲] نہیں آیا۔ مجھے افسوس ہے کہ ظفر کی طرف سے وہ امید پوری نہ ہوئی جو مجھے تھی اور آپ کے ساتھ مخلصانہ تعلقات رکھنے کے لئے جو کچھ میں نے نصیحتیں ون کو کی تھیں میں نے اون کو ہمیشہ خانگی خطوں میں لکھا اور اب زبانی بھی بہت کچھ کہا ہے۔ اگر نوجوانی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے کچھ غلطیاں اون سے ہوئی ہوں تو آپ معاف کیجئے اور پھر اون کو ایک موقع آپ کے ساتھ خوش معاملہ برتاؤ کرنے کا دیجئے۔ مگر آپ یقین کیجئے کہ میں بھوپال میں صرف آپ کو اپنا سمجھتا ہوں اور ہمیشہ آپ ہی کو اپنا دوست اور مددگار سمجھتا رہوں گا اور میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ آپ کے خیالات بھی میری نسبت نہایت عمدہ ہیں۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ مجھے کوئی ذاتی غرض نہیں ہے البتہ کالج کے لئے ہمیشہ تکلیف دینے کی ضرورت رہی ہے اور رہے گی اور اوس کے لئے سب سے بڑی امید آپ سے ہے اور الحمدللہ کہ آپ ویسی ہی اب تک مدد دیتے ہیں جیسی کہ اب تک دیتے رہے ہیں۔

میں دو قطعہ اپیل علیحدہ کے آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں اون کے دیکھنے سے آپ کو موجودہ ضرورت کی کیفیت معلوم ہوگی یہ موقع آپ کے خاص مدد کرنے کا ہے۔ اب تک جو توجہ ہز ہائینس[۱] نے کالج کی نسبت ظاہر فرمائی ہے اوس کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ مگر اس وقت تک کوئی سالانہ گرانٹ خاص کالج کے لئے ریاست سے مقرر نہیں ہوئی۔ اگرچہ سو روپیہ ماہوار ننھی لال کے لئے جاری ہوتی ہے وہ بھی علی گڑھ ہی کے مقاصد کے لئے ہے۔ اگر اس وقت سائنس کی تعلیم کے لئے ریاست سے معقول ماہانہ گرانٹ مقرر ہو جائے تو عزت [۳] رہ جائے ورنہ یادگار کا قائم ہونا مشکل ہے اور اگر مدد نہ ملنے کی وجہ سے یادگار قائم نہ ہوئی تو پھر ایسا موقع ہاتھ نہ آئے گا اور ہمیشہ کے لئے شرم اور ذلت نصیب ہوگی۔

اگر آپ مناسب سمجھیں اور ہز ہائینس پسند فرمائیں تو میں خود حاضر ہونے کے لئے آمادہ ہوں۔

چونکہ وقت بہت کم ہے براہ عنایت اس عریضے کا جواب جلد عنایت فرمائیے[۲]۔

محسن الملک

---

[۱] ہز ہائینس سے اشارہ علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال کی طرف ہے۔

[۲] یہ مکتوب ڈاکٹر مختار الدین احمد کا عطیہ ہے۔

(۲۰)

بنام مولوی بشیر الدین

مکرمی مولوی بشیر الدین صاحب!

آج آپ کا خط آیا۔ اگر یہی کیفیت پہلے لکھ بھیجتے تو نہ مجھے انتظار کی تکلیف ہوتی نہ تم کو میری تحریروں سے رنج ہوتا بہر حال آئندہ آپ جواب جلد دیا کریں اور جو کیفیت ہو وہ لکھ بھیجا کریں۔

متعلق رپورٹ کے آپ ایک مضمون البشیر کانفرنس گزٹ میں چھاپ دیجئے اور جو معذرت کرنی ہو وہ معذرت کیجئے تاکہ لوگوں کو تاخیر کا سبب تو معلوم ہو جائے۔ علاوہ ازیں پنجاب کے اکثر مسلمان بہت شاکی ہیں ان کی شکایت دور ہو مگر کسی قدر کم تو ہو جائے۔

رپورٹ کا مسودہ جس قدر تیار ہوتا جائے اس کو آپ میرے پاس بھیجتے جائیں۔ فقط والسلام!

محسن الملک ۸ جون

(۲۱)

بنام مولوی بشیر الدین

مکرمی مولوی بشیر الدین صاحب!

تم سوتے ہو یا جاگتے۔ زندہ ہو یا دنیا سے چل بسے۔ تمہاری طرف سے کوئی صدا سننے میں نہیں آتی اور کانفرنس کے متعلق تمہاری کوشش کی کوئی نشانی معلوم نہیں ہوتی۔ اب تک کانفرنس کے لئے کہیں سے دعوت نہیں آئی۔ کیا تم کانپور میں امسال کانفرنس قائم کرنے کے لئے کچھ کوشش نہیں کر سکتے؟ ذرا ہمت کرو۔ کانپور جاؤ وہاں کے لوگوں سے ملو اور اگر ممکن ہو تو امسال وہاں کانفرنس قائم کرنے کا بندوبست کرو۔ اخوان الصفا کے بعض ممبر گو غریب ہیں مگر ایسے کام کے لئے مستعد معلوم ہوتے ہیں۔

اگر وہاں سے ناامیدی ہو تو جیسا تم کہتے ہو اٹاوہ میں تجویز کرو مگر میرے نزدیک اٹاوہ اس کے لائق نہیں ہے۔ خود اٹاوہ میں ضعیف بے علم مسلمان ایسے ہیں جو بہت کم چندہ بھی دے سکیں لیکن ہندوؤں سے کچھ ملنے کی امید ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں کانفرنس کے لئے مشن ہائی اسکول جہاں دونوں خالی ہو گا مل سکے۔ غالباً ہیڈ ماسٹر صاحب اس کام کے لئے مدرسہ کی اجازت دے دیں اور ایسی حالت میں جلسہ کے لئے کسی ہال بنانے اور خرچ کرنے کی ضرورت نہ ہوگی اور مہمانوں کے لئے میں بھی بورڈنگ خالی کر دوں گا اور کچھ خیمہ کرایہ پر کانپور سے منگوا لئے جائیں گے مگر ممبر کہاں سے آئیں گے۔ اٹاوہ و اس کے گرد و نواح کے اضلاع ایسے نہیں ہیں کہ جہاں سے چندہ دینے والے ممبروں کے آنے کی امید ہو اور نیز سواری اور کرایہ کی بھی مشکل ہوگی اور وہاں کوئی ایسی چیز بھی نہیں ہے جس کا شوق لوگوں کو وہاں آنے پر آمادہ کرے مگر چونکہ آپ کا مدت سے یہ خیال تھا اس لئے میں نے اسے بھی ظاہر کر دیا۔ آپ یہ خط جناب صاحبزادہ روح اللہ خان صاحب کو دکھلا دیجئے اور جو رائے قرار پائے مجھ کو اس سے اطلاع دیجئے۔

میرے دوست محمد حسین صاحب ضلعدار کا ایک خط میرے نام عبدالصمد صاحب طالب علم کے متعلق آیا تھا مجھے افسوس ہے کہ جواب بھیجنے میں دیر ہوئی۔ — روپیہ میں بھی چندہ میں بھیج دوں گا۔ آپ ان کو مطلع فرما دیجئے۔ فقط!

محسن الملک، بمبئی ۱۹ ستمبر

بنام مولوی رشید الدین

(۲۲)

مکرمی رشید الدین صاحب!

دوروں کے لئے آپ معذور ہو جاؤ اور اپنے دل کا غصہ مجھ پر دل کھول کر نکال جاؤ مگر میرا حال بھی کچھ سن لو۔ بالخصوص میں آپ کو رام پور کی کانفرنس میں چند امور ضروری کے لئے صلاح لینے کے واسطے بلاتا ہوں۔ انشاء اللہ آپ یہاں سے ناخوش نہ جائیں گے۔

اے یار بیا بجانِ ما　　بیگانہ مشو یگانۂ ما
زہم رشوی زخواب بیدار　　گر گوش کنی فسانۂ ما

محسن الملک ۔ علی گڑھ ۵ دسمبر

بنام مولوی رشید الدین

(۲۳)

مکرمی!

میں انتظار کرتے کرتے آخر پونا روانہ ہوا اور آپ نے رپورٹ نہ بھیجی۔ ابتدا میں طاعون اور بیماری وغیرہ کا عذر گو صحیح ہو مگر میں دیکھتا ہوں کہ اخیر کو سوائے بے توجہی اور بے پروائی کے بالکثرت اشغال کیے۔ ورنہ کوئی عذر تیاری رپورٹ کے لئے نہ تھا۔ میں کیا کہوں میرا تو منہ کالا ہو گیا۔ اوّل دلّی کی کانفرنس کی وجہ سے دوسرے آپ کی وجہ سے۔ آٹھ ماہ تک سارے کاموں کا جاری رہنا اور صرف رپورٹ کا تیار نہ ہونا ایک ایسا امر ہے کہ اس کے لئے ہاں کوئی عذر نہ سنے گی۔ آپ کو یہ بھی خیال نہ ہوا کہ پبلک میٹنگ میں یعنی سنٹرل کمیٹی کے روبرو آپ کہہ گئے کہ جولائی کے اخیر تک ضرور رپورٹ بھیج دوں گا اور آپ نے اپنے ان الفاظ کا خیال تک نہ رکھا۔ علاوہ اس کے آپ نے اپنے خط میں باوجود میری متواتر تاکیدوں کے کوئی معذرت بھی نہ چھاپی۔ اب لاچار ہو کر مجبور ہو کر، عاجز ہو کر میں نے ایک مختصر مضمون علی گڑھ گزٹ میں دے دیا ہے اور اپنی ندامت اور ذلت کا اعتراف کیا ہے اور لکھ دیا ہے کہ یہ کام آپ کے سپرد تھا آپ اس کی وجہ پبلک کو بتا دیں گے۔ میں کل بمبئی پونا جاتا ہوں اور غالباً ۵ اکتوبر سے پہلے واپس نہ ہوں گا۔ اس وقت تک نہ رپورٹ دیکھ سکتا ہوں اور نہ درست کر سکتا ہوں۔ پھر دسمبر قریب ہو جاوے گا۔ ممکن ہے کہ رپورٹ دسمبر تک چھپ سکے اس لئے غالباً کانفرنس دہلی کی رپورٹ نہ چھپ سکے گی نہ شائع ہو سکے گی۔ چونکہ آپ مجھ سے بڑھ کر قوم کے ہمدرد اور ان باتوں کے خیال کرنے والے ہیں آپ سے کیا شکایت کروں۔ مگر آخر یہ بات ثابت ہو گی کہ ہم اور آپ سب مسلمان ہیں اور ہم پر خدا کا قہر ہے اور ہم اس کے مستوجب ہیں۔ مگر درحقیقت مجھ کو سخت رنج اور افسوس ہے اور مارے شرمندگی کے میں نے کسی ایک شخص کو بھی نہ خط لکھا نہ ممبر ہونے کی درخواست کی۔ آخر شرم بھی کوئی چیز ہے۔ میں کس منہ سے سب لوگوں سے ممبر ہونے کی درخواست کروں اور کس طرح اپنی روسیاہی دور کروں۔ اپنی مہربانی سے افسار احمد کو بھی آپ نے روک لیا اور جو کچھ وہ کرتے وہ بھی نہ کرنے دیا۔

محسن الملک

بنام مولوی حسین عطاء اللہ خاں

(۲)

جناب مخدومی و مکرمی

تسلیم۔ سرکار نے ارشاد فرمایا ہے کہ نواب نادر جنگ بہادر کے زمانہ مددگاری کوتوالی بلدہ کے تنخواہ کی مثل سرکار میں پھر پیش کی جاوے[1]۔ والتسلیم

خاکسار

وقار الملک ۲۱ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ مطابق ۲۵ اکتوبر ۱۸۹۱ء

بنام سر سید احمد خاں

(۳)

جناب قبلہ و کعبہ ام سلامت

تسلیم۔ آپ کا ارشاد تو بمنزلہ حکم کے ہے جس کے بعد سکوت کے سوا اس قسم کے معاملات میں کچھ چارہ ہی نہیں ہے لیکن جو وجوہ ارشاد ہوئی ہیں ان کی نسبت اس قدر عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ ممبروں میں سے بھی بہت سے ہوں گے جو ان مضامین کو جن کو وہ سن چکے شاید دوبارہ پڑھنے کی تکلیف نہ کریں اور جن ہزاروں غیر ممبروں نے غلط رپورٹ پڑھی ہے ان کو تو مطبوعہ رپورٹ سے بہت ہی کم تعلق ہے گا اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ "پائنیر" اخبار کے انگریز پڑھنے والوں کے لئے تو اس مطبوعہ رپورٹ سے کچھ تعلق نہیں اور اس طرح ہمارا بقیہ لوگوں کا خیال اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ کسی بیوقوف مسلمان نے اس بات کی بھی کانفرنس میں رائے دی کہ گورنمنٹ کو چاہئے کہ وہ اپنے موجودہ مسلمان ماسٹروں کے ذریعے سے مذہبی تعلیم بھی کرا دے۔

مگر میں اوپر عرض کر چکا کہ اگر آپ کی رائے ہے کہ سوسائٹی کے اخبار میں جو اردو و انگریزی دونوں کا اخبار ہے، اصلاح کی ضرورت نہیں ہے تو مجھے اس پر کوئی اصرار نہیں ہے لیکن اس حالت میں اپنے آپ کو آزاد سمجھوں گا کہ اگر کوئی موقع مجھے ملے تو میں اپنے اوپر سے اس دھبے کے مٹانے کی کوئی مناسب کارروائی کر سکوں اور اس کے ساتھ وہ دوسری اصلاح بھی ہو گی مگر یہ میں قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ ایسا کروں گا مگر شاید کبھی کروں۔ والتسلیم[2]

خاکسار

مشتاق حسین۔ امروہہ ۱۵ مارچ ۱۸۹۳ء

بنام نواب سید علی حسن صاحب

(۴)

جناب نواب صاحب مستغنی عن الالقاب نواب صفی الدولہ حسام الملک مولوی سید علی حسن خاں بہادر سلامت

تسلیم۔ اس عریضہ کے ساتھ میں ایک مطبوعہ نقل روداد ٹرسٹیان مدرسۃ العلوم مسلمانان علیگڈھ جو ہفتہ گذشتہ میں جاری ہوا ہے ملفوف کرتا ہوں اس سے جناب عالی کو معلوم ہو گا کہ کمیٹی ٹرسٹیان مدرسۃ العلوم میں قانون ٹرسٹیاں کی ترمیم کا مسئلہ پیش ہو کر ایک سلیکٹ کمیٹی مقرر ہوئی ہے جس کے سیکرٹری ہونے کی عزت احقر کو بخشی گئی ہے۔ سلیکٹ کمیٹی نے یہ بھی تجویز کی ہے کہ ان بزرگان قوم سے بھی اس قومی کام میں مدد لی جاوے جن کے ٹرسٹی ہونے سے گو ابھی ٹرسٹیز کمیٹی کو عزت حاصل نہیں ہوئی ہے لیکن جن کی توجہ ہمیشہ اس قسم کے قومی کاموں پر

---

[1] یہ چٹھی نواب وقار الملک کی ہے جب وہ معتمد صیغۂ امور عامہ سرکار سے وابستہ اور ملہام وقت تھے۔ نادر جنگ افسر الملک کے بیٹے تھے۔ یہ چٹھی مولوی حسین عطاء اللہ کو لکھی گئی ہے جو مددگار معتمد تھے۔ (اصل محفوظ در ذخیرہ تمکین کاظمی)

[2] اس خط کی نقل ڈاکٹر مختار الدین احمد نے ذخیرہ امین زبیری، لٹن لائبریری سے بھیجی ہے۔ نواب وقار الملک نے کانفرنس کے اجلاس ۱۸۹۲ء میں تعلیم دینیات پر جو پیش کیا تھا اس کے سلسلے میں یہ مراسلت ہے۔

اور خصوصاً مسلمانوں کے تعلیمی مسئلہ کی طرف مبذول رہی ہے جیسے کہ جناب والا کی ذات ستودہ صفات ...... میں نے ایک نسخہ مجوزہ
مجموعہ قواعد و قوانین ٹرسٹیان کالج کا جناب عالی کی خدمت میں مرسل کیا ہے اور امید ہے کہ جناب عالی اپنا کچھ قیمتی وقت اس ضروری کام میں بھی
صرف فرما کر ٹرسٹیوں کو بلکہ قوم کو ممنون فرمائیں گے۔ کوئی نیا مسودہ ابھی کسی ٹرسٹی کی طرف سے پیش نہیں ہوا ہے بلکہ تجویز ہے کہ اس مجموعہ کو
.. ملاحظہ کرنے کے بعد بزرگان اہل الرائے جہاں جہاں ترمیم و ترتیب کی ضرورت سمجھیں گے اس کی یادداشت سلیکٹ کمیٹی میں بھیج دی
جاوے۔ ممانعت ہیں یادداشتوں وغیرہ کے لحاظ سے نیا مسودہ مرتب ہو۔ پس امید ہے کہ جناب بھی مہربانی فرما کر اپنی یادداشت الغرض اوائل سے
وسط اگست تک اس یادداشت کا آجانا کافی ہوگا اور اگر اس سے قبل ہی عطف فرمائی جاسکے تو امر بھی موجب مسرت ہے۔
آخر میں اس تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں اور امید ہے کہ اس عریضہ قانون کی رسید سے بھی عزت بخشی جائے گی۔ والتسلیم!

خاکسار مشتاق حسین ۱۱ ربیع الاول ۱۳۱۷ھ/ ۲۰ جولائی ۱۸۹۹ء

---

(۵)

بنام نواب سید علی حسن صاحب

جناب نواب صاحب مخدومی و مخلصی نواب حسام الملک بہادر سلامت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! مجھ کو اگرچہ جناب سے شرف نیاز حاصل نہیں ہے۔ لیکن ذکر خیر اکثر اوقات سنتا رہا ہوں
اور خصوصاً جناب مولوی حافظ سید احمد رضا خان صاحب سے بہت کچھ جناب کے متعلق سنا ہے اور شکر کی بات ہے کہ قوم میں ابھی ایسے
افراد موجود ہیں۔ میں گذشتہ چند مہینہ میں علیل تھا اور اس سبب سے ان کاغذات کو جو مجھے دو مہینہ پہلے پڑھنا اور دیکھنا چاہیے تھا ان کی نوبت
اب آئی ہے اور آج شام ابھی میں نے جناب کا مضمون عرب کی تصنیفات اور یورپ کی بیتابی پر گذشتہ مئی کے معارف میں پڑھا، جس سے
جو کچھ کہ جناب نے اس مضمون میں علیگڈھ کی کوششوں کے متعلق ظاہر فرمایا ہے میں اسے ذاتی تجربہ کی بنیاد پر جو وہاں نیم دو سال تک
مقیم رہنے کی حالت میں مجھ کو حاصل ہوا ہے یہ عرض کرسکتا ہوں کہ وہ بالکل صحیح ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہوگی کہ مذہبی تعلیم کی نسبت
جو کچھ وہاں سے مقصد اصلی تھی وہ محض برائے بیت ہی۔ فی نفسہ کبھی یہ ارادہ نہیں کیا گیا تا کہ طلبا اپنی دنیاوی تعلیم کی ترقی کے ساتھ مذہبی تعلیم
بھی اچھے طریقہ سے حاصل کریں اور اسلامی اخلاق ان میں پیدا ہوں۔ لیکن خیر وہ زمانہ گذر گیا ہے اور اب دیکھنا ہے کہ صاحبان حل و عقد زمانۂ
موجودہ و آئندہ اس میں کیا تغیر پیدا کرتے ہیں۔ اس وقت تک تو اب بھی وہاں جو کچھ کہا گیا ہے اور کیا جا رہا ہے وہ صرف چند الفاظ سے
اور کچھ زیادہ نہیں ہے۔ و لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔

معارف کے اس مضمون میں جو کچھ کہ حضرت نے تحریر فرمایا ہے اس میں جان سخن یہ ہے کہ قوم اور علماء میں پھر قریب کا تعلق قائم
ہو اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ مطلب فی زمانہ ندوۃ العلماء کے گروہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ جب کہ ندوہ کے ناظم صاحب
اور نائب ناظم صاحب اور چند مشاہیر علماء ندوہ نے مہربانی سے اس شہر کو اپنی تشریف آوری سے عزت بخشی تھی اس وقت میں نے ان حضرات
سے دریافت کیا تھا کہ آیا بھوپال میں بھی ندوہ کی طرف سے کوئی تحریک ہوئی ہے تو اس کے جواب سے میں اسی قدر نتیجہ نکال سکا کہ
کوئی موثر تحریک نہیں ہوئی اور اب جناب کے ان تازہ اظہار خیالات کے لحاظ سے میرے نزدیک مناسب ہے کہ آئندہ جلسۂ ندوہ
کا بھوپال میں ہو۔ بشرطیکہ اول جناب اور نواب مدار المہام صاحب بالقابہ اس کو پسند فرمائیں اور پھر حضور عالیہ متعالیہ دام ملکہا اس کی
منظوری فرمائیں اور جس وقت کہ یہ ارادہ ہو اور منظوری ہو جائے تب جلسہ کے زمانہ و اوقات کا تصفیہ خود جناب اور نواب مدار المہام صاحب

کی مرضی اور منشا پر منحصر ہوگا اور حضرات ندوہ یقیناً کمال تشکر و امتنان سے اس کو قبول کریں گے اور پھر یہ امر محتاج بیان نہیں ہے کہ ندوہ کا جلسہ بھوپال میں وہ پہلا جلسہ ہوگا جس کی نسبت یہ صحیح طور پر کہا جا سکے گا کہ ندوہ، جو اب تک ایک جسم تھا اور اس جلسہ نے اس میں جان ڈال دی ہے اور اس جسم بے جان میں جان کا پڑنا ان کڑیوں کو پھر درست اور مسلسل کر دے گا جن کے کڑوں کے ٹوٹ جانے سے قوم کا سلسلہ علماء قوم کے ساتھ صرف برائے نام باقی رہ گیا ہے اور حضور عالیہ دامت اقبالہا اسی زمانہ میں ندوہ کی درخواست پر ندوہ کا دل ہونا منظور فرمائیں جو گویا تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی اور قوم کی مربی کسی ہوگی اور علماء ان کی نظر اور خداداد علمی قابلیتوں اور شاہانہ مراسم اور نوازشات کے جو حضور ممدوحہ کی ذات بابرکت کے ساتھ مختص ہیں، ندوہ کے پیٹرن کا عہدہ حضور ممدوحہ کے واسطے سب سے موزوں بھی ہو جاوے گا۔

حضور ملکہ معظمہ قیصرِ ہند کے زمانۂ فرماں روائی میں ہندوستان میں حضور عالیہ متعالیہ ہی اس کی مستحق ہیں کہ وہ مذہبی حیثیت سے مسلمانانِ ہند کی مادرِ مشفقہ و معظمہ تسلیم کی جاویں۔ حضرت کے نام نامی کے ساتھ ذاتی مذہبی تعلیمات کا انضمام دیکھ کر جس انضمام سے کہ اس عہدہ کو افتخار حاصل ہوتا ہے میں آج کی ڈاک سے چند کاغذات اردو انگریزی جناب کے ملاحظہ کی غرض سے بھیجتا ہوں اور یہ نتیجہ ہے جو میں نے چار سال کی متواتر کوشش میں، اپنے صوبجات متحدہ ممالک مغربی و شمالی و اودھ کے واسطے حاصل کیا ہے اور جس کے ذریعہ سے اب یہ بات خود اہل ملک کے ہاتھ میں آ گئی ہے کہ وہ انگریزی سرکاری مدارس میں دینیات کی تعلیم کا انتظام کریں اور جو اس پر بھی نہ سمجھیں تو پھر ان کو خدا سمجھے۔

ندوہ کے جسٹ بھوپال کی نسبت ایک احتیاطی کارروائی ہے جس کا ذکر میں نے اوپر پیش کیا تھا مگر تاہم اس بارہ اس کے متعلق بھی عرض کر دینا کافی ہے کہ اگر مدارالمہام، اس کو پسند فرما لیں تو قبل اس کے کہ اس پسندیدگی کا کوئی اظہار کیا جاوے، صاحب ریجنٹ گورنر جنرل سے کسی ملاقات کے موقع پر اس کا صرف زبانی تذکرہ کفایت کرے گا اور ابھی میری طرف سے یہ صرف میرے ہی خیالات کا اظہار ہے حضرات ندوہ پر بھی اس کے بعد ہی پیش کروں گا۔ والسلام۔

خاکسار مشتاق حسین امروہہ۔ ۲۷ر جولائی ۱۸۹۹ء

---

(۲)

بنام مولوی محمد بشیر الدین صاحب

عزیز القدر محمد بشیر الدین صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! محبت نامہ نے مشکور کیا۔ آپ کی فرمائش اخباروں میں مضامین لکھنے کی نسبت نئی نہیں ہے۔ پہلے بھی آپ نے لکھا اور فی الحقیقت قطع نظر دیگر امور کے تمہارا اخبار ویسا بھی میرا ہی اخبار ہے اور مجھ کو بہت خوشی ہوتی اگر اس میں بھی کچھ لکھتا ہوتا لیکن طبیعت کچھ ایسی بجھی بجھی ہو گئی ہے کہ بہت ہی کم کچھ لکھنے کو جی چاہتا ہے۔ علاوہ اس کے اخباروں میں لکھنے کے لئے جو قابلیت درکار ہے وہ بھی میں اپنے میں نہیں دیکھتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اپنا کوئی درد دل ہر ایک شخص کچھ نہ کچھ لکھ ہی لیتا ہے اسی طرح اگر کوئی موقع پیش آیا اور میں کچھ البشیر کے لئے کسی وقت لکھ سکا تو وہ خود میری مسرت کا باعث ہوگا۔

---

[1] نواب سید علی حسن رضی اللہ حسام الملک، نواب صدیق حسن خاں کے فرزند اصغر تھے۔ مدت تک محکمہ تعلیمات کے انچارج رہے۔ پھر لکھنؤ میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ وہیں وفات پائی۔

علی گڑھ میں سیکرٹری کے عہدے کی کیفیت یہ ہے کہ نواب محسن الملک بہادر وہ شخص ہیں جو ایسے عہدوں کا جن کا کام دیکھتے ہیں بشرطیکہ کام کی طرح اس کو کہیں نہ کہ پالیسی کی طرح اور جو کچھ وہ کہہ سکتے ہیں وہ پالیسی ہے نہ کام۔ پریسیڈنٹ آنریری سیکرٹری اسسٹنٹ سیکرٹری رجسٹرار وغیرہ یک پر عملہ موجود ہے اور پھر بھی کام کی باریکی ہوتی ہے اور لوگ مدد کے لئے تلاش کئے جاتے ہیں تو آخر اس کی کوئی وجہ بھی ہے اور جو وجہ ہے وہ صاف ظاہر ہے کہ یہ تمام تقررات سوائے ایک رجسٹرار کے کام کرنے کی غرض سے ہوئے ہی نہیں۔ میں خیال تھا کہ سید محمود کی پریسیڈنسی سے بہت ہرج ہوگا لیکن پالیسی اسی کی مقتضی ہوئی۔ خود نواب محسن الملک بہادر نے اپنے تقرر کے وقت بھی کبھی خیال نہیں کیا کہ تمام کام بھی کرنا پڑے گا انہوں نے کام کے لئے ایک رجسٹرار کو مقرر کر دیا اور سب بوجھ اور پھوٹیا حسن کا تو بلا نے بہت افسوس کے ساتھ دیکھا اسسٹنٹ سیکرٹری کا عہدہ سید محمد احمد کے ہاتھ میں کس قدر بے معنی ہو رہا ہے۔ صاحب زادہ آفتاب احمد خاں کو جائنٹ سیکرٹری بنانے کی تجویز پیش ہوئی اس وقت بھی محرک اور امید اس عہدہ دونوں پر یکسر لگائی جاتی تھی کہ آفتاب احمد خاں کو اپنی بیرسٹری کا کام جس سے کہ بالائی بالائی باتوں کے وہ کبھی کام کے اہل نہیں ہو سکتے۔ مگر پالیسی کی مقتضی تھی تو جہاں پالیسی کی گرم بازاری ہو گی وہاں کام کا یہی ستیاناس ہوگا۔ غضب خدا کا جس شخص سے کہ ایک بانت کی خاص سیکرٹری کا عہدہ انکار کیا ہو وہ اور آج تک کالج کا بجٹ نہ بنا سکے۔ پھر ان کے سب عہدوں سے انکار کام نہیں تھا۔ اور بابو صاحب بجٹ مرتب بجٹ بناویں تو بجٹ بنے اور نہیں تو نہیں۔ میری رائے یہ ہے اور پھر میں نے بار ہا نواب محسن الملک کو لکھا بھی ہے کہ ان وسائل سے تو بیان نہ بچے گی ایک تنخواہ دار اسسٹنٹ سیکرٹری ہو کہ جس کی تنخواہ ڈھائی سو تین سو روپیہ ہو تب کام چلے گا اور مجھ کو یقین ہے کہ اس تھوڑی گنجائش وہ بجٹ میں سے نکال سکیں گے اور جب وہ رجسٹراری کو کالج اسٹاف کے ہاتھ میں سے لے کر بجز ایک اسسٹنٹ سیکرٹری تنخواہ دار مقرر کرنا چاہیں گے تمام ٹرسٹی اس کو شکر گزاری کے ساتھ قبول کریں گے اور کالج اسٹاف کا کام تصور سے کا باقی رہے گا۔ میں تو رجسٹراری کا کالج اسٹاف کے ہاتھ میں ہونا صرف نا پسند کرتا ہوں مگر محض محسن الملک کی پالیسی مجبور کر رہی ہے ایمانداری کی بات یہ ہے کہ اگر میں سمجھوں کہ مجھ سے کام نہ ہو سکے گا تو مجھ کو وہ کام اختیار ہی نہ کرنا چاہئے۔

اب مجھ سے کہا جاتا ہے کہ میں تو اس سیاہ و سفید کا مالک ہو کر کام میں ہاتھ ڈالوں جس کے بعد پھر شاید وہ کالج اسٹاف سے رجسٹراری کا لے لینا پسند کریں گے یا نہ کریں گے لیکن چونکہ میں سمجھتا ہوں کہ میں ان پالیسیوں کی بھول بھلیاں میں مبتلا ہو کر کوئی کام بھی خوشی کے ساتھ نہ کر سکوں گا لہٰذا میں نے ہمیشہ اس سے معافی چاہی ہے اور معافی چاہتا ہوں گا۔

اور میں نے صاف صاف اپنے کام نہ کرنے کے وجوہ نواب محسن الملک بہادر کو لکھ بھیجے ہیں اور اگر مجھ کو یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ ہمارے ایسے پرائیویٹ خطوں میں نواب محسن الملک بہادر ان وجوہ کا اظہار پسند کریں گے یا نہیں تو میں صاف صاف وہ وجوہ تم کو لکھ دیتا۔ اب ایک عذر ان میں ایسا بھی ہے جس کو میں اس خط میں بھی ظاہر کر سکتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ کھلے ہوئے ووٹ کے ذریعہ سے میں اپنے لئے کسی بادشاہت کو بھی پسند نہ کروں گا۔ ووٹ مخفی ہونا چاہئے تاکہ ہر شخص کی آزادانہ رائے معلوم ہو سکے اور اس کے بعد جو فیصلہ ہو وہ فیصلہ ہے اور جن کوششوں کے ساتھ آج کل ووٹ حاصل کئے جاتے ہیں یا جس طرح جناب سید صاحب مرحوم نے سید محمود کے لئے ووٹ حاصل کئے اس پر کامل نفرت ہے پائے مردی ہے اس پر بہشت ذلت صادق آتی ہے اور میں تو ایسے روز روشن کے ووٹوں کے ذریعہ سے اپنے لئے کسی چیز کے حاصل کرنے کو اپنی ذلت سمجھوں گا۔

گھر میں اور بچوں کو بہت بہت دعا کہو۔ امید ہے کہ برخوردار شبیر احمد اپنی تعلیم میں ترقی کر رہے ہوں گے سلمہ اللہ تعالیٰ بہت بہت
و احسان الحسن بہت بہت سلام عرض کرتے ہیں۔ والسلام　　　خاکسار مشتاق حسین
اور یہاں سب خیریت ہے امید ہے کہ وہاں بھی سب اچھے ہوں گے۔

میں نے ایک ترمیم قانون میں گذشتہ سال بھی پیش کی تھی تاکہ یہ کھلے ہوئے ووٹوں کا سد باب ہو جس سے آنریری سیکرٹری صاحب بھی ہی سے اور دوسری ترمیم یہ تھی کہ جو ٹرسٹی اجلاس میں موجود نہیں ہوتے وہ بھی تبادلۂ خیالات کے فوائد سے محروم نہ رہیں لیکن گذشتہ سال کا اجلاس پالیسیوں کا اجلاس تھا کام کرنے کا اجلاس نہیں تھا آئندہ سال میں پھر اس کو پیش کرنا چاہتا ہوں لیکن کیا خاک پیش کروں جو قانون گذشتہ سال ترمیم ہوا تھا وہ اب تک کسی صورت میں ہاتھ ہی میں نہیں آیا جس سے دفعات کی ٹھیک ترتیب معلوم ہوتی اور ترمیم آئندہ کے پیش کرنے والوں کو سہولت ہوتی مہینے ہو گئے جو نواب محسن الملک بہادر سے کسی قانون کا تقاضہ کر رہا ہوں لیکن صدائے برنخیزد۔ مسٹر بیک کو بھی ایک دفعہ میں نے اس کے واسطے لکھا اس بیچارے نے آنا تو جواب دیا کہ زیر طبع ہے مگر پھر معلوم نہ ہوا کہ کہاں زیر طبع تھا اور طبع کے بعد کیا ہوا۔ مجھ سے نواب محسن الملک بہادر نے مکرر وعدہ کیا کہ میں بہت جلد روئداد جلسہ والے معاملہ کی پوری کیفیت چھاپ کر ٹرسٹیوں کے پاس بھیجوں گا مگر آج تک انہوں نے اس وعدہ کو پورا نہ کیا اب ٹرسٹی غریب کریں تو کیا کریں۔ ٹرسٹی مشتاق بانفسہ پر میں تو قلم اٹھا نہیں سکتا جب تک کہ خود نواب محسن الملک بہادر کے دستخط سے کسی واقعہ کے متعلق کچھ حالات معلوم نہ ہوں اور دیا ہے کہ ٹرسٹیوں کو ملزم قرار دیتی ہے یہ ایک معاملہ سنا کہ اگر باہمی طور پر طے نہ ہوا تو ٹرسٹیوں کے سامنے تصفیہ کے لئے پیش ہونا چاہئے تھا اور معاف کیجئے جس طریقہ سے کہ آپ نے اور صاحبزادہ آفتاب احمد خاں نے اس کو طے کر دیا اس آسانی سے تو وہ طے نہیں ہو سکتا۔ جس کا جو قصور ہو اس کو جب تک اس پر سزا یا تنبیہ نہ ہو کچھ انتظام قائم نہیں رہ سکتا۔ یہاں ہم کو سیکرٹری صاحب نے ابھی یہ بھی نہیں بتلایا کہ کس کا کیا قصور تھا بجز اس کے کہ آپس میں رنج بہت بڑھے اور بڑھ رہے ہیں مگر کام کی بات اب تک کچھ نہ ہوئی۔

مشتاق حسین
امروہہ ۳۱ اکتوبر ۱۸۹۹ء

بنام مولوی بشیر الدین

(۷)

عزیز القدر سلمہ اللہ تعالیٰ

آج ایک خط سے معلوم ہوا کہ برخوردار عبد القیوم سلمہ اللہ تعالیٰ کانپور آئے ہیں۔ خود انہوں نے بھی لکھا کہ مجھ کو بہت جلد علی گڑھ جانا چاہئے۔ میں نے آج ہی دوسرا خط ان کو کانپور بھیج دیا ہے کہ فی الفور آپ کے پاس اٹاوہ آ دیں اور آپ کے ساتھ علی گڑھ جائیں۔

آپ جس وقت ان شاء اللہ پہنچیں گے تو وہاں آپ کو دس روپیہ ماہوار صاحب مدرسۃ العلوم سے بتوسط پروفیسر ضیاء الدین احمد صاحب ملیں گے۔ باقی آئندہ کے لئے جس طرح آپ مناسب سمجھیں اسی طرح وظیفہ پہنچتا رہے گا۔ والسلام

خاکسار
مشتاق حسین (وقار الملک) امروہہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۰ء

بنام مولوی بشیر الدین احمد صاحب

(۸)

عزیز القدر میاں بشیر الدین احمد صاحب سلامت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ محبت نامہ نے مشکور فرمایا۔ آپ کے گھر میں سے خاص کر اور بچوں وغیرہ کی خیروعافیت معلوم ہونے سے اطمینان حاصل ہوا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔ تصویر کے متعلق یہ ہے کہ میں تو تصویر کا کبھی عادی نہیں رہا۔ بعض وقتوں میں بعض احباب کے اصرار سے کبھی تصویریں تیار ہوئیں تو اکثر تقسیم ہوگئیں تاہم شاید کہیں کوئی تصویر پڑی ہو۔ ایک بڑی تصویر جو میرے پاس تھی وہ مسز محمد احمد مرحوم[1] اپنے ساتھ انگلستان لے گئیں۔ البتہ ایک متوسط تقطیع کی تصویر حسب الطلب سید افتخار عالم صاحب کے پاس جب کہ وہ کمیٹی کی تاریخ لکھ رہے تھے ایک دوست سے مانگ کر میں نے بھیج دی تھی انہوں نے لکھا تھا کہ میں کل ٹرسٹیوں کا رقعہ تاریخ میں شامل کروں گا لیکن کوئی گروپ انہوں نے اس میں شامل نہیں کیا لہٰذا آج میں نے ان کو لکھ دیا ہے کہ وہ تصویر وہاں سے آپ کے پاس بھیج دیں۔

ٹرسٹی کل ایسوسی ایشن کی نسبت یہ ہے کہ میں آپ سے کچھ کم اس بات کو سمجھے ہوئے نہیں ہوں کہ قوم کی طرف سے یقیناً بہت کچھ کاہلی و سستی کا اظہار ہوگا اور شاید کہ کامیابی نہ ہوسکے لیکن ہم سب کو جان کر اور اس پر پورا یقین رکھنے کے بعد بھی ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اپنا اپنا حصہ ادا کریں اور جو کچھ اس باب میں میرا فرض ہے اس کو ادا کروں گا۔ تقریباً دو ہفتے بعد اب سے آپ کو لکھنؤ سے غالباً ایک مطبوعہ خط ملے گا اس پر آپ میرے دستخط بھی دیکھیں گے یہ خط اخبار میں بھی مشتہر کیا جائے گا اور جس کسی کو آنا ہوگا اور جس کے دل کو لگی ہوگی وہ آوے گا اس موقع پر معلوم ہو کر حقیقت یہ ہی دیکھنا ہے کہ کس قدر ایسے لوگ ہیں جن کے دل کو اس طرف فکر ہے۔ دورہ کرنے کے لئے زیادہ تر فرصت ہے اور میں اس کو اس موقع پر اپنے لئے مناسب سمجھتا ہوں۔ تعلیمی کاروبار لکھنؤ کے اس جلسے کے بعد شروع ہوگا اس وقت پھر دورہ وغیرہ جو کچھ بھی درکار ہوگا سب کچھ کیا جاوے گا ابھی تو اتنی ہم کو لکھنؤ کے جلسہ منعقدہ میں اس بات کا طے کرنا ہے کہ کیا طریقہ اختیار کیا جاوے۔ میں اگر بتقریب دورہ کہیں گیا تو لوگ مجھ سے سوال کریں گے کہ حضرت پھر کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے اس وقت جو کچھ جواب میں ان کو دے سکوں گا وہ صرف میری اپنی ذاتی رائے ہوگی اور یہ بہت کمزور مسلک اور خاص کر[2] پوزیشن ہوگا اور ناکامی کی بدنامی سے ڈرنا نہیں چاہئے۔ والسعی منی والاتمام من اللہ تعالیٰ۔ والسلام۔

ہمارے سب کی طرف سے گھر میں اور بچوں کو بہت بہت سلام و دعا کہئے۔

خاکسار

مشتاق حسین۔ امروہہ ۳ر اگست ۱۹۱۱ء

---

[1] محمد احمد بیرسٹر ایٹ لا نواب وقار الملک مرحوم کے صاحبزادے تھے جو جوانی ہی میں انتقال کر گئے۔ ان کی اہلیہ انگریز تھیں جو مرحوم کے انتقال کے بعد ولایت چلی گئی تھیں۔

[2] یعنی خلافِ توقع

(۹)

بنام مولوی محمد بشیر الدین مدیر "البشیر"

برخوردار عزیز القدر محمد بشیر الدین صاحب سلامت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ۱۰ راگست کا محبت نامہ مجھ کو ابھی ملا ہے جس معاملہ میں آپ نے لکھا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ نواب محسن الملک بہادر کا ایک مطبوعہ خط بحیثیت آنریری سیکرٹری اس سے قبل مجھ کو ملا جس کے ساتھ نواب فیاض علی خاں صاحب کا ایک مطبوعہ خط بھی شامل تھا، مرسومہ نواب محسن الملک بہادر اور دونوں خطوں کا یہ منشا تھا کہ ہز آنر کی یادگار میں ایک بورڈنگ ہوس بنایا جاوے جس کا نقشہ و سٹیمیٹ شملہ میں تیار ہوا ہے اور مجھ سے بھی بحیثیت ٹرسٹی رائے طلب کی گئی تھی اور جواب بہت جلد مانگا گیا تھا اور غالباً وہ خط اسی درخواست سے اور ہر ایک ٹرسٹی کے پاس بھی بھیجا گیا ہوگا۔

میں نے ان کو جواب دیا کہ رائے طلب کرنے کا یہ کوئی طریقہ ٹرسٹیوں کے قانون میں نہیں ہے۔ قاعدہ کے مطابق آپ کو اس تحریک کے تصفیہ کے لئے ٹرسٹیوں کا جلسہ طلب کرنا چاہئے اور حسب قاعدہ اس کا جلسہ جاری کیجئے۔

آپ کو غالباً خیال ہوگا کہ اب چند سے کے بعد یک طرفہ ووٹ شماری کا بھی ناقص طریقہ باقی نہیں رہا ہے بلکہ اب دو مہینہ کے فاصلہ سے تاریخ لگائی جاوے گی اور اول مہینہ میں ہر ایک ٹرسٹی کے پاس سے ابتدائی رائیں آویں گی اور جن ٹرسٹیوں کو تحریک سے کوئی اختلاف ہوگا ان کا اختلاف پھر بجنسہٖ چھاپ کر سب ٹرسٹیوں میں بھیجا جاوے گا اور پھر ہر ایک ٹرسٹی کو موقع ہوگا کہ خواہ اپنی پہلی رائے پر قائم رہے اور خواہ دوسری کوئی بھی دے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب موافق ووٹوں کے حاصل کرنے میں پہلی سی آسانی قائم نہیں رہی۔

اس کے جواب میں نواب محسن الملک بہادر نے مجھ کو لکھا کہ وقت اس قدر باقی نہیں ہے۔ میں نے جواب میں لکھا کہ وقت بہت باقی ہے اور بالفرض "وقت باقی بھی نہیں ہے تو یہ اور بھی اچھا ہے کیونکہ اس قسم کی یادگاریں بجائے اس کے کہ خود اس شخص کی حکومت کے زمانہ میں قائم ہوں زیادہ عزت کی بات ہے کہ اس کے بعد ہوں۔ آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر ہم کو اپنے قانون کی عزت کرنی ہے تو اس کے مطابق کارروائی کرنی چاہئے ورنہ اگر ٹرسٹیوں کی کمیٹی کو قانون کی چہار قرار دینا ہے تو بہتر ہے جس صاحب کا جی جس قسم کی کارروائی کو چاہے وہ ویسا کرے۔ میں تو کوئی رائے اس باب میں اس طرح پر نہ دوں گا۔

میں نے ان کو یہ بھی لکھا تھا کہ بورڈنگ کا نقشہ اور اسٹیمیٹ بھی اردو میں چھپا کر بجنسہٖ کے ساتھ سب ٹرسٹیوں میں تقسیم کرو اور یہ بھی بتاؤ کہ یہ بورڈنگ کالج کی کون سے قطعہ زمین پر تجویز ہوا ہے۔ اس پر انہوں نے لکھا کہ ان باتوں کو دور کے رہنے والے ٹرسٹی کیا سمجھیں گے اور اس پر کیا رائے دیں گے۔ میں نے لکھا کہ اس سے آپ کو کچھ مطلب نہیں۔ اس امر پر اس وقت غور کیجئے جب آپ کسی کو ٹرسٹی مقرر کرتے ہیں مگر جب کہ کوئی شخص ٹرسٹی ہے تو خواہ وہ دور کا رہنے والا ہے یا قریب کا ہر ایک کا یکساں حق ہے اور آپ ان کے اس حق سے بے پروائی نہیں کر سکتے۔

آپ کو تعجب ہوگا جب آپ سنیں گے کہ اس کے جواب میں جناب ممدوح نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ نقشہ اور اسٹیمیٹ پرنسپل صاحب نے [illegible] میں بھیج دیا ہے جہاں سے یہ جواب آیا ہے کہ قبل ضلع کے انجینئر کی رائے اس پر

ہونی چاہیئے یعنی کہ ٹرسٹی وغیرہ سب چپ چاپ بیٹھے جھک مارا کریں۔ وہاں پرنسپل صاحب اس تحریک کو گورنمنٹ میں پیش بھی کر چکے ہیں مگر اس کے جواب میں آنریری سیکرٹری صاحب سے دریافت کیا ہے کہ آیا پرنسپل صاحب کی یہ کارروائی آپ کی اجازت سے ہوئی ہے؟ بہرحال جو کچھ پرنسپل صاحب نے گورنمنٹ کو لکھا ہے اور اس کا جو جواب آیا ہے، اس کی نقل آپ مہربانی سے اوّل ہمارے دیکھنے کے لئے بھیجیے اس کے بعد اور جو کچھ ممکن ہے وہ دیکھا جاوے گا۔

اس قدر تو ضابطہ کے خط میں ہم نے ان کو جواب دیا ہے اور ایک پرائیویٹ خط جو اس سے پیشتر میں نے ان کو لکھا ہے اس میں ان کے اس طریقۂ کارروائی کی نسبت از حد شکایت کی ہے اور شاید کہ میرے وہ الفاظ سخت بھی ہو گئے ہیں، خفتہ کہاں تک نہ آئے یقیناً ان کو اس سے رنج ہوا ہوگا مگر کیا کیجئے کہ مجبوری ہے۔

یہ کارروائی تو ابھی یہیں تک پہنچی ہے اور اگر وہ دست اندازی کریں گے تو مجھ کو جو کچھ لکھنا ہوگا میں، انشاء اللہ تعالیٰ آزادی سے لکھوں گا بھی مگر اور کسی ٹرسٹیوں سے آپ اس قسم کی امید کر سکتے ہیں؟ نواب محسن الملک بہادر نے یہ بھی لکھا تھا کہ کیا آپ کی رائے میں اس معاملہ کو سالانہ جلسہ تک ملتوی رکھنا چاہیئے۔ میں نے جواب میں لکھا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، جو تحریک پیش ہوئی ہے اس کا تصفیہ جلد ہونا چاہیئے آپ اجلاس کی تاریخ مقرر کریں اور ایجنڈا جاری کریں۔

ایک مشتاق حسین نہیں، میں مشتاق حسین اور ایک بشیر الدین نہیں جیسے بشیر الدین نواب محسن الملک بہادر کو اس باب میں جو چاہے کچھ لکھیں یہ لکھو لکھو کر دل سے نا ممکن ہے اور محال ہے جو وہ اس آزادی کا دسواں، بیسواں، سواں حصہ بھی اختیار کریں جس کی ان سے خواہش کی جاتی ہے۔ وہاں خدا نے یہ طبیعت ہی نہیں دی۔ اللہ قوم پر رحم کرے۔ والسلام

خاکسار

مشتاق حسین۔ امروہہ، ۴ اگست ۰۶ء

میں نے نواب محسن الملک بہادر کو جو کہ ایک کارروائی کی نظیر بھی دکھلائی ہے کہ ہز آنر نے چاہا تھا کہ ایک قانونی ترمیم یونیورسٹی کے قواعد میں کر دیں اور اس کے واسطے ۲۰ اگست کو جلسہ طلب کرنے کو کہے مگر جب کہ علماء یونیورسٹی کو خیال ان کو یہ معلوم ہوا کہ اس قدر جلد ایسا قانوناً جلسہ طلب نہیں ہو سکتا تو ہز آنر نے اس کارروائی کو ماہ نومبر پر ملتوی کر دیا ہے۔

مگر یہاں تو وہ مثل ہے کہ من چہ می سرایم و طنبورہ من چہ می سراید — مسٹر ماریسن جیسے عمدہ اور آزاد شخص کو بھی نواب محسن الملک بہادر نے اپنے کہنے کے کاموں میں خود زبردستی دخل دے دے کر قریباً قریباً دوسرا مسٹر بیک بنا دیا ہے ورنہ اس کے معنی کیا ہوں گے کہ ایک طرف تو ٹرسٹیوں سے رقعوں پرچوں کے ذریعہ سے جلدی جلدی ضابطہ لیا گیا، نئے جلسے ضابطگی کے مکمل کرنے کی غرض سے رائے طلب کی جا رہی ہے اور دوسری طرف مسٹر ماریسن اس تحریک کو گورنمنٹ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

"۴"

بنام مولوی بشیر الدین صاحب

(۱۰)

عزیز القدر منشی بشیر الدین صاحب سلامت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ محبت نامہ پہنچا مشکور کیا۔ جناب سرسید صاحب مرحوم و مغفور کو علی گڑھ میں تیار رکھنے کی وجہ سے انگریزی سے بہت کچھ مدد مل جاتی تھی اور ان کو تو سب ہی ضروری کتابیں بھی بہم پہنچ جاتی تھیں اور یہ امر آپ کو معلوم ہے کہ دوسری مشکلات خانہ داری ان کو اس کا دسواں حصہ بھی نہ تھیں جن میں مجھ کو مبتلا ہونا ہوتا ہے اور امروہہ میں رہ کر تو کسی اس قسم کے کام کا بیڑا اٹھانا محالات سے ہے اور امروہہ کا چھوڑنا بھی ان علائق کے ساتھ دشوار۔ آئندہ جب تفصیل سے ملاقات ہوگی تو امید ہے کہ آپ میرا عذر قبول کریں گے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اگر میں دیکھتا کہ درحقیقت میں اس کام کو سنبھال سکتا ہوں تو اپنی ذاتی ضرورتوں پر اس کو ترجیح بھی دیتا اور مالی مشکلات کے باوجود بھی میں اپنا قیام کسی دوسری جگہ اختیار کرتا لیکن میں صاف صاف دیکھتا ہوں کہ اس صیغہ کی سیکریٹری شپ کو میں کسی طرح انجام نہیں دے سکتا اس کے لئے تو آپ کو دوسری کسی طرف غور کرنا ہوگا اور حامد علی خاں صاحب ہی کو کوئی مدد ایسی دیجئے[1] تنخواہ ہوگی جو آپ مجھ کو دینا چاہتے ہیں۔ اس مدد کے ساتھ وہ اس کام کو بخوبی کامیابی کے ساتھ انجام دے سکیں گے۔ میرے عذر کی وجہ یہ ہرگز نہیں ہے کہ قوم سے قومی خدمات کا صلہ لوگوں کو جیسا چاہئے نہیں ملتا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو شخص بھی اس قسم کے معاوضوں سے متاثر ہو کر قومی کاموں کو اختیار کرنا پسند کرے گا وہ کرایہ کے مزدور کی طرح کام کرے گا۔ ایسے شخص کے کام میں کبھی خدا برکت نہیں بخشتا۔ قومی کام انہی کا حصہ ہے جو بلا خیال معاوضہ اور بلا اندیشہ لومۃ لائم اپنا قومی فرض سمجھ کر کسی کام کو انجام دیتے ہیں مگر یہ سچ ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے اور یہی سبب ہے کہ قومی کام بھی اچھی طرح انجام نہیں پاتے ہیں۔ اس قسم کی روح صرف عمدہ تعلیم ہی سے پھونکی جا سکتی ہے۔

یہ خوب ہوا کہ ۲۱ و ۲۲ اکتوبر کو لکھنؤ میں مشورہ کا جلسہ قرار پا گیا اب جو کچھ تجویز بھی اختیار کی جاوے گی کافی غور و خوض اور تبادلۂ خیالات کے بعد اختیار کی جاوے گی۔ والسلام!

خاکسار

مشتاق حسین وقار الملک۔ امروہہ ۴ ستمبر سنہ [illegible]

بنام جناب حکیم محمد عبدالسلام

(۱۱)

جناب حکیم صاحب مخدومی و مکرمی مولوی حکیم محمد عبدالسلام صاحب سلامت

منشی ارشاد الدین صاحب پنشنر کیمپ بریلی جناب کی خدمت میں اپنے علاج کی غرض سے تشریف لاتے ہیں ان حضرات میں سے ہیں جو اپنا مال اور جان تک کو قومی کاموں پر قربان کئے ہوئے ہیں اگر اس قسم کے لوگ قوم میں کچھ زیادہ تعداد سے ہوتے تو مسلمانوں کی حالت ہی کچھ اور ہوتی پس ایک ایسی جان جیسی کہ قوم کو عزیز ہونی چاہئے اور جس خاص التفات اور توجہ سے ایک ایسی جان کی حفاظت کی ضرورت ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔ میں نے خود بھی ان کے ساتھ خدمت میں حاضر ہونا چاہا تھا اور ان سے عرض کر دیا ہے کہ یوں ہی سمجھیں کہ گویا ان کے ساتھ میں خود ہی حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں۔ والسلام!

خاکسار: مشتاق حسین۔ امروہہ ۲۰ مارچ سنہ [illegible]

---

[1] یہاں ایک لفظ پڑھا نہیں گیا۔

بنام مولوی محمد بشیر الدین

(۱۴)

عزیز القدر محمد بشیر الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ۴ اگست کی جو رپورٹ پولیٹیکل ایسوسی ایشن مسلمانان کے متعلق آپ نے دیا ہے وہ میں نے شکرگزاری کے ساتھ پڑھا۔ مراد آباد، بریلی، شاہجہان پور، پیلی بھیت، بدایوں، بجنور، علی گڑھ، بلند شہر، میرٹھ، مظفر نگر، سہارن پور، فرخ آباد یہ بارہ ضلع ختم ہو گئے ہیں۔ مراد آباد کی روئیداد غالباً مارچ گذشتہ میں میں آپ کے پاس بھیج چکا ہوں لیکن آج پھر مراد آباد و شاہجہان پور و پیلی بھیت کی روئیداد میں نے آپ کی خدمت میں بھیج دی ہے باقی اضلاع کے متعلق ہنوز روئیدادیں میرے پاس نہیں آئیں متعاقب آ دیں گی۔ دو دو ضلع کے دو جلسے یکجائی ہوئے یعنی علی گڑھ و بلند شہر کا یکجائی جلسہ بمقام علی گڑھ اور سہارن پور و مظفر نگر کا یکجائی جلسہ سہارن پور۔ بدایوں، بجنور، فرخ آباد میں مجھ کو جانا نہیں پڑا وہاں کے لائق حضرات نے خود ہی انتظام کر لیا۔

باقی ماندہ اضلاع صوبہ کے ساتھ خط و کتابت جاری ہے۔ اٹاوہ کے متعلق اس موقع پر پھر یاد دہی کی معافی چاہتا ہوں، اب جلدی کرنی چاہیئے۔ پہلا کام مجسٹریٹ ضلع سے اطلاع ہو جاتی ہے اس کے بعد جلسہ کی تاریخ و مقام و وقت مقرر ہو کر اشتہارات کا ایک یا چند دستخطوں سے جاری ہوتا ہے۔

ایڈیٹر کے واسطے سابق میں تو چودھری محمد یعقوب صاحب نے وعدہ فرمایا تھا اور اب محمد موسیٰ خاں صاحب نے وعدہ کیا ہے۔

اودھ کے اضلاع کا منشی احتشام علی خاں صاحب امید ہے کہ انتظام کریں گے، اکتوبر تک ان شاء اللہ باقی اضلاع ختم ہو جاویں گے جس کے بعد نومبر کے عمدہ موسم میں بمقام لکھنؤ پہلا جلسہ ڈیلیگیٹوں کا ہونا چاہیئے، ارادہ تو یہی ہے آئندہ کامیابی خداوند تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ والسلام!

خاکسار

مشتاق حسین، امروہہ ۱۱ اگست ۱۹۱۰ء

علی گڑھ گزٹ میں ایک مضمون بجانب اخبار اور پائنیر میں ایک تار سہارن پور سے چھپا ہے ان دونوں کی اصلاح کسی طرح متعاقب آپ ان اخباروں میں دیکھیں گے۔

میں متعاقب آپ کو البشیر کے واسطے ایک خط لکھتا ہوں جو آپ کی پالیسی کے خلاف ہو گا، میرا مطلب یہ ہے کہ ہندوؤں کی نسبت مسلمانوں کو ایسی غرب فیلنگ اختیار کرنی نہیں چاہیئے جس سے کہ "البشیر" اکثر مملو پایا جاتا ہے گو وہ ہندو اس کے خلاف ہی کرتے ہوئے پائے جائیں مگر مسلمانوں کو اپنا اسلامی اخلاق وسیع ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے اسی پر میں کچھ لکھوں گا۔ والسلام!

خاکسار

مشتاق حسین

بنام مولوی بشیرالدین

(۱۳)

عزیز القدر سلمکم اللہ تعالیٰ

نہایت افسوس ہے کہ جناب جی صاحب قبلہ نے کل شام نمازِ مغرب کے وقت اس دارِ فانی کو ہمیشہ کے لئے چھوڑا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آخر تک بھی مرحوم کے ہوش و حواس سب درست تھے۔۔۔۔۔۔[1] محمد حسین صاحب مرحوم کی قبر کے متصل ہی دفن کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ جناب مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ مشیتِ ایزدی میں کچھ چارہ نہیں ہے گھر میں اور بچوں کو بہت بہت دعا۔ خالہ پھوپھی صاحبہ معظمہ کی خدمت میں بھی میں نے ہمیر پور کو علیحدہ خط لکھا ہے مجھ کو جس بات کا سب سے زیادہ اس موقع پر خیال ہے وہ جناب معظمہ موصوفہ کا ہے۔ ان سے یہ سانحہ بہت ہی مشکل سے برداشت ہو سکے گا اور لیکن تو جو کچھ بھی خدا کی مرضی ہوتی ہے انسان کو اس پر صبر ہی کرنا پڑتا ہے۔ اپنے دو نوجوان قابل فرزندوں کا بھی ناقابلِ برداشت صدمہ ان کو برداشت ہی کرنا پڑا ہے۔ والسلام!

خاکسار

مشتاق حسین۔ امروہہ۔ ۳۱ر ستمبر ۱۹۰۳ء

بنام سید افتخار عالم صاحب

(۱۴)

جناب مخدومی و مکرمی مولوی سید افتخار عالم صاحب سلامت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ گرامی صحیفہ اور حیات النذیر[2] کا شکریہ عرض ہے لیکن افسوس ہے کہ میری حالتِ صحت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ میں اس عمدہ کتاب کو بالاستیعاب دیکھ بھی سکوں جس کے بدون ریویو لکھا نہیں جا سکتا اور نہ اب دماغ میں اتنی طاقت ہے۔ علی گڑھ سے ہی رخصت ہوا ایسی حالت میں کہ مجموعۂ عوارض ہو رہا تھا اور یہاں پہنچتے ہی رمضان المبارک کا مہینہ آ گیا جس نے صحت کو بھی بہت خراب کر دیا ہے اور روزانہ جو کام علی گڑھ سے بذریعہ ڈاک یہاں بھی آ جاتا ہے اس کو بھی روز کا روز ختم نہیں کر سکتا۔ امید ہے کہ میری یہ معذرت مہربانی سے قبول فرمائی جاوے گی۔ آپ کی کتاب میرے پاس امانت ہے جس کے پاس فرمایئے میں بھیج دوں۔ یہ میں نے اس لئے عرض کیا کہ شاید ریویو کی غرض سے کسی اور صاحب کے پاس آپ اس کا بھیجنا پسند فرماویں اور ابھی زیادہ کتابیں آپ کے پاس تیار نہیں ہیں۔ والسلام!

خاکسار مشتاق حسین۔ ۱۴ر ستمبر ۱۹۱۲ء ڈیرہ دون

بنام سید افتخار عالم صاحب

(۱۵)

جناب مخدومنا و مکرمنا مولوی سید افتخار عالم سلامت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ گرامی نامے نے ممنون فرمایا۔ آپ کا ارشاد میرے سر اور آنکھوں پر۔ ولاکن لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا۔ جن چیزوں میں مجھ کو کچھ لکھنا نہیں، پڑھنا نہیں، سوچنا نہیں صرف زبان سے بتلانے جانے کی بات ہے مثلاً ایک

---

[1] یہاں چند الفاظ پڑھے نہیں گئے۔

[2] سید افتخار عالم مصنف "حیات النذیر" (سوانح مولانا نذیر احمد) نے کتاب تبصرے کے لئے بھیجی تھی۔ نواب صاحب نے کتاب اس لئے واپس کر دی کہ انہیں مطالعے کی فرصت نہ تھی اور نہ وہ ریویو لکھ سکتے تھے۔

بہت ضروری تحریر مسلم یونیورسٹی کی نسبت ہے جو میرا سب کچھ سمجھا ہوا مضمون ہے مگر ایک مہینے سے زیادہ ہو چکا اور اسی کل آج کل ہی میں وقت گذر رہا ہے کیا کیا جائے جب کہ دل و دماغ کام ہی نہ دیں۔ اس کے علاوہ آپ نے کسی کتاب پر میرا کوئی ریویو شاید دیکھا بھی نہ ہوگا، اور اب تو اضطرار مجبوری اور معافی چاہنے کے سوا اور کچھ بن ہی نہیں پڑتا۔ اب تو مخدوما صرف یہ دعا فرمائیے کہ میری زندگی کے جو انفاس باقی رہ گئے ہیں وہ عافیت سے کٹ جاویں اور خدا خاتمہ بخیر کر دے۔ آج کی ڈاک سے میں آپ کی رسالہ کتاب بحیاۃ الذریہ بعینہٖ جیسی خدمت عالی میں بہت سے شکریہ کے ساتھ واپس کرتا ہوں۔ والسلام!

خاکسار: مشتاق حسین از ڈیرہ دون ۲۶ ستمبر ۱۹۱۲ء

---

(۱۶)

بنام سید افتخار عالم صاحب

جناب مخدوما

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ! الطاف نامے کا شکریہ۔ ہاں حضرت سرور عالم صلعم کے غزوات ایک وقت میں میں نے طبع کرا کر کالج کی نذر کر دیے تھے مجموعہ فارسی زبان میں ہے۔ میرے پاس شاید ان کی کوئی ایک جلد ہو تو ہو لیکن آپ مولوی عنایت حسین صاحب .... علی گڈھ کو تحریر فرمائیں وہاں سے کوئی نسخہ اس کا مل جاوے گا۔ والسلام!

خاکسار: مشتاق حسین امروہہ ۲۲ جنوری ۱۹۱۲ء

---

(۱۷)

بنام محسن الملک

جناب مخدومی

آپ خفا ہوتے ہوں گے کہ آپ کے خطوں اور خصوصاً تاروں کا جواب وقت پر نہ ملا۔ اصل یہ ہے کہ میں نے شملہ سے اٹھتے وقت الہ آباد کے مقام سے ایک ہفتہ کی رخصت سرکار سے علاوہ عید کی تعطیل کے لے لی تھی۔ پرسوں شام واپس آیا ہوں مگر صحت خراب ہے۔ آپ کا ایک خط ۲۰ جولائی کا مورخہ ۳ اگست کو ملا۔ جواب آئندہ کے خط میں دوں گا۔ پانچ ہزار پونڈ کے متعلق آپ کا خط مجھ کو وہاں سے چلنے کے دن شملہ میں ملا تھا۔ پہلی ہی منزل میں سرکار نے تار پر روپیہ بھیجنے کا حکم حیدرآباد بھیج دیا تھا۔ یقین ہے کہ اس وقت روپیہ پہنچ گیا ہوگا۔ میجر ابرتھنس صاحب کا تقرر در حقیقت اس قسم کی پالیسی ہے جس کو میں ہمیشہ عزیز رکھتا ہوں۔ پنڈت وشنو ناتھ کو جب میں نے اپنا مددگار معتمد عدالت مہاراجہ صاحب کے وقت میں بنایا تھا تو وہ بھی پالیسی تھی یعنی کہ اپنی صفائی اور راستبازی کو پاس کیا۔ جواب میں اس سبب سے دیر ہوئی کہ ....[2] ورادس کے بغیر سوری صاحب کو جواب دینا مناسب نہ تھا۔ آپ کے مکان پر سب خیریت ہے۔ خود کے شتاب تو جلد آذ جی اکتا گیا۔ میں مفصل آئندہ لکھوں گا۔ والسلام والتسلیم!

خاکسار

مشتاق حسین حیدرآباد دکن ۱۰ اگست ۱۸۹۳ء

---

[1] یہ مکتوب غالباً نواب محسن الملک کے نام ہے جب وہ معدنیات کے مقدمے کی پیروی کے لیے دولت آصفیہ کی طرف سے لندن گئے ہوئے تھے۔

[2] عبارت پڑھی نہیں گئی۔

بنام منشی محمد محمود شاہ خان صاحب

(۱۸)

مکرمی منشی محمد محمود شاہ خان صاحب سلامت

جناب سید محمد محمود صاحب نے جو کچھ اس خط میں لکھا ہے سب صحیح لکھا ہے اور پہلے سے آپ کا بھی یہی خیال ہے۔ وہاں جانا کچھ جناب ممدوح پر احسان کرنے کی غرض سے نہیں ہے۔ بلکہ صرف اپنے آئندہ کے نفع کے لحاظ سے جس کی امید یہاں کی نسبت وہاں زیادہ ہے۔

کل بھی جو خط جناب ممدوح کا میرے پاس آیا تھا اور جس کی بنا پر میں نے کل آپ کو ایک خط لکھا تھا اس میں بھی تمام مطالب اُسی کے قریب قریب تھے۔ خاص وجہ جو اون کو اس خط کے لکھنے کی باعث ہوئی ہے وہ تنخواہ کی کمی کا لفظ ہے جو آپ کی جانب سے جناب صدر یا ملتفت صاحب نے لکھ دیا۔ اب آپ کو ایک اطمینان کا خط اور اوس کے ساتھ ایک عرضی بھی بھیج دیں۔ ادب اور تعظیم کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے سب صحیح ہے ہمارا خود پہلے سے یہی خیال ہے نپولین بوناپارٹ کی سرگذشت میں اوس کے ایک نہایت دلی دوست اور ہم مکتب اور لنگوٹیا یار بورین کا قصہ موجود ہے کہ جب وہ اوّل ہی مرتبہ نپولین کے حسب الطلب نپولین کی شاہنشاہی کے بعد نپولین کے پاس حاضر ہوا تو ویسے ہی ادب سے پیش آیا جیسا شاہنشاہ کے رتبہ کے مناسب تھا۔ نپولین کہتا تھا کہ مجھ کو پہلے سے یہ فکر تھی کہ بورین آج میرے سامنے وہی بے تکلفی کرتا ہے یا باادب پیش آتا ہے اور جب میں نے بورین کا وہ طرز دیکھا تو .... اور گو آپ سے ایسے امور میں کچھ کہنے کی حاجت نہیں تھی کیونکہ آپ کے خیالات خود عمدہ ہیں مگر جناب سید صاحب نے جو اپنی طرف سے صاف صاف یہ سب مراتب بیان فرمائے ہیں اون کا یہ صاف صاف طریقہ بلاشبہ نہایت عمدہ ہے میں تعریف کرتا ہوں ان کی اس قدر مآل اندیشیوں کی اور اس سے زیادہ اطمینان اس بات کا ہوتا ہے کہ جو مواقع احتیاط سے کام کرنے کے ہوں گے اون میں وہ اچھی طرح احتیاط سے کام کر سکیں گے۔

آپ جناب سید صاحب ممدوح کو رجسٹری شدہ لفافہ میں خط اور عرضی بھیج دیجئے۔ میں بالکل متفق ہوں کہ آپ اپنے نفع ... سب امید میں جائیے اور اگر کامیابی نہ بھی ہو تو اس کو اپنی قسمت اور اپنی رائے کی خطا سے منسوب کیجئے، نہ اون کی عدم توجہی سے اور یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ اون لوگوں کا دل ہمیشہ بہت زیادہ خوش رہا کرتا ہے جو ایک کام کو اختیار کرتے وقت اوّل اس کی مضرتوں اور خطرات کو تسلیم کر لیتے ہیں اور ان کے برداشت کرنے کے واسطے اپنے آپ کو آمادہ کر لیتے ہیں۔ پھر اگر ان خطروں سے نجات ہو جاتی ہے تو دو چند خوشی ہوتی ہے اور اگر وہ خطرات پیش آجاتے ہیں تو وہ گویا پہلے ہی سے سوچے ہوئے ہوا کرتے ہیں اور اس لئے زیادہ رنجیدہ نہیں ہوتے۔

مجھ کو سب خط لکھئے اور یہ خط واپس فرمائیے۔ جناب قبلہ ام مولوی محمد سمیع اللہ خان صاحب بہادر بھی...... تمام خط و کتابت کو ملاحظہ فرماویں۔ والتسلیم![1]

خاکسار

مشتاق حسین از علی گڈھ ۱۲

---

[1] جہاں نقطے لگے ہوئے ہیں وہاں کاغذ کی خستگی کے باعث عبارت پڑھی نہیں گئی۔

بنام محمد یونس

(۱۹)

برخوردار من چودھری محمد یونس صاحب سلامت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! خواجہ غلام الثقلین صاحب مارہرہ تشریف لائے ہوں یا تشریف لانے والے ہوں گے۔ کونسل کی ممبری کے متعلق اون کی ہم سب کو مدد کرنی چاہیئے۔ میرے نزدیک وہ اون چند نوجوان کامیاب طلبائے علیگڑھ کالج میں سے ہیں جن کو کالج کا بہترین نمونہ کہا جاسکتا ہے۔ اون کی یہ کوشش اپنی ذاتی ترقی مدارج کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف قوم کو اور ملک کو نفع پہنچانے کی کوشش میں وہ یہ تمام دردِ سر مول لے رہے ہیں۔ والسلام!

اور یہ میری ذاتی رائے ان کی نسبت مختلف تجربوں کے بعد قائم ہوئی ہے۔

اور میرا یہ خط آپ جس کو چاہیں ملاحظہ کرائیں

خاکسار

مشتاق حسین۔ ڈیرہ دون ۱۴/ اکتوبر سنہ ۱۹۱۲ء

جلال لکھنوی

(۱)

<u>بنام وقار الملک</u>

بہ جناب مرجع خاص و عام نواب انتصار جنگ بہادر دام اقبالکم!

بعد تعظیم گزارش پرداز ہوں۔

حضرت بجواب عالی نامہ لکھنؤ سے نیاز نامہ عرض کر چکا ہوں۔ شرف اندوز ملاحظہ ہوا ہی ہوگا۔ بالجملہ ۱۹ فروری ۹۰ء تک نیاز مند لکھنؤ میں تھا۔ تعصیۃً ناکام ہا یوں کہوں کہ بجز ناکامی مجھ کو واپس نہیں ملی۔ ہر چند مجھ کو ضرورت اس کے واپس پانے کی مطلق اب نہ ہے لیکن چونکہ حضرت نے واپسی کی اطلاع فرمائی، لہٰذا اب ضرور ہوا کہ میں حضرت کو اس کے واپس نہ آنے کی خبر دوں اور چونکہ ہمارے حضرت نے اس آزادانہ حالت انبساط کی ترتیب قریب منصفانہ گزارش کو ایک حد سے متجاوز تعریف جان کر اس کا داخل دفتر رہنا بھی ناجائز ظاہر فرمایا ہے تو اب واجب ہوا کہ میں خواہی نخواہی اس کو مع عرضداشت ہر ہی واپس لوں۔

امیدوار ہوں کہ وہ بجلی ناکامی مع عرضداشت بدنامی واپسی ڈاک میں مرحمت ہو تاکہ میرے خوار رہنے کا یادگار رہا گواہ نہ رہے۔

من و خدائے من میں خوشامدی نہیں ہوں بلکہ خود خوشامدیوں کا دشمن ہوں۔ اس قسم کے حضرات پر تعریض کرنے والا بلکہ میں خود جانتا ہوں میری اسی تعریض کا پاداش ہے جو مجھے حق تعالیٰ جل شانہ نے آپ کے ہاتھوں ملا کر خوشامد گروں میں نام بھی داخل ہوا۔ مکرمی مولوی سیف الحق صاحب بالفاظ نے تعریض خوشامد گری بھی اپنے نگارش اسی سیکرٹری اور وعدہ اعتبار دیں زمانی۔ مگر کروڑ کروڑ شکر ہے کہ بہت ہی جلد مجھے کیفر کردار مل گیا اور جو کہیں کیفر میں ادھر سے درنگ ہوتا تو نہ جانے کہاں کہاں کس کس کی خوشامد کرتا اور جانے کیا کیا توہین و تذلیل کی سزا نہیں جھیلتا۔

الحمد للہ بمقتضائے "تجربن ماو تع" مجھے اس قصیدہ سے دو فائدے ملے۔ ایک یہ کہ خوشامدیوں کی نسبت طعن کرنے کا عوض کر خود بھی مطعون ہوا اور دوسرے آئندہ مدت العمر کے واسطے اس نازیبا کردار سے اجتناب بلکہ تبرا۔ ایک اور فائدہ بھی بہت بڑا ہوا یعنی حضرات خوشامد گر کی نسبت زبان طعن دراز نہ کرنا اور یہ سب فائدے بدولت جناب ہوئے۔ خدا آپ کو فائز المرام رکھے!

مستدام رکھے۔ بشرطیکہ آپ اس دعا کو بھی خوشامد نہ سمجھیں اور اگر خوشامد جانیں تو پھر یہ دعا میری دلی نہیں ہے۔ گستاخی معاف ہو۔
قصیدہ اس نشان سے واپس عنایت ہو۔ اجمیر شریف سرائے چمن چشتی بذریعہ محمد شاہ صاحب کہ دار سرائے چمن چشتی،
سید جلال مسافر مقیم خانقاہ معلی کو پہنچے۔ زیادہ ادب!

سید جلال۔ ۲۵۔ فروری ۱۸۹۰ء

(۲)

بنام شاہ زین الدین

قدردانا سلامت!

سلام مسنون کے بعد دعا نگار ہوں کہ عنایت نامہ مورخہ ذیقعدہ سنہ ۱۳۱۹ھ کا مع یک غزل اصلاح طلب آیا تھا مگر چونکہ میں لکھنؤ میں نہ تھا "ریاست رامپور" میں بطلب رئیس رامپور چلا آیا تھا بلکہ ابھی تک رامپور ہی میں مقیم ہوں آپ کے عنایت نامہ کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اب چند روز ہوئے کہ یہی عنایت نامہ سامی مع غزل گرامی، رامپور میں میرے پاس آیا ہوا ہے تو اس کا جواب لکھنے میں بدیں وجہ تعویق ہوئی کہ آپ نے اپنے دیوان کے طبع کی تاریخ کی بھی فرمائش کی، پس اس کی فکر میں تھا اب تاریخ طبع دیوان سامی کی نکل آئی لہٰذا اس کا قطعہ درست کر کے خدمت میں بھیجا جاتا ہے۔ اگر پسند آجائے تو درج دیوان فرمایا جائے اور غزل رسیلہ سامی پر اصلاح دے دی گئی اور غزلیات آپ کی جو پہلے آئی تھیں وہ اصلاح شدہ آج دو مہینے کا زمانہ ہوا کہ ارسال خدمت سامی کر چکا ہوں یقین ہے کہ پہنچی ہوں اور آپ نے رکھی ہوں۔ نام آپ کے دیوان کا "گنجینۂ معرفت" بہت اچھا رکھا گیا ہے اس سے بہتر نام اب نہ نکلے گا۔ فقط!

راقم آثم جلال بے کمال از رامپور

مکرر یہ ہے کہ اب جو آپ مجھ کو کوئی تحریر بھیجیں تو وہیں لکھنؤ ہی میں بھیجیں کہ میں اب رامپور سے جانے کا قصد رکھتا ہوں۔

اصلاحی غزل یہ ہے:

۱ وصل ہی وصل ہے جب دل میں ہے ہر وقت حبیب

اصلاح: ہجر کا خوف نہیں پاس ہے پہلو میں حبیب
سنتے ہیں اس کی جگہ ہے رگ جاں سے بھی قریب

۲ اس شہ حسن تک اپنی ہے رسائی مشکل
جس کے دروازے پہ لاکھوں ہوں نگہبان رقیب

۳ زخم جلد خدا کے لئے نکلو باہر
بیٹھا دروازہ پہ مدت سے ہے بیچارہ غریب

اصلاح: رو رو کہیں وہ اسے کب وہ نہیں آتے ہیں
اپنے مشتاق سے بھی پردہ ہے یہ بات عجیب

۴ اتنی تدبیریں ہوئیں ایک بھی پوری نہ ہوئی
بڑھنے دیتے نہیں کیسے کیجئے کم بخت نصیب

۵ درد دل ایسا نہیں ہے کہ دوا سے جائے
دیکھ کر مرض مرا ہو گیا ناچار طبیب

۶ شب دیجور سے دل میرا بہت ڈرتا ہے
نہ دکھانا مجھے شکل اس کی مہیب

اصلاح: یا الٰہی نہ دکھا مجھ کو تو یہ شکل مہیب

شبلی نعمانی

شمس العلماء مولانا شبلی مرحوم و مغفور کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کے یہ مکاتیب اب تک کسی بھی مجموعے میں شائع نہ ہوئے تھے اور ان میں سے بعض مرحوم کی سیرت پر نہایت عمدہ روشنی ڈالتے ہیں۔ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی کے نام مولانا شبلی کے بہت سے مکاتیب "مکاتیب شبلی" میں چھپ چکے ہیں۔ لیکن جو مکاتیب ذیل میں شائع کئے جا رہے ہیں وہ بالکل نئے اور غیر مطبوعہ ہیں۔

(۱)

بنام مولانا مفتی بشیر علی

استفتاء و نامۂ سامی پہنچا۔ میرے نزدیک آپ کا جواب قرین صحت ہے مگر چونکہ میں نے افتا کا کام مدت سے چھوڑ دیا ہے اور اب اپنے تئیں اس منصب بزرگ کے قابل نہیں سمجھتا اس لئے دستخط کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے اور بزرگان دین کے ہوتے میری کیا حاجت ہے۔ والسلام!

شبلی۔ علیگڈھ اکتوبر ۱۸۹۸ء

(۲)

بنام خان بہادر بشیر الدین صاحب ایڈیٹر البشیر اٹاوہ

مکرمی! امر سررشتہ علوم و فنون جس سے میرا تعلق ہے اس کے متعلق اگر آپ کی کانفرنس میں اظہار پسندیدگی کا ریزولیشن پاس ہو تو سررشتہ کے استحکام کا باعث ہوگا۔ ریاست کے لئے اس قسم کا لحاظ عزت کا باعث ہے۔ یہاں بعض روشن لوگ اس کو فضول سمجھتے ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس پر [illegible]۔

شبلی۔ حیدرآباد ۱۵ / نومبر ۱۹۰۱ء

(۳)

بنام مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی

مبارکباد۔ ریویو پڑھا اور بار بار پڑھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ تحسین نہیں بلکہ حسد کے قابل ہیں اور سچ یہ ہے کہ اگر آپ کسی کتاب کے رخ پر نہیں توجہ میں اسی کیفیت فیلنگ کا ظہور ہوگا۔ یہ ریویو اخبار تک محدود رہ کر گم ہو جائیگا۔ اس کو الگ رسالے کی صورت میں چھپا اور شائع ہونا چاہئے۔ اس سے اور عمدہ ثمرے قائم ہوں گے اور شاید رفتہ رفتہ جیتا جادو کا کل خون ناسدان نشتروں سے نکل جائے۔ والسلام!

شبلی۔ ۲۴ / فروری ۱۹۰۲ء از حیدرآباد

ؔ مولانا مفتی بشیر علی صاحب مرحوم جامعہ عثمانیہ کے شعبۂ دینیات میں [illegible] مقرر ہو گئے تھے۔

(۴)

<u>بنام خان بہادر بشیر الدین صاحب</u>

جس قدر مجھ کو بدوعدہ، کاذب، ہرزہ گو بنائیے تعجب نہیں۔ میں نے دو مہینے ہوئے سرکار میں سفارش بھیج دی کہ فلاں فلاں اشخاص کو کتابیں ہدیۃً بھیجی جائیں۔ اس کی منظوری اب تک نہیں آئی۔ بار بار لکھ چکا ہوں۔ نواب محسن الملک کا بیحد تقاضا تھا، مجبوراً میں نے کتاب بہ قیمت خریدی اور بھیجی۔ کتابیں تمام دفتر میں ہیں اور میں اعظم گڈھ آگیا ہوں۔ اگر زیادہ دیر ہوئی تو کالج سے خرید کر کے بھیجوں گا۔

شبلی۔ اعظم گڈھ ۲۲ ستمبر ۱۹۰۲ء

(۵)

<u>بنام خان بہادر بشیر الدین صاحب</u>

یہ فقرہ چھاپ دیجئے۔

"الغزالی مصنفہ شبلی نعمانی کے ملنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ڈپو بک شاپ علی گڈھ کالج سے منگوائی جائے۔"

شبلی نعمانی۔ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء

(۶)

<u>بنام مولوی بشیر الدین صاحب</u>

علی گڈھ گزٹ میں کتب مترجمہ انجمن ترقی اردو کی فہرست چھپے گی صیغہ منقولات ہیں اس کو لے لیجئے گا۔ میرے پاس محرر نہیں۔ خود کام کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے متعدد نقلیں بھیجی نہیں جا سکتی تھیں۔

شبلی۔ حیدرآباد ۱۷ مئی ۱۹۰۳ء

(۷)

<u>بنام مولوی بشیر الدین صاحب</u>

مخدومی!

انجمن ترقی اردو کی رپورٹ بابت ماہ جون ۳ء علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ نمبر ۴۰ جلد ۳۸ مورخہ ۴ جولائی ۳ء میں چھپی ہے۔ براہ کرم آپ بھی اپنے اخبار میں جلدی طبع فرما دیں۔ اتفاق سے اس رپورٹ کو شائع ہوئے بہت دیر لگی۔ جولائی کی رپورٹ بھی تیار ہے۔

شبلی۔ سیکرٹری انجمن ترقی اردو۔ ۴ اگست ۱۹۰۳ء

(۸)

<u>بنام مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی</u>

مکرمی!

میرا ہر روز معتد بہ وقت ندوے کی اڈیٹری ہی میں صرف ہوتا ہے۔ ندوہ اب تک کیوں کامیاب نہیں ہوا اس کی وجہ یہ ہوئی

؎ ۳ء سے مراد ۱۹۰۳ء ہے۔

کہ ہم میں سے کسی نے اپنے آپ کو ندوہ نہیں سمجھا۔ میں امرت سر میں ندوے پر ایک جلسے میں اعتراض کر رہا تھا، اس پر ایک پیرو نے ڈانٹا کہ کس پر اعتراض ہے، خود اپنے آپ پر؟

مکرمی! اب کم سے کم آپ کو اور مجھ کو یہ فیصلہ کر لینا چاہیے کہ ندوہ ہمیں لوگ ہیں۔ ملک میں ندوہ پر جو اعتراضات ہوتے ہیں چونکہ ہماری فہرست میں ہم پر ان کی زد نہیں پڑتی اس لئے ہم پر یہ تیر اثر نہیں کرتے۔ فرض کیجئے مجرے کا سکول یا انجمن اردو میں فسردگی آ گئے تو ہماری آپ کی کیا حالت ہوگی۔ معاف فرمایئے گا میں نے آپ کو جوش اور استقلال میں اپنا رہنما مانا تھا لیکن آپ نے مجھ کو بھی سرد کر دیا۔ نصاب تعلیم اور ندوے کے میگزین کی سکرٹری شپ تو آپ نے بے دریغ قبول کر لی لیکن دونوں کے ساتھ کیا کیا؟ خیر اب طعنہ اور تشنیع کا محل نہیں کام شروع ہونا چاہیے۔ میں نے رسالے کے لئے مولوی عبدالحی صاحب کو لکھا تھا، انھوں نے لکھا کہ ناظم صاحب سے اجازت طلب کرتا ہوں، پھر کچھ جواب نہ آیا۔ حالانکہ یہ مسئلہ طے ہو چکا تھا کسی کی اجازت کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے وظیفے کے اجرا کی جس قدر کوششیں کیں سب برباد گئیں۔ اب اور نئے منصوبے سوچتا ہوں۔ خیر یہ تو جب ہوگا تب ہوگا اس وقت دو کام ضروری ہیں۔ ندوے کا رسالہ۔ یہ ندوے کی علمی عزت کو قائم رکھے گا یقین کیجئے میری تصنیفات کا سارا زور اس پر صرف ہوگا رسالے میں حسب ذیل چیزیں ہوں گی۔ (۱) علوم و فنون اسلامیہ پر ریویو (۲) علوم قدیمہ و جدیدہ کا مقابلہ (۳) ثبات عقائد اسلامیہ از عقل (۴) تحقیقات جدیدہ (۵) کتب نادرہ و قدیمہ پر ریویو (۶) اغراض ندوہ (۷) رپورٹ ماہواری ندوہ۔ اڈیٹر آپ اور یہ خاکسار ہوگا۔ لیکن مضامین ہمیشہ بے نام چھپیں گے کیونکہ نام کی صورت میں ان مضامین کی عزت کا پایہ شبلی اور حبیب کی محدود عزت تک رہے گا اور یوں وہ مضامین ندوے کی مجموعی طاقت کے مضامین ہوں گے۔ قیمت صرف عہ۔ اور نہایت کثرت سے تمام ہندوستان میں پھیلایا جائے گا۔ یہاں تک کہ کم از کم دس ہزار پرچے اس کے شائع ہونے لگیں۔ وکلائے ندوہ کو اس کی اشاعت میں بہت کامیابی کی امید ہے۔ یقین کیجئے کہ اگر عمدگی سے اس پرچے کو چلایا جائے تو ندوہ کی مستقل آمدنی ہو جائے گی اور خود وہ ایک بڑی قوت ثابت ہوگا۔ فوراً ناظم صاحب سے دریافت کر کے جواب لکھئے۔

شبلی۔ ۵ر اکتوبر ۱۹۰۳ء

(۹)

<u>بنام مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی</u>

مکرمی!

میں سال بھر سے اس کوشش میں مصروف تھا کہ وظیفہ جاری ہو جائے تو سال بھر کی رخصت لے کر ندوے میں آؤں اور پھر ترک ملازمت کر دوں لیکن دو مہینے ہو گئے نتیجہ اخیر ناکامی ہوئی۔ اب جو کچھ ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ چھ مہینے کی رخصت لوں اور ندوے میں آؤں۔ رخصت میں تنخواہ نہ ملے گی شاید صرف ابتدائی ڈیڑھ مہینوں کی ملے۔ اس وقت رخصت یوں اس لئے بیکار ہے کہ مہینے عمر کے بعد رمضان کی تعطیل ہو جائے گی اس کے سوا ندوے اور کانفرنس کے لئے پھر ادھر آنا پڑے گا۔ بہرحال اس وقت تین کام ہیں۔ اصلاح نصاب، اجرائے رسالہ، ندوے کا موضع مستقل میں یا اور کسی مقام قریب لکھنؤ میں منتقل کرنا۔ پہلے دو تین کام یہاں سے بیٹھے بیٹھے ہو سکتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ اب دلیری اور مستعدی سے کام لیں۔ رسالے کی تجویز پاس ہو چکی ہے ناظم صاحب سے مراسلہ کارروائی

طے کر لیجئے۔ ندوے کا منتقل کرنا البتہ مالی مشکلات کے لحاظ سے دقت طلب ہے۔ موجودہ مکان او نے پونے بیچ ڈالے جائیں اور بسول وغیرہ میں کچے مکانات سرِ دست تعمیر کرا دئے جائیں۔ بہر حال اب اٹھئے اور کمر باندھئے ورنہ خالی مر بیٹھنا بہت بڑے مواخذے کا مستوجب ہے۔ والسلام!

شبلی۔ ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۳ء

(۱۰)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مکرمی!

(۱) اسلامی خبروں کو میں نے نکال ڈالا۔ (۲) اڈیٹری کی تقسیم یوں ہوگی کہ ہر مہینے میں نصف رسالے کا مضمون آپ اور نصف کا میں بھیجا کروں۔ باہر سے جو مضامین آ جائیں وہ بالائی آمدنی ہوگی۔ (۳) مضمون نگاروں کا یا کسی اور کا کوئی مضمون اس وقت تک نہ چھپے جب تک میں یا آپ اس کو دیکھ نہ لیں۔ (۴) معاوضہ مضامین کے لئے ۵ ہمارا مخصوص ہوں گے۔ حسب ضرورت مضامین با اختلاف مراتب دیا جائے گا۔ (۵) اصلی دشواری طبع کی ہے۔ اگرے کو میں ہرگز گوارا نہیں کر سکتا۔ ندوے کا رسالہ کم از کم اردوئے معلیٰ اور مخزن سے زیادہ خوشخط اور نفیس الطبع ہو۔ اس کے لئے ندوہ خود ایک پریس کیوں نہ کھولے؟ ندوے کے پاس چھاپنے کے لئے خود اتنا کام رہتا ہے کہ ایک پریس بخوبی چلا سکتا ہے۔ میں اپنی تصنیفات بلکہ انجمن اردو کی بھی سب تصنیفات اس کو دے سکتا ہوں۔ بعض قابلِ درس کتابیں بھی آخر چھپوانی پڑیں گی۔ یہ تجویز ضرور ہے۔ (۶) ہاں نصاب کے لئے آپ نے کیا کیا۔ میں مفصل خط بھیج چکا ہوں جس میں قابلِ اخراج کتابوں کے نام لکھے ہیں۔

شبلی۔ ۲۳ اکتوبر ۱۹۰۳ء

(۱۱)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مکرمی!

یورپ میں قاعدہ ہے کہ جب کوئی علمی رسالہ نکالنا چاہتے ہیں تو قریباً سال بھر کے لئے مضامین تیار کر لیتے ہیں تب نکالتے ہیں۔ الندوے کے لئے بھی یہ ہونا چاہئے اور چونکہ بڑی دقت چھپنے کی ہے اس لئے میری تو یہ رائے ہے کہ دو تین مہینے کا ذخیرہ اس طرح چھپا لیا جائے کہ صرف ٹائٹیل پیج اور علمی خبروں کے اضافہ کر دینے کے بعد رسالہ بن جائے۔ میں نے ایک چھوٹا سا مضمون فنِ تفسیر پر ایک رویو فنِ منطق پر جس میں یونانی منطق کی غلطیاں بتائی ہیں۔ ایک فرنچ عالم کے ایک مضمون کا جو اسلام پر ہے ترجمہ کر لیا ہے۔ مثنوی مولوی روم پر تقریظ کا ایک وسیع سلسلہ شروع کیا ہے۔ آپ بھی اسی طرح جستہ جستہ مضامین لکھ چلئے۔ صحابہ کے اخلاق سے شروع کیجئے اور جو جو خیال میں آتا جائے۔ ہاں یہ بتایئے تقطیع کیا ہو۔ کیا اردوئے معلیٰ کے برابر ہو لیکن خط اس سے جلی ہونا چاہئے۔ اڈیٹر کا ترجمہ عربی میں کیا ہو۔ دبیر سے اچھا کوئی لفظ نہیں ملتا۔ ورق پر اڈیٹروں کا نام لکھنا ہوگا۔ میں اس کو بھی اڑا دیتا۔ لیکن اول تو سرکاری احکام سے اس کی ضرورت ہے دوسرے یہ کہ نئے لوگوں میں ندوے کی ہوا اس قدر اکھڑ چلی ہے کہ محض ندوے کے نام سے اس حلقے

ہیں اس کی کچھ وقعت نہ ہوگی۔ وہاں رسالے کے صفحات کس قدر ہوں۔ میں تو ۲ جزو کافی سمجھتا ہوں۔ والتسلیم!

شبلی۔ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۰۳ء

---

(۱۲)

بنام خان بہادر بشیر الدین صاحب

جنابِ من!

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ میرا آپ کا تعلق کسی دنیاوی ضرورت پر مبنی نہ تھا کہ خواہ مخواہ اس کو آپ صرف ظاہری صورت میں قائم رکھنا چاہتے ہوں۔ ایک قومی واسطہ تھا اس لئے اگر آپ کو کسی وجہ سے میری طرف سے بدگمانی ہو چکی ہے تو صاف انکار کر دینا چاہیئے تاکہ دوستانہ تعلقات کی بنا پر ایک گروہ سے جو امیدیں ہوں وہ منقطع کر دی جائیں۔ جس دن سے آپ کے تیور بدلے ہیں مجھ کو وہ یاد ہے۔ بہتر ہوتا آپ شکایت کی وجوہ صاف اگل دیتے۔ شاید آپ کو اپنے خیال کی غلطی ثابت ہوتی۔ لیکن اگر آپ کی بارگاہ اس قدر بلند ہو گئی ہے کہ اب آپ ہم غریبوں کی صداؤں کا جواب دینا بھی نہیں چاہتے تو اس کی بھی ضرورت نہیں۔ ایک امت آپ کی پیدا ہو چکی ہے۔ وہ ہر طرح پر آپ کی پیمبری کی قائل ہے۔ اگر ہم جیسے چند رند ہے تو آپ کا کیا حرج۔ والسلام!

شبلی۔ ۱۹ر فروری ۱۹۰۴ء

---

(۱۳)

بنام مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی

مکرمی!

رسالے کے لئے میں نے جس قدر مضمون لکھے اور آئندہ لکھوں گا سب کسی قدر دقیق ہیں اور ہوں گے لیکن چونکہ مقصود یہ ہے کہ پرچے کی اشاعت ہر گروہ میں ہو یہاں تک کہ پانچ سات ہزار تک نوبت پہنچ جائے۔ اس لئے کچھ لائٹ لٹریچر بھی ہونا چاہیئے جس کو عرب میں خطابیات کہتے ہیں۔ اس میں اخلاق شامل ہوں اور عوام کے فہم کے قابل۔ اس کو کون لکھے۔ رسالے کے دستور العمل میں یہ دفعہ ضروری ہے کہ اس کی آمدنی بعد وضع مصارف، صرف اشاعت علوم قرآنی میں صرف ہوگی۔ یعنی (۱) اس سے تفسیر پڑھنے والوں کو وظیفے دیئے جائیں گے۔ (۲) قرآن مجید کے متعلق کتابیں مرتب کی جائیں گی۔ (۳) نایاب کتب تفسیر اور متعلقات تفسیر شائع کی جائیں گی وغیرہ وغیرہ تاہم پیج کا مسودہ فوراً بھیجئے۔

شبلی۔ ۷ر نومبر ۱۹۰۴ء

---

(۱۴)

بنام مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی

مکرمی!

میں نے نواب محسن الملک کے خط کے جواب میں ان کو جو لکھا ہے وہ یہ ہے کہ ما‌ناہوا کالج پر خواہ مخواہ کا ایک بار ہے اس لئے میری خواہش یہ ہے کہ میں کالج میں بلا معاوضہ کام کروں۔ البتہ یہ چاہتا ہوں کہ رسالہ میں میرے بیام کالج کی بدولت

لازمی صرف چار پانچ مہینے قرار دئے جائیں باقی اختیاری۔ اس صورت میں ندوے میں کام کرنے کا موقع اچھی طرح ملے گا۔ میں سنہ ۱۹۰۳ء پر بھی لکھ دیا ہے کہ ہر حال میں میں ندوے سے عملی تعلق رکھوں گا۔ ہاں آپ نے مکان ندوہ کے لئے کرایہ یا نہیں۔ مدرسہ دیہات میں اٹھ جائے تو وہاں رہنے کا لطف ہے۔

شبلی۔ ۱۷ نومبر ۱۹۰۴ء

(۱۵)

بنام مولوی عبدالحق

مجیّ!

آپ کا خط مجھ کو کچھ تو دیر میں ملا کچھ اور اسباب سے جواب میں تاخیر ہوئی۔

۱۔ قانون رام پور کے کتب خانہ سرکاری اور قاہرہ کے کتب خانہ خدیویہ میں موجود ہے۔

۲۔ ابوریحان کی تصانیف کی فہرست مفصل مترجم انگریزی کتاب الہند مصنفہ ابوریحان بیرونی مطبوعہ لندن ۱۸۸۸ء میں جس قدر چھپ چکی ہے اس سے زیادہ نہیں مل سکتی۔

۳۔ اس کی اکثر تصنیفات علم ہیئت کتب خانہ خدیویہ میں موجود ہیں۔

۴۔ عمر خیام کی تصنیفات حسب روایت تاریخ الحکماء شہرزوری جس کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے حسب ذیل ہیں۔ ایک مختصر رسالہ طبیعیات میں، ایک رسالہ وجود کی حقیقت پر، ایک رسالہ کون و تکلیف پر۔

۵۔ ابوریحان کا سنہ وفات طبقات الاطباء ابن ابی اصیبعہ میں ۴۳۰ھ لکھا ہے اور کتاب مذکور بہت مستند خیال کی جاتی ہے۔

۶۔ ابوریحان کی کتابیں کتب خانہ رام پور و خدیویہ قاہرہ میں مل سکتی ہیں۔

مسلمان ریاضی دانوں میں سے ابوالوفا، ابو جعفر خازنی، ابن یونس بڑے پایہ کے لوگ اور مجتہد الفن ہیں۔ ان کی تحقیقات پر بھی توجہ کیجئے۔

شبلی نعمانی۔ اعظم گڑھ ۳۰ جنوری ۱۹۰۵ء

(۱۶)

بنام نواب علی حسن خاں

جناب نواب علی حسن خاں صاحب بالقابہم[1]

تا سلطنت کن ہر ستارہ کمند و فرما طرازہ مسند جمشید و فر تاج خسرو را

---

[1] مولانا شبلی کی یہ غزل کلیات کے حصہ دستہ گل میں شائع ہو چکی ہے۔ صفی الدولہ حسام الملک نواب علی حسن خاں بہادر کے نام کے مکاتیب بھی مکاتیب شبلی میں چھپ چکے ہیں لیکن یہ مکتوب کہیں شائع نہیں ہوا۔ اگرچہ اس میں غزل کے سوا کچھ نہیں لکھا۔

فغاں از گرمیِ ہنگامۂ خوبانِ زردشتی | بہم آمیختہ از زلف و عارض ظلمت و نور را[1]
بہر سو از ہجومِ دلبرانِ شوخ و بے پروا | گذشتن از سرِ رہ مشکل افتاد است رہرو را
بدہ ساقی مئے باقی کہ در جنت نخواہی یافت | کنارِ آب چوپاٹی و گلگشتِ اپالو را[2]

بیا شبلی بہ یادِ پنجۂ گیرائے مژگانش
دگر رہ پارہ گرداں ایں قبائے زہد صد تو را

شبلی۔ از بمبئی کھیر روڈ، بنگلہ دھن کاست پرست منس بائی کلا۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۶ء

(۱۷)

بنام نواب سید علی حسن خاں

مکرمی!

تسلیم۔ ایسی جلدی نہیں ہفتہ کے بعد چل سکتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ الٰہ آباد، لکھنؤ وغیرہ سے بہت گرم ہے ابھی سے لُو شروع ہو گئی۔ ہاں یہ بھی طے کر لیجئے کہ بمبئی میں کب تک رہنے کا ارادہ ہے۔ بمبئی فوراً چلیں۔ آباد کا قصد نہ ہو۔ حیدرآباد میں گو لُو نہیں ہوتی لیکن سخت گرم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ میرے مصالح اس کے مقتضی ہیں کہ میں کم از کم ایک مہینہ کے بعد وہاں جاؤں۔ بہت جی چاہتا ہے کہ آپ کو سمندر پار لے چلوں لیکن آپ حضرت عمرؓ کی طرح دریا سے ڈرتے ہیں[3]۔

حافظ احمد رضا خاں سابق جج ہائیکورٹ حیدرآباد نے اپنی تمام کتابیں جو چار ہزار روپیہ کی بقدر ہیں ندوہ کو وقف کر دیں ہیں۔ میں نے آدمی بھیج کر فہرست منگوائی ہے۔ کتابیں بھی عنقریب آتی ہیں۔ ان میں خواجہ حسن دہلوی کا دیوان بھی ہے جو غزل میں عدیم النظیر ہے۔

اچھے صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ وہ معزز صاحب ندوہ کی برائی بیان کرتے تھے اور آپ لوگ جواب دیتے تھے لیکن وہ لوگ تو معذور ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جو کسی وقت ذاتی اغراض کی بنا پر گورنمنٹ سے ندوہ کی برائی کر چکے ہیں۔ اب کیا وہ اپنے منہ سے آپ جھوٹے بنیں؟ والتسلیم!

شبلی۔ الٰہ آباد۔ بھیتر کی گلی۔ ۸ اپریل ۱۹۰۷ء

---

۱ یہ شعر خوبانِ زردشتی سے متعلق ہے اور زردشتیوں یعنی پارسیوں کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ دنیا میں دو قوتیں کارفرما ہیں۔ ایک یزدانی دوسری اہرمنی۔ اسی کو نور و ظلمت سے بھی تعبیر کرتے ہیں اور اسی کا نام وحدت کے مقابلے میں ثنویت ہے۔ خوبانِ زردشتی نے زلف و عارض سے ظلمت و نور کو باہم ملا دیا۔

۲ چوپاٹی اور اپالو بمبئی کی مشہور تفریح گاہیں ہیں۔

۳ یہ محض ایک لطیفہ ہے جو غالباً اس واقعہ پر مبنی ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے مصر فتح کرنے کے بعد ارادہ کیا تھا کہ بحیرہ روم اور بحیرہ قلزم کو ایک نہر کے ذریعے سے ملا دیں۔ یہ نہر موجودہ نہر سویز سے ذرا مشرق میں کھودی جانے والی تھی۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی تو نہر کھودنے کی اجازت نہ دی۔ انہیں یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ یونانی جہاز نہر کے اندر سے گزر کر مصر کی طرف سے آنے والے حاجیوں پر یورشیں کریں گے اور راستہ محفوظ نہ رہے گا۔ اس وقت مسلمانوں نے بحری قوت کی بنیاد بھی نہ رکھی تھی۔ بعد میں ان کی بحری قوت نے یونان و روم دونوں کی قوت درہم برہم کر ڈالی۔ بہرحال اگر حضرت عمرؓ ممانعت نہ فرما دیتے تو نہر سویز تیرہ سو سال پیشتر جاری ہو جاتی۔

(۱۸)

بنام نواب وقار الملک

بخدمت جناب نواب انتصار جنگ[1] دام مجدہٗ!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ یہ مضمون اطلاع دفتر سے جا چکی ہوگی لیکن مزید احتیاط کے لئے گذارش ہے کہ اس جلسۂ ندوہ میں جو یکم و دوم مارچ کو ہوگا آپ کا تشریف لانا ضروری ہے۔ نواب محسن الملک بہادر ضرور تشریف لائیں گے لیکن انگلستان کا جھگڑا نہ طے ہوا تو البتہ شاید نہ آسکیں۔

میر نوشاد علی خان نے مجھ کو خط لکھا ہے کہ وہ بھی ضرور شریک جلسہ ہوں گے۔ والتسلیم!

شبلی۔ دفتر ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ ۱۹۰۶ء

(۱۹)

بنام مفتی نسیر علی صاحب

جناب مولوی صاحب زید عنایتہ!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ اس سال کتب ذیل کا امتحان آپ لیجئے اور پرچے تیار کر کے یکم اپریل تک سربمہر میرے پاس بھیج دیجئے۔ یہ قومی کام ہے۔ اس تکلیف کو ضرور گوارا کیجئے۔

(۱) شرح حکمۃ الاشراق از حکمت فی مزاج بین اتباع المشائین تا شش افلاطونیہ۔ (۲) شرح کلمۃ العین مقالہ اول (۳) سلم العلوم کامل۔

(۴) ہدایہ جلد رابع تصوف کتاب الکراہتہ باب خطر و اباحت۔

۱۔ فی کتاب ۵ سوال سے کم اور دس سوال سے زائد نہ ہوں۔

۲۔ وقت امتحان کی تعیین کر دی جائے۔

۳۔ نمبر مفروضہ سو رکھے جائیں۔

۴۔ ہر سوال کے محاذی اس کے نمبر لکھ دیئے جائیں۔

شبلی۔ دار العلوم ندوۃ العلماء، صفر ۱۳۲۷ھ (۲۰ فروری ۱۹۰۹ء)

(۲۰)

بنام مفتی بشیر علی صاحب

مولانا!

تسلیم۔ آپ کی تکلیف فرمائی کا ممنون و مشکور ہوں۔ آپ نے جو شکایت کی ہے یہ تو میرے ہی دل کا زخم ہے لیکن کیا کروں سو سو طرح مدرسوں کو ابھارا، خود جا کر درس میں بیٹھا، پڑھا کر بتایا، اعتراضات کئے، جواب مانگے لیکن وہ جگہ سے نہیں ہلتے۔ سخت کوشش ہوتی ہے دیکھیں کیا کیا جائے۔ آج کل سارے فن تمام ملک میں نایاب ہیں اور ذوق علمی کا پتہ نہیں۔ مجبوراً میں نے ادب کو مطمح نظر بنایا ہے جس میں

---

[1] انتصار جنگ نواب وقار الملک کا پہلا خطاب تھا۔ معلوم نہ ہو سکا کہ مشہور و معروف خطاب کی جگہ یہ کم معروف خطاب کیوں استعمال کیا گیا؟

میں ایک عرب ادیب مقرر کیا ہے۔
مجھ کو فرصت ہوتی تو خود کچھ کرتا۔ لیکن یک سر و ہزار سودا۔ موجودہ تصنیف جب تک ختم نہ ہولے کوئی کام نہیں چھیڑ سکتا۔
یورپ نے عمر خیام کا جبر و مقابلہ چھاپا ہے، اس نے بہت مسائل قدما پر اضافہ کئے تھے۔ فرنچ زبان میں ترجمہ اور یہ کیا ہے۔ والسلام!

شبلی۔ لکھنؤ ۳ر جولائی ۱۹۰۹ء

(۲۱)

بنام مفتی شیر علی صاحب

مکرمی!

السلام علیکم۔ کیا آپ دارالعلوم ندوہ کی پرنسپلی بمشاہرہ ؟ ؟ بہ شرط ترقی قبول فرما سکتے ہیں؟ مشاہرہ تو ابھی کم ہے۔
لیکن وسیع قومی کام ہے اور ہر طرح کی اصلاح کا موقع ہے۔ مشاہرہ بھی ضرور بڑھے گا، مدتی کے ساتھ۔

شبلی۔ ندوہ، لکھنؤ، ۱۳ر اگست ۱۹۰۹ء

(۲۲)

بنام مفتی شیر علی صاحب

مکرمی!

میں حیدرآباد آرہا تھا اور آپ کو وہیں سے لکھنؤ روانہ کرتا لیکن انقلاب جہاں نے روک دیا۔ ۱۰ شوال سے مدرسہ کھل جائے گا۔ آپ اس وقت تک ضرور بالضرور لکھنؤ پہنچ جائیں۔ میں وہاں پہونچ جاتا ہوں۔ ہاں ایک بات محض بغرض احتیاط لکھنا ضروری ہے، وہ یہ کہ مولوی حفیظ اللہ اگرچہ مستقل ذکر ہو کر ڈھاکہ گئے ہیں لیکن انگریزی میں قاعدہ ہے کہ پراسنے نام پہلے تقرر میں ایک عارضی مدت لکھی جاتی ہے۔ اس بنا پر مولوی حفیظ اللہ کو مہینے کے لئے گئے ہیں اور یہی صورت آپ کے لئے بھی ہوگی لیکن آپ کی تقرری قطعی ہے آپ ہرگز پس و پیش نہ کیجئے گا۔ فوراً تشریف لایئے گا۔ یعنی ۱۰ شوال تک جواب لکھنا ہو تو پالن جی ہوٹل مالی گلہ بمبئی کے پتہ سے لکھئے گا۔

شبلی۔ ۴ر اکتوبر ۱۹۰۹ء

(۲۳)

بنام مفتی شیر علی صاحب

میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ ۱۰ر شوال تک آپ لکھنؤ تشریف لائیں۔ دفتر ندوہ میں تار دے دیجئے گا۔ اسٹیشن پر گاڑی جا کر آپ کو لائے گی۔ آپ کے قیام کے لئے بھی مکان وغیرہ کا بندوبست کر دیا جائے گا۔

شبلی۔ ۱۷ر اکتوبر ۱۹۰۹ء

(۲۴)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

اس ستم ظریفی کی کوئی حد ہے کہ شعر العجم آپ دہلی مانگتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ میں ۲۱ فروری کا گھر سے نکلا ہوں اس وقت تک کتاب دہلی سے نہیں آئی ہے۔ اب دفتر کو لکھتا ہوں پہنچ جائے گی۔ مکرر کتابوں کی فہرست لکھنؤ پہنچوں تو بھیجوں۔ ابھی تو دہلی میں ہوں کل علی گڑھ روانہ ہوں گا ایک دو دن وہاں رہوں گا آپ آ جاتے تو زیارت ہو جاتی۔

شبلی از دہلی ۳ مارچ ۱۹۱۰ء

(۲۵)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مکرمی!

گرمیاں سخت ہو گئیں۔ میں چند ضروری کام ندوے کے انجام دے کر کشمیر وغیرہ بھاگ جانا چاہتا ہوں۔ شاید ایک ہفتہ کے اندر اندر۔ آنریری میں ساتھ ہوں گے۔ نظامت کا مسئلہ معرکۃ الآرا ہے اور جتنی شرطیں ہیں سب مس کی تدبیریں ہیں۔ میری بد اعتقادی یہ ہے کہ بے نظامی، تحکم اور استبداد یہ تمام اوصاف پہلے ہی تھے لیکن نظامت کی رو دہی نہ ہونے سے نظر نہیں آتے تھے۔ بہرحال اس کا فیصلہ ضرور کیجئے لیکن چھیٹ ڈیشن کے بعد ورنہ میں موجود نہ ہوں گا اور فیصلہ یک طرفہ ہو گا۔ قاعدے کے رو سے ۲ مہینے کے بعد جلسہ انتظامیہ ہونا چاہئے۔ تاکید کیجئے کہ اس وقت تک دستور العمل بن جائے۔ ترمیمات وغیرہ سب پیش ہو چکی ہیں۔ مولوی ظہور محمد کو تھوڑا سا کام ہے مولوی عبد الحی صاحب کو لکھئے کہ ان پر تاکید کریں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ دستور العمل موجودہ جو مولوی مسیح الزماں صاحب کے عہد میں بنا ہے اس میں رکنیت کے لئے صاحب تقریر و تحریر ہونا، مشہور ہونا، با اثر ہونا شرط ہے لیکن نظامت کے لئے صرف ۲ قیدیں ہیں۔ عالم باعمل ہو، ندوے سے دلچسپی رکھتا ہو۔ یہ مفہوم اس لئے بنایا گیا ہے کہ ایسے حضرات پر بھی صادق آ سکے۔ یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کام محنت، صرف زر، صرف لیاقت اور لوگ کریں اور یہ لوگ صرف افسری جتائیں لیکن تجری الریاح بما لا تشتھی السفن۔

شبلی ۴؍اپریل ۱۹۱۰ء

(۲۶)

بنام مفتی شیر علی صاحب

مولانا!

گورنمنٹ کو اب اپنی رقم پر توجہ ہوئی ہے اور کلاسوں اور سبقوں کی جانچ پڑتال کرے گی۔ مولوی شیخ محمد صاحب کے گھنٹے اس قدر کم ہیں کہ ان کی تنخواہ دیتے ہیں گورنمنٹ کو تامل ہوگا اس لئے منتخب مقامات حریری وغیرہ کے سبق ان سے متعلق کر دینے چاہئیں۔ اس کے علاوہ ان کے دو گھنٹے مدرسہ میں اس کام کے لئے رکھئے کہ کتب درجۂ تکمیل مثلاً دواوین وغیرہ درسی کا فرہنگ بنا ڈالیں اور حل الابیات لکھیں۔ ان تحریروں کو انگریزی طریقہ پر یا کاپی پر لکھ سکتے ہیں۔ مفتی پابندی کی انتظام میں کوئی ترقی محسوس ہوتی ہے یا نہیں؟

شبلی۔ الٰہ آباد پتھر کی گلی ۲۴؍اپریل ۱۹۱۰ء

(۲۷)

<u>بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی</u>

میں پہلے سے افسردہ تھا، بیماری نے اور دل توڑ دیا۔ اپیل شائع کرنے کی ضرورت نہیں میں نے کام تقریباً چھوڑ دیا ہے لوگ آئیں اور کام سنبھالیں۔ ۵۰ ہزار خرچ ہو چکے عمارت ناتمام ہے۔ ۱۰ ہزار کی اور ضرورت ہوگی، اس کے علاوہ وہ بورڈنگ کا سامان، الماری، فرنیچر، ترقی تعلیم یہ سب کام ہیں۔ لوگ آئیں اور انجام دیں۔ میں انشاء اللہ کسی اور صوبے میں قیام کروں گا اور اور کوئی مشغلہ ڈھونڈھوں گا۔ مولوی حبیب الرحمٰن کو بلا لیجئے اور تقرر کیجئے۔ مصر سے عربی پروفیسر مل سکتا ہے۔ والتسلیم!

شبلی۔ ۲۰/ اکتوبر ۱۹۱۰ء

(۲۸)

<u>بنام مفتی شبیر علی صاحب</u>

جناب من!

آپ کو شاید میرا خط نہیں ملا۔ آپ کے جانے کا سخت افسوس ہے کوئی نعم البدل نہیں مل سکتا۔ ۹/ اپریل کو یہاں جلسہ انتظامیہ ہے اس میں یہ فیصلہ ہوگا۔ مخالفین تو مولوی حفیظ اللہ کو بلانا چاہتے ہیں۔

آپ بہر صورت درخواست رخصت بیماری مع سرٹیفکیٹ جلد بھیج دیجئے۔

شبلی۔ ۲/ اپریل ۱۹۱۱ء

(۲۹)

<u>بنام مفتی شبیر علی صاحب</u>

جناب مولانا!

عجب اتفاق ہے جب آپ کی درخواست رخصت بیماری آئی، میں سخت علیل اور صاحب فراش تھا۔ اسی گڑبڑ میں وہ درخواست کھو گئی۔ براہ عنایت اس کی نقل دوبارہ بھیج دیجئے یا جدید درخواست۔ مولوی عبداللہ ٹونکی کچھ جواب نہیں دیتے۔

شبلی۔ لکھنؤ ۳۰/ اپریل ۱۹۱۱ء

(۳۰)

<u>بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی</u>

بمبئی کیونکر جاؤں۔ درجہ روایت کے طلبا کی کتابیں ناتمام پڑی ہیں۔ مدرس اول چھ چھ مہینے سے بیمار، جلسہ انتظامیہ کو دو مہینے ہوئے خبر ہے شاید شدہ ہزار کہئے، ایک ایک آدمی پر اتنا بڑا کام موقوف، ڈائرکٹر خاص ان طلباء کے نام مانگتے ہیں جو درجہ روایت میں ہیں۔ یہ سب کچھ ہے لیکن نہ مجھ کو کچھ اختیار نہ اور کوئی انتظام کرتا نہ کسی کو اس سے بحث۔ میں برابر بیمار ہوں۔ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب راضی ہو جائیں تو سب راضی ہیں کہ مولوی فضل حق رامپور سے بلا لئے جائیں، وہ فرماتے ہیں کہ نواب صاحب ان کی تنخواہ بڑھا کر ان کو بلا لیں گے۔ فرمائیے کیونکر کام چلے۔ عمارت کا وہ حال، مدرس کی یہ کیفیت۔ انا للہ۔

شبلی۔ لکھنؤ ۷/ مئی ۱۹۱۱ء

(۳۱)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

مولانا!

دارالعلوم کی حالت نہایت قابلِ رحم ہے۔ فرنگی وغیرہ کوئی نہیں آسکتے۔ آپ ہی رحم فرمائیے۔ مشاہرہ میں ۲۵ کا اس وقت اضافہ اور سبق آپ کی مرضی کے مطابق جس قدر آپ پڑھا سکیں۔ بورڈنگ وغیرہ کے اہتمام سے سبکدوشی، عہدہ وہی پرنسپلی۔ اس صورت میں تو درخواست منظور فرمائیے جو رائے ہو فوراً بلکہ بذریعہ تار اطلاع فرمائیے۔ عنقریب مجلس منعقد ہوگی اور کوئی انتظام قطعی ہوگا۔

شبلی۔ ۲ر جولائی ۱۹۱۱ء

(۳۲)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

صاحبِ اختیار افسرانِ کالج سے دریافت فرما کر لکھیے کہ میں اگر آؤں تو کیا مجھ کو گیسٹ ہاؤس میں جگہ مل سکے گی یا اور کہاں؟
مثنویہ حضرت امیر خسرو کیا آپ کے کتب خانے میں ہے۔ ہاں کیا الغزالی، سوانح روم، الکلام اعلیٰ درجے کے کاغذ پر آپ کے ہاں ہیں؟

شبلی۔ بمبئی ۸ر ستمبر ۱۹۱۲ء

(۳۳)

بنام نواب علی حسن خاں

جنابِ من!

تسلیم۔ ایک خط پہلے بھیج چکا ہوں۔ ارادہ ہے کہ عنقریب لکھنؤ آؤں۔ .. دسمبر کو جو جلسہ ندوہ ہونے والا ہے اس کی شرکت کا تقاضا ہے۔ آپ وہاں کے موجودہ حالات سے واقف ہیں۔ نیز حکیم عبدالولی صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب وغیرہ سے دریافت فرما کر لکھیے کہ وہاں کا آنا کہیں کوفت کا باعث نہ ہو۔ اگر طبیعتوں میں کدورت اور خود غرضی ہے اور ندوہ کی کارروائیاں بے ڈھنگی ہیں تو ضرور مجھ کو سوہانِ روح ہوگا۔ اس لئے آپ کی کیا رائے ہے؟ شریک ہوں یا نہ ہوں؟

چونکہ وقت بہت کم ہے اس لئے جواب بواپسی ڈاک عنایت ہو بلکہ مختصر تار ہی دے دیجئے تو اور بہتر ہے۔ میں غالباً آپ ہی کی کوٹھی پر قیام بھی کروں گا۔ جلسہ کے پروگرام پر بہت سے اعتراضات ہیں ان کو الگ خط میں لکھوں گا۔

شبلی۔ حیدرآباد، کاچی گوڑہ ۲۴ر جنوری ۱۹۱۳ء

(۳۴)

بنام سید ہمایوں مرزا بیرسٹر

مکرمی!

تسلیم۔ شکریہ یاد آوری ہوں لیکن علیل ہوں۔ اس وقت صرف ذیل کی سطریں حاضر کر سکتا ہوں۔
مشیرِ نسواں۔ یہ کتاب ایسی حالت میں مجھ کو ملی کہ تین تین راتوں سے نیند نہیں آئی ہے اور دماغ بالکل بیکار ہے تاہم

کتاب کو جا بجا سے دیکھا۔ مجھ کو ہرگز توقع نہ تھی کہ ہمارے زمانہ کی مخدرات ایسی قابل، ذہین، دلچسپ اور فصیح کتابیں تصنیف کر سکتی ہیں۔ یہ کتاب محاسن سے مملو اور معائب سے بالکل پاک ہے۔

شبلی۔ ۱۷ مارچ ۱۹۱۲ء

(۳۵)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

جناب مولانا

تسلیم۔ یاد آوری اور مبارکباد کا شکریہ۔ افسوس یہ ہے کہ سیرت نبوی کا کام اس وقت شروع کیا کہ آنکھوں میں پانی اتر آیا۔ بائیں آنکھ بالکل بیکار ہے گو ابھی قدح کے قابل نہیں۔ دہنی پر بھی زور پڑتا ہے تاہم قصد کر لیا ہے جو کچھ ہو سکے گا کروں گا۔

افسوس ہے مجھ کو املا کی عادت نہیں ورنہ لکھوانا آسانی سے ممکن تھا۔

ندوہ کی عمارت نہایت عمدہ بن رہی ہے ۴۰ ہزار خرچ ہو چکے ۲۵ ہزار کی اور ضرورت ہے۔ اب کے گیارہ ہزار کا چندہ بھی ہوا۔ ایک رئیس نے ۵۰۰ ماہوار بھی مقرر کئے۔

ندوہ زیادہ کامیاب ہوتا لیکن دوستوں کی عنایت بحال خود باقی ہے۔ مولانا اور شاہ صاحب کسی کام کو چلنے نہیں دیتے خیر خدا مالک ہے۔ آپ کی یاد مدرسہ کے در و دیوار تک کو نہیں بھولی۔

ع عالم ہی تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں

شبلی۔ ۲۶ اپریل ۱۹۱۳ء

(۳۶)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

مولانا!

تسلیم۔ آپ کے تشریف لے جانے پر کئی دن سناٹا رہا۔ کتاب مذکور قدیم تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ کیا اس کے مضامین اسی قسم کے ہیں جیسے کہ میزان الحکمت کے؟

سب لوگ سلام نیاز عرض کرتے ہیں۔

شبلی۔ بمبئی ۱۶ جولائی ۱۹۱۳ء

اگر کوئی دقت نہ ہو تو کتاب مذکور رجسٹر ڈ چند روز کے لئے بھیج دیجئے۔

(۳۷)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

مولانا!

سلام مسنون۔ کتاب پہنچی لیکن یہ تو ادب کی کتاب ہے۔ آپ نے جس کتاب کا ذکر فرمایا تھا یعنی ترازو پر

وہ تو یہ نہیں ہے۔ کیا یہ کتاب غلطی سے آگئی ہے؟

شبلی۔ بمبئی ۲۵ جولائی ۱۹۱۳ء

(۳۸)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

جناب مولانا شبیر علی صاحب دام مجدکم!

تحیۃ و سلام۔ ان چند نظموں کی جو مثنی اس خط میں ملفوف ہے آپ اگر جناب مولوی انوار اللہ خاں صاحب[1] سے مل کر یا جس مناسب صورت سے ممکن ہو مولوی صاحب موصوف کر دیں کہ اعلیٰ حضرت تک پہنچا کر، اور پیش کرادیں تو داخل حسنات اور سبب شکر گزاری ہوگا۔

واقعی یہ نظمیں موجب رحم اور اعانت ہیں۔

شبلی نعمانی۔ ۵ راگست ۱۹۱۳ء

(۳۹)

بنام نواب سید علی حسن خاں

مکرمی!

تسلیم۔ مدت سے خیریت مزاج اور حالات حالی معلوم نہیں ہوتے۔ میں بھوپال ہوا اور عماد الملک کے ایما سے حیدر آباد گیا اور اب تک یہیں ہوں اور چونکہ ہر روز ارادۂ سفر رہتا ہے، آپ کو خط بھی نہ لکھ سکا کر خط کے بجائے زیارت حاصل کروں گا۔ سیرت ہو رہی ہے ایک جگہ بیٹھ کر دوبارہ نظر اور تکمیل کی ضرورت ہے۔

ندوہ کے موجودہ ارکان جنہوں نے ممبری قبول کر لی ہے ان کی فہرست) دفتر سے منگوا کر بھیج دیجئے۔

شبلی۔ حیدرآباد۔ کاچی گوڑہ ۱۸ر نومبر ۱۹۱۲ء

(۴۰)

بنام سید افتخار عالم صاحب

جناب من!

تسلیم۔ ہوری لائف میرے بعد نکلے گی ورنہ مکمل لائف کیونکر ہوگی۔ تاریخ ماثر نہایت عمدہ بلکہ الہامی ہے۔ کسی مناسب موقع پر لکھ پاسکوں گا۔

شبلی۔ لکھنؤ ۲۵ر جنوری ۱۹۱۴ء

---

[1] مولوی محمد انوار اللہ خاں فضیلت جنگ قندھار شریف کے قاضی، مدرسہ نظامیہ حیدر آباد کے بانی، میر محبوب علی خاں اور میر عثمان علی خاں کے استاد تھے۔ آخر کار صدر المہام امور مذہبی مقرر ہوئے تھے۔ متعدد تصانیف آپ کی یادگار ہیں۔

(۴۱)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

آنچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم

آپ نے دیکھا ادھر اوقاف اسلامی کی تحریک شروع ہوئی ادھر گورنمنٹ نے یادداشت شائع کی، اور ایک کانفرنس بھی بیٹھنے والی ہے۔ خیر میرا کام تو اس کے پیچھے جان لڑا دینا ہے۔ ؏

آگے نصیب ہے جسے پروردگار دے

دارالمصنفین پر آپ نے کیوں سکوت کیا۔ آپ سے بڑھ کر اس کی شرکت کا کس کو حق ہے۔ میں اس عمارت کو انشاء اللہ پورا کر کے رہوں گا اور شاید وہی میرا مدفن بھی ہو۔ ۲۴ سے پہلے علی گڑھ پہنچوں گا۔

شبلی۔ لکھنؤ ۱۶ فروری ۱۹۱۴ء

---

(۴۲)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مکرمی!

رسالے کے ٹائٹل پیج کا مسودہ لکھ کر بھیجئے۔ ابن خلکان پر عمدہ ریویو لکھا جائے تو کیا کہنا۔ انگریزی ترجمہ ابن خلکان سے بہت مدد ملے گی کیونکہ اس میں بڑی انڈکس بھی شامل ہے۔ میری ایڈیٹری کے لئے جلسے کے مجتمع ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ ناظم صاحب کو لکھئے وہ ممبروں کے نام خطوط بھیج دیں۔ اس سلسلے میں یہ کہنا بھی ضرور ہے کہ میں آپ کو دنیا میں اپنا سب سے سچا اور مخلص اور بے ریا دوست سمجھتا ہوں۔ میرے دل میں اگر آپ کی طرف سے کشمکش پیدا ہوئی تو میری زندگی بدمزا ہو جائے گی اور ندوے پر بہت برا اثر پڑے گا۔ آپ کے الفاظ ایسے ہیں جن سے میری ایڈیٹری کی طرف سے بے دلی پائی جاتی ہے۔ مجھ کو اپنی نام آوری کی اب خواہش نہیں رہی۔ لیکن جب ندوے کی طرف سے مجھ کو ایسا ہوّا بنایا جاتا ہے کہ میرے نام لینے سے ندوے کا سارا کارخانہ برہم ہو جائے گا تو میں بھی انسان ہوں سخت رنج اور غصہ آتا ہے۔ مولوی محمد علی صاحب نے اسی قسم کی باتوں سے ہمیشہ مجھ کو بے دل رکھا اور ندوے کو نقصان پہنچایا۔ حالانکہ لوگوں کا یہ خیال بھی محض بیکار ہے۔ جب میں نے حیدرآباد سے وظیفہ لیا تو اسی زمانے میں خود میرے اشارے سے ناظم صاحب نے ارکان سے دریافت کیا کہ میں اگر ندوے میں کام کروں تو کیسا ہے، اور متفقہ طور پر بھی ارکان سے رائے لی گئی۔ ہمیشہ مجارٹی میری طرف رہی۔ باوجود اس کے میں ایسا خطرناک شخص ہوں کہ میرے اظہار نام سے ایسی ہلچل پڑ جائے گی۔ مجھ کو یہ بہت بے ہودہ اور ناپاک پالیسی ہے جو میرے ساتھ بعض لوگوں نے برتی۔ خدانخواستہ آپ پر اس کی چھینٹیں نہ پڑنے پائیں۔ لوگ یہاں نیچریت سے نہیں ڈرتے بلکہ اس سے ڈرتے ہیں کہ ان کی روشنی ماند نہ پڑ جائے۔ اس سلسلے میں ایک راز کی بات کہتا ہوں۔ اپنے ہی تک رکھئے گا۔ کئی مہینے سے نواب محسن الملک نہایت اصرار سے زور دے رہے ہیں کہ کالج میں آ جاؤ دو سو مشاہرہ ہوگا اور وظیفہ حیدرآباد بھی بحال رہے گا۔ میں سال بھر سے کوشش کر رہا تھا کہ وظیفہ بحال ہو جائے تو نوکری چھوڑ کر

ندوے میں چلا آؤں۔ تین مہینے ہوئے اس کوشش میں ناکامی ہوئی۔ نواب محسن الملک لکھتے ہیں کہ اگر کالج میں آؤ تو یہاں سے کوشش کرائی جائے اور وظیفہ جاری ہو جائے۔ اب فرمائیے کیا کروں۔ کالج میں ندوے کا کام کیونکر ہو سکے گا اور کالج میں نہ آؤں تو حیدر آباد رہ کر اور بھی ندوے سے دوری ہے۔ کوئی معقول رائے دیجئے۔ والسلام!

شبلی

---

(۴۳)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مکرمی!

الندوے کے سلسلے میں اس قدر عرض گزارش ہے کہ مصارف میں مصارف طبع کے علاوہ سو روپیہ اڈیٹر کی تنخواہ اور حصہ ماہوار اجرت مضامین حساب میں داخل رکھنا چاہئے۔ ابھی اڈیٹر کی ضرورت نہیں لیکن محفوظ رکھنی چاہئے۔ کیا معلوم کس وقت کیا ضرورت پڑے گی۔ آمدنی جب کافی ہوگی تو مستقل اڈیٹر مقرر کر دیا جائے گا اور مضامین کی اجرت تو ابھی دینی پڑے گی۔ فلسفۂ جدیدہ کا حصہ انگریزی خواں بغیر معاوضہ کے کا ہے کو پورا کریں گے۔ ہاں ممکن موجودہ کا بکنا اگر یوں ہی توکلاً رہا تو ممکن نہ ہوگا۔ لیکن ایک مشاہرہ دار شخص یا کوئی دلال بوعدہ کمیشن مقرر کیجئے کہ اسے پوسٹ بیچ ڈالے۔ یہ میت و لعل کا کام نہیں۔ مولوی عبدالحی صاحب نے مجھ کو لکھا کہ لکھنؤ کی آب و ہوا اور موقع نہایت اچھا ہے اور آؤ وہاں جھونپڑے ڈالنے چاہئیں۔ میں اگر آیا تو مجھ کو صحابہؓ کی وہ سادہ زندگی موجودہ تکلفات سے بہت زیادہ محبوب ہے۔ بہر حال ناظم حال کو لکھئے کہ دلال یا کوئی تنخواہ دار مقرر کریں۔

شبلی

---

(۴۴)

بنام نواب سید علی حسن خاں

ساقی نہ گیم حیف کہ جز دُرد نداشت	جز ہمیں جرعۂ آخر کہ بہ پایاں زدہ ام
جامۂ زہد چہ بر قامت این راست نبود	شیشۂ تقویٰ سی سالہ بہ سنداں زدہ ام
کس چہ داند کہ بخلوت گہ آں ماہِ تمام	زدہ ام ساغر و بر یادِ حریفاں زدہ ام[1]
جائے آں است کہ گلشن دہد از گنج تیم	بوسہا بسکہ بر آں عارض خنداں زدہ ام

نے تواں برد کہ این نو نو نے چیزے نیست
شبلی این تازہ نواہا نہ چہ مستاں زدہ ام

---

[1] مربیوں کے سلسلے میں سید علی حسن خاں کا نام نمبر دوم ہے۔

دیگر

چند بیہودہ پی سود غم دنیا باشم — زیں سپس با قدح و بادہ و مینا باشم

گرچہ رندی و طرب شیوۂ دانا نبود — حاجتم نیست کہ فرزانہ و دانا باشم

مست پیمانہ چو تنگش بکشم در آغوش — تشنۂ وصل و تمنائے بر و بالا باشم

بادہ ہر چند نہ خوردم توان نیز کشید — چشم مست تو بر آں داشت کہ رسوا باشم

جلوۂ او نگذارد کہ بہم بستہ مژہ — بدر کعبہ و ہماں محو تماشا باشم

با ہمہ عجب تمکیں نتواں خواست ز من — کہ تو از پردہ بدر آئی و برجا باشم

دامن حسن ز دستم نہ رود تا شبلی
دامن معنی از کف ندہم تا باشم[1]

---

[1] یہ دونوں غزلیں کلیات شبلی میں موجود ہیں۔ پہلی کے شعر پانچ ہیں اور دوسری کے دس۔ مولانا شبلی مرحوم نے ابتدا میں جتنے شعر کہے نواب سید علی حسن خاں کو بھیج دیئے۔

اکبر الہ آبادی

بنام مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم

(۱)

روشن جبین وصاحب قلم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب رئیس پریاواں مجھ سے شکایت کرتے ہیں کہ "آپ کی تحریک سے میں نے البشیر لینا شروع کیا لیکن جناب مولوی بشیر الدین صاحب نہ تو میرے مضامین چھاپتے ہیں اور نہ اخبار وقت پر بھیجتے ہیں حالانکہ آپ ہی کی تشویق و تحریص سے میں نے مضمون لکھنے کا ارادہ کیا"

اب میں عرض کروں کہ اس شکایت کو دور کیجئے اور مکرمی خان بہادر صاحب کو جو آپ کے قدیمی دوست ہیں معذرت کا خط لکھئے۔

تعلیم مذہبی کے باب میں انہوں نے جو مضمون لکھا تھا اس کا مسودہ میں نے دیکھا تھا مجھ کو بھی پسند نہ آیا اور میں نے سمجھا کہ بہ سبب ناواقفیت کے لکھا گیا ہے۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ جب یہ چھپے گا میں اس کی تردید لکھوں گا اور آپ کی غلطی قطعی ظاہر کر دوں گا۔ وہ بہت خوشی سے اس پر راضی ہیں۔

بہرکیف میری رائے میں آپ ان کے مضامین چھاپ دیا کیجئے۔ غلط یا غیر مفید مضمون کی خبر لینے کو میں خود موجود ہوں گا یا آپ نوٹ کر دیا کیجئے۔

ان دنوں حسن میاں سلمہٗ جو میرے چھوٹے بھائی ہیں علیل ہیں، اسی سبب سے تردد را۔ یہ فرمایئے کہ کلکتے کا ارادہ ہے یا نہیں۔ نہ کیوں ہوگا ایک وقت الٰہ آباد میں ٹھہر کر ہم سے بھی مل لیجئے۔ وقت سے مطلع کیجئے تو انتظار کروں مکرمی جناب خان صاحب کی خدمت سراپا برکت میں تسلیم بصد تعظیم۔

۵ دسمبر ۱۸۹۹ء　　　　آپ کا نیاز مند اکبر حسین

بنام مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم

(۲)

مولانا۔ مزاج مبارک۔ آپ نے بانیٔ اسلام اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صاحب وغیرہ غلط اور بے ادبی کے الفاظ پر جو اعتراض کیا اس سے نہایت مسرت ہوئی اور معلوم ہوا کہ آپ کا دل محبت و ادب حضور سرور کائنات سے بھرا ہوا ہے۔

علی گڈھ منتھلی میں ایک مضمون مارسین صاحب کا چھپا ہے جس میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ ہندو بنگالیوں کے جزو ہو جائیں علٰحدہ اُن کی کوئی ترقی نہیں ہو سکتی۔

بغداد و عرب و افغان سے ان کو کچھ سروکار نہیں ہے۔ نہ پولیٹیکل حق میں وہ ہندوؤں وغیرہ کے برابر کئے جا سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ

یہ مضمون ذرا ملاحظہ کیجئے۔ اور سید صاحب کا .... اُن کی باتیں یاد کیجئے۔ مارسین کی بات گویا انگلش مین کی بات ہے۔

مارسین نے مجبوری سے یہ لکھا، کیا مجبوری تھی جب آپ سے ملوں گا اپنا خیال ظاہر کروں گا۔

اٹاوہ کی آب و ہوا کیسی ہے میں ارادہ کرتا ہوں کہ تعطیل ملے تو ۱۰-۵ دن ڈاک بنگلے میں رہوں یا سٹیشن ہاؤس لے لوں۔ لیکن پولیس سے مراسلت کر کے اس میں تکلیف و دقت ہے۔

الحمد للہ کہ عشرت سلمہٗ کیمبرج کالج کے حصہ اول کے امتحان میں جو بہت مشکل تھا ۲۰ جون گذشتہ کو پاس ہو گئے انشاء اللہ سال آئندہ میں ڈگری حاصل کر کے وطن آئیں گے۔

۲۲ جولائی سنہ ۱۹۰۳ء

نیاز مند اکبر حسین

(۳)

بنام مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم

مکرمی امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر و عافیت سے ہو۔ افسوس ہے کہ وہ حصہ تعطیل کا جو میں آپ کے حضور میں بسر کرنے والا تھا اور آنریبل حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب اور شیخ احمد حسین خاں صاحب نے بھی میرا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا غیر معمولی بارش کی نذر ہو گیا۔ حاجی صاحب تو دہلی ہیں لیکن کچہری کھلنے کو صرف ۵-۴ روز باقی رہ گئے۔ افسوس ہے کہ مجھ کو چند روز سے شکایت چشم پیدا ہو گئی ہے جس کی وجہ سے کار نوشت و خواند حتٰی کہ مکاتب و اخبار بینی قریباً بالکل بند ہو گیا ہے۔ اور اسی سبب سے عنقریب ریٹائر بھی ہوا چاہتا ہوں۔

آج لکھنؤ جا رہا ہوں اور ڈاکٹر اینڈرسن سے مشورہ کرنے کو، اگر وقت ملا تو ایک دن آپ سے ملنے کو اٹاوہ چلا آؤں گا ورنہ کوئی اور وقت مقرر کروں گا۔

علی گڈھ منتھلی جس میں مارسین صاحب کا مضمون چھپا ہے میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ اس پر کچھ لکھوں۔ بیگ صاحب نے خود ہی کہا اب مصلحت ہے کہ ہم اس کو اور شہرت دیں اور مخالفین کے نشاط کا باعث ہوں۔ غالباً آپ کا بھی یہی خیال ہو۔

یہ خط محض پرائیوٹ ہے
۱۰ اکتوبر سنہ ۱۹۰۳ء

مشتاق و نیاز مند
اکبر

(۴)

بنام مولوی بشیر الدین صاحب

عشرت منزل۔ الٰہ آباد۔ مخدومنا تسلیم عرض۔ "البشیر" جناب خان بہادر صاحب مدظلہٗ کو سنایا گیا۔ جناب ممدوح بہت

خوش ہوئے اور یہ فرمایا کہ مولانا کو ہمارا شکریہ ملکہ وہ اور یہ کہ باوجود کچھ دنیاوی خیالات میں مخالفت ہونے کے بھی ان کو آپ سے بہت محبت ہے اللہ تعالیٰ آپ کو خوش و خرم رکھے۔

طبیعت کی یہ حالت کہ ہنوز طاقت گفتار نہیں۔ ظاہراً تپ نے مفارقت کر لی ہے لیکن معدہ ابھی غذا کو قبول نہیں کرتا۔ دعا فرمائیے کہ اللہ صحت جلد مرحمت فرمائے۔

۲۰ر جون ۱۹۰۵ء　　　کمترین محمد ظہیر پرائیوٹ کلرک

<u>بنام منشی محمد الدین فوق</u>

(۵)

الٰہ آباد۔ مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ عرصہ گزرا آپ سے مراسلت نہیں ہوئی۔ میں کیا لکھوں ایک مدت سے کس مصیبت میں ہوں۔ صرف علیل ہی نہیں ہوں اس کے سوا اور بہت کچھ ہوں۔ تفصیل کیا عرض کروں ۔

پڑ گئے گیسوئے اوہام بتاں کے پھندے　　　پابہ زنجیر ہے اکبر کا قلم آج کے دن

بہرحال دعا ہے کہ خدا عاقبت بخیر کرے۔

رسالہ "طریقت" ماہ دسمبر ۱۹۱۵ء دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ زوائد اور تصنع الفاظیوں، خود ستائیوں، خود فروشیوں سے پاک۔ سچے روحانی مفید مضامین سے مالا مال۔ جزاک اللہ۔ مس کوربی کی تقریر سبحان اللہ نور اللہ علی نور۔ بابا صاحب کے خیالات بھی خوب۔ کیا اچھا ہوتا اگر یہ پرچہ انگریزی زبان میں شائع ہوتا۔ کچھ شبہ نہیں کہ اعلیٰ درجہ کا انگریزی لٹریچر ہو۔ کام سے کام مطلب سے مطلب۔ کاش گورنمنٹ اسی طریق کی حامی اور مددگار ہو۔ امیر محمد دنیا پرستی کا دعظ کہہ کر گویا اپنا ہی گھر لٹوانے کی بنیاد قائم کرتا ہے۔ اپنی خیریت لکھئے۔ دعا لیجئے، دعا دیجئے۔

۲۶ر دسمبر ۱۹۱۵ء
اکبر

(۶)

الٰہ آباد۔ میرے مکرم۔ یاد آوری اور عزت افزائی کا سپاس گزار ہوں۔ چار پانچ سال سے میں ایسی شکایات اور عوارض میں مبتلا ہوں کہ کسی باضابطہ مجلس میں شاید ادھ گھنٹے تک بھی بہ اطمینان نہیں بیٹھ سکتا۔ اس موسم میں معذوریاں اور بھی بڑھ جاتی ہیں۔ نیز ایسی احتیاطیں ملحوظ ہیں کہ سفر تک بھی کسی کا مہمان نہیں ہو سکتا۔

انہیں وجوہ سے مدت سے آپ کی ملازمت سے مسرت حاصل نہیں کر سکا۔ آپ ملت کے ایک بڑے باخبر اور سرگرم خیر طلب ہیں۔ اللہ آپ کو کامیاب فرمائے۔ زندگی ہے تو شاید مارچ اپریل میں مل سکوں۔ سچ تو یہ ہے کہ اب مجھ پر زندگانی بار ہے۔

خواجہ حسن نظامی صاحب کو کیوں نہ صدر بنائیے، مجھ کو بالتحقیق معلوم ہوا ہے کہ چیف سکریٹری صاحب گورنمنٹ نے اردو کانفرنس لکھنؤ میں ان کی شرکت منظور کی اور ان سے ملنے کا بھی وعدہ فرمایا۔ یہ بات سطے پائی اور بالاشبہ یہی مناسب تھا کہ خواجہ صاحب پالٹکس کو چھوڑ دیں۔ تصوف کی اشاعت کا شغل کافی ہے۔ اگر آپ فرمائیں تو میں ان کو لکھوں۔

۱ر دسمبر ۱۹ء
آپ کا دعا گو اور ۔۔۔۔۔۔۔ اکبر

بنام نواب سید علی حسن صاحب

(۷)

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ! جناب نواب نورالحسن خاں صاحب کے انتقال کی خبر نے اس قدر مغموم کیا کہ اس کا اظہار دشوار ہے۔ ایسے فرشتہ خصلت لوگ کہاں نظر آتے ہیں میرے بڑے محب اور قدردان تھے۔ آپ کے دل پر کیا گزری ہوگی اس تصور سے تکلیف ہوتی ہے۔ یہی خیال تسکین دہ ہے کہ ما نیز بہ راہ معزیم۔

میں اس سال برسات میں بہت علیل رہا ارادہ تھا کہ فوراً تعزیت کے لئے حاضر ہوں لیکن نہ آسکا۔ خود ایسی پریشانی میں رہتا ہوں کہ عرض نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ آپ کو مدت دراز تک صحیح و سالم اور مسند عزت پر متمکن رکھے۔ آپ سے بہت کچھ دلی قوت ہے خدا کرے جلد حاضر ہو سکوں۔

۱۶ر نومبر ۱۹۱۸ء — خاکسار اکبر حسین الہ آباد

بنام منشی محمد الدین فوق

(۸)

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ امراض متعددہ کے سبب سے دل و دماغ پر قابو نہیں۔ افسوس کہ آپ کے عنایت ناموں کا جواب ابھی تک نہ لکھ سکا اس وقت آنکھ سے بھی مشکل ہے۔ انگلیوں میں درد ہے۔ دیوان سے کچھ اشعار بھیجے ہیں۔ زندگی رہی تو پھر کبھی۔ طریقت[۱] پر خدا آپ کو مستقیم رکھے۔

۲۶ر دسمبر ۱۹۱۹ء — اکبر حسین۔ الہ آباد

بنام منشی محمد الدین فوق

(۹)

کتاب حریت اسلام پہنچی۔ یاد آوری کا سپاس گزار ہوں۔ بہت دلچسپ کتاب ہے۔ وقت کے مناسب حال ہے۔ خداوند تعالیٰ ہم لوگوں کو حریت عطا فرمائے۔ آپ کو جزائے خیر دے۔ میں چند مہینے سے بہت بیمار ہوں حواس کو انتشار ہے۔

۲۸ر اپریل ۱۹۲۱ء — طالب دعا اکبر

بنام منشی محمد الدین فوق

(۱۰)

برادر طریقت سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کی محبت اور مذاق پرستی سے دل کو بہت مسرت ہوئی۔ ضعیفی کے دن ہیں۔ نفس واپسیں کا انتظار ہے۔ ہر حال میں خدا کا شکر ہے۔ اس وقت تو علاج سے نفع ہوا ہے۔ امید ہے آپ کا رسالہ اچھی طرح چل رہا ہوگا اور آپ بھی راہ سلوک میں سرگرم اور اس سے بہرہ اندوز ہوں گے۔

الہ آباد ۱۰ر اکتوبر ۱۹۲۰ء ؟ — خاکسار اکبر

(۱۱)

مکرمی افسوس ہے کہ آج آپ کی مکالمت و مجالست کے لطف سے محروم رہا۔ حالت یہ پیش آئی کہ دو مرے

۱؎ طریقت

مہمان صاحب بہ سبب ضعف کے آ نہ سکے اور لکھ بھیجا کہ میرا کھانا یہیں بھیج دیجئے۔ ادھر ہاشم سلمہٗ بھیجتے تھا اور میں
اوس میں مشغول تھا خود بھی کھانے کے لئے طیار نہ تھا۔ کچہری کا وقت آن پہنچا۔ میں سمجھا کہ نہایت بے لطفی ہو گی کہ آپ
تنہا طعام نوش کریں۔ بہ مجبوری وہیں بھیج دیا۔ اس وقت آپ کا منتظر تھا۔ سنا کہ آپ باہر گئے ہیں کیا کل شب کو آپکا
قیام نہ ہو گا تاکہ آپ سے اطمینان سے ملنے کا موقع ہو۔

اکبر حسین

(۱۲)

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کے خط سے روحانی مسرت ہوئی۔ اگرچہ میں اب دنیا سے قریباً بالکل
بے تعلق ہو گیا ہوں۔ لیکن آپ کی محبت، در قابلیت کی یاد دل سے نہیں گئی۔

آپ تو ارباب طریقت میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اب کوئی جلد کلیات کی باقی نہیں ہے پروف
اخیر کاپی حصہ اول کی کسی کو بھیج دی گئی۔

حصہ دوم پریس میں ہے۔ امید ہے کہ اگست میں اشاعت پا جائے۔ حصہ سوم ابھی زیر ترتیب ہے۔

گردش لیل و نہار کو دیکھئے۔ خوب قافیے ملا کرتے ہیں۔ خدا آپ کو ترقیات باطنی نصیب کرے۔ دنیائے فانی
صرف تماشا اور لہو و لعب ہے۔

الٰہ آباد ۱۲ جون سنہ ۱۹ء		نیاز مند دعاگو اکبر حسین

بنام مولوی بشیر الدین مرحوم

(۱۳)

پیارے عنایت فرما۔ افسوس ہے کہ مارسیس والا مضمون میں اب تک نہ بھیج سکا۔ انشاء اللہ معہ ترجمہ بھیجوں گا۔
۱۲ اگست کے البشیر میں محمد علی صاحب نے ہماری خاتونیں کے متعلق ایک مضمون لکھا ہے بہت جوش اور
قابلیت سے لکھا ہے۔

ہمارے برادر مکرم شیخ احمد حسین خان بہادر رئیس پریاواں دریافت فرماتے ہیں کہ یہ مسٹر محمد علی صاحب کون بزرگ
ہیں۔ کیا ایڈریس ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ بہ کرم جلد اس امر سے مطلع فرمائیں گے۔ خان بہادر صاحب پردے کے
باب میں ایک پمفلٹ شائع کیا چاہتے ہیں۔ خدا آپ کی مدد کرے۔

خادم اکبر حسین

بنام مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم ایڈیٹر البشیر

(۱۴)

جناب ایڈیٹر صاحب۔ جناب مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے قرآن مجید کا جو بامحاورہ اردو ترجمہ شائع کیا ہے
وہ درحقیقت نہایت عمدہ بلکہ لاجواب ہے اس سے بہتر خدمت اسلام کی اس زمانے میں ذہن میں نہیں آ سکتی۔
اللہ تعالیٰ مولوی صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے ان کے علم و قابلیت سے قوم کو بہت فائدہ پہنچا اور بہت
فائدہ پہنچنے کی امید ہے۔

بعض مقامات پر مجھ کو شبہ پیدا ہوا ہے یا تو میرا شبہ بیجا ہے اور ایسا ہونا کچھ بعید نہیں کیونکہ بغیر علم کی روشنی کے محض عقل و قیاس کو اس منزل میں کہاں تک رسائی ہو سکتی ہے، یا واقعی ترجمہ میں کچھ غلطی ہو گئی ایسا ہونا بھی کچھ بعید نہیں کیونکہ مولوی صاحب کے مددگار اور بزرگوار بھی تھے شاید کسی نے غلطی کی اور نظر ثانی میں اس پر نگاہ نہ پڑی اتنے بڑے عظیم الشان قانون فطرت کے ترجمے میں اگر کہیں دو چار لفظوں پر نظر نہ پڑی تو کچھ تعجب نہیں۔ اب میں ایک شبہ بیان کرتا ہوں۔ سورہ والتین کے ترجمہ پر صفحہ ۱۰۵۹ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددنٰہ اسفل السافلین کا ترجمہ حسب ذیل کیا گیا ہے۔ ہم نے انسان کو بہتر سے بہتر ساخت کا پیدا کیا۔ پھر ہم اس کو (بڑھا کر کے) کمتر سے کمتر مخلوق کے درجے میں لوٹا لائے۔

بریکٹ میں جو الفاظ توضیح کے لئے بڑھائی گئی ہے اس کی صحت میں مجھ کو شبہ ہے درحقیقت ترجمہ غلط نہیں ہے معنی کے بیان میں شاید غلطی ہوئی میرا خیال تھا اور ہے کہ یہاں جوانی، اور بڑھاپا مقصود نہیں ہے بلکہ انسان کی روحانی اور اخلاقی حالت کا بیان ہے ترک دنیا کن و بگذر۔

دوسری آیت الا الذین آمنوا و عملوا الصلحت فلھم اجر غیر ممنون اس خیال کی تائید کرتی ہے۔

اگر میرا خیال صحیح تسلیم کیا جائے تو آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح چاہیے۔ اگر میرا خیال صحیح تسلیم نہ کیا جائے تو یہ بات زیر بحث ہوگی۔

سید اکبر حسین از الہ آباد

(۱۵)

<u>بنام جناب بشیر الدین صاحب مرحوم</u>

واہ حضرت کلکتہ سے واپسی کے وقت وعدہ تشریف آوری آپ نے خوب پورا کیا میں تمام خیالات اور مضامین لئے ہوئے آپ کا منتظر رہا۔ آپ آتے تو خوب گپیں اڑتیں اور منصوبے گٹھتے خیر اب بھی تعمیل ارشاد پر کمر بستہ ہوں۔ خدا ماہ صیام نے زیادہ تر لکھا کر دیا ہے۔

آپ کلکتہ کے تحائف لئے ہوئے سیدھے گھر پہنچے اس ذرے کو حصہ نہ لگائیے۔

نیاز مند اکبر

(۱۶)

<u>بنام مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم</u>

مکرمی۔ میں تو آپ کا پرانا آسامی ہوں۔ حضرت ملا رنہ بھی تحریک کرتے تو تعمیل ارشاد کرتا۔ چنانچہ قیمت دے کر اخبار لیا۔ میں علیل رہتا ہوں۔ تعلقات منقطع ہو چکے ہیں اگرچہ اکثر امور لائق بیان ذہن میں آیا کرتے ہیں لیکن خاموشی کو ترجیح دیتا ہوں۔ کبھی اخلاق، معرفت، موعظت میں کوئی شعر کہہ دیتا ہوں۔ خاتمہ قریب ہے اللہ تعالیٰ عاقبت بخیر کرے

ع صدیوں فلاسفی کی چناں اور چنیں رہی — لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

اکبر

یعنی نجات آخرت کا خیال سب کو ہے۔

آپ کے دوست جعفر حسین صاحب کہاں ہیں کیا کرتے ہیں؟

شاد عظیم آبادی

(۱)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب علی گڈھ (پٹنہ)

مکرمی!

اردو تعلیم کے پروف جہاں تک چھپے ہیں افسوس ہے کہ ناقص چھپے ہیں۔ اس کے حالات دیباچہ سے واضح ہو سکتے ہیں مگر وہ آخر میں چھپے گا۔ یہاں بر جستہ اوراق چھپے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔ جو جو پروف چھپتے جائیں گے انشاء اللہ حاضر کرتا جاؤں گا۔ حتی الوسع اسی تعلیمی پہلی کتاب میں تمام رسم الخط، شارات املائی اور بعض ضروری نقائص اس خط کے وضع کئے گئے ہیں۔ اس کا حال بغیر تفصیل ملاحظہ فرمائے ہوئے معلوم نہیں ہوں گے۔ یہ تحریر میں نے ایک مرقع کے لئے لکھی تھی۔ یہی مسودہ ہے صاف بھی نہیں کیا گیا ہے اور نہ نظر ثانی کی ہے۔ امید ہے کہ از راہ عنایات بشرط فرصت اس کو ملاحظہ فرما کر واپس مرحمت فرمائیے گا۔ ہر چند اس مسودے میں اکثر زوائد ہیں جن پر اصلاح دینا ضروری ہے مگر آپ سے ایسی ہی یک جہتی ہے کہ مجھ کو اس کے بھیجنے میں کوئی تامل نہ ہوا۔ ملاحظہ فرما کر واپس فرما دیجئے۔ عمر کم طویل و عدو کم ذلیل۔

خاکسار سید علی محمد شاد ۱۱ مئی ۱۹۰۵ء

(۲)

بنام مولانا شاہ سلیمان صاحب مرحوم پھلواروی

جناب مولائی و ملاذی!

تسلیم بجا لاتا ہوں۔ اس دفعہ خاکسار نے محرم میں کوئی مجلس نہیں رکھی تھی ورنہ حسب وعدہ تکلیف دیتا۔

میرا خود دل چاہتا ہے کہ کسی دن پھلواری میں حاضر ہوں۔ چند گھنٹہ تک خدمت والا میں حاضر رہ کر مرثیہ پڑھوں۔ ممکن ہے کہ کوئی منبر بھی رکھوا دیا جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ فرش پر بیٹھ کے پڑھوں۔ گو پیرانہ سالی و امراض قلب و معدہ میں گرفتار ہوں مگر ممکن ہے کہ دو گھنٹہ کی صحبت ہو جائے۔

غالباً آگرہ کی اردو کانفرنس میں ۲۸ دسمبر تک مجھ کو جانا پڑے۔ اگر اس سے قبل کوئی تاریخ مناسب ہو تو مجھ کو اطلاع دی جائے

حالت یہ ہے کہ میں بارہ بجے دن کو صرف ایک وقت غذا کھاتا ہوں، بعد اس کے بلا فصل دو گھنٹہ تک سو رہتا ہوں یا تین بجے کا وقت رکھا جائے یا نو بجے دن کا۔ مجھ کو معلوم نہیں کہ پھلواری جانے آنے میں مجھ کو ریل کا کون سا وقت اختیار کرنا ہوگا تاکہ اسی دن شام کو گھر واپس آ جاؤں۔ پھلواری کے بعض بزرگوں نے اور دو دفعہ بھی مجھ پر اصرار کیا تھا مگر مجھ سے نہ ہو سکا۔ غالباً ان بزرگوں کو بھی میری حاضری کی خبر مل جائے گی۔ ظلکم ممدود برب الودود۔

خاکسار خادم: السید علی محمد شاد۔ پٹنہ ۱۶ر دسمبر ۱۹۱۲ء

(۳)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب علی گڑھ (پٹنہ)

برادر عزیز مسلم روحی فداکم!

میں تعجب کرتا ہوں کہ اس مفصل خط کے بعد جو خط میں نے آپ کو لکھا وہ کہیں نہ پہنچا۔ تصویر کا ایک ورق چھپا ہوا میرے پاس پہنچا۔ دیکھ کر افسوس ہوا۔ میں نے جو پیمانہ اس کا قائم کیا تھا وہی پیمانہ مثنوی کا تھا چنانچہ بصراحت برابر خطوں میں اطلاع دیتا گیا ہوں مگر یہ تصویر اس پیمانے سے دونی ہے۔ اب بجز اس کے اور کیا کر سکتا ہوں کہ مثنوی کی تقطیع بھی اتنی ہی رکھی جائے۔ سخت تعجب ہوا کہ منیجر صاحب نے غور نہ کر لیا۔ یہاں کے مطبع سے اب مجھ کو پوری یاس ہو گئی یعنی اب تک صاحب مطبع نے مجھ سے ملاقات تک نہیں کی ہے۔ منیجر صاحب نے بڑی مشکلوں سے بلوایا تو عجیب عجیب باتیں اس نے کیں یعنی اب دیر نہ ہوگی۔ میں نے بھی ڈھیل دے دی ہے کیونکہ جب تصویر ہی بڑی ہو گئی تو خواہی نخواہی تقطیع بدلنا پڑا۔ میں نے پرسوں اقبال کو مفصل خط لکھا تھا کہ بانکی پور کے مطبع گورگ بلاس کا منیجر مولوی شجاعت علی خاں صاحب کا سفارشی خط لے کر میرے پاس آیا۔ مطلب یہ ہے کہ اس نے ایک ایسی کتاب کے جمع کر کے چھاپنے کا قصد کیا ہے جس میں لیڈی ہارڈنگ کے مرنے پر جس جس زبان میں ماتم نامہ لکھا گیا ہے سب کو ایک جگہ جمع کر کے وائسرائے کے پاس بھیج دے۔ مجھ سے بھی اس کی خواہش ہے کہ میں بھی مسدس وغیرہ دوں۔ اس سے اس مثنوی کا ذکر آیا تو وہ بخوشی تمام اپنے یہاں چھاپنے پر راضی ہے۔ لیکن غالباً وہ حساب وغیرہ اور نمونہ لے کر آئے گا۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ طبع کتاب کے بارے میں ہمیشہ سے میری تقدیر یہی رنگ دکھاتی ہے جس کو آپ نے ملاحظہ کیا۔ دیوان کے بارے میں مخدومی جناب مولانا ابوالکلام صاحب کے ارشاد کا میں ممنون ہوں۔ سا اہلِ علم سے ہی کوئی چیز عزیز نہیں کہ ناخوش کر کے صاحب تحریر ہی کی بھلائی اس میں ہے۔ اس بارے میں ان سے خود خط و کتابت ضرور کروں گا۔ ساتی پوری ساریاں کلکتہ میں ہر قسم کی افراط سے ملتی ہیں۔ مگر بیل والی ساریاں یہاں کی عورتیں پسند نہیں کرتیں۔ ایک انگل کی بیل چار طرف کو رہیں ہم اس کو پسند کرتی ہیں۔ معمولی قد کی ساری ململ کا کپڑا قیمتی دو پیلہ و چار آنہ زیادہ کی دو عدد ساری اور کسی قدر دراز قد عورت کے قابل ویسی ہی ساری ایک عدد درکار ہے۔ رنگونی سلیپر خاص کر کے نئے بازار یا ٹھٹھیاری میں بہت ملتی ہیں۔ ڈیڑھ روپیہ تک فی عدد قیمت ہے۔ ایک سلیپر وہ پانچ انچ اور ایک ساڑھے سات انچ لانبی درکار ہے۔ دو گول موزے یعنی بوٹ گھنڈی دار ایک تین برس کے لڑکے اور ایک دو برس کے بچے کے قابل قیمتی فی ڈیڑھ روپیہ مذکورہ بالا چیزوں کی فہرست ذیل میں ہے:

ساری ساتی پوری جس میں چار طرف بیل ایک انگل کی ہو، معمولی قد کی ساڑھے چار گز لمبی دو عدد فی عدد ۶ نقرہ — لعہ

ایضاً دراز قد اور مذکورہ بالا ساریوں سے کسی قدر زیادہ ساڑھے چار گز لانبی ۴ عدد
سیلپر سیاہ رنگ آٹھ انچ لمبی ۴ عدد
ایضاً ۹ انچ لمبی ۴ عدد
ایضاً سات انچ لمبی ۴ عدد
بوٹ گھنٹی دار تین برس کے لڑکے کے قابل ۴ عدد
ایضاً دو برس کے بچہ کے قابل ۴ عدد

۱۲

اگر آپ کا قیام وہاں ایک ہفتہ تک اور ہے تو میں آرڈر بھیج دوں اور اگر موقع نہ ہو بشرطیکہ اتنے روپے آپ کے پاس ہوں تو از راہ عنایت خود خرید فرما کر اپنے ساتھ لیتے آئیے گا۔ اس کے علاوہ دو ٹکیہ صابون عمدہ قیمتی ہمراہ لائیے گا۔
میں خوب جانتا ہوں کہ آپ کو خریداری میں زحمت ضرور ہوگی مگر مجبور ہو گیا ہوں۔ چونا مرچی کا بھیجنا بہت ضروری سمجھئے۔
اگر آپ کا وہاں ایک ہفتہ اور بھی قیام ہوگا تو سند مطلوبہ مولانا ابو الکلام حاضر کر دوں گا۔ لیکن آپ کو مولانا ابو الکلام صاحب کے پاس جانے میں اتنی تکلیف نہ ہوتی ہو گی جیسی ہم لوگوں کو باتیں پوچھنے میں مگر اب چنداں تکلیف کی حاجت نہیں ہے۔ آپ نے ادھورا ترجمہ کیوں بھیجا۔ پورا کر دیتے تو میں دوسروں کے بار احسان سے کسی قدر سبکدوش ہو جاتا۔ اس وجہ سے کہ آپ مجھ سے مشورۂ سخن کرتے ہیں بلکہ اس سبب سے کہ آپ جس خاندان عالی کے ممبر ہیں مجھ کو اس خاندان سے دلی موانست ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ نے فی زمانہ آپ کو ایسا سعادت مند پیدا کیا ہے کہ آپ کو دیکھ کر میں فخر کرتا ہوں کہ میرے شہر کے پرانے خاندان میں آپ ایسا جوہر کامل پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو طویل العمر کرے، اور جیسے آپ ہیں ویسی ہی ترقی بخشے۔ آمین رب العالمین!

خاکسار دعا گو، سید علی محمد شاد۔ جولائی ۱۹۱۲ء

---

(۴)

بنام سید وصی احمد صاحب فائق بلگرامی

برخوردار نور چشم فضائل مآب سلمکم اللہ تعالیٰ!

آپ کے تشریف لے جانے کے بعد مجھ کو زیر ناف سخت درد پیدا ہو گیا۔ رات تڑپ کر کٹی۔ تھوڑی دیر سے کچھ افاقہ ہے۔ جس میموریل کا آپ سے ذکر کیا ہے اس کا ایک انگریزی مسودہ اور کچھ مضمون اس پر زیادہ کیا ہے۔ اردو میں وہ مضمون جاتا ہے۔ پوری امید ہے کہ آپ ان مضامین کو اپنے طور پر انگریزی میں لکھ دیجئے اور صاف کر کے اس دو شنبہ کے قبل میرے پاس روانہ کر دیجئے۔ دو شنبہ کے دن کمشنر صاحب کو دکھا کر چھپوانے کا ارادہ ہے اور اگر آپ کی عنایت ہو گی تو انشاء اللہ ۵ ار نومبر کو داخل کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مدارج اقبال میں ترقی عطا کرے۔ آمین!

دعا گو: سید علی محمد شاد۔ ۱۱ ار نومبر ۱۹۱۲ء پٹنہ۔

---

(۵)

بنام سید وصی احمد صاحب فانی بلگرامی

جان و دل نثار بقربان شما!

ایک ہفتہ سے زیادہ ہوا کہ آپ کا گرامی نامہ باعثِ قوتِ دل حسرت منزل ہوا تھا۔ کتابوں کی نسبت کیا عرض کروں، ایک ہفتہ سے یہی ہو رہا ہے کہ کل چاروں کا ایک ایک جزو تیار ہو جائے گا مگر کوئی نہ کوئی بکھیڑا نکل آتا ہے۔ شاید اب اتوار تک تیار ہو کر آپ کے پاس روانہ ہو جائے۔

بھائی اس عمر اور روز کی بیماری اور ضعف نے مجھ کو مار ڈالا ہے۔ اس پر مسودہ دیکھنا، کاپی دیکھنا، پروف دیکھنا اور پھر مختلف مضامین پر نظر رکھنا۔ خدا اہلِ علم دوستوں میں عزت رکھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور درجۂ اعلیٰ پر پہنچائے جسے دیکھ کر دل اور بھی خوش ہوتا ہے۔ میں تو اس وقت بھی فخر کرتا ہوں اور دل چاہتا ہے کہ تمہارے پاؤں کی خاک اپنی آنکھوں سے لگایا کروں۔

تمہارا خاکسار: السید علی محمد شاد۔ ۳ر دسمبر سنہ ۱۹۲۳ء

(۶)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب (پٹنہ)

سلّمہ اللہ بالعیش والسرور

السلام علیکم۔ مجھ کو بڑی شکایت ہے کہ آپ نے متعلق اپنے حالات کی مجھ کو خبر نہیں دی۔ دریافت کرنے سے کوئی درست پتہ بھی نہ مل سکا۔ ابھی قاضی عبدالودود صاحب سے معلوم ہوا کہ آپ علی گڑھ میں ہیں۔ مسٹر راس مسعود صاحب نے مجھ کو لکھا تھا کہ آپ مولوی محمد مسلم صاحب سے کہہ دیجئے کہ جب میں حیدر آباد پہنچ جاؤں (یہ خط جاپان سے لکھا تھا اور نومبر کے آخر میں اپنا پہنچنا بتایا تھا)، تو ہم کو اطلاع دیں۔ مجھ کو پتہ ہی آپ کا نہ مل سکا۔ مولوی عباس حسین صاحب کا خط بھی مل گیا ہے اگر ضرورت ہو تو روانہ بھیج دوں۔ قاضی عبدالودود صاحب میرے غزلیات باصرار چھپوانا چاہتے ہیں۔ حالت یہ کہ دو بارہ جزو سے زیادہ نہیں چھپواتے اور خود منتخب بھی کرتے ہیں۔ اب میں سخت مجبور ہوں کہ کیا کروں۔ میں برابر بیمار رہا اور دوسرے کاموں میں ایسا الجھا کہ غزلوں کو دوبارہ نہ دیکھ سکا۔ وہ کل مسودات غزلوں کے لئے ہوئے چلے گئے۔ ان کے دادا سے بے حد ربط تھا، میں کیا کرتا، غرض جہاں تک معلوم ہو پانچ جزو تک کاپیاں بھی لکھی جا چکی ہیں۔ ان کاپیوں کو وہ علی گڑھ چھاپنے کو بھیج رہے ہیں۔ جس مطبع میں تاریخ اسلامیہ چھپی ہے وہیں اس کو بھی چھپائیں گے۔ مجھ کو بہت بڑی خوشی اور قوت ہوئی کہ آپ وہاں موجود ہیں۔ انشاء اللہ کوئی غلطی میری خود اور کتابت کی رہنے نہ پائے گی مگر حالت یہ ہے کہ جب تک میری کتاب فکرِ بلیغ شائع نہ ہو دیوان کا چھپنا خلافِ مصلحت۔ لہٰذا کیونکہ میرے اصولوں سے ہنوز لوگوں کو اطلاع نہیں ہے اس لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ اسی عزت کے ساتھ نسخہ فکرِ بلیغ کا چھپنا بھی وہیں شروع کیا جائے۔ کتاب مرتب ہے اور مجلد۔ وہیں کتابت ہو اور آپ تصحیح کریں۔ مالکانِ مطبع سے ملئے کہئے اور کہئے کہ مصنف اس کا غریب شخص ہے۔ حصہ اول کتاب کا بارہ تیرہ جزو سے کم نہیں، حصہ دوم کچھ زیادہ ہے۔ تقطیع تاریخ اسلامیہ سے زیادہ ہو تو بہتر ہے ورنہ جو رائے آپ کی۔ (۱) کتنے پانسو چھپے گی (۲) کتابت اور چھپائی ٹھیک تاریخ اسلامیہ کی سی (۳) پوری کتاب جون میں مل جائے اور حصہ اول تا اپریل، مع مزدوری ...

طے ہو جائے کہ روپے چار قسطوں میں ملیں گے۔ شروع کتاب کے ساتھ ایک سو، چار جزو چھپنے پر ڈیڑھ سو، نصف چھپنے پر ایک سو بقیہ کل چھپنے پر (۵) وعدہ خلافی کا چلن زوردار ہے اور غلطی کتابت کے مولوی محمد مسلم صاحب سلمہٗ۔ بواپسی ڈاک مفصل جواب دیجئے۔ یہ اخیر کام میرا آپ کو کرنا ہوگا۔ سنا کہ آپ لڑکے کو بھی ساتھ لے گئے ہیں بہت اچھا کیا خدا اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ اس کتاب کے چھپنے کے لئے مشکل سے روپے فراہم کئے ہیں ڈرتا ہوں کہ ضرورت میں خرچ نہ ہو جائیں۔

میری غزلوں کی کاپیاں خود آپ نظر غائر سے دیکھئے۔ ۸۰ برس کی عمر ہے چوک جانا عمداً غلطی کا رہ جانا ضروریات سے ہے اور خاص میرے ساتھ بونامزی کی حالت ہے آپ سے مخفی نہیں ہیں یہاں تک آپ سے مطمئن ہوں کہ اگر وقت کم ہو تو کچھ ضرورت مجھ سے پوچھنے کی نہیں ہے جو مناسب معلوم ہو خود بنا دیجئے گا۔ مسٹر راس مسعود صاحب نے ایک تذکرہ چھاپا ہے۔ میرا بھی ذکر کیا ہے کیا آپ نے اس کو پڑھا ہے؟

میں اب جتنے دن دنیا میں ہوں جلد کام ختم کر لوں اسی کی دھن ہے۔ میری نظر میں دو شخص پٹنہ بھر میں ایسے ہیں جن پر میں اطمینان کروں مگر ایک عدیم الفرصت اور دلچسپی نہیں رکھتے یعنی لاڈلے صاحب سلمہٗ ایک آپ اگرچہ آپ بھی حد سے زیادہ عدیم الفرصت ہیں مگر دلچسپی تو رکھتے ہیں۔ والسلام بالاکرام!

مخلص دعاگوئے شما: سید علی محمد شاد۔ عظیم آباد ۱۳ر دسمبر ۱۹۲۳ء

---

(۷)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب علی گڑھ (پٹنہ)

مطالب محفوظ

حبیبنا و مولانا محمد مسلم روحنا فداکم!

اس میں شک نہیں کہ عزیزی قاضی صاحب نے نہایت قدردانی کے ساتھ میرے ناچیز کلام کے چھپوا دینے کا خرچ گوارا کر لیا۔ تفصیلی حالت یہ ہے کہ میری غزلیں ایک تو منتشر دوسرے ترتیب دئے ہوئے کئی مجموعے۔ وہ مجموعے بھی اس طرح سے کہ اکثر غزلیں اور اشعار ایک سے دوسرے میں نقل تھیں۔ مزید برآں وقتاً فوقتاً جو مصرع یا الفاظ بدل دئے ہیں وہ بھی ایک سے دوسرے میں ہیں۔ ارادہ تھا کہ اس کتاب فکر بلیغ سے فارغ ہو کر باطمینان دیوان کی ترتیب دوں گا اسی لئے اکثر مجموعہ کی غزلوں پر بطور یادداشت کچھ کچھ نشان بنا دئے تھے وہ سب مجموعے۔ وہ منتشر مسودے میاں قیس صاحب متکلم وعدہ کر کے اور نہایت اطمینان دلا کر اٹھا لے گئے اور یہ کہا گیا کہ ہم لوگ ایک جگہ صاف کریں گے اور ایک کا دوسرے سے مقابلہ تحمل کر لیں گے اس کے بعد آپ کو ملاحظہ کروا کے کاپیاں لکھوائیں گے۔ کچھ تو ثروت اور کچھ اپنی محنت کے کم ہو جانے کے خیال سے یا بے توفیقی اور اعتبار کر کے مطلق عذر نہ کیا یہاں تک کہ میاں قیس نے ایک غزل بھی نہ چھوڑی۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر سب لے گئے۔ جب لے جا چکے تو یہ ظاہر کیا کہ قاضی صاحب چونکہ یورپ جلد جائیں گے اس لئے صرف دس جزو کو بقدر مختصر کر کے چھپوائیں گے۔ اگرچہ مجھ پر گراں ہوا مگر جب یہ اطمینان دلایا گیا کہ انتخاب تم خود کرو گے تو مجبوراً راضی ہونا پڑا۔ اس کے بعد میاں قیس نے صورت نہ دکھائی۔ بلا بلا بھیجنے پر بلا مبالغہ سیکڑوں خط لکھے ہر دفعہ غلط وعدہ کیا اور نہ آئے آخر بعد زوال میرے پاس چند اجزا اس مجموعہ کے بھیجے گئے کہ منتخب کر دو۔ سب مجموعے تو

ماجرا یہ ہے کہ پھر بھی کم بخت ذخیرہ غزلیات اور رباعیات آٹھ تا نو غزلوں کا مسودہ جو بعد کو میاں تقی لے گئے ہیں کسی طرح واپس نہیں ملتا مولانا مسلم آپ کو خدا نے ذی علم و کمال، صاحب تصنیف اور بڑی وہی بات یہ ہے کہ شریف النفس اور سب سے بالا یہ کہ خاندانی رئیس بنایا ہے انصاف کیجئے کہ شرفا اس کوشش کو کیا کہیں گے۔ آپ نے اپنے خط میں قاضی صاحب کو جو دو فقرے انصافانہ لکھے تھے اس پر ان کو سخت رنج ہے اور مجھ پر یہ اصرار ہے کہ تم محمد مسلم صاحب کو اس بارے میں کچھ نہ لکھو۔ بھلا جو تعلقات کہ میرے آپ کے ساتھ ہیں کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں اپنے دکھ کو ان پر ظاہر نہ کروں۔ خدا کے لئے آپ مذکورہ بالا باتوں میں سے کوئی بات ان کو نہ لکھئے ورنہ خدا جانے اور کیا کیا صدمے مجھ کو اٹھانے پڑیں البتہ کسی تدبیر سے یا اپنی عبارت آرائی سے ایسا کچھ بطور صلاح و فہمائش کے ان کو لکھئے کہ میرا ذخیرہ اور میاں تقی سے میری غزلیں جلد مل جائیں ورنہ میری موت ہے اور یہ وقت نزع کا ہے غصہ کی کوئی بات نہ لکھئے گا ورنہ معاملہ میرے ساتھ کیا جائے گا میں بڑھا اور غریب شخص ہوں اور خانہ نشین۔

اب دوسری بات سنئے یہ دیوان تو خیر جس حالت میں چھپے چھپ جائے گا مگر اب فرض ہو گیا کہ جس طرح بنے اپنا پورا دیوان جلد مرتب کر کے چھپوا دوں۔ یہ مختصر دیوان گویا اشتہار اور پیش خیمہ ہے ناچار بہ شکل تمام بعض احباب سے تعلیم سے لکھے اور کچھ اپنی یاد پر اور ماسی موجودہ ناتمام و ناقص مجموعہ سے جو انہوں نے بھیج دیا تھا، دس جزو تک صاف کر چکا ہوں۔ خدا جانے اب میرے ذخیرہ کے ضبط رکھنے سے کیا مطلب ہے البتہ کوشش کیجئے کہ میرا ذخیرہ واپس ملے کیسے نقصان مایہ و دیگر شماتت ہمسایہ میرا مصمم قصد ہو گیا ہے کہ کسی طرح میرا پورا دیوان اور کتاب فکر بلیغ کم سے کم ڈیڑھ ڈیڑھ سو کی تعداد میں چھپ جائے۔ دو سو روپے تو سر دست مسودے کے ساتھ بھیج سکتا ہوں باقی کی فکر یہ ہے گی اب از راہ عنایت نشیب و فراز کا لحاظ فرما کر حسب ذیل دریافت کر کے جلد تر جواب لکھئے:

دیوان بیس جزو — اگر ڈیڑھ سو چھپے گا تو مع لکھائی کیا خرچ ہوگا؟

فکر بلیغ ۲۵ جزو — ایضاً — ایضاً

فوٹو کا بلاک — کس حساب سے بنتا ہے اور کس حساب سے چھپتا ہے؟

مصرع طرح مطلوبہ ۔ اپنی ناکامی کا غم کیا ہے مگر حشر کے دن : کیا قیامت ہے۔۔۔ الخ

مقطع خدا جانے ذخیرہ میں کیا ہے ناچار تصنیف کر کے بھیجتا ہوں ؎

بدن سے روح چلی شادؔ سوئے کوچۂ یار

جواب خط کا بھلا اس کو انتظار کہاں

آپ کی بے مثل تحریر مندرجہ جامعہ میں نے کئی مرتبہ پڑھی اور لطف اٹھایا بارک اللہ الحمد للہ!

دعاگو سید علی محمد شادؔ۔ پٹنہ ۲۵ فروری ۱۹۲۳ء

مکرر —

در میان قعر دریا تختہ بندم کردہ اند

باز می گوئید تر دامن مشو ہشیار باش

کل میں نے قاضی صاحب کو لکھ بھیجا تھا کہ اب جو غزلیں آپ مجھ سے مانگ رہے ہیں تو جن غزلوں کو میں مناسب

جانتا ہوں وہ اس ناقص مجموعہ میں نہیں ہیں اسی ذخیرہ میں ہیں اور اب تو آپ اس سے کام بھی لے چکے مجھ کو بھیج دیجئے تو میں صاف کر کے بھیج دوں اور بھی یہاں قیس کی طرف سے اس کا جواب آیا اس کو میں ملفوف کرتا ہوں ملاحظہ کر کے واپس کر دیجئے۔ فرمایئے اس کا کیا جواب ہے۔ قرینہ یہ ہے کہ اب مجھ کو وہ ذخیرہ بروز قیامت ملے گا، اور طرح طرح کے بہانے ہوں گے خدا کے لئے آپ چار دن کے لئے فرصت لے کر چلے آیئے ورنہ میں تباہ ہو جاؤں گا اب اس ذخیرہ کے ضبط رکھنے سے کیا مطلب ہے۔

سید علی محمد شاد۔ ۲۹ فروری سنہ ۲۳ء

فرمایئے غلط سلط بے ترتیب مسودہ کو مولوی سلیمان صاحب کے پاس بغیر میرے استرداد کے اگر بھیج دینے کا کیا حق تھا۔

شاد

(۸)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب علی گڑھ (پٹنہ)

جان قابلیت مولانا محمد مسلم روحی فداک!

ان اوراق کو پہلے ورق سے آخر تک بنظر غائر ملاحظہ فرمایئے جہاں مجھ سے محاورہ چوک ہوئی ہو یا اشعار مثنوی میں کوئی شعر قابل شیاع ہو بے تکلف کاٹ دیجئے۔ میں پچھلے زمانہ کا ہوں اور آپ اس زمانے کے۔ ادھر نئی غزلیں بیس پچیس کہی ہیں اور ابھی جب وقت اور گنجائش دیکھ کر مجھ کو جیسا حکم دیجئے عمل کروں۔ والسلام بالاکرام!

سید علی محمد شاد۔ مرقومہ ۱۹ اپریل سنہ ۱۹۲۳ء

(۹)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب (پٹنہ)

مولانا محمد مسلم روحی فداکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ میرے خط کے جواب میں آپ کا خط پہنچا۔ مجھ کو پہلے بھی یقین تھا کہ آپ ضرور ایسی کتاب کی قدر کیجئے گا قریب پانچ سو محاورے تو میں ضبط کر چکا ہوں اور کئی سو ایسے محاورے جن میں بہ سبب امتداد زمانہ مجھ کو شبہ تھا ملا جلال الدین ایڈیٹر سابق حبل المتین کے پاس بھیج دیئے ہیں عنقریب جواب آجائے گا۔ میرے خیال میں پندرہ سو سے زیادہ محاورے جمع کئے جائیں گے۔ کمال کی حد نہیں، اس پیرانہ سالی میں بہ مجبوری روزانہ آٹھ گھنٹے کام کرنا ہوتا ہے۔ صاف کرنے لگا تھا کہ آپ کا خط پایا۔ اچھا معلوم ہوا کہ بطور نمونہ آپ کے پاس بھیج دوں۔ جہاں تک اس مخزن میں محاورات درج ہیں وہ ہنوز ختم بالشان نہیں ہیں۔ آگے ایسے ایسے الفاظ اور محاورے لکھے جائیں گے کہ اہل ہند کے گوش زد نہیں ہیں۔ اس نمونہ کو دیکھ کر اپنی رائے قائم کیجئے اور اس کو جلد واپس کیجئے فارسی رباعی مثنوی اردو مسودہ مکمل اور نسب نامہ بالضرور میرے پاس بھیج دیجئے۔ اس کے ختم بغیر ترمیم کے دنیا بھر کو بیر اسد و بیکار بنا دیں گے غالباً آپ بھی اس کو گوارا نہ کریں گے جب تک یہ چیز بہ دامن ناآشنا کی غلط مرتب نہیں ہو سکتا۔ جس قدر توقف ہوگا مجھ پر الزام نہیں ہے آپ نے اپنا حال کچھ نہ لکھا کیسے رہتے ہیں رمضان کیسا کٹا اور کالج کی رہی ہے مثنوی کتنی ہے کب تک مجھ سے ملئے گا سب کا جواب دے کر ممنون فرمایئے۔

دعا گو: سید علی محمد شاد۔ ۲۹ ماہ صیام سنہ ۱۳۴۱ھ

(۱۰)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب علی گڑھ (پٹنہ)

روحی فداکم!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ میری ایک فارسی نظم بطرز مثنوی دیوان میں چھپنے کے لئے آپ کے پاس گئی ہے یا اب بھیجی جائے کیونکہ قیس صاحب آشفتہ ہو گئے رہ گئے ہیں اس کے آخر کے اشعار طنز و تشنیع سے بھرے ہیں ان سب کو ضرور نکال دیجئے۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمیشہ کے لئے دیوان میں یہ داغ لگا رہے۔ جہاں سے یہ شعر شروع ہوا ہے — "ویزا ایک گنجینہ فقیرانہ" سب کو آخر تک نکال دیجئے، ہرگز رہنے نہ دیجئے ورنہ بڑا الزام ہونا ہوگا۔ اس کے پہلے کے اشعار میں بھی کوئی شعر تعریض و طنز کا رہ گیا ہو تو قلم زد کر دیجئے اور یہ نا طرح جوش میں اگر باقی رہ گئے کیونکہ دوسروں کے شاگردوں کے دل میں بیجا طور سے صدمہ پیدا ہوا اور وہ بھی صدمہ میری ترکیب سے نکالیں۔

اس کا جواب فوراً دیجئے اور یہ بھی فرمائیے کہ کتنے اجزا دیوان کے چھپ چکے ہیں اور آیا جہاں تک فرمے چھپے ہیں یہاں میرے دیکھنے کو بھیجے جا سکتے ہیں یا نہیں۔ ادھر میں ایک کتاب "فارسی تعلیم" لکھ رہا ہوں۔ آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ موجودہ فارسی زبان اور پرانی زبان و الفاظ و طریقہ استعمال میں کیا کیا فرق و تبدیلی ہوئی۔ قریب قریب ایک ہزار کی فہرست لکھ چکا ہوں۔ میری بیماری، نقاہت اسباب کے ہجوم میں اگر کوئی کام ہو جائے تو ہزار شکر ہے۔ سید حسین تسلیم کہتے ہیں۔

سید علی محمد شاد ۔ ۵ مئی ۱۹۲۳ء

مولانا عبدالحلیم شرر

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خانصاحب شروانی

(۱)

جناب من ۔ السلام علیکم ۔ آپ نے اپنے والا نامے مورخہ ۳ ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۶ھ میں جناب حکیم سعید الدین صاحب قبلہ مرحوم و مغفور کی حسرت ناک وفات کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے بجا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حکیم صاحب مرحوم کی زندگی کا بہت زیادہ حصہ آپ ہی لوگوں میں گزرا۔ اور جس طرح آپ نے ان کو اپنا بنا لیا تھا اسی طرح اُن کو بھی مرتے دم تک آپ ہی کے ساتھ تعلق رہا۔ جس رئیس کے گھر انتقال ہوا وہ بھی آپ کے ایک معزز عزیز ہیں۔ اور اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ جس دن انتقال ہوا ہے عین اسی تاریخ جناب خلیل اللہ خانصاحب کے گھر کے لوگوں کا علاج کرنے کو جانے والے تھے۔ میں آپ کا نہایت ہی شکرگزار ہوں۔ اور اسی طرح حکیم صاحب مرحوم کے تمام متعلقین آپ کے ممنون ہیں کہ ایسی غم و اندوہ کی حالت میں آپ نے دلدہی اور تسلی دینے کی کوشش فرمائی۔ حکیم صاحب مرحوم کے جن اوصاف کا آپ نے تذکرہ فرمایا۔ وہ اوصاف بے شک ایسے ہیں۔ کہ اسی چلتے کے بزرگوں کے ساتھ ختم ہوتے جاتے ہیں۔ جس سے خود اُن مرحوم کو تعلق تھا۔ مگر مخدومی میں کہتا ہوں کہ آپ بھی اس عظیم صدمے کو محسوس نہ کر سکیں گے۔ جو اس نیک ذات کے اٹھ جانے سے ہم لوگوں کو ہوا ہے۔ در حقیقت خاندان ہی بگڑ گیا۔ آپ کو شاید نہ معلوم ہوگا کہ جس خاندان کی یادگار حکیم صاحب مرحوم تھے اس کی پچھلی یادگار اکیلے وہی تھے اور ان کا لازمی نتیجہ تھا کہ ضعیفہ اور بیوہ عورتوں کی ایک بڑی جماعت کی خبرگیری وہی کرتے تھے۔ اب اُن لوگوں کی بے کسی کی حالت ایسی نازک ہے کہ خیال کرنے سے بھی دل کانپ جاتا ہے۔ اگرچہ مرحوم کے بعد قدرۃً ان تمام باتوں کا ذمہ دار میں ہوں مگر ایسی فیاض و نیک ذات کی جانشینی کے لئے بہت سی لیاقتیں چاہیئے ہیں جو مجھ سے ناکارہ شخص میں بالکل نہیں۔ اصل یہ ہے کہ میرے زخم جگر پر مرہم رکھا جا سکتا ہے۔ مگر اُن لوگوں کے دلوں کو ڈھارس بندھانا امکان سے باہر اور خدا ہی کے اختیار میں نظر آتا ہے جس کو اب مرحوم کے بعد زندگی کے باقی ماندہ ایام بسر کرنا دشوار بلکہ غیر قابل برداشت مصیبت نظر آتا ہے۔ حکیم

صاحب مرحوم کو آپ کے خاندان بھر میں آپ کے والد ماجد سے بہت زیادہ تعلق تھا اُن کو ہمیشہ یاد کرتے تھے اور اُن کے نیک اخلاق اور اُن کی کرم النفسی کے ہر وقت معترف رہا کرتے تھے۔ یقیناً اُن کو بھی بہت بڑا صدمہ ہوا ہو گا۔ آپ کی طرف سے میں نے جناب حکیم صاحب مرحوم کے گھر میں لوگوں کو بہت کچھ تسلی و تشفی دی۔ اور وہ سب آپ کے شکر گزار ہیں۔ میں ان دنوں لکھنؤ سے باہر تھا اور اسی وجہ سے والا نامے کے جواب میں تاخیر ہوئی۔ مجھے ندامت ہے کہ لکھنؤ میں بھی ایک اتفاق اور فدوی بیماری کی وجہ سے مجھے ملنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ جس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ والسلام

۲۴ر اپریل ۱۹۱۸ء　　میں ہوں آپ کا خادم محمد عبدالحلیم شرر از لکھنؤ

(۳)

بنام سید ہمایوں مرزا بیرسٹر[1]

دفتر دلگداز لکھنؤ گنرو بزن بیگ خاں۔ بندہ پرور۔ تسلیم میں حیدرآباد سے ایک ایسے عجب عنوان سے نکالا گیا کہ کسی دوست سے ملنے اور رخصت ہونے کا بھی موقع نہیں ملا۔ اب یہاں آ کے اپنے پرانے کاروبار کو پھر جاری کیا ہے۔ مطبع کھول دیا ہے جس میں اعلیٰ درجہ کی چھپائی دقت پر ہوتی ہے۔ مولوی شبلی صاحب اور بعض اور معزز اصحاب نے اپنی اپنی کتابیں چھاپنے کو عنایت فرمائی ہیں۔ خدا نے چاہا تو کام چل ہی جائے گا۔ آپ سے بھی اگر کوئی امداد ہو تو اس میں دریغ نہ فرمایئے۔

ابھی جلدی میں میں اپنی تمام کتابیں اور کل ضروری سامان جو ہمراہ تھا وہیں چھوڑ آیا ہوں اور ابھی تک اس کے منگوا لینے کا موقع نہیں ملا۔ آپ کے ذریعہ سے جو نوٹس دئے گئے تھے ان کے جوابات آئے ہوں تو براہ کرم میرے پاس بھیج دیجئے۔ اس لئے کہ اب یہاں سے کارروائی کرنے کا ارادہ ہے۔ اور بالکل نہیں خبر کہ ان لوگوں نے کیا ادا کیا ہے۔ اور کیا جواب بھیجے ہیں۔ براہ کرم ان سب جوابات کو اگر کچھ ہوں تو فوراً بواپسی ڈاک مرحمت فرمایئے۔

مسز ہمایوں مرزا کی کتاب پر ریویو لکھنے کی بھی نوبت نہیں آئی۔ اور وہ کتاب وہیں پڑی ہے۔ اور ایسی جگہ کہ جہاں مجھے نہ مل سکے گی۔ برخوردار صدیق بھی یہاں آیا ہے۔ اور وہ ان کتابوں کو جو میرے کتب خانہ کی ہیں مولوی میر طالب الحق صاحب کے مکان میں اپنے ہاتھ سے رکھ کر بند کر آیا ہے۔ اجازت دی جائے تو نکال کر بھیجئے اگر آپ کوئی نسخہ اس ناول کا ارسال فرمائیں تو میں دلگداز میں ریویو لکھ کے شائع کردوں گا۔ والسلام

۲۹ر دسمبر ۱۹۰۹ء　　خاکسار محمد عبدالحلیم شرر

(۴)

بنام سید ہمایوں مرزا بیرسٹر

مکرمی تسلیم۔ نادم ہوں کہ اخلاقی ملاقات سے پہلے مطلب کی بات عرض کرنا پڑتی ہے۔ مگر زمانے کا تقاضا یہی ہے تو کیا کیا جائے۔ مجھے بڑے اور وسیع مکان کی ضرورت ہے اگرچہ ویسی حیثیت نہیں رکھتا۔ سرکار سے کوئی رقم بابت کرایہ مکان عطا نہیں ہوتی۔ اور اپنے سر پہ اس کا بار اٹھانا ہے آپ کی توجہ ہو تو یہ بار کسی قدر ہلکا ہو جائے گا۔ میں سو روپے بھی اپنی حالت سے زیادہ پاتا ہوں۔ مگر مجبوراً کسی قدر زیادہ بوجھ اٹھاؤں گا۔ اچھا ہوتا

[1] سید ہمایوں مرزا بیرسٹر ایٹ لا فرزند سید العت حسین ڈپٹی ان کی زندگی حیدرآباد میں گزری۔

کہ نقصان گوارا فرما کے آپ مجھے (۱۲۵) ماہوار پر مکان دے دیجئے۔ اس مرحمت و نوازش کا شکر گزار ہوں۔ اور ہمیشہ رہوں گا۔ اور ہمیشہ رہین منت رہوں گا۔ والسلام

۲۹ر جون سنہ ۱۹۱۸ء

خاکسار عبدالحلیم شررؔ

بنام نواب سید علی حسن

(۵)

ملجائے و ماوائے من۔ آداب و نیاز اور السلام علیکم کے بعد بصد ادب عرض ہے کہ گرامی نامہ مورخہ ۱۷ جولائی سنہ ۱۹۱۸ء وصول ہو کر باعث سرفرازی ہوا۔ میں جو وعدہ کر گیا تھا اس کو بھولا نہیں۔ آتے ہی مولوی سید عبدالمجید صاحب سے اس بارے میں گفتگو ہوئی اور معلوم ہوا کہ اس بارے میں جناب نے اُن سے بھی مراسلت فرمائی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں اس معاملہ میں غور کرتا رہا۔ جن خاندانی تعلقات کا جناب نے تذکرہ فرمایا ہے اُن کا پتہ لگانا نہایت دشوار ہے۔ اس لئے کہ جن دنوں کا یہ واقعہ ہے اُس زمانہ میں یہاں دفاتر کی ایسی ابتر حالت تھی کہ کسی اگلے خاندان کا اب پتہ لگانا قریب قریب غیر ممکن سا ہے۔ اور بالفرض پتہ لگے بھی تو حاصل کیا۔ اس لئے کہ اُن کے ثبوت سے کوئی خاص حق حاصل نہیں ہو سکتا۔

ہاں یہ امر کہ جناب یہاں توطن اختیار فرمانا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے کسی اجازت کے حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر شخص آزادی کے ساتھ یہاں آ کے رہ سکتا اور جائداد خرید سکتا ہے۔ اور توطن اختیار کرنے کے چند ہی روز بعد سے اُسے جملہ حقوق حاصل ہو سکتے ہیں۔ بجز اس کے کہ ملازمت کے لئے بارہ سال تک یہاں مقیم رہنا شرط ہے۔ مگر یہاں آ جانے اور مکان خرید لینے کے بعد اگر درخواست کی جائے تو یقیناً یہ بارہ سال کی شرط بھی اٹھ سکتی ہے۔ الغرض آپ کے لئے کوئی امر مانع توطن حیدرآباد نہیں ہے۔

لیکن یہ بات کہ آپ کے تشریف لانے سے پیشتر حضور سے کوئی اجازت حاصل ہو تو بقول سید عبدالمجید صاحب کے ایسی درخواست کو اعلیٰ حضرت مشتبہ نظر سے دیکھیں گے۔ اور خیال ہوگا کہ اجازت توطن کے پردے میں کوئی اور حق حاصل کرنا مقصود ہے۔ اور ایسے شبہ کا پیدا ہونا اچھا نہیں۔ میرے خیال میں اگر جناب کو یہاں رہنے کا شوق ہے تو عمدہ کوٹھی یہاں خرید لیجئے اور اُس میں آ کے رہنا شروع کر دیجئے۔ اور یہیں کے قیام کے زمانہ میں وہ کوششیں عمل میں لائیے۔ جن کو جناب یہاں آنے سے پہلے کر رہے ہیں۔ آ جانے اور مکان خرید لینے کے بعد سب باتیں بآسانی بلکہ خود بخود پوری ہو جائیں گی۔

میں یہاں حضور کی سیرۃ لکھنے کے لئے بلایا گیا تھا۔ اور میرا سابق کا وظیفہ ملا کے پانچسو روپیہ ماہوار تنخواہ قرار پائی تھی۔ یہاں آنے کے بعد اس کام کے لئے تین سو تینتالیس ماہوار کا عملہ ملا۔ اور مواد جمع کرنے کی کوشش شروع ہو گئی۔ اور دفتر کا نام دفتر شوکت عثمانیہ قرار پایا۔

اس کے بعد اعلیٰ حضرت کے یک زبان سے حکم ہوا کہ مجھ ہی سے ایک مکمل تاریخ اسلام تصنیف کرائی جائے اور اس کی بابت جداگانہ ماہوار دی جائے۔ اس حکم کے مطابق میرے لئے علاوہ ماہوار سابق کے دوسری ماہوار پانچسو روپیہ اور تین سو چھتر روپیہ ماہوار کا عملہ معتمدی سے منظوری کے بارگاہ خسروی میں پیش ہوا ہے۔ شاید آج ہی کل

میں منسلک ہو کے آ جائے۔ مگر وہ سب بازاروں پر اشتہار بیچنے سے نامرد ہو گئے ہیں۔ بہرحال شکر ہے۔ میں حضور میں بلا واسطہ
عرائض پیش کر سکتا ہوں اور جو لکھتا ہوں اس کا فوراً جواب ملتا ہے۔ میرے حال پر نظر عنایت بھی غیر معمولی ہے مگر باریابی
کا موقع ابھی ایک ہی بار ملا ہے۔ لیکن صاحب، اور شاہی مزاج کی نزاکت کی یہ حالت ہے کہ اپنے امور متعلقہ کے سوا اور
کسی بات کے عرض کرنے کی مجھے یا کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی۔ آئندہ اگر زیادہ صحبت ہوئی جس کے چار پانچ ماہ بعد قطعی
اُمید ہے اس وقت شاید کسی اور بات کے عرض کرنے کا موقع بھی مل سکے۔ والسلام

۲۵ جولائی ۱۹۱۸ء — خاکسار محمد عبد الحلیم شرر

پیارے صاحب اور اچھے صاحب کی خدمات میں سلام نیاز اور آداب قبول ہو۔ (شرر) محبوب پورہ جام باغ حیدرآباد دکن

بنام نواب سید علی حسن

(۵)

ملجائے من و ماوائے من ابقاہ اللہ الی یوم القرار۔ گرامی نامہ مورخہ ۱۲ اگست باعث افتخار و مایۂ شرف ہوا۔
میرے ماہوار پانچسو روپیہ تاریخ اسلام لکھنے کے لئے فرمان اعلیٰحضرت صادر ہوا تھا کہ جداگانہ ماہوار دی جائے اس پر محکمۂ
عدالت نے حسب قاعدہ پانچسو روپیہ جداگانہ ماہوار پیش کی۔ اس پر وزیر فنانس مسٹر گلینسی نے لکھا کہ ایک شخص کو دو ماہوار
دینا خلاف دستور ہے بہتر یہ ہے کہ اس کام کی بابت کوئی مرتبہ رقم یکمشت دے دی جائے۔ اعلیٰحضرت نے اس تجویز
سے اتفاق کر لیا۔ اور میری تنخواہ وہی رہی جو تھی۔ اور وہ یکمشت رقم خدا جانے کتنی ملے اور کب ملے اور ملے یا نہ ملے۔
کام میں کر رہا ہوں۔

میری نسبت جو کلمات آپ نے فرمائے اُن میں حقیقت سے زیادہ دخل آپ کی محبت و عنایت کو ہے
واقعہ یہ ہے کہ کبرنی موت الکبراء۔ اپنے وہ لائق لوگ مر گئے اور مجھ سے نالائق خواہ مخواہ مرد آدمی بن گئے۔
اس میں شک نہیں کہ اعلیٰحضرت کی قدر دانی کا مجھے بے حد شکرگزار ہونا چاہئے کہ مجھ سے قدر ناچیز کو بلا کے
سرفراز فرمایا۔ آپ میری ترقی و بہبود سے خوش نہ ہوں گے جبکہ آپ میرے قدیم محسن کرم فرما اور وہ رئیس قوم ہیں جنہوں
نے مجھے سخت ترین افکار دنیاوی سے نجات دلائی اور میری نازبندی کو آج تک برداشت فرمایا۔

اب کے سفر بمبئی کے موقع پر چند روز کے لئے یہاں ضرور تشریف لائیے۔ گو حیدرآباد عجیب مقام
ہے۔ یہاں کی سوسائٹی چند روزہ اور سطحی نظر سے تو بہت ہی اچھی اور شاندار معلوم ہوتی ہے۔ مگر جب قیام کیجئے
تو دیکھئے تو مسلمانوں کی باہمی عداوتوں ہندوستانیوں و ملکیوں اور مدراسیوں کی باہمی ناسازگاریوں اور حاسدوں
سے سخت صدمہ ہوتا ہے اور اس کی تکلیف روز بروز اس قدر بڑھتی جاتی ہے کہ کسی گاؤں کا گوشۂ تنہائی اس
سے بدرجہا زیادہ محل آسائش و اطمینان نظر آنے لگتا ہے۔ اب میں یہاں ہوں۔ آئے دو مہینے ہوئے ہیں۔ لیکن لکھنؤ
کی خاموش زندگی پر یہاں کی سی ہمہ پُرشور زندگیوں کو قربان کرنے کو تیار ہوں۔ روز طرح طرح کی خبریں اڑتی ہیں اور
ہزار دروازہ بند کر کے بیٹھئے پہنچ ہی جاتی ہیں۔ اور وہ ایسا بُرا روحانی اثر دل پر پیدا کرتی ہیں کہ نہ کام میں دل لگتا ہے
اور نہ جینے میں۔ جسم کے لئے یہاں کی آب و ہوا موافق ہو یا ناموافق اس کا زیادہ خیال نہ کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ تدبیر

سے آفاتِ جسمانی سے بچاؤ ہو سکتا ہے مگر یہاں کے روحانی امراض جو آب و ہوا کی تمدنی خرابی سے پیدا ہوتے ہیں ان کا کوئی علاج نہیں۔ اگر میری صحیح رائے پوچھئے تو میں تو آپ کو ہرگز مشورہ نہ دوں گا کہ یہاں قیام پذیر ہو کے اپنے دلی و روحانی اطمینان کو نقصان پہنچایئے۔

آپ نے شاید سنا ہو کہ مظفر علی خاں صاحب کو برٹش گورنمنٹ نے یہاں نہیں رہنے دیا وہ مع بچے بیٹے کے گئے۔ اور حضور نے بکمالِ نوازش حکم دیا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھ کے دارالترجمہ کا کام کریں۔ ان کا بیٹا جو ان کا مددگار رہے اور ان کو اپنے سابقہ وظیفہ ماہانہ [illegible] ہزار کے علاوہ [illegible] ذات کے اور [illegible] ان کے بیٹے کے جملہ مصارف [illegible] بالفصل کئے جایا کریں۔ میں اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب سمجھتا اگر میرے لئے یہ حکم ہوتا۔ مگر افسوس کہ مظفر علی خاں صاحب کے لئے یہ اچھا نہیں اس لئے کہ برٹش گورنمنٹ شاید ان کی طرف سے زیادہ غیر مطمئن ہے۔

اچھے صاحب اور پیارے صاحب کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دیجئے۔ والسلام

۵ اگست ۱۹۱۹ء خاکسار محمد عبد الحلیم شرر از دفتر شرکت عثمانیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

(۶)

دفتر دل گداز کشورہ بزن بیگ خاں لکھنؤ۔ مکرمی تسلیم۔ مدت سے نہ آپ کا کوئی خط آیا نہ آپ کی صورت دیکھنی نصیب ہوئی۔ علاوہ ازیں ہندوستان میں آپ کا اب بھی ہوتا ہوگا مگر دفتر ناظر سے آپ کے تعلقات قطع ہو جانے کے باعث میں آپ کی زیارت و صحبت سے محروم ہو گیا۔ شاید کوئی میرا گناہ بھی ہو جو مجھ کو نہ معلوم ہو۔ ایسی صورت میں سزا دینے سے پہلے آپ کو میرا جرم بھی بتا دینا چاہئے۔ بہر حال یہ معلوم ہونا چاہئے کہ آپ سے اب ملاقات ہونے کی امید ہے یا نہیں۔ اب میرا مکان بھی اس قابل ہو گیا ہے کہ آپ اس میں ہفتہ عشرہ آرام سے قیام فرمائیں۔ غرض اس بارۂ خاص میں مطلع فرما کے مجھے امید و بیم کے کھٹکے سے نجات دلایئے۔

اس وقت باعثِ تصدیع یہ ہوا کہ میرے ایک عزیز دوست کے عزیز مولوی محمد حسین صاحب نائب مدرس مدرسہ [illegible] کئی سال سے وہاں پڑے ہوئے ہیں۔ جو وہاں نہایت پریشان اور اپنے اعزا و احباب سے منقطع ہو جانے کے باعث جلاوطن ہو گئے ہیں۔ ان کے بارے میں چاہا جاتا ہے کہ آپ ان کو اگر اہل پائیں تو خود اپنے دفتر میں جگہ دیں اور اگر یہ مناسب نہ ہو تو پھر اورنگ آباد ہی کے کسی مدرسہ میں تبادلہ کر دیں تاکہ ان کی جان عذاب جلاوطنی سے چھوٹے۔ اور اگر آپ سے ان کو اس آرزو میں کامیابی ہوئی تو میں نہایت ہی شکرگزار اور رہینِ منت ہوں گا۔ والسلام

صدیق ایمان ہے اور آداب عرض کرتا ہے۔ ۱۱ر جون ۱۹۲۰ء خاکسار محمد عبد الحلیم شرر

بنام ڈاکٹر زور

(۷)

مکرمی تسلیم۔ "روحِ تنقید"[1] آپ نے بڑی محنت اور قابلیت سے لکھی ہے۔ میں آپ کی اس کوشش کو بہت ہی قابل قدر تسلیم کرتا ہوں۔ اور اردو لٹریچر کی جانب سے آپ کا شکرگزار ہوں۔ والسلام خاکسار محمد عبد الحلیم شرر ۱۹۲۴ء

[1] یہ میری پہلی کتاب ہے جو پہلی بار اوائل ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی تھی (زور)

بنام شمس العلماء مولوی سید ممتاز علی صاحب

(۸)

لکھنؤ۔ مخدومی و محترمی دام ظلہٗ۔ تسلیم۔ یاد فرمائی کا شکریہ۔ آپ کے ایسے محسن قوم بزرگان دین کو بے قیمت کتاب دینا اخلاقی و قومی جرم تصور کرتا ہوں۔

ریویو کے بارے میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ یہ کتابیں معاوضۂ ریویو کے مقصد سے بھیجی گئی ہیں بلکہ میاں عمران نے آپ کو صرف آپ کا ایک کام یاد دلایا تھا۔ یہ جانتا ہوں کہ عشقیہ ناولوں کا عورتوں کے مطالعہ میں آنا ابھی ہندوستانی معاشرے کے تحمل سے باہر ہے۔ لیکن شاید میرا ناول "طاہرہ" اس سے مستثنیٰ ہو سکے۔ فی الحال وہ صوبہ مدراس کے ہائی اسکولوں کے فائنل اگزامینیشن کے نصاب میں داخل ہو گیا ہے۔ لیکن ایسے امور میں اصرار نہیں ہے۔ یہ آپ کے مذاق اور آپ کے اصول و مصالح پر منحصر ہے۔

میں صحت یاب تو ہو گیا اور کام بھی کرنے لگا۔ مگر دماغ برداشت نہیں کر سکتا اور ڈاکٹروں کی تاکید ہے کہ لکھنا پڑھنا کلیتہً چھوڑ دو۔ کسی کو خط تک نہ لکھو۔ مگر آپ ہی بتائیے کہ نہ لکھوں پڑھوں تو کیسے جیوں؟
آپ کے صاف ستھرے اور بہترین حروف دیکھ کر کیا کہوں۔ کہ اپنے اس گندے اور بگڑے خط پر کیسی ندامت ہوتی ہے۔ مگر کیا کروں خط ہی بگڑ گیا جو میری حالت ناگفتہ بہ سے بادیدہ نمونہ ہے۔ والسلام

۲۰ جولائی سنہ ۱۹۲۶ء — خاکسار محمد عبدالحلیم شرر

مژدۂ آمد سن کر چشم براہ ہوں۔ خدا وہ دن دے۔ مگر شرط یہ ہے کہ کم از کم ایک دن میرے یہاں قیام رہے۔ بغیر اس کے نہ ملاقات سے کوئی فائدہ ہوتا ہے نہ سیری ہوتی ہے۔

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

(۹)

یمین السلطنت سر مہاراجہ کشن پرشاد بہادر۔ پیش کار سرکار عالی۔ بعرض عالی می رساند۔ صحیفۂ والا شرف فخار بخشا۔ حسب الحکم رسالہ جیبی دلگداز کو جناب کے محترم نامہ سے عزت دی گئی۔ اور سنہ ۱۹۱۱ء کے کل پرچے مرسل خدمت والا ہیں۔ رسید سے سرفراز فرمایا جاؤں۔

خط اور لفافے سے غم و اندوہ کا اظہار ہوتا ہے۔ مگر فدوی کو خبر نہیں کہ وہ کونسا سانحۂ جانفرسا پیش آیا۔ جس کی وجہ سے خط کے کونے میرے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ ہیں۔ مجھے اس واقعہ سے اپنا سچا شریک غم تصور فرما کے فوراً اطلاع دی جائے۔

یہ امر میرے لئے باعث فخر و مسرت ہے کہ جناب نے سر پنجاب کے دیدار کو پسند فرمایا۔ یہ تو میرا فرض تھا جس کو میں ضرور ادا کرتا

"دلگداز" کو میں نے وی پی نہیں روانہ کیا۔ اور نہ اصل وہی عام قیمت جو سب سے لی جاتی ہے اسی کو جناب سے بھی سے لینا میں جناب کی شان کے خلاف تصور کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ سرکار سے "دلگداز" کی کچھ سالانہ تنخواہ مقرر ہو جائے۔ اور امید ہے کہ سرکار اس درخواست کو قبول فرمائیں گے۔

فی الحال نئے ناولوں میں حسب ذیل ہیں، اگر ارشاد ہو تو پیش کئے جائیں۔ اوّل مدینۃ الکبریٰ۔ دوم حسن کا ڈاکو حصہ اوّل۔ سوم حسن کا ڈاکو حصہ دوم۔ چہارم اسرار دربار حرام پور۔

اس موقع پر مجھے خاص طور پر یہ التماس ہے کہ سرکار نے ایک بار مجھ سے چار سو روپے کا عطر طلب فرمایا تھا۔ جو کارخانہ روغن الیاسمین سے بھیجا گیا۔ اور سرکار کے مطبوع طبع شریف بھی ہوا تھا۔ مگر پھر اس کے بعد سرکار اس کارخانہ کی مربی گری فرما بھول گئے۔ لہٰذا میں بکمال ادب یاددہانی کرتا ہوں کہ عید الفطر کا زمانہ قریب آگیا ہے جبکہ سرکار میں عید کی خریداری لازمی طور پر ہوگی۔ اگر اس موقع پر پھر کارخانہ مذکور کو یاد کیا جائے تو کمال پرورش ہوگی۔ میں امید رکھتا ہوں کہ اس عنایت سے محروم نہ رکھا جاؤں گا۔

سرکار نے لکھنؤ میں آنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا اور اس وقت جو شوق قدمبوسی خاکسار کے دل میں پیدا ہوا تھا اس وقت تک باقی ہے۔ معلوم نہیں سرکار کا کب تک آنے کا ارادہ ہے۔ اس سے بھی مژدہ اطلاع دی جائے۔ والسلام

خاکسار محمد عبدالحلیم شرر۔ ایڈیٹر دلگداز۔
لکھنؤ کٹرہ بزن بیگ خان۔

---

(۱۰)

بنام احسن مارہروی

دلگداز آفس لکھنؤ۔ مکرمی تسلیم۔ دلگداز کی حسب ذیل جلدیں بابت سنہ ۱۹۰۳ء عمہ سنہ ۱۹۰۴ء عمہ سنہ ۱۹۰۵ء عمہ سنہ ۱۹۰۶ء عمہ سنہ ۱۹۰۹ء عمہ جلد ہے نصف قیمت میں ہے کہ وی۔پی۔ روانہ خدمت ہیں۔ محصول ڈاک اور منی آرڈر فیس ۵ر جملہ ہے کا وی پی۔ حاضر ہوتا ہے قبول فرمائیے۔ مولوی عبدالحق صاحب کا پتہ "دفتر معتمدی عدالت وکوتوالی حیدرآباد دکن" کافی ہے۔ اسد مرحوم پر مولف فرزدی اسرار حق کے دو پرچوں میں لکھا ہے۔ جو جناب کی خدمت میں جا چکے ہیں۔ فرزدی کا پرچہ ز بہر تر بیچ دوں۔ میں بڑا خوش ہوا کہ اردو کے متعلق حد بندی کے آپ خلاف ہیں پالیسی تو یہ ہونی چاہئے۔ کہ اسے ہندو مسلمانوں کے سابقہ اتحاد کی یادگار اور دونوں کی ملکی ثابت کیا جائے۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ تنگ خیالی سے کام نکلے۔ رہے آپ کے کمالات و حسانات جو زبان پر ہیں وہ کسی کے چھپائے چھپ نہیں سکتے۔

خاکسار شرر

سید محمود

(۱)

بنام وقار الملک

جیبی مشتاق حسین!

کل ایک بڑا خط لکھ چکا ہوں۔ آج صرف مسعود شاہ خاں کی نسبت لکھتا ہوں۔ امور مفصلہ ذیل پر آپ کو غور کرنا چاہئے:

اوّل۔ یہ کہ مجھ کو اون کے یہاں بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو رشتہ دار مجھ کو ملا ہے وہ ہوشیار آدمی ہے، اور انگریزی جانتا ہے اوس سے بخوبی کام چلتا ہے۔

دوم۔ مسعود شاہ خاں کو صرف اس صورت میں یہاں بلایا جا سکتا ہے کہ میں اپنے رشتہ دار کو ڈپٹی کی منصفی کا منتظم کر دوں۔ وہ عہدہ خالی ہے۔ مگر یہاں بہت امیدوار اوس عہدہ کے ہیں، اون کے فرائض پر میں نے اب تک حکم نہیں دیا۔ بعض اون میں سے بظاہر مستحق ہیں۔

سوم۔ مسعود شاہ خاں کے یہاں آنے میں اون کا دس روپیہ ماہواری کا نقصان ہے۔ اس کے مکانات بالفعل ترقی کی نہیں اور آئندہ بھی تحقیق نہیں بلکہ صرف اوس کا احتمال ہے۔ پچاس روپیہ سے زیادہ کے جتنے عہدے میرے اختیار میں ہیں اون میں انگریزی دانی ضرور ہے۔ پس جب تک کہ موقع منصفی یا تحصیلداری کا نہ ہو مسعود شاہ خاں کی ترقی ملازمت کی حیثیت سے نہیں ہو سکتی۔ نسبت منصفی یا تحصیلداری کے آپ جانتے ہیں کہ جیسے آدمی ان عہدوں کے امیدوار ہیں اور ان کا ہم پلہ شاید نہیں ہے اور نہ میں محض خود ہی اس امر کا وعدہ کر سکتا ہوں کہ ایسا عہدہ ضرور مسعود شاہ خاں کو دلوا دوں گا۔ پس در حقیقت مسعود شاہ خاں کو میری خاطر کرنے کے لئے یہاں آنے کا ارادہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ اپنا نفع نقصان خود سمجھ لینا چاہئے۔ مجھ کو اپنی کسی ضرورت کے سبب سے اون کو بلانا نہیں ہے۔ یہ بات میں اس لئے صاف تحریر کرتا ہوں کہ اگر شاید آئندہ میں اون کے لئے کچھ نہ کر سکا تو موجب شکایت نہ ہو۔ میرا اون کے لئے آئندہ کوشش کرنا بلکہ اون کی کارروائی اور نیک چلنی اور میری خوشی پر منحصر ہے۔ اور اگر یہاں آنا بہرحال منظور ہو تو اون کو یہ سمجھنا چاہئے کہ ایک شخص غیر بلکہ انگریز حاکم کے سامنے کام کرنا ہے اور بالکل پابند قواعد کا ہی خیال میں رکھنا چاہئے ہوگا۔ ورنہ دیگر میرا دل میں خیال کچھ ہو، اگر ظاہری برتاؤ اون کے ساتھ زیادہ خصوصیت اور رعایت کا رکھا گیا بہ نسبت دیگر ملازمان عملہ کے تو ضرور حسد اور کینہ کی وجہ سے ایسی خرابیاں ہوں گی وہ گمنام

ہوشیار و خیر اندیش آدمی ہیں گو کہ ضرور بسبب تکلیف کا ہوگا۔ شاید مسعود شاہ خاں سے بھی کچھ مشل دیگر اہل کاران عملہ کے مزید اور ان کو بھی یہ لازم ہوگا کہ یہاں کسی سے اپنی قدیم خصوصیت تا اور دوستی کی جو فن کا جج صاحب سے ہوا ظاہر نہ کریں۔ مجھ کو امید ہے کہ آپ ان امور میں مجھ سے متفق ہوں گے اور خیال کریں گے کہ مقتضائے مصلحت یہی ہے۔

میں یہ سب باتیں آپ کو اس غرض سے لکھتا ہوں کہ آپ نے مسعود شاہ خاں کی سفارش کی تھی اور اس ملک میں سلسلۂ ملازمت میں داخل ہونے کو کہا تھا۔ مجھ کو ان کی بہبودی اور آئندہ کی ترقی کا خود خیال ہے۔ اون کو میں ایک لائق اور پڑھا لکھا دیانتدار آدمی سمجھتا ہوں۔ گو کہ مجھ کو ذاتی تجربہ اون کے کام کا نہیں ہے۔ اون کے لئے ترقی کرنے کا مجھ کو خیال ہے لیکن انسان کی راستی اور خیال ہمیشہ یکساں نہیں رہتا اور میں ذمہ داری اس بات کی نہیں لے سکتا کہ خواہ مخواہ ضرور ضرور بالتخصیص دار کر دوں گا۔ اصل یہ ہے کہ یہ سب امور ہر نفع اور خوشنودی پر منحصر ہیں۔ میرا خیال اون کی طرف کچھ بھی ہو اور اون کو یہ تو میرے ساتھ یہاں اس قسم کا رکھنا چاہئے کہ گویا مثل دیگر تمام اہلکاران عملہ کے میں اون کو سمجھتا ہوں۔

آپ اس خط کو مع ایک رجسٹری شدہ خط کے جو اپنی طرف کے مسعود شاہ خاں کے پاس بھیج دیجئے اور اون سے ایک لمبا جواب میرے نام لکھا کر رجسٹری شدہ اور ارسال کرائیے کہ جس کے پڑھنے سے میری طمانیت اس بات کی ہو کہ

(۱) وہ بلا لحاظ میری خاطرداری کے اپنا نفع و نقصان کو سوچ کر آتے ہیں۔

(۲) آئندہ کی ترقی کا وعدہ میں نہیں کرتا۔

(۳) برتاؤ تمام طریقہ بالکل بطور غیر کے رہے گا۔

جس وقت میرے پاس ایسا خط اون کے ہاتھ کا لکھا ہوا آ جاوے گا فوراً پروانہ تقرر بھیج دوں گا اور اگر انھوں نے آنے سے انکار کیا تو میں دوسرے کسی شخص کو مقرر کر دوں گا۔ بہرحال اس کا جواب بہت جلد آنا چاہئے۔

مولوی سمیع اللہ خاں صاحب کو کل ایک خط مشورہ طلبی مسعود شاہ خاں لکھا تھا لیکن پھر آج تار دے دیا کہ تا وقتیکہ دوسرا خط نہ پہنچے روانہ نہ کریں۔

مولوی سمیع اللہ خاں صاحب نے میرے خط کے جواب میں صرف اس قدر لکھا کہ مسعود شاہ خاں میرے پاس آنے پر راضی ہیں" جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ میری خاطر سے اپنا نقصان و بس روپیہ ماہواری کا قبول کرتے ہیں۔ یہ مجھ کو منظور نہیں ہے۔ شیب و فراز وہ خود سمجھ کر جواب لکھیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس غیر آئین ملک میں آنے سے شاید شمال و مغرب کی بہ نسبت ترقی آئندہ کا زیادہ موقع ہو مگر یہ خود اون کے سمجھنے کی بات ہے۔

اگر وہ چاہیں تو اس ملک میں ابھی نہ آویں۔ آئندہ کبھی کچھ موقع ملے گا تب بلا سکتا ہوں۔ اس عرصہ میں شاید یہ بھی معلوم ہو جاوے گا کہ منصفی و تحصیلداری کی نسبت کچھ قواعد بنتے ہیں یا نہیں اور اگر بنتے ہیں تو کیا۔

ہرحال یہ سب باتیں مسعود شاہ خاں خود سمجھ کر جواب لکھیں۔ جہاں تک ممکن ہو اس امر میں عجلت فرمائیں۔

خاکسار سید محمود۔ ملاحظہ بریلی ۹ اگست ۱۸۶۹ء

آپ اس خط کو اگر مسعود شاہ خاں کے پاس بھیجیں تو رجسٹری شدہ لفافہ میں بھیجئے گا اور وہ بھی مجھ کو رجسٹری شدہ جواب بذریعہ بریلی بھیج دیں۔

---

(۲)

بنام حسین ماشاء اللہ[1]

مکرمی!

آپ کا خط مورخہ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۹۹ھ میرے پاس پہنچا۔ اس کا جواب لکھنے سے میں اس وجہ سے قاصر رہا کہ میں نے حیدر آباد کی ملازمت کا قصد نہیں کیا اور مجھ کو امید تھی کہ آخر فروری یعنی آجکل میں وہاں ہوں گا لیکن شاید آپ نے سنا ہو گا کہ بموجب اسی سبب کے میں اپنے والد[2] کے پاس بغرض مشورہ چلا گیا اور تعمیل اس سبب سے کرنی پڑی کہ اسی زمانہ تک ہائیکورٹ الٰہ آباد میں ایک ہندوستانی جج کی تقرری کی خبر محض معلوم ہوئی بلکہ جب میں الٰہ آباد پہنچا تو معلوم ہوا کہ رپورٹ روانہ بھی ہو گئی اور حکام ہائیکورٹ نے میرا نام تقرری کے لئے اس لئے نہیں لکھا کہ ان کو خیال تھا کہ مجھ کو گورنمنٹ انگریزی کی نوکری منظور نہیں ہے۔ اس سبب سے یہ ضرورت پیش آئی کہ قبل اس کے کہ وائسرائے اس معاملہ میں ہائیکورٹ کا فیصلہ کریں میں اپنے تئیں ہائیکورٹ کی بھی پیشی پر آمادہ ظاہر کروں۔ چنانچہ ایک چٹھی اس مضمون کی میں نے گورنمنٹ کو لکھی ہے اور وہ ہائیکورٹ کے واسطے رائے کے بھیج دی گئی ہے اور چند روز میں وہ مع رائے کے یہاں واپس آوے گی اور پھر تقرری کا فیصلہ ہو گا۔ اس وجہ میں یہ چاہتا تھا کہ اگر ہائیکورٹ کی جج بالفعل نہ ملے تو ضرور سرکار آصفیہ کی نوکری مستقل کر لینی چاہئے اس لئے کہ نواب صاحب نے میرے لئے عمدہ تنخواہ اور نہایت عمدہ پیش قرار سامان کی، لیکن میرے والد جیسا کہ آپ کو معلوم ہے میرے سرکار انگریزی کی ملازمت سے علیحدہ ہونے کو ناپسند کرتے ہیں لہٰذا بعد گفتگو کے انہوں نے یہ رائے قرار دی کہ نواب صاحب کو اطلاع دے دینی چاہئے کہ حیدر آباد میں مستقل ملازمت کا ارادہ نہیں ہے۔ آج کل میں نے نواب صاحب[3] کی خدمت میں ایک عرضی اس مضمون کی بھیجی اور اب یہ امر فیصل شدہ ہو گیا۔

نواب گورنر جنرل بہادر نے میرے والد کو ایک بڑے کمیشن کا رکن واسطے درستی نظام تعلیم تمام ہندوستان کے مقرر کیا ہے جس میں ممبر مدراس اور بمبئی اور پنجاب غرض کہ ہر ملک سے ممبر انگریز یا ہندوستانی آئے ہیں، مگر کبرسنی و پیرانہ سالی و ضعف دماغ کے سبب سے میرے والد نے اس کمیشن کو چھوڑ دیا اور پھر مجھ کو بجائے ممبر کمیشن مقرر کر دیا۔ میرے والد جیسا کہ شاید آپ کو معلوم ہو گورنر جنرل کی کونسل میں ممبر ہو گئے ہیں اور ان کا ذاتی کام تو تنہا اس قدر ہے کہ جس میں میری مدد کی ضرورت ہے پس بالفعل مجھ کو یہاں شدت سے کام ہے اور اس کمیشن میں میرے ممبر ہونے کے سبب سے اور بھی کام کی کثرت ہے۔ میں نے نواب صاحب سے اجازت چاہی ہے کہ تا صدور حکم گورنمنٹ آف انڈیا در بارہ بازواتصال میری خدمات کے، مجھ کو اجازت بطور رخصت مرحمت فرمائیں۔ گورنمنٹ آف انڈیا مجھ کو بجوشی واپس دے گی۔ بلکہ اس کمیشن میں ممبر کرنا درحقیقت واپس لینا ہے۔ پس میری واپسی خدمات کا حکم صادر ہو جاوے گا۔ مگر بہرحال ارادہ ہے کہ صرف بطور ادائے مراسم رخصت و بہ نسبت اظہار اس احسان مندی کے جو میرے دل میں نواب صاحب کے ذاتی عنایات سے پیدا ہوئے ہیں اور نیز جناب سے ملنے کے لئے

---

[1] مولوی حسین ماشاء اللہ صاحب اس وقت مددگار معتمد عدالت حکومت حیدر آباد تھے۔ مولوی نصیر الدین ہاشمی ان کے نواسے ہیں اور یہ خط انہی نے ادارے کو عطا فرمایا ہے۔

[2] سر سید احمد خاں

[3] نواب سالار جنگ مختار الملک وزیر اعظم حیدر آباد۔

اس کمیشن کے کام سے فارغ ہو کر ۱۰ اپریل یا مئی میں چند روز کے لئے حیدرآباد آؤں گا۔ امید کہ آپ سے بھی مسرت ملاقات حاصل ہو گی۔ آپ کے اور مولوی محمد صدیق صاحب[1] کے اخلاق اور عنایت مجھ کو ہمیشہ یاد رہے گی۔ گو کہ اب حیدرآباد میں میرا ملازمت نہ ہو گی۔

دربارہ کاغذات وغیرہ کے۔ سب کاغذات جو میرے لئے مرتب ہوئے تھے ان میں کاغذات اصلی سرکاری دفاتر کے بہت کم ہیں۔ وہ سب مولوی مہدی علی صاحب[2] کے پاس بھجوا دیئے جائیں گے۔ آپ ان سے مانگ لیجئے۔ چند کاغذات وغیرہ جو خاص میرے لئے لکھے گئے ہیں ان کو میں پھر ایک دفعہ پڑھنا چاہتا ہوں۔ حقیقت میں میرے دل میں بہت سے خیالات دربارہ طرز انتظام عدالت و کونسل قائم ہو گئے ہیں اور ان سب کو بہ ترتیب لکھ کر نواب صاحب کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اس کمیشن کے کام سے ذرا مہلت ملے تو اس یادداشت کو مکمل طور پر تیار کروں گا۔ تب بھی کاغذات آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔ باقی جس قدر کاغذات و کتابیات متعلق دفاتر ہیں اور وہ میں نے آپ سے منگائی تھیں وہ سب مولوی مہدی علی صاحب آپ کو واپس دیں گے اور جو کاغذات خاص میری مدد کے لئے آپ نے تحریر فرمائے تھے وہ بھی تھوڑے عرصے کے بعد واپس کروں گا اگر آپ کو تکلیف یا حرج نہ ہو۔

مجھ کو اس بات کا نہایت رنج ہے کہ میرا مستقل طور پر حیدرآباد میں رہنا نہ ہوا۔ لیکن درحقیقت اگر مجھ کو ہائیکورٹ کی ججی مل جاوے تو اس کے مقابل میں جو تنخواہ کہ حیدرآباد میں مجھ کو مل سکتی تھی وہ کم ہے اور قطع نظر بھی ہائیکورٹ کے مجھ کو ملک اودھ میں پانچ سات سال کے بعد کمشنری کی توقع ہے۔ لیکن جہاں تک میری ذاتی خواہش تھی وہ حیدرآباد کے انتظام میں شرکت کی تھی اور درحقیقت جس قدر عمدہ انتظام وہاں ہو سکتا ہے کسی ہندوستانی ریاست میں ممکن نہیں ہے اور چونکہ مسلمانی ریاست ہے اس کے انتظام میں سعی کرنے کی میرے دل میں ہمیشہ سے خواہش ہے۔

افسوس ہے کہ یہ امید پوری نہ ہو سکے گی۔ گو کہ کچھ وجہ نہیں ہے کہ اگر نواب صاحب توجہ فرما دیں تو اب بھی کیوں عمدہ انتظام نہ ہو سکے گو چند اصول انتظام کے اختیار کئے بغیر انتظام ممکن نہیں ہے۔

بہرحال اپنے خیالات اور آرا اپنی یادداشت میں ان شاء اللہ مفصل ظاہر کروں گا اور آپ بھی شاید اس کو دیکھیں گے۔ جب تک یہ تعلیم کا کمیشن یہاں اجلاس کرے تب تک مجھ کو یہاں رہنا لازم ہے۔ مولوی محمد صدیق صاحب کی خدمت میں سلام و نیاز پہنچے۔ امید ہے کہ بفضلہ تعالیٰ آپ بخیریت ہیں۔

خاکسار محمود۔ کلکتہ ۲ر فروری ۱۸۸۲ء

۱۔ مولوی محمد صدیق عماد جنگ اوّل اس وقت معتمد عدالت حیدرآباد تھے۔ نواب مختار الملک ان کو اور ان کے بڑے بھائی رفعت یار جنگ اوّل کو بہت چاہتے اور ان پر اعتماد کرتے تھے چنانچہ اپنے صاحبزادوں اور مکرم الدولہ کے ہمراہ انہی رفعت یار جنگ کو اتالیق بنا کر انگلستان روانہ کیا تھا۔

۲۔ مہدی علی محسن الملک اس وقت حیدرآباد میں معتمد تھے اور بہت بااثر۔

(۳)

بنام مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی

مکرم بندہ!

بعد سلام مسنون ملتمس ہوں کہ میں بذریعہ جداگانہ پاکٹ پوسٹ کے آج کی ڈاک میں اپنی رسید بابت چند امور مندرجہ کاغذات ایجنڈا کارروائی اجلاس بجٹ میٹنگ ٹرسٹیان مدرستہ العلوم منعقدہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۱ء آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں۔
(۱) وہ جملہ آراء متعلقہ امور متعلقہ کالج کے ہیں اور میں نے ان کو مرتب اور مفصل خاص برائے ملاحظہ ٹرسٹیان اور ان کی توجہ تحریر کیا ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ ان پر غور اور توجہ فرماویں گے (۲) دیگر چند امور کی نسبت بھی میں نے رائے لکھی ہے جو عنقریب چھپ کر آپ کی خدمت میں پہنچے گی (۳) اگر آپ نے قبل ملاحظہ اس رائے کے اپنے ووٹ روانہ کر دیئے ہیں تو میں عرض کرتا ہوں کہ از روئے جدید قاعدہ دفعہ ۳۲ ترمیم شدہ کے جو نوٹس کی پشت پر بصیغہ نمبر ۲ چھپ کر شائع کیا گیا ہے آپ کو اختیار ہے کہ اپنی رائے ترمیم کریں یا بدل کر آنریری سکریٹری کے پاس بمقام علی گڑھ بھیج دیں کہ وہ شمار میں آ دیں گے —
(۴) از راہ عنایت ان کاغذات کی رسید میرے پاس بمقام سیتاپور ارسال فرمائیں۔

خادم نیاز مند سید محمود۔ سیتاپور ۲۵ ؍ستمبر ۱۹۰۱ء

منشی حیات بخش رسا

بنام احسن مارہروی

(۱)

سید صاحب مکرم۔

آپ کا کارڈ صادر ہوا۔ اس سے پہلے جناب طپش کا کارڈ بھی پہنچ چکا تھا۔ نسخۂ مطبع سے کم آئے اور قیمتاً۔ اس لئے صرف ایک نسخہ پر اکتفا کیا گیا۔ بھیجتا ہوں ملاحظہ سے گزرے گا۔ اور حضرت طپش کو بھی ملاحظہ کرا دیجئے اس تضمین کی بابت دو خط مولوی محمد محسن صاحب کے بھیجتا ہوں اور ایک کارڈ لکھنؤ کا آیا تھا جس میں مولوی صاحب کی تحریر اور لکھنؤ کی تحریر میری تضمین کی بابت قابل ملاحظہ ہے۔ اور یہ خطوط میں نے سنداً اپنے پاس رکھے ہیں۔ مجھے بعد ملاحظہ واپس فرما دیجئے۔ صرف آپ کے دیکھنے کے لئے بھیجتا ہوں۔ اور ایک اور سند ہے جس کو آپ نے اپنے قطعہ تاریخ میں لکھا ہے۔ کہ نہ ہوگا رسا کے برابر کوئی۔ یہ بھی میرے واسطے سند ہے۔ جو لوگ مارہرہ میں طبع آزمائی کر رہے ہیں۔ ان کی کیا بات ہے۔ میں تو ایک سیدھا سادھا ہاں جی جناب کے لکھنے والا آدمی ہوں۔ اتفاق سے لوگوں کے کچھ پسند آ جاتا ہے ورنہ آپ جانتے ہیں کہ سیدھی ڈگریٹ کرنے والا آج کل کوئی نہیں ہے مضمون آفرین لوگوں کی زیادہ پوچھ ہے۔ یہ آپ لوگوں کی عنایت اور قدردانی ہے کہ مجھے بھی شاعروں میں شمار کر رکھا ہے۔ تینوں کارڈ واپس فرمائیے۔ مگر اچھی طرح پڑھ کر۔ آپ ۲۹ محرم کے بعد کہاں تشریف لے جاویں گے۔ نہایت صدمہ آپ کی مفارقت کا ہوگا۔ ابھی گرمی پڑتی ہے۔ بارش ہو جانے پر جاتے تو اچھا تھا۔ اور جاتے پر وہاں جہاں خیال پہنچنا بھی دشوار ہے یہاں کہیں ہوتے تو دل بہلا کرتے۔ کل ایک کارڈ سید کلب احمد صاحب کا ایٹہ سے آیا۔ تمنا تو ملنے کی تجھی کو خدا سے ہم نے یہ طرح قائم کر کے ۷ اپریل مقرر کی ہے۔ اور مجھے طلب فرمایا ہے۔ آپ تشریف نہیں لاویں گے تو میں وہاں جا کر کیا کروں گا۔ لہذا فوراً مطلع فرمائیے کہ آپ ایٹہ تشریف لاویں گے یا نہیں۔ یہ مصرعہ جو طرح کیا گیا ہے بیڑا ہے۔ میرے پانچ چھ شعر اس میں پہلے سے ہیں۔ اب اور کہہ رہا ہوں مگر اب آگے کو بڑھنے کی امید نہیں ہے۔ باقی کیا لکھوں۔ طپش سے کہنا کہ کمبخت تو نے یہ نہ پوچھا کہ اس نازنین زہرہ جبیں کے پیچھے تیری کیا حالت ہے جس نے بازو شہر سے اور محمد آباد تک بسمل کر دیا اور تڑپتا چھوڑ گئی۔ جواب فوراً مرحمت فرمائیے۔ اور میری اسناد جو منسلک ہیں بعد ملاحظہ واپس فرمائیے۔ اس کے ساتھ دلبر طپش سب کو سلام پہنچے۔ ۱۲ اپریل ۱۹۳۵ء رسا

---

(۲)

بنام احسن مارہروی

جناب بندہ۔ (از بلیسر)

آج آپ کا پھر تقاضا پہنچا۔ میں تھکے ہارے سفر سے بیٹھا جاتا ہوں۔ باوجودیکہ آپ کی یہ تحریک مجھے اٹھائے چلنے کو بہت کافی تھی مگر ہمت نہیں پڑتی۔ گرمی کی وجہ سے غزل نہیں کہی جاتی۔ نہایت مجبوری ہے۔ آج مولوی صاحب کو بھی خط لکھتا ہوں اگر وہ معاف فرما دیں تو بہتر ہے۔ نالش کے قصد سے باز نہ آؤں گا۔ آپ جہاں ہوں گے بذریعہ کمیشن اظہار کراؤں گا۔ مولوی محسن صاحب سے جا بات۔ اعتراض متعرض لکھے ہیں۔ آپ نے نہ لکھے تو خیر حضرت ناسخ میرے

۱۹ر جون سنہ ۱۹۰۶ء — حیات بخش رسا

---

(۳)

بنام احسن مارہروی

یا حضرت۔ (از فرخ آباد)

میں نے مشاعرہ میں پوری غزل آپ کی خدمت میں روانہ کی۔ اس پر اصلاح تو درکنار رسید غزل سے بھی اعزاز نہیں بخشا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا باعث ہوا۔ میں بخیریت ہوں۔ لیکن میرے گھر میں بہت طبیعت خراب ہے تین ماہ رخصت کی درخواست دے دی ہے۔ بعد ایک ہفتہ کے بغرض علاج دہلی جاؤں گا۔ باقی آئندہ

۲۳ر ستمبر سنہ ۱۹۰۶ء — حیات بخش رسا

---

(۴)

بنام احسن مارہروی

مکرم۔ (از فتح گڑھ)

وہ امیر حسن صاحب کا خط یاد دیکھا۔ ہونگا اب کیوں کہا کروں گا۔ مگر آج خط مولوی فدا حسن صاحب کا بمبئی سے آیا۔ کرسید علی حسن صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ وہ شرکت مشاعرہ ۲۹ر ستمبر سنہ ۱۹۰۷ء نہیں کر سکتے، اس لئے قبل ۶ر اکتوبر کوئی تاریخ مقرر فرمائیے۔ لہٰذا جب یہ دیکھا کہ آپ کے ہی لئے مشاعرہ ہوا اور آپ ہی نہ آئیں تو مجبوراً ۶ر اکتوبر یوم اتوار کے لئے آج صبح سے کوشش کی گئی۔ میر طاہر علی صاحب نے یہی کہا کہ بغیر ان کے یعنی آپ کے ہم شریک مشاعرہ نہ ہوں گے۔ اس مجبوری ۶ر اکتوبر مقرر کی گئی۔ اور جا بجا خط جا چکے تھے۔ اب پھر ترمیمی خط بھیجے جاتے ہیں۔ ۶ر اکتوبر کو تو کوئی عذر آپ کو نہ ہوگا۔ میں نے ترمیمی خطوں میں سب جگہ آپ کا حوالہ لکھ دیا ہے کہ وہ نہیں آتے اس لئے ۶ر اکتوبر مقرر ہوئی۔ جواب بواپسی ڈاک دیجئے۔ امیر حسن صاحب کو بھی اطلاع کر دیجئے۔ فقط

۱۵ر ستمبر سنہ ۱۹۰۷ء — حیات بخش

---

(۵)

بنام احسن مارہروی

مکرم۔ (از فتح گڑھ)

آج ماہر کوٹہ سے خط آیا۔ میں نے پہلے جو خط ماہر کوٹہ بھیجا تھا۔ آپ کی بے حد تعریف لکھ دی تھی۔ وہ عرض کیا اتفاق تعجب ہے کہ حضور نے ان کو طلب نہیں فرمایا۔ آج کے خط میں لکھا ہے کہ حضرت احسن کو بھی ۱۰ر جنوری

سکے لئے مدعو کیا ہے اس سے نہایت خوشی ہوئی۔ لیکن ایک بڑی ہرج ہے کہ رامپور سے کل خط آیا ہے وہ مجھے بہت جلد طلب فرماتے ہیں۔ یعنی قبل ۲۰ مارچ کے۔ اب جیسی رائے ہو سکندرآباد اطلاع دیجئے۔

۱۰ جنوری ۱۹۱۰ء

حیات بخش

بنام احسن مارہروی

(۹)

مکرم بندہ۔

(از مقام رامپور)

تسلیم نیاز۔ والا نامہ صادر ہوا۔ معزز فرمایا۔ کئی روز سے عدیم الفرصت تھا۔ اور مضطر صاحب پر جو پریشانی تھی۔ اس میں شریک تھا۔ مضطر صاحب کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا۔ اور اس کے تین روز بعد ان کے گھر میں بخار وغیرہ کے مرض میں مبتلا ہوئیں۔ آٹھ روز سخت علیل رہ کر کل شب کو زچہ نے انتقال کیا۔ لڑکا زندہ ہے۔ آج مضطر صاحب بحصول رخصت دو ہفتہ سب بال بچوں کو لیکر گوالیار ان کے ننھال میں پہنچانے گئے ہیں۔ بچارے کو یکایک نہایت پریشانی و زیر باری کا سامنا ہوا۔ مرضی خدا۔ مجھے فی الحقیقت سوائے دربارداری کے اور کچھ کام نہیں ہے۔ وہ بھی شب کو مگر رات کے جاگنے سے دن میں کسلمند رہتا ہوں۔ عادت پڑتی جاتی ہے اس لئے غزل کہنے کا اتفاق ہوتا ہے جب کوئی فرمائش یا حکم صادر ہوتا ہے تو کہہ لیتا ہوں۔ ورنہ ضرورت بھی ایسی کیا ہے۔ حکمت و فن ایک استاد سے دیکھتا ہوں۔ اور بھی اسی فن کے متعلق کچھ وقت صرف کرتا ہوں۔ دیکھئے کچھ آتا ہے یا نہیں۔ وکالت شروع کر دی ہے کچہری جاتا ہوں۔ لیکن ابھی کچھ کام چلا نہیں ہے۔ رفتہ رفتہ چلے گا۔ حکام سب عنایت کرنے لگے ہیں سرکار کی پرورش اور خداوندی دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔ خدا ان کو سلامت رکھے۔ باقی خیریت ہے۔ سید امیر حسن صاحب کو تسلیمات کہہ دیجئے۔ غزل بھیجتا ہوں۔ مگر یہ کہ جو شعر خراب ہو یا پھیکا ہو فوراً نکال دینا۔

غزل حیات بخش رسا صاحب وکیل دربار رامپور شاگرد فصیح الملک دہلوی

گوندھ لینا دلِ عشاق نہ تم ہاروں میں
پھول تکتے ہوئے رہ جائیں گے گلزاروں میں

مفت بھی دل نہیں لیتا کوئی بازاروں میں
اک تمہیں تم نظر آتے ہو خریداروں میں

جس کو خود رحمتِ باری نہ منانے آئے
وہ گنہگار بھی ہے کوئی گنہگاروں میں

لاکھ پردے میں چھپے پر بھی ہوئے تم رسوا
گھر میں بیٹھے ہوئے مشہور ہو بازاروں میں

اپنے عشاق کو گھر سے نہ نکالو اپنے
گر سزا دینی ہے چن دو انہیں دیواروں میں

کھل گیا فیصلۂ روزِ جزا کا مقصود
کہ خدا بھی ہے بتوں کے ہی طرفداروں میں

لطف ہو حشر میں زاہد کو جو یوں دیکھیں ہم
کہ گنہگار سے بیٹھے ہیں گنہگاروں میں

کس سے زنداں میں اسیری کے طریقے سیکھیں
کوئی کمبخت نہیں اگلے گرفتاروں میں

تجھ کو اس رنگ کی جنت میں ملے یا نہ ملے
محتسب دیکھ تو کیا چیز ہے میخواروں میں

تم عیادت کو نہ آنا کہ برائے تعظیم
طاقت اٹھنے کی نہیں ضعف سے بیماروں میں

کسی بے درد نے کیا پیار کیا ہے تم کو — پڑ گئے نیل جو یوں پھول سے رخساروں میں
طلب بوسۂ رخسار کا مجرم ہوں میں — جھونک دو مجھ کو دہکتے ہوئے انگاروں میں
آپ کے ملنے سے شہرت ہے جہاں میں اسکی — انگلیاں اٹھنے لگیں قیس پہ بازاروں میں
جان دی جنبش ابرو پہ ہمیشہ ہم نے — منہ نہ موڑا کبھی چلتی ہوئی تلواروں میں

اے رسا رشک سے ہے اہل سخا کا دم بند
میرے آقا کی وہ سرکار ہے سرکاروں میں

حیات بخش رسا
۱۰ اپریل ۱۹۰۵ء

---

(۷)

بنام احسن مارہروی

مکرم بندہ - آداب نیاز -

آپ کا گرامی نامہ مع ایک کارڈ کے پہنچا کارڈ دیکھ کر سخت حیرت ہے کہ ایسا کون آدمی ہے جس نے ایسی فضول بدگمانی کی ہے - یہ بالکل غلط ہے کہ آپ کے خلاف کوئی بات مشہور ہو - نہ خدانخواستہ آپ کے کلام کی بابت میں نے کسی سے برا بھلا سنا - نہ کسی کی مجال اور ہستی ہے کہ میرے منہ پر آپ کی بابت کچھ کہہ سکے نہ یہ میری حیثیت کہ میں اس کو سن سکوں - یہ کسی ایسے بدمعاش کا کام ہے جو آپ سے بے وجہ بغض رکھتا ہے - یا جس کو یہ اندیشہ ہو کہ یہ یہاں آ گئے تو میرے حالات کہہ کر میرے حق میں کانٹے بو جائیں گے - یا مجھے ان کے آنے سے کوئی نقصان پہنچے گا - اندیشہ باطلہ ہے - حافظ صاحب جو آپ کے پاس سے آئے وہ میرے پاس بھی پرسوں آئے تھے - دو روز ہوئے میں ایسے شخص نہیں ہیں کہ کسی ایسے آدمی کو جانتے بھی ہوں - جو ایسے بد اور نطفہ حرام ہیں اور انہوں نے اگر کسی سے تذکرہ آپ کی آمد کا کیا بھی ہو تو سننے والے کو ایسی کیا غرض تھی کہ آپ کو ایسے جھوٹے حالات سے اطلاع دیتا اور آپ کے دل کو تکلیف پہنچاتا بہرحال آپ خود عقلمند اور قابل ہیں اس کا فیصلہ آپ اپنے دل میں فرما سکتے ہیں - اور نہ بھی اس کا خیال نہ فرمایئے - یہاں کوئی شخص برائے نام بھی آپ کے خلاف نظر نہیں آتا - اور اگر آپ کا مخالف بھی ہو یا آپ کے کلام سے رغبت نہ رکھتا ہو - تو یہ کسی کی مجال یا ہستی نہیں ہے کہ ایسا عمل کر سکے جو کارڈ میں درج ہے - یہ کارڈ مصنوعی کسی پختہ کار کا ہے - یہاں چلنے کا نہیں ہے - میرے نزدیک میری اس تحریر کو کسی پر ظاہر نہ فرمایئے - میں نے وہ کارڈ احتیاط سے رکھ چھوڑا ہے جب آپ تشریف لائیں گے اس وقت اس کی بابت میں اور آپ بات چیت کریں گے - جالندھر سے واپسی کی کوئی تاریخ مقرر نہیں ہے ٹیلیگرام آئے گا اسی وقت یا تشریف آوری کے بعد آپ کو مطلع کروں گا - حبش کل شام کو یہاں سے مارہرہ گئے - وہ آپ سے ملے ہوں گے - ان سے میرے نزدیک آپ اپنے یہاں آنے کے متعلق کوئی بات یا مشورہ نہ فرمایئے - اگر آپ اپنے ساتھ مشفقی سید امیر حسن صاحب دلبر کو بھی لائیں تو عجب لطف ہو گا - باقی خیریت -

۱۰ر ۵ر ۱۹ء — راقم نیاز - رسا -

بنام احسن مارہروی

(۸)

بھائی صاحب کرم بعد تسلیم

(رامپور)

آپ کا والا نامہ ۲۰ جون کا لکھا ہوا۔ آج ۸ جولائی کو دیکھا۔ ماہ بھر سے میں نینی تال تھا۔ کیونکہ سرکار اب قرار نینی تال پر ہیں۔ صرف پیروی مقدمات کی غرض سے ایک ماہ کی اجازت لیکر آیا ہوں۔ آپ کے خط میں جو کچھ لکھا ہے اس کو میں بھی بدل و جان تسلیم کرتا ہوں۔ اور خدا کی قسم آپ کی اس تحریر سے میں بیحد متاثر ہوا۔ لیکن کیا کیا جائے۔ جب کوئی اپنے کمینہ پن سے باز نہ آئے۔ تو اس کے لئے علاج سوائے سرزنش کے اور نہیں ہے۔ چنانچہ اس کا کچھ ظہور ہوا ابھی ہے۔ اور آئندہ جو ہوگا وہ آپ جلد سن لیں گے۔ آپ کی کچھلی تحریرات جس میں ان حضرات کی تعریف کے دفتر میں پیش کر چکا۔ یہ معاملہ باعث تھا کہ وہ آپ کے لکھنے کے ذریعے ہے۔ جس سے یہ ثابت کرتا ہے کہ باوجود اس کے کہ آپ کے نمک خوار قدیم ہیں۔ اور آپ کے ساتھ اس نے کیا کیا گستاخی اور نمک حرامی کی۔ جو کچھ ان کے ساتھ اس وقت تک برتاؤ ہوا وہ خود آپ سن لیں گے۔ میں لکھوں گا۔ تو یہ مشہور ہوگا کہ بوجہ رنج کے جھوٹ سچ لکھ دیا ہے۔ ۲۴ گھنٹہ کے اندر نقل مکان و محلہ کرنا پڑا۔ اور کیا اور کیا۔ غرضیکہ آئندہ لکھنا مناسب نہیں ہے۔ یہاں تمام شہر میں اس کمبخت نے یہ مشہور کیا ہے کہ احسن صاحب کا یہ فعل ہے کہ رسا پر اعتراض کیا۔ میرا خیال یہ نہیں ہو سکتا۔ لاحول ولا قوۃ۔ ایسے پاجی کے قول کو کیوں کر مان سکتا ہوں۔ فقط۔

۸ جولائی سنہ ۱۹۱۰ء — رسا

بنام احسن مارہروی

(۹)

مکرم بندہ۔ آداب نیاز۔

(از مقام ریاست رامپور)

والا نامہ صادر ہوا۔ سرفراز کیا۔ پہلے خط میں آپ کی کوئی بات جواب طلب نہ تھی اس لئے کسی قدر اس کے جواب میں تساہل ہوا۔ پھر خط لکھنے والا ہی تھا کہ یکایک میری لڑکی ایسی علیل ہوئی۔ کہ اب تک طمانیت سے نہیں ہوں بہت چھوٹی چیچک نہایت خفیف بعد تین دن بخار آنے کے نمودار ہو کر ڈھل گئی۔ اس کے بعد بخار جم گیا یہاں تک کہ کئی روز بے آب و دانہ غافل رہی۔ ایک حکیم صاحب یہاں بڑے ماہر ہیں انہوں نے علاج کیا کچھ دست وغیرہ آئے شکر ہے کہ پرسوں سے اس کی طبیعت اچھی ہے۔ ابھی ٹھنڈائی پیتی ہے۔ کھچڑی کھاتی ہے۔ چلنا پھرنا تک دشوار ہے۔ آپ میری طرف اترانے کے خیالات کو کیوں عائد فرماتے ہیں۔ وہ کیسا ہی ہو پھر نوکری ہے۔ اور نوکری کی جڑ جس قدر کمزور ہوتی ہے اس کو میں اچھی طرح کئی مرتبہ آزما چکا ہوں۔ پھر میرے اوپر تف ہے کہ ایسے خیال کو پاس آنے دوں۔ الحمدللہ کہ سیدھے راستے چلا جاتا ہوں۔ اور چلا جاؤں گا۔ اگر اس شعار کو کسی ترکیب یا مصلحت سے بدل بھی دوں۔ تو کس سے آپ سے۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ ہمیشہ نیازمند خاص تصور فرماتے رہیے۔ رہی خط و کتابت کی دیر۔ آپ یاد کیجئے ایسا توقف تو کبھی کبھی فرخ آباد اٹہ وغیرہ سے بھی ہوتا رہا ہے۔ حضور صاحب بہادر کے پاؤں میں پھنسیاں نکل آئی تھیں ایک ہفتہ تک قلعہ میں بھی تشریف نہیں لے گئے تھے مگر اب فضل الٰہی سے اور اچھی طرح تندرست ہیں۔ آج کل

روز ہوئے میں ان کے مکان پر صبح کے وقت معمولاً بیٹھا تھا۔ طپش کا خط بھوپال سے ان کے نام آیا تھا۔ طپش نے
مجھے اُن سے دریافت کیا تھا۔ چنانچہ وہ خط ہوم صاحب بہادر نے مجھے دکھایا جو نہایت طول طویل تھا۔ اور اس سے
پہلے مضطر صاحب سے بھی طپش مذکور کی خط و کتابت ہے۔ مضطر صاحب کا خیال ان کی طرف اچھا ہے۔ اور جب
ان کا خیال اچھا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہوم صاحب بہادر کا خیال اچھا ہو۔ مجھ سے ہوم صاحب بہادر ان کا
حال پوچھتے تھے۔ میں نے جہاں تک زبان نے یاری دی۔ ان کے حالات عمدہ طور پر بیان کر دیے۔ میں طپش یاد پڑنے
کی بابت کیا عرض کروں۔ آپ کے حکم سے گریز نہیں کر سکتا۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ مالیر کوٹلہ جانے کو روکا گیا تھا۔ خیر
وہ تو ابتدائی حالت تھی۔ مولوی عبدالرحید صاحب نے جو مشاعرہ مین پوری میں کیا تھا۔ انہوں نے مجھے خط لکھ۔
اور ایک درخواست حضور پُر نور نواب صاحب بہادر دام اقبالہ کو میری شرکت کے لئے بھیجی۔ لیکن وہ قطعی نامنظور ہوئی
یہاں جو مشاعرے ہوتے ہیں۔ ان میں مہتمم مشاعرہ کی درخواست بندگان حضور میں پیش ہوتی ہے تب کہیں شرکت نصیب
ہوتی ہے۔ ویسے کہیں جانے آنے کی ممانعت تھوڑا ہی ہے۔ رخصت بھی مل سکتی ہے۔ لیکن چونکہ مولوی بشیر احمد خاں صاحب
ایک رئیس ہیں اور لکھنؤ کا قرب ہے۔ اور میرا نام بھی اب مخفی نہیں رہا اس لئے اگر کسی اخبار نے میری موجودگی
مشاعرہ کی لکھ دی تو میرے لئے خرابی ہے اور صاف صاف اجازت مشاعرہ کے لئے مل جائے تو نا ممکن۔ اس بارہ
میں جیسا آپ کا ارشاد ہو تعمیل کی جائے۔ مجھے کسی صورت سے عذر نہیں ہے۔ غزل مزید لکھوں گا۔ یہاں اکثر مشاعرے
ہوتے ہیں۔ فی الحال کرنیل صاحب بہادر کے مکان پر ۴ جون کو عام مشاعرہ ہے اور اسی طرح ۱۱ جون کو ہوم صاحب
بہادر کے مکان پر۔ طرح کرنیل صاحب بہادر کے یہاں۔ ع چپکے چپکے مجھے دشنام دیے جاتے ہیں۔ دشنام۔
پیغام۔ قافیہ ہے۔ ہوم صاحب بہادر کے یہاں۔ پھڑکتی ہے ہماری آنکھ اب کوئی خوشی ہوگی۔ خوشی قافیہ ہے۔ اطلاعاً
عرض کیا۔ باقی حال میرا اچھا ہے۔ روز شب کو ۹ بجے جاتا ہوں بارہ بجے ایک بجے آتا ہوں۔ دربار کی حالت نہایت
عمدہ قابل دید ہے۔ سرکار کی مدح سے زبان قاصر ہے۔ باقی خیریت ہے۔ ہمیشہ تابعدار کو تابعدار خیال فرما کر یاد
فرماتے رہیئے دلبر صاحب کو تسلیمات۔ کبھی کبھی خیریت سے مطلع فرمایا کیجئے۔ اور سید مقبول حسین صاحب کی خیر و
عافیت مزاج سے بھی اطلاع دیجئے فقط

۱۰ مئی — رسا

---

(۱۰)

بنام احسن مارہروی

حضرت جی — (از ریاست رامپور)

آداب بجا لاتا ہوں۔ میں جس روز سے جدا ہوا۔ میں نے آپ کو اپنے حالات سے مطلع نہیں کیا۔ یہ توقف قصداً
تھا بلکہ سہواً یا کسی اور وجہ سے نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ کہ میں اپنی حالت پر مطمئن نہ تھا اور ایسا غیر مطمئن تھا کہ اپنی حالت
آپ کو بھی کہتے ہوئے بار معلوم ہوتا تھا جیسے سنتے۔ ۱۰ جنوری کو عید الضحیٰ کے روز یہاں پہنچا۔ ۱۸ جنوری تک
سلام کی نوبت نہ آئی۔ ۱۹ کو سلام ہوا۔ کلکتہ جانے کی تیاریاں تھیں۔ وائسرائے کا تار آیا کہ زیادہ جماعت لانا منظور نہیں ہے

آپ ہماری کوٹھی میں مقام فرمائیں گے۔ اسی وجہ سے ساتھ جانے والوں میں پندرہ آدمی کم ہوئے۔ میں کوشش میں تھا۔ ابھی نوکرہ جا کر بھی ہو گیا۔ اور جانے والے کلکتہ سدھارے۔ ۲۰ر فروری کو واپسی ہوئی۔ میرے لئے کوئی حکم نافذ نہیں ہوا جس روز سے یہاں پہنچا البتہ خان نصرت تو مژدہ پہنچا۔ باقی ادھر ہی لٹکا رہا۔ وہاں سے واپسی کے بعد احکام نئے جاری ہوئے۔ اس میں بھی درمیانی لوگوں نے کچھ سے کچھ احکام جاری کئے۔ اس کی ترمیم کی بابت کوشش ہوتی رہی۔ آخر کار یہاں تک نوبت پہنچی۔ کہ آپ کا خط ملا کہ آپ کے استاد پہنچ گئے۔ یہ ضرور کہیں دربار حالی میں برابر آتا جاتا رہا۔ اور غزل خوانی بھی وقتاً فوقتاً ہوتی رہی۔ مگر رنگ ڈھنگ دیکھتے دیکھتے آخر کار قریب ڈیڑھ ماہ کے وقت گزر گیا۔ تو اب ایسی باتوں کی اطلاع آپ کو کیا دیتا۔ ہاں اب جب بوجہی ملکہ معظم شریف تشریف لائے اسی میں محرم وغیرہ وغیرہ جملہ کارخانجات کی پندرہ روز کی تعطیل رہی۔ جس میں سوائے مجالس عزا کے کوئی کام نہ ہوتا۔ اور اپنے معاملات کی اصلاح کے متعلق موقع بھی نہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ رئیس نہایت قدردان سخی امیر ابن امیر ہے۔ ان کی قدر افزائی کے شکریہ کرنے میں زبان نہیں۔ آخر کار یہ طے ہوا کہ ساٹھ روپیہ ماہوار تنخواہ اور وکالت کا سارٹیفکیٹ۔ اب آپ فرما سکتے ہیں کہ کیا اصلاح معاملات میں کرنی پڑی۔ اور سنئے ان میں سے ایک کہتا ہوں کہ ایک افسر نے بوقت اجراء حکم وکالت لکھ دیا کہ مشروط با امتحان وکیل مقرر کئے جائیں۔ یہ مجھے منظور نہ تھا۔ آخر بعد محرم جب عرض کیا۔ تب مستثنیٰ ہونے کا فوراً دوبارہ حکم جاری ہوا۔ غرضیکہ اب کوئی خلش باقی نہیں رہی۔ جس روز آپ کے استاد تشریف لائے تھے۔ میں نے فوراً ہوم صاحب بہادر سے ملا دیا۔ انہوں نے باخلق یہ حکم دے دیا ہے کہ جس وقت آپ کا مزاج چاہے میرے پاس آیا کیجئے۔ میں اس کے بعد دو روز کی اجازت لے کر سکندر آباد گیا۔ اور گھر کے لوگوں کو کل رات میں لے کر آ گیا۔ ایک مکان بازار نصر اللہ خاں میں لے لیا ہے اس میں کل اٹھ کر جاؤں گا۔ مکان اچھا ہے۔ گھر کے لوگ بالفعل قاضی علاؤالدین کے مکان میں فروکش ہیں۔ وکالت کا کام ماہ کے شروع ہی سے شروع کروں گا لوگ کہتے ہیں کہ بہت اچھی چلے گی۔ ابھی دیکھی تو خیر دیکھی جائے گی۔ مگر نئی دلی یا مقام کی ٹھہرادی ہے۔ میرے بعد آغا مظہر لکھنوی ۶۰ ماہوار پر۔ عاشق حسین بزم ۳۰ ماہوار پر ملازم رکھے گئے ہیں۔ مضطر صاحب کو جنوری کے مشاعرہ کے بعد سرکار سے وعدہ کر گئے تھے کہ میں ہفتہ عشرہ میں حاضر ہوں گا۔ مگر گوالیار سے جا کر یہ لکھا کہ مہاراج گوالیار مجھے ڈھائی سو روپیہ تنخواہ دیتے ہیں۔ اس لئے میں دو سو روپیہ پر حاضر نہیں ہو سکتا۔ ۱۰ر جنوری کو جب میں یہاں پہنچا تھا تو مجھ سے سرکار نے فرمایا تھا کہ دیکھو مضطر وعدہ کر گئے تھے مگر وہاں سے انکار لکھ دیا۔ چند روز بعد اپنے لڑکے کو مسال نقد کے لئے رام پور بھیجا۔ آخر کار پھر وہ دو سو روپیہ پر یہاں آنے کو راضی ہو گئے۔ خداوند کریم کا شکر ہے کہ میں جلد آ گیا اور سرکار کے دل کی سی بات ہو گئی۔ غرضیکہ مضطر صاحب اتوار تک یہاں آ جائیں گے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ بعد تشریف آوری مضطر صاحب کیا رنگ رہتا ہے۔ لیکن یہ دم خم تو جناب نواب مصطفیٰ علی خاں صاحب بہادر کا ہے۔ ورنہ مضطر ایسے بیجا طریقے سے انکار کرنے پر پھر یہاں نہ آ سکتے اب دیکھئے میں نے کس قدر مفصل حالات سے اطلاع دی ہے۔ میں غزل اپنی بھیجتا ہوں۔ اس کو آپ چھاپ دیجئے۔ باقی آئندہ پھر

گا۔ میرے نام کی غزل جب آپ چھاپیں تو عنوان فقط آنا ہونا چاہئے۔ ابھی اس سے زیادہ چند وجوہ سے مصلحت نہیں ہے۔ غزل حضرت رسا شاگرد فصیح الملک دہلوی۔

ساقی جو دئے جائے یہ کہہ کے پیے جا — تو میں بھی پیے جاؤں یہ کہہ کر کہ دئے جا
جانے کی جو ضد ہے تو مجھے زہر دئے جا — اتنا تو کہا مان لے اتنا تو کئے جا
کچھ اور نہ کر مجھ پہ جفائیں تو کئے جا — کچھ اور نہ لے میری دعائیں تو لئے جا
آ کر مرے ساقی کا کرم تو کوئی دیکھے — زاہد سے بھی کہتا ہے کہ تھوڑی سی پیے جا
ہم سے تو مسیحا کی خوشامد نہیں ہوتی — اے خضر مبارک ہو تجھے تو ہی جیے جا
گستاخ نہ ہو وصل میں اے دست تمنا — کچھ دیر ابھی ان کی بلائیں تو لئے جا
کہتا ہے کسی شوخ کا مجھ سے یہ لڑکپن — ارمان نکلتے جا ابھی ارمان نکلتے جا
کیا لذت تعزیر نے مجبور کیا ہے — آتا ہے یہی جی میں کہ تقصیر کئے جا
ان کو میری حالت پہ یقین آئے نہ آئے — اس واسطے قاصد مری تصویر لئے جا
خو مجھ کو دعا کی ہے تجھے دشنام کی عادت — میں تجھ کو دئے جاؤں گا تو مجھ کو دئے جا
کمبخت رسا تیری رسائی نہیں ان تک — تو خوب رسا اس نام کو بدنام کئے جا

سید افتخار عالم صاحب کو آداب نیاز۔ اور خدا دوسری غزل آئندہ بھیجوں گا۔ اس وقت رخصت ہوتا ہوں۔ سید اکبر میاں کو تسلیمات۔ جواب اس کا ذرا دیجئے۔ پتہ۔ حیات بخش رسا، بمکان قاضی علاؤ الدین پیشکار فوجداری۔

۷ ار ذوری — رسا

(۱۱)

<u>بنام احسن مارہروی</u>

یا حضرت۔

والا نامہ صادر ہوا۔ ممنون فرمایا۔ میں نے اپنے عدم ترسیل وظیفہ کے وجوہ آپ کو مفصل لکھ دئے تھے۔ اب میں اطمینان سے گھر سے کر بیٹھا ہوں۔ کل تک عدالتوں میں چار روز کی تعطیل تھی۔ آج کچہری ہے۔ کچہری جاؤں گا۔ مضطر صاحب پرسوں دوپہر کی گاڑی میں گوالیار سے مستعفی ہو کر یہاں پہنچ گئے۔ وہ روز سے برابر سرکار میں آتے جاتے ہیں۔ بہت عزت و توقیر سے دربار میں دیکھے جاتے ہیں۔ دیر جانے میں ہوتی ہے تو ٹیلیفون کے ذریعہ سے بلائے جاتے ہیں۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ رئیس یہاں قابل اور سنجیدہ اور قدردان ہے۔ ڈیڑھ مہینے سے میں یہاں ہوں۔ روزمرہ حاضر دربار ہوتا ہوں۔ جو باتیں باہر سننے میں آتی تھیں، ان کا بالکل پتہ نہیں۔ خدا جانے کیونکر مشہور ہوئیں یا یہ کہ پہلے ایسی باتوں کا وجود ہوگا۔ اب چند روز سے رک گئی ہوں گی۔ تہذیب کی یہ حالت ہے کہ رسا کے ساتھ صاحب کا لفظ ضرور ہوتا ہے، جب کبھی مجھے مخاطب فرماتے ہیں۔ بہر حال حاضرین دربار سے نہایت لطف طریقہ سے پیش آتے ہیں۔ معلوم یہ ہوا کہ پہلے جو یہاں مدار المہام تھے مسٹر چند ایسے سیٹھے

جو نکال دیے گئے انہوں نے نہایت بدنام کیا۔ آپ کو ایک روز مجھ سے دربار میں پوچھتے تھے۔ بایں الفاظ، کہ وہ کون شاعر مرزا داغ کے شاگردوں میں سے تھے۔ جنہوں نے طرح میں چند شعر قصیدے کے بھی ہمارے سامنے پڑھے تھے۔ میں نے سب حال آپ کا بیان کر دیا۔ اس کے بعد محمد تیم کی بابت تذکرہ اچھے الفاظ میں نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ اس کی ٹوپی وشتری وضع قطع پر اور عادات پر بہت ہنستے رہے۔ اس روز مشاعرہ سرکاری کا تذکرہ آگیا تھا۔ یاد کی کیفیت یہ ہے کہ جس کو ایک مرتبہ دیکھ لیا پھر ہمیشہ یاد رکھا۔ قابلیت اردو۔ فارسی۔ عربی۔ انگریزی نہایت عمدہ ہے۔ سب سے اعلیٰ درجہ کی ان سب پر سخاوت بہت بڑھی ہوئی ہے۔ میں نے بازار نصر اللہ خاں میں ایک مکان لیا ہے۔ اب آپ اسی پتہ سے خط بھیجیں۔ ہوم صاحب بہادر آج کل معتمد صاحب کی خاطر و مدارات میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ مع بال بچوں کے آئے ہیں۔ مبلغ ۲۵ ماہوار کا ایک مکان کرایہ پر لیا ہے ہوم صاحب بہادر سے ایک آدھ مرتبہ آپ کا تذکرہ آیا۔ جشن خطابی کی ابھی کچھ خبر نہیں۔ جشن سالگرہ ۲۱ اگست کو ہوگا۔ حضور پر نور نے ایک روز مجھ سے فرمایا تھا کہ ایک مشاعرہ گرمیوں میں اور ہونا چاہیے۔ مگر ہوم صاحب بہادر اس کو ٹال گئے۔ پھر سرکار نے بھی دوبارہ کچھ نہ فرمایا۔ مگر میں نے یہ عرضداشت دی تھی کہ ہونا چاہیے۔ اب کے سال جو مشاعرہ ہوگا اس کے لئے پانچ ہزار روپیہ کی منظوری ہے۔ جعفری اخبار بھی ہو چکی ہے۔ ذوالفقار علی خاں صاحب یہاں سپرنٹنڈنٹ آبکاری ہو کے مقرر ہوئے ہیں۔ گورنمنٹ سے ان کی سروس مستقل کرالی ہے۔ وہ بھی کبھی کبھی دربار میں جاتے ہیں۔ مجھ کو مکان معمولی اچھا مل گیا ہے رات کو ۸ بجے دربار میں جاتا ہوں۔ ایک بجے دو بجے واپس آتا ہوں۔ دن کو ذرا بھی واسطہ نہیں۔ کبھی کبھی تھیٹر بھی چلا جاتا ہوں۔ جس روز سرکار تشریف لے جاتے ہیں اس روز ضرور جانا ہوتا ہے آج کل یہاں کے لوگ طرح ذیل میں غزل لکھ رہے ہیں۔ میں بھی غزل لکھ رہا ہوں۔ چند اشعار میں نے بھی لکھے ہیں۔ وہ بھیجتا ہوں بنظر اصلاح ملاحظہ فرمائیے۔

غزل

تم میکدے میں آ کر واعظ سے منہ پھوڑ ڈالے　　بادہ کشوں کے گویا دل اس نے توڑ ڈالے
بہتان میرے خوں کا کوئی نہ چھوڑ ڈالے　　دامن کو اپنے دھو کر قاتل نچوڑ ڈالے
جڑتا نہیں کبھی دل جب کوئی توڑ ڈالے　　ممکن نہیں کسی سے شیشے میں جوڑ ڈالے
کوئی کرے کہاں تک وحشت کی پردہ پوشی　　کب تک کوئی ہمارے دامن میں جوڑ ڈالے
ایسے کی شہ کی توبہ توبہ ہے کوئی توبہ　　سو بار رات دن میں جو شخص توڑ ڈالے
تھے دوست وہ تو ان کو دشمن بنا کے چھوڑا　　دشمن نے دوست ہی کو وہ جوڑ توڑ ڈالے
میں اور ان کا شکوہ وہ بھی عدو کے آگے　　یوں جوڑنے کو کوئی بہتان جوڑ ڈالے
کیا اوس پڑ گئی ہے اب گھر پہ اس کے گیسو　　بال اس نے جب نہا کر اپنے نچوڑ ڈالے
خواب عدم سے کوئی اٹھتے ہیں سونے والے　　سو بار شور محشر ان کو جھنجھوڑ ڈالے
قید قفس میں بلبل کہتی ہے آہ کر کے　　اس سے تو کوئی میری گردن مروڑ ڈالے

مدت ہوئی رسا نے کرلی ہے مے سے توبہ　　　　جام و سبو تھے جتنے سب توڑ پھوڑ ڈالے

ذوالفقار علی خاں صاحب آج کچہری میں ملے تھے آپ کو سلام کہا ہے، اور کوئی تازہ بات نہیں ہے　اور جو کچھ ہوگا آئندہ لکھوں گا۔ دبیر صاحب کو تسلیم۔ ممنون ہوں وہ شعر میری غزل سے خارج کر دیجئے اور آئندہ بھی اسی طرح لکھتے رہیے۔

۱۷ مارچ　　　　راقم رسا

(۱۲)

بنام احسن مارہروی

مکرم۔

آج دونوں خط آپ کے پہنچے۔ یہاں پر لوگ غزلیں کہہ رہے ہیں۔ مگر آج آپ کا خط آنے سے مشاعرہ بیٹھا جاتا ہے۔ یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں صرف آپ کا کلام سننے کے یہاں کے لوگ مشتاق ہیں۔ سید امیر حسن اور جلیل کی بابت علی ہذا القیاس لوگ بہت اشتیاق رکھتے ہیں۔ اس مشاعرہ میں تحصیلدار صاحب بھی شامل ہوں گے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کو کسی طرح بلا لیجئے جب مزہ ہے۔ کیونکہ تحصیلدار صاحب یہاں کے چھپرا سُو کے رہنے والے ہیں۔ ان کے تشریف لانے سے تحصیلدار صاحب خود منتظم مشاعرہ ہوں گے۔ میر اوصاف علی صاحب یہاں بڑے سربرآوردہ اور عاشق آدمی ہیں، اگر آپ سب آئے تو دو طرفہ یہ مشاعرہ بھی قابل دید ہوگا۔ اب میں نے خطوط ۸ مئی کے جاری کر دئے کوئی شرط ۸ مئی تک نہ سنوں گا۔ جہاں جاؤ وہاں بعد ۸ مئی کے جانا خدا کے لئے۔ اس بہانہ سے آپ سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔ پھر حیدرآباد جانے آپ کب آئیں۔　فقط

جلیسر ۲۸ اپریل　　　　حیات بخش

(۱۳)

بنام احسن مارہروی

مکرم۔

والا نامہ صادر ہوا۔ کیا کہوں کیا لکھوں۔ خدا کی قسم کبھی مستعد نہ ہوتا اگر آپ کا اس قدر تقدمہ سے تقاضا ہوتا۔ مگر آپ یہ تو سوچا کیجئے کہ دور جیسے والوں میں اور مجھ میں کتنا فرق ہے کہ میں پرایا نوکر ہوں۔ اور اس قدر پابند کہ کسی طرح جنبش نہیں کر سکتا۔ ابھی تک اجازت منظور نہیں ہوئی۔ لیکن لوگوں کی خوشامد میں کر رہا ہوں۔ صاحب کلکٹر یہاں موجود ہیں۔ وہ تحصیل میں کچہری کریں گے۔ ان سے ایک دن کے لئے دریافت کروں گا۔ اور جب ارشاد چلوں گا۔ غزل کا ایک لفظ اب تک نہیں کہا۔ لیکن آج سے شروع کرتا ہوں۔ ۲۱ر دسمبر کو صبح رامپور پہنچنا چاہئے لہذا میں ۲۰ر دسمبر کی شام کی گاڑی سے یہاں سے چلوں گا۔ اب اسی طرح رات کو دونوں صاحب کاسگنج میں مل جاویں۔ جب مجھ سا فضول شخص آپ کی آزردہ نہیں کر سکتا تو وقیر ایسے کب ہیں کہ آپ کو آزردہ کر سکیں۔ بہرحال ان کو ضرور آپ کے ساتھ چلنا چاہیے۔ میں چاہتا ہوں نہ جانا۔ ولیکن ان کو ضرور جانا چاہئے۔ صدر خزانچی سے قرض لے کر تب تحصیل کا کام چلا ہے۔ کرایہ ایک پیسہ میرے پاس نہیں ہے۔ یہ تاریخ جو میں نے لکھی ہے اس کے خلاف کوئی تاریخ مقرر نہ فرمائیے گا۔ اس کا جواب فوراً دیجئے کہ کاسگنج رات کی گاڑی پر ملیں گے۔ ۲۱ر دسمبر کو اس مشاعرہ میں ضرور پہنچنا چاہئے۔ حیات بخش ۱۴ر دسمبر

بنام احسن مارہروی

(۱۴)

مکرم۔

میں بخیریت پہنچا۔ درخواست رخصت دے دی ہے۔ اب آپ وہ قصیدہ ذرا بھیج دیجئے۔ کیونکہ مجھ سے اس قدر قلیل عرصہ میں نیا قصیدہ طیار نہیں ہو سکتا۔ فصیح الملک کب آپ چھاپیں گے۔ وہ مصرعے جو میں نے آپ کے غزل پر لگائے تھے۔ تلاش فرمائیے۔ اور ان کو ضرور چھاپئے۔ قصیدہ کا منتظر ہوں۔ براہ عنایت جلد بھیج دیجئے۔ اور کوئی بات تازہ نہیں ہے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کے گھر میں انتقال ہو گیا افسوس ہے۔ مگر باوجود اس کے انہوں نے غزل کو پوچھا ہے کہ کس نے پڑھی تھی۔ میں نے لکھ دیا کہ دلبر نے پڑھی تھی۔ مشاعرہ کیا ہی اور نواب صاحب بہادر کے سامنے سے آپ بھی پڑھ دیجئے گا۔ فقط

۶ر جنوری فتح گڑھ

حیات بخش رسا

بنام احسن مارہروی

(۱۵)

مکرم۔

(ضلع بلند شہر۔ محلہ قاضی واڑہ)

والانامہ بیرنگ صادر ہوا۔ معزز کیا۔ قصیدہ پہنچنے سے بڑی مدد ملی۔ غزل کہہ رہا ہوں۔ جس کے مطلع ہائے دو شعر یہ ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

سب کچھ دیا خدا نے کہ آئیں کو دیا سب مجھے　　　اب کیا ہے اب تو عید ہے روز جزا مجھے
کیا ہمسل حشر میں کہ ملے گی جزا سب مجھے　　　صدقے میں ان بتوں کے ملا ہے خدا مجھے
بہلا رہے ہو وعدۂ محشر پہ کیا سب مجھے　　　معلوم ہے تمہارا روز جزا مجھے
رشک مسیح آپ بھی مشہور ہو گئے　　　اچھا کیا کہ آپ نے اچھا کیا مجھے

رخصت منظور۔ اللہ کا نام لے کر ۱۱ر جنوری کی رات کو ۲ بجے یہاں سے روانہ ہو کر سکندرآباد جاتا ہوں۔ وہاں سے ۱۲ر کو مالیر کوٹلہ۔ باقی آئندہ حال کہوں گا۔ آپ بے تکلف ان اشعار کو دیکھ کر مطلع فرمائیے۔ میں احتیاطاً جاتا ہوں۔ بغیر آپ کے میرے قدم نہیں اٹھتے۔ بارہا ہو جو بغیر آپ کے کہیں رہے۔ اگر دوامی نہیں تو ایسا جال ضرور پھیلاؤں گا کہ آپ ہر مہینہ یا ہر پندرہ روز میں آتے رہیں۔ جاتے ہی تو طرح کہہ کے بعد محرم مشاعرہ کی ٹھہرائی جائے گی۔ جواب اس کا سکندرآباد ۱۰ر دسمبر کی شام کو دیجئے۔ تاکہ ۱۲ر دسمبر کو مل جائے۔ فقط دلبر کو سلام

۸ر جنوری

حیات بخش رسا

بنام احسن مارہروی

(۱۶)

مکرم بندہ تسلیم۔

والانامہ صادر ہوا۔ معزز فرمایا۔ بعد واپسی علیگڑھ جناب ہوم صاحب بہادر نے آپ کے ملنے کی کیفیت سب بیان فرمائی تھی۔ اور میرے متعلق کا حال بھی فرمایا تھا۔ یہ ان کی قدر افزائی ہے کہ وہ اپنے نوکروں کو ایسی توقیر سے دیکھتے ہیں ورنہ میں کمبخت کیا اور میرا کلام کیا۔ ہاں اس سرکار ابد قرار کی روز افزوں قدردانی سے امید ہے

کہ شاید کچھ ہو رہے۔ اب تک خداوند کریم کا شکر ہے کہ کسی نے یہ نہیں کہا، کہ حاذق کے نام کو بدنام کرتا ہے اور جس طرح کے ساتھ میرا کلام لوگوں نے سنا تھا اب تک فضل الٰہی سے وہی ہوتا ہے۔ یہ خدا کی عنایت اور آپ دوستوں کی دعا کا اثر ہے۔ قسم کھاتا ہوں کہ میں نے اب تک اس مطلع کی غزل پوری نہیں کی صرف دو تین شعر معمولی نکالے ہیں۔ اس درمیان میں سرکار کی غزل پر مصرعہ لگانے میں سرگرمی رہی اس لئے کوئی غزل نہیں لکھی۔ یہ بات لکھتا ہے، اس نے مقدم سمجھا گیا۔ فکر کرتا ہوں۔ جب تک آپ تشریف لائیں گے شرکت ہو جائے گی۔ جلیل مشیرِ دربار کے ذکر ہو گئے۔ بخشش صاحب بہادر کے مکان پہ فروکش ہیں اور وہیں کھانا کھاتے ہیں۔ وہ پرانے ان کے محسن ہیں۔ اصلاح پر دربار میں حاضر ہوتے ہیں۔ یہ یہاں اگر آپ کی تشریف آوری تک رہے۔ تو ضرور تلاش کئے جائیں گے۔ مل گئے تو کیا اچھے ہوتے ہیں۔ کس تاریخ تشریف لائیں گے۔ فقط

رسا

(۱۷)

بنام احسن مارہروی

مخدوم مکرم بندہ آداب نیاز۔ (از مقام رامپور)

میں نے کئی روز ہوئے ایک کارڈ آپ کی خدمت میں بھیجا ہے ملاحظہ سے گذرا ہوگا۔ فصیح الملک میں جو مضمون حالی صاحب جالبی کا چھپا ہے اس کا جواب لکھ کر مرسل خدمت کیا جاتا ہے۔ بعد ملاحظہ اس میں جو کچھ ترمیم مناسب ہو اس کو کیجئے۔ اور بموجب نوٹ کے میری طرف سے آپ وکیل ہیں علاوہ میرے مرسلہ مضمون کے اور جس طرح چاہیں آپ اس کو ثابت کر سکتے ہیں یا اس کی تائید میں آپ تحریر فرما سکتے ہیں۔ اس بارہ میں بلکہ میرے وکیل مقرر کرنے کی آپ کو ضرورت کیا ہے۔ آپ تو میرے بہت پرانے وکیل ہیں۔ اور چونکہ ہم سب میں آپ کو بیرسٹری کی سند حاصل ہے اس لئے آپ بلا وکالت نامہ پیروی کے مجاز ہیں۔ رسید سے اس کے جلا بھی مطلع فرمایئے۔ اور وہاں جو طاعون وغیرہ سے تشویش تھی۔ اس کا حال لکھئے اور کوئی بات تازہ نہیں ہے۔ میں آپ کی دعا سے بخیریت اور اچھی طرح ہوں۔ زیادہ بجز نیاز کیا عرض کروں فقط بخدمت دلبر صاحب تسلیمات۔

بندہ حیات بخش رسا

سیّد احمد دہلوی

(۱)

بنام مدار المہام

حامیجا! !!

فدوی آج اس امر کا مژدہ سناتا ہے کہ آپ جیسے مقدس بزرگوں اور قدردانوں کی توجہ باطنی سے یہ نیاز مند درگاہ شبانہ روز محنت کر کے فرہنگ آصفیہ کی تالیف و تصنیف سے ۲۴ نومبر ۱۸۹۸ء روز یکشنبہ کو بہمہ وجوہ فارغ ہو گیا۔ چون ہزار چار سو پچاس لغات و محاورے چار ہزار صفحوں میں لکھے گئے اب صرف دیباچہ، گورنمنٹ نظام کے نام کا خطبہ۔ حضور کی قدردانی اور فدوی پروری کا شکریہ لکھنا باقی ہے۔ جو اس سبب سے تاجواب گزارش ملتوی ہے کہ حضور نے بروقت تشریف آوری شملہ فرہنگ مذکور کے سرورق کو ملاحظہ فرما کر حضور نظام کے القاب و خطاب میں کچھ غلطی پا کر ظاہر فرمائی تھی اور ارشاد کیا تھا کہ اس کو ضرور درست کر لینا۔ چونکہ اب وہ موقع آگیا ہے اس لئے امیدوار ہوں کہ بادشاہ سلطان دکن حضرت نظام کا پورا پورا القاب و خطاب عنایت فرمائیں۔

دوسری عرض یہ ہے کہ اگست ۱۸۹۸ء میں فرہنگ آصفیہ کی نسبت سرِدست اکیس سو روپیہ اور بعد اختتام چودہ سو روپیہ کے ملنے کا حکم اور دعا جلد خریداری نافذ فرمایا گیا تھا۔ میری بدقسمتی یا ساہوکار کی خوش نصیبی سے باوجودیکہ ایک سال چار ماہ کا عرصہ گزر گیا اور لغات کے مجلد و حسین بھی داخل دفتر ہو گئے مگر چودہ سو روپیہ مرحمت نہیں ہوا جس کے سبب ایک سال سے لغات کا چھپنا بند ہے۔ اگر سب رشتہ اپنی موزوں میں یہ روپیہ مل جاتا تو آج کو ساہوکار کا ۹۹۴ روپیہ کی سودی رقم پانے کا مستحق نہ ہوتا یعنی بندہ ۲۱۰۰ سو روپیہ کے سود سے بچ جاتا چنانچہ اسی سود در سود کے اندیشہ سے فدوی نے ۶ مارچ - ۲ اپریل - ۸ مئی ۱۸۹۹ء کو بذریعہ رجسٹری بار بار یاد دہانی بھی کی تھی جس کے جواب سے آج تک محروم ہے اور اب تو دہری شی ہو گئی۔ قطعہ ؎

لیکر بیٹھا ہوں ہر مہینے قرض — اور مرتی ہے سود کی تکرار
میرا اللہ ہیں تہِ تائی کا — ہو گیا ہے شریک ساہوکار

ناچار فدوی نے ہر طرف سے مجبور اور تنگ ہو کر رخصت کی درخواست کر دی کہ خود ہی حاضر خدمت ہو کر گزارش کرے چنانچہ

بنام ملک صفدر علی خوش نویس لاہور (۲)

حافظ صفدر علی صاحب!

میر صاحب[1] بھی ملاحظہ فرمالیں

آپ کی لیاقت اور حسن کارگزاری کو میں مانتا ہوں۔ ۶۰۰ صفحوں میں جو آپ نے سطریں بنائی ہیں وہ قابل تعریف ہیں گو کہیں لفظ (جو) چھوٹ گیا۔ یا چند اعراب رہ گئے یا بعض جگہ قلم باریک ہو کر کشادہ جگہ بے موزوں معلوم دینے لگی۔ لیکن بڑا عیب جو ہمارا نکل گیا۔ مجھے ایک امر کی آپ سے شکایت ہے۔ اگر وہی نہ رہے تو آپ میری ذات سے زیادہ فائدہ اٹھائیں گے۔ جدید غلطیاں لکھ کر چننے میں یا سیسے ہی بھرنے میں پیدا ہو جاتی ہیں، جس کے سبب از سرِ نو پروف پڑھنا اور بار بار پروف دیکھنے کی مشقت کا لازم ہو جاتا ہے۔ اس سے وقت بھی بہت ضائع ہوتا ہے۔ بعض غلطیاں سخت بدستور قائم رہتی ہیں۔ بھرے ہوئے پیش یا تو کھوئے نہیں جاتے یا سیاہی خراب ہے کہ پھر بھر جاتے ہیں۔ ۵۰۱ صفحہ سے ۶۰۰ تک نشان کر دئیے ہیں۔ جن سے آپ معلوم کر سکتے ہیں۔ مثلاً ۵۰۱ صفحہ میں نِیم کا نِم۔ میرا کا میر۔ نمرہ کا نمر۔ ۵۲۲ میں جاں کا جتاں۔ کپڑ بند کا کپڑ رمضہ۔ کال کا کالی۔ ۵۲۲ دراق کا دیداق۔ سپاٹ کا سیاٹ۔ ۶۰۰ میں نخود کا نمو کر دیا۔ علیٰ ہٰذا القیاس اسی طرح کی غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ ۶۲۴ صفحہ کی دو آخر سطریں پریس میں سے خدا جانے کیوں اڑ گئیں۔ یہ پروف قابل اجازت تھے۔ مگر اس قسم کی فروگذاشت کی اجازت بغیر دیکھے نہیں دی جاتی۔

چونکہ اس فروگذاشت کے مقابلے میں تمہاری عمدہ کارگزاری اور لیاقت کا پلہ بھاری ہے۔ لہٰذا بالفعل دو سو روپے صلہ انعام تمہارے واسطے اسی وقت تجویز کئے گئے۔ جو کاتب کی لکھائی سے بھی زیادہ ہیں اور تین روپے اور اسی وقت ملیں گے جبکہ میں حرف الف سے کتاب کے خاتمہ تک دیکھ لوں گا۔ کہ اجازت طبع دئیے ہوئے پروفوں میں کوئی غلطی قابل صحت نامہ نہیں چھوڑی گئی۔ ورنہ وہی دام صحت نامہ لکھوانے میں صرف کر دئیے جائیں گے۔ اگرچہ اب میں نے صحت نامہ ختم کر دیا ہے اور اس کے لئے کوئی صفحہ نہیں رکھا مگر قابل گرفت غلطیاں نکلیں تو ضمیمہ صحت نامہ بڑھانا پڑے گا جس کے سبب سے صفحوں میں بڑی دقت پیش آئے گی۔ کیونکہ سرورق کے آخر صفحہ پر مع تعداد صفحات صحت نامہ ہندسہ پڑ کر یہاں چھپ گئے ہیں۔

یہ روپیہ ہفتہ کے روز میر صاحب کے والد کے واسطے جو باورچی جائے گا۔ اس کے ہاتھ روانہ کئے جائیں گے۔ اور میر صاحب تم کو دے کر رسید مجھے بھیج دیں گے۔

امید ہے کہ آئندہ زیادہ توجہ ہی کی جائے گی۔ میں کسی کی زائد محنت کا حق نہیں رکھتا۔ اور دانستہ سہل انگاری کرنے والے کا حق بھی مطلق نہیں سمجھتا۔ فقط

۱۲ر فروری سنہ ۱۹۰۱ء

سید احمد دہلوی

---

[1] میر صاحب سے مراد مولوی سید ممتاز علی مالک رفاہ عام پریس لاہور و مدار اشاعت پنجاب ہیں۔ جن کی سرپرستی میں اخبار تہذیب نسواں اور پھول وغیرہ جاری ہوئے۔ وہ بعد میں شمس العلماء کے خطاب سے ممتاز کئے گئے۔

بنام ملک صفدر علی خوش نویس لاہور　　　　(۳)

حافظ صفدر علی صاحب لیتھو سنگ رفاہ عام پریس لاہور نے میری کتاب فرہنگ آصفیہ کی جلد چہارم کے پتھر تقریباً نصف سے زیادہ بنائے۔ میرا خیال تھا کہ منشی علی بخش صاحب سے زیادہ اس کام میں دوسرا شخص مہارت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اول تو وہ گورنمنٹ بک ڈپو میں میرے ماتحت سنہ ۱۸۸۱ء میں رہ کر ہمیشہ تحسین و آفرین کے محدود ہے۔ دوسرے یہ کہ حافظ صاحب کے استاد بھی رہے ہیں۔ لیکن چونکہ منشی علی بخش صاحب نے تقاضائے عمر سے یہ کام بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اس وجہ سے یہ کہنا بیجا نہیں کہ اس وقت حافظ صفدر علی صاحب سے بہتر لاہور میں کوئی سنگ ساز نہیں ہے۔ انہوں نے سفحے کے سفحے میری کتاب کے از سر نو پتھر پر لکھ کر اکثر اوقات غلط سے خود ملایا۔ غلطیوں کو نہایت احتیاط اور درستی سے بنایا بلکہ املا بھی کہیں غلطی نہیں کی۔ انگریزی اور ناگری کے الفاظ بھی خوب بنائے۔ پس اس سے زیادہ کیا لیاقت ہو سکتی ہے۔ میں نے خوش ہو کر ان کو یہ پاس لکھا نے کے واسطے بھی دیا۔ لیکن میں خوش جب ہوتا کہ اس وقت ان کی خدمت جیسا دل چاہتا تھا ویسی کر سکتا اور مجھ کو اس وقت کی حسرت مانع نہ آتی۔ فقط

۱۲ر جولائی سنہ ۱۹۱۱ء

سید احمد دہلوی بقلم خود

بنام مولوی حبیب الرحمٰن صاحب شروانی　　　　(۴)

آپ جیسے ہوں جب حبیب اپنے　　　　کیوں نہ اچھے ہوں پھر نصیب اپنے

میرے محسن۔ میرے مربّی۔ میرے ہمدرد۔ میرے حبیب خوش نصیب سلمہ اللہ تعالےٰ

تسلیم بعد تعظیم کے بعد گزارش خدمت ہے۔ کہ نامۂ والا محررہ یکم اگست اس کی تیسری تاریخ کو فرحت بخش دل و جاں ہوا۔ اس یاد آوری اس ہمدردی کا شکر کس زبان سے ادا کروں۔ بیشک لاہور میں جناب نے احباب کو برائے نام دعوت دی تھی۔ جس کے سبب بدنام ہونا پڑا۔ دعوت کے رقعے پر صاف لکھا تھا ؎

نہ وہ دعوت کہ جس میں ہو رنگ رنگ　　　　یک رکابی طعام و دیگر بس

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ گو اس تقریب میں آپ کا شریک کرنا باعث فخر تھا لیکن اتنی دور سے تکلیف دینا باعث شرم۔ دلی قربت ہی کو کافی سمجھا۔ جلد سوم و چہارم حسب ارشاد گل والا نامہ آتے ہی مع سہ نمبر سابقہ بیک رسالہ علم اللسان ارسال خدمت ہوئے۔ چونکہ کاغذ کی تخصیص نہ تھی اس وجہ سے معمولی کاغذ کی جلدیں روانہ ہوئیں۔ گو ابتدائی حصص اس پندرہ سولہ برس کے عرصے میں ختم ہو گئے مگر آپ کے نمبر پورے کرنے کے لئے کوشش بدل و جان کی جائے گی۔ چنانچہ ایک کتاب جو انہیں ۳ نمبروں کے سبب ناقص تھی کسی میں سے جو نمبر آپ کے کام آمد تھے انہیں نکال کر اور ناقص کر دیا۔ مگر جناب کے ارشاد کو ٹال نہ سکا۔ اکثر احباب کو اس امر کی معذرت پڑ رہی ہے۔ مجبوراً "قلمی لکھوا کر ان کا کام کر دیتا ہوں۔ روپے جلد سے کوئی کم نہیں لگتا ہے۔ یہی نمبر جو خدمت عالی میں گئے ہیں، اگر نہ ہوتے تو چھ روپے خرچ ہو جاتے۔ چونکہ موجود تھے اس سبب سے اُسی سابقہ قیمت پر بھیج دیئے گئے۔ باقی نمبروں کا بھی اسی طرح پر تو پورا کر دیا جائے گا۔ جن

احباب یا خریداروں کے پاس ہیں وہ پلندی کتاب تو شاید دے دیں مگر تبرہ نہ دیں۔ جس کو پورا کرانا مزیدیات سے متعلق ورنہ اس وقت تک وہ بھی نہ رہتے۔ میرا بے شک ارادہ از سر نو چھاپنے کا تھا اور اسی وجہ سے اول و دوم جلد کو ترمیم کر کے بہت کچھ بڑھا بھی لیا تھا۔ بلکہ ابھی تک بڑھائے جاتا ہوں مگر میری مصیبتوں اور قلت زر نے اس آرزو کو جلد پورا نہ ہونے دیا۔ آپ جلد چہارم کے خاتمے میں میرے اکثر حالات ملاحظہ فرمائیں گے۔ مجھ سا سخت جان ہو اور نہ اس کام کو انجام پر پہنچائے۔ جس وقت جلد سوم و چہارم کا قرضہ ادا ہوا فوراً اس طرف توجہ کی جائے گی۔ اس وقت مجھے چھ سات ہزار کا قرضہ اہل مطابع کا دینا ہے اسی وجہ سے تعداد طبع بھی گھٹا دی اور ابتدائی حصص کو بھی از سر نو نہ چھاپا بلکہ اس امر کو غنیمت سمجھا کہ کسی طرح ایک مرتبہ یہ بد خط مسودہ میری زندگی میں چھپ جائے بعد میں اصلاح دینے اور بڑھانے والے بہتیرے ہو جائیں گے۔ لیکن یہ ذخیرہ جس پر قومی زبان کی بنیاد اور تکمیل منحصر ہے پھر میسر نہیں ہوگا۔ خدا بھلا کرے گورنمنٹ نظام کا جس کے طفیل اور عالی ہمتی سے اتنا بھی ہوا ورنہ پبلک کی طرف سے تو مایوسی ہو ہی گئی تھی۔ اب بھی بہت سا مسالہ یوں ہی پڑا رہا۔ ورنہ اس سے بھی زیادہ طول ہو جاتا۔ صرف ضروری باتوں کو لے لیا اگر خدا نے مجھے اس قابل کیا تو طبع ثانی میں اس کو دیکھئے گا۔ اب تو اس کا اولیں مسودہ یا نقش اول سمجھنا چاہیے۔ جس کی حسب دلخواہ صحت بھی نہ ہوئی۔ کارکنانِ مطبع نے اپنی طرف سے کچھ کا کچھ اکثر جگہ سے پتھر پر بنا دیا جس کے سبب صحت نامہ بھی لگانا پڑا۔ گو آپ کسی قدر بھول گئے ہوں مگر میری نظروں میں وہ زمانہ ہر وقت موجود تھا۔ اگر خدا وہ نہ ہو جاتا۔ تو یہ سلسلہ ٹوٹ جاتا۔ مجھے آپ ہمیشہ یاد رہے اور میں نے اپنی نیاز مندی کو اپنا افتخار سمجھا۔ اس میں کیا شبہ ہے اٹھارہ نہیں بلکہ ۱۹ برس ہوئے [illegible] سے مجھ کو جناب کی خدمت میں نیاز حاصل ہے۔ اور اس عرصے میں جو جو کچھ جناب نے قومی امداد فرمائی ہے وہ بھی یاد ہے یہ استقلال ان شاء اللہ تعالیٰ روز زیادہ ترقی کرے گا۔ میں آپ کی مبارک باد کا تہ دل سے ممنون ہوں خدا تعالیٰ آپ کی عمر، ہمت، حوصلے اور اس قدر دانی میں برکت دے اور آپ کی دعا سے مجھے بار بار یہ فرہنگ حسب منشا چھاپنی نصیب ہو۔ دیباچے کے ۸ صفحے کیا بہت سے لکھے جاتے اور بڑی تقطیع پر لکھے جاتے اسی وجہ سے چھوڑ دیے تھے۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ ؎

بے قدر مروم کار دنیا　　　قدری باید قدری باید

نقادوں کا یہ مقولہ بہت ٹھیک ہے۔ ان آٹھ صفحوں میں جو کچھ لکھا جاتا وہ جلد چہارم کے آخر میں لکھ دیا۔ اس وقت اس کا دیباچہ وہی ہے جو ارمغانِ دہلی کا ہے اور مقدمہ وہ رسالہ ہے جو خدمت عالی میں علم اللسان کے نام سے گیا ہے۔ بندہ دسویں تاریخ کو شملے جائے گا۔ وہاں وائسرائے کے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب سے مل کر مہینہ بیس روز کے بعد واپس آئے گا۔ اور ایک ہفتہ دہلی میں رہ کر حیدرآباد کے زاد خرچ کا انتظام کر کے حیدرآباد پہنچے گا۔ شاید کچھ کام ہو آپ بس دعا کیجیے اور جو چیز شملے یا حیدرآباد کی مطلوب ہو بلا تکلف لکھیے بسر و چشم تعمیل ارشاد ہوگی۔ افسوس کہ کل کے پیکٹ میں نقشہ سعودی اکبر شاہ ثانی و دربار نہ روانہ کر دیا خیر پھر دیکھا جائے گا۔ امید ہے کہ آپ کو خوشی کی گھڑی میں یہ عریضہ ملے گا۔ فقط آپ کا رہین احسان سید احمد دہلوی بقلم خود نظر ثانی معاف۔

چند دوستوں نے سوانح عمری لکھنے پر مجبور کیا ہے۔ حیران ہوں کیا لکھوں - از دہلی

۴ اگست سنہ ۱۹۰۹ء — سید احمد دہلوی

(۵)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

عالی جناب من۔

تسلیم بصد تعظیم کے بعد مؤدبانہ گزارش خدمت ہے کہ نیاز مند نے جو ۲۶ جون سنہ ۱۹۱۶ء کو رسالہ مذاق آصف طبع ثانی ارسال خدمت کیا تھا۔ اس کے صفحہ ۳ سطر ۱۳ میں نام کی غلطی مطبع کی طرف سے ہوئی تھی صرف دس پندرہ ورق چھاپے گئے تھے کہ وہ غلطی معلوم کر کے درستی کرا دی گئی۔ چنانچہ وہ ورق خدمت عالی میں بدیں غرض ارسال کیا جاتا ہے کہ سابقہ ورق صفحہ ۳ - ۴ کا نکلوا کر اس کے بجائے اسے چسپاں کرا دیں از حد مہربانی و بندہ نوازی ہوگی۔ فقط

آپ کا نہایت مرہون منت احسان سید احمد دہلوی المخاطب بہ خانصاحب

مؤلف فرہنگ آصفیہ و ارمغان دغیرہ

۱۲ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء

ریاض خیرآبادی

بنام احسن مارہروی

(۱)

مکرمی!

کارڈ ملا۔ ریاض الاخبار کی بابت عرض کردہ قیمت قبول فرمانے کا شکریہ۔ ستمبر سے پرچے تلاش کر کے آج یا کل بذریعہ ڈاک روانہ کر دوں گا۔ مگر ملیو ٹے کا۔ ناگوار نہ ہو میری صاف روش جرأت حلاقی ہے ورنہ بقول میرے ؎

میں جانتا ہوں بد طلبی کو کہاں عیب ۔۔۔ دینا روا رغ سے بھرے دست سوال کا

اگر میرا یہ فعل کچھ بھی گراں ہو تو بے تکلف واپس کر دیجئے گا میں تاوان کو سزائے تقصیر سمجھ کر پھر وہی پرچہ پوسٹ روانہ کر دوں گا۔ یہ امر کہ قلعم زیادہ ہے لوگ پسند نہ کریں گے۔ میں نے صرف رائے کا اظہار کیا تھا ؎

ہر کسے مصلحت خویش نکو می داند

آپ کو ضرور مجھ سے دلی اُنس ہے۔ اس قدر متاثر ہوں کہ بے تکلف آرزوئے یکجائی کر بیٹھا۔ آپ میرا خیال صحیح سمجھیں۔
بات یہ ہے کہ میں زر سے پریشان ہو رہا ہوں۔ اوّل تو بالکل تہی کیسہ ہوں چہ جائیکہ دو بمعہ فرزند کی ہر وقت فکر دوسرے قلق تھا۔ ایسے تجارتی کام تنہا جب ہی چل سکتے ہیں کہ انسان فارغ البال ہو، عیش و ملازمت وسیع ہو۔ معافی

تنگی تلخ روا دو ہیں لاغر ۔۔۔ کیا نچوڑے گی کیا نہائے گی

یکجائی کا کوئی مناسب طریقہ ممکن ہوتا تو آپ کی ذاتی مالی وضاحت سے ایک مرتبہ زمین پر پاؤں ٹیکنے کی کوشش کی جاتی۔ مگر یہ حسن اتفاق کہاں ممکن۔ پریس خود قائم کیجئے صرف گلدستہ کے لئے۔ تجارتی چھپائی یا اخبار نکالنے کو مارہرہ بہت ہی چھوٹا مقام ہے بہرحال کچھ کہتے رہئے، خصوصاً نام آوری کے کام۔ طرح میں غزل تو دوں مگر بہت ہی امتیاز خاص چاہتا ہوں یہ آپ کا کام ہے۔ ریاض خلیل کے ذریعہ پبلک کے روبرو جس طرح چاہے مجھے نمایاں کیجئے۔ آپ وفور اخلاق سے یہ سب کچھ کر سکتے ہیں کہ آؤ بھگت کے ساتھ پہلے پرجوش الفاظ میں خیر مقدم کیجئے، تصویر پچھلوں سے بڑی ہوئی شائع کیجئے یہاں تک کریں کہ دنیا میں میرا کوئی ثانی نظر آئے مگر جب کلام پر نظر پڑے گی تو سب مسرت افسوس سے بدل جائے گی آنکھ میں آنسو آجائیں گے۔ کلام اس قابل ہوتا تو بندہ کا مضائقہ نہ تھا۔ نہیں حضرت نہیں۔ واللہ مجھ کو آپ مخلصی سادگی کے ساتھ معمولی درجہ کے شعراء کی آخری صف میں لیجئے۔ یہ باتیں خاق

کی تضمین۔ یہ غزل ضرور بھیجوں گا پیرے نام کے ساتھ زائد الفاظ نہ ہوں گے صرف ریاض کافی ہوگا۔ دعویٰ قیاس ضامٹ سے کر رہا ہوں کہ غزل بھیجوں گا اور قصد یہی ہے مگر غزل بھی تو ہو جائے۔ آج آپ نے محبت جتا کر میرا بہت ہی وقت لیا خدا آپ کا بھلا کرے باتوں میں چند منٹ دل خوب بہلا۔ اب نہ وہ ہم نہ ہماری حالت تکلّر دنیا کھا گئی۔ کچھ روز سے اور عالم ہو گیا ہے

یاد ہوں گی تجھے گلشن کی بہاریں گلچیں — پنکھڑی ٹوٹتی تو شور ہوتا دل ہوتا

پژمردہ ریاض ۷ نومبر ۱۸۹۶ء

---

(۲)

بنام احسن مارہروی

مکرمی!

کارڈ ملا۔ افسوس میری کیفیت سے آپ کو آگاہی نہیں۔ دو سال سے میں اخبار کی خدمت بوجہ معذوری کچھ نہیں کر سکتا۔ اخبار حکیم برہم صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ غالباً آپ سے خط و کتابت ہوگی۔ وہ جناب داغ مرحوم سے کس قدر خلاف تھے اور جلوۂ داغ سے زیادہ مگر مرحوم کے انتقال کے بعد انہوں نے نکتہ چینی سے احتراز کیا۔ اشتہار حسب ہدایت درج ریاض الاخبار ہوگا۔ مگر آپ سے برہم صاحب سے خط و کتابت نہ ہو تو ضرور خط و کتابت کیجئے۔ وہ بہت صاف ہو جانے والے شخص ہیں۔ میں ان سے کہوں گا کہ اگر ریویو لکھیں تو ان کی مصلحت پر نظر رکھیں۔ آپ ایک کارڈ ان کو براہِ راست بھیج دیجئے۔ میں ان سے زیادہ دور رہتا ہوں۔ کم سے کم دو میل کے فاصلے پر۔ وہاں آیا ہوا حکیم برہم صاحب کے پاس ہے آپ ایک جلد مجھ کو بھیج دیجئے مگر انہی کی خدمت میں انہی کے نام پر ہو۔ میں پرسوں مراد آباد جاؤں گا کوشش کروں گا کہ آیا ہو وہاں مانگ کر ساتھ لے جاؤں کہ ریل پر سفر میں دیکھنے کا موقع ملے۔ میں جلد آپ کو دوسرا خط بھیجوں گا۔ والتسلیم زیادہ حد۔

ریاض۔ ۳۰ جنوری ۱۹۰۶ء

---

(۳)

بنام احسن مارہروی

عالیجناب!

تسلیم۔ کارڈ ملا۔ آپ کی نوازش ہائے بے پایاں کا شکریہ۔ سرکاری ہی اطلاع ہے ۱۰ اور ۱۱ جنوری سے مسلسل پرچوں کا پیکٹ بھیجا جاتا ہے اور جنوری کے ساتھ اخبارات میں واقعات انیس یا میر انیس کے متعلق کچھ لکھا گیا ہے وہ بھی روانہ ہیں۔ مجھے تو آرزو تھی کہ آپ فصیح الملک لکھنؤ سے نکالتے اور ریاض الاخبار کی اڈیٹری کا چارج بھی اپنے ہاتھ میں لیتے۔ مجھ سے اب لکھا پڑھا نہیں جاتا۔ چاہتا ہوں ؎

مردے ز غیب بروں آید و کارے بکند

میرا بہت زیادہ کلام ضائع ہو گیا۔ بہر حال میں آپ کے لئے ضرور تازہ غزل کا اہتمام کروں گا۔ آپ نہیں جانتے میرا وقت کیسی پریشانی میں گذر رہا ہے ورنہ آپ سا مہربان قدردان مجھ سے فرمائش کرے اور میں تعمیل نہ کروں۔

ریاض از حسین آباد مبارک لکھنؤ ۲۹ جنوری ۱۹۰۹ء

بنام احسن مارہروی

(۴)

شفیقی احسن!

کبھی کسی رسالے کو غزل نہیں بھیجی ڈرتے ڈرتے آپ کی فرمائش کی تعمیل کرتا ہوں۔ یہ غزل گذشتہ ہفتے میں کہی تھی بھیجنا چاہتا تھا بھیجوں مگر بھول جاتا تھا۔ آج فصیح الملک نے یاد تازہ کر دی۔ خدا کرے آپ کو پسند آئے، دو جو غلط پڑھا جانے والی از فصیح الملک میں ملے کسی شعر پر کچھ تامل ہو تو مجھے لکھ بھیجئے۔ واقعات پر تنقید دیکھ کر جی خوش ہو گیا۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ سنتا ہوں کل معیار شائع ہوا ہے اس میں جواب لکھا گیا ہے۔ مناسب معلوم ہوا تو کسی وقت میں بھی کوئی نوٹ لکھوں گا۔ میری یہ غرض نہ ہو گی کہ آپ کی طرفداری کروں یا صاحب واقعات کی۔ مجھے آپ اکثر یاد فرماتے رہیں۔

نیازمند سید ریاض احمد ریاض - ۱۹ مارچ ۱۹۰۹ء

میں شکر گزار ہوں، ایک پرچہ فصیح الملک کا جس میں تنقید واقعات انہیں ہیں ذیل کے پتہ سے بھیج دیجئے۔ شاہ نظام الدین صاحب دلگیر آگرہ، میرے کا کٹرہ۔

بنام جناب جگر صاحب

(۵)

عالی جناب جگر صاحب!

آقائے سخن و تسلیم کی گرانمایہ ہستی سے نہ صرف گونڈہ بلکہ ہندوستان خالی ہو گیا۔ مرحوم کو آپ کی ذات پر ناز تھا میں بھی آپ کی سنجیدہ وضع اور مذاق سخن کو سراہتا ہوں۔ میری گرویدگی کو اور بھی اس لئے ترقی ہوئی کہ آپ نے حکیم امیر احمد تسلیم کے ساتھ وہ شفقت روا رکھی جس کی توقع آپ کی ذات ستودہ صفات سے تھی۔ خدا کرے وہ روز افزوں ترقیاں آپ کے فیض سے حاصل کریں۔ خدا وہ دن لائے کہ انجہ کے چھوٹے بھائی مولوی خلیل احمد تسلیم بھی گونڈہ پہنچ جائیں۔ دونوں آقائے سخن کی اچھی یادگار ہیں۔ میں قمر صاحب کو بھی نگاہ امتیاز سے دیکھتا ہوں۔ عیوب سخن پر وہ کافی نگاہ رکھتے ہیں اور نہ وہ قابل قدر ہیں۔

میں ہمیشہ آپ کی یاد تازہ رکھتا ہوں اور اس کے معاوضے کا خواستگار نہیں ہوں۔ انشاء اللہ جلد حاضر ہوں گا۔

نیازمند ریاض ۱۲ ستمبر ۱۹۲۹ء

بنام ولی شاہجہانپوری

(۶)

مکرمی!

۴ جولائی ۱۹۳۳ء کے کارڈ سے یاد فرمائی و عزت افزائی کا شکر گذار ہوں۔ بیمار تھا جواب میں تاخیر ہوئی معافی کا خواستگار ہوں۔ مستقل جائے قیام خیرآباد ہے لکھنؤ کبھی دو چار روز کیلئے چلا جاتا ہوں۔ بہت ضعیف ہو گیا ہوں آلام و افکار نے مردہ بنا رکھا ہے۔ "نقش غزل" کی اشاعت سے بہت مسرت ہوئی انشاء اللہ مقبول عام ہو گا اب تو شاعری اور زبان کچھ سے کچھ ہو کر رہ گئی ہے۔

سبقت کے حادثے کا بہت افسوس ہوا اگر وہ ان کے کیسے ہی تھے بہر حال اچھے تھے کبھی مجھے یاد کیجئے گا ان کے قرآن کی تفصیل بھی لکھئے گا۔

ساون میں خاک اڑ رہی ہے۔ دو ہفتے سے بارش نہیں ہوئی۔ خدا رحم کرے۔

ریاض۔ خیرآباد (اودھ) ضلع سیتاپور۔ جولائی ۱۹۳۳ء

بنام چودھری فتح محمد صاحب شیفتہ بی۔ اے

(۷)

عالی جناب چودھری فتح محمد صاحب بالقابہ!

ہندوستاں میں دھوم ہے کس کے کلام کی — وہ کون ہے ریاض کو جو جانتا نہیں

عنوان تو شاعرانہ تعلّی ہے ہی مگر کہیں واقعی حقیقت اتنی ہے کہ ریاض، اخبار ہفتے میں دو بار "فتنہ" ہفتہ وار "تاریخی" روزانہ "عطرِ فتنہ" ہفتہ وار "گلچیں" ماہانہ "صبحِ گل" روزانہ، یہ سب میری ایڈیٹری اور ملکیت میں برسوں شائع ہوتے رہے۔ اس زمانے میں اخبار کم تھے۔ "کوہِ نور" پنجابی لاہور سے "اودھ اخبار" روزانہ لکھنؤ سے "لارنس گزٹ" ہفتہ وار میرٹھ سے شائع ہوتے تھے۔ میرے نام اور تخلص کی شہرت کا یہی سبب تھے یعنی وہ پرچے جنہیں میں نکالتا تھا۔ سر عبدالقادر صاحب قریب قریب اسی زمانے کے بزرگ ہیں یقیناً خط و کتابت کے ذریعے سے میرے شناسا بھی۔ نیز ان کی تحقیق و تدقیق، ذکاوت و ذہانت اور عالمانہ وسیع معلومات کا مدت سے معترف ہوں۔ سر اقبال شاعرانہ حیثیت سے مجھے جانتے ہیں، دو اخباری حیثیت سے بھی مجھے اس وقت مرحوم گرامی کی یاد بے اختیار آئی۔ وہ مجھ سے حیدر آباد میں اس وقت ملے تھے جب میں مہاراجہ کشن پرشاد شاد کا مہمان تھا۔ میں ان کی فارسی شاعری کا بہت احترام کرتا ہوں۔ اس سے میری یہ غرض نہیں کہ سر اقبال کی اردو فارسی شاعری کا احترام ان کے بلند خیالات کو دیکھتے ہوئے میرے دل میں فرق کے ساتھ ہے۔ میں سمجھتا ہوں سر اقبال کے بلند خیالات نے ان کے ہر مصرع کو ہمالیہ کی بلند چوٹی کا ہمسر بنا دیا ہے۔

پچاس سال ہوئے سر سید مرحوم نے زندہ دلانِ پنجاب کا فقرہ لکھ کر پنجاب کو اور صوبوں سے امتیازی حالت میں ظاہر کیا تھا ممکن ہے اس وقت کی تعلیمی دلچسپیاں لاہور کو گل سر سبد بناتے ہوں مگر دیکھتے ہی دیکھتے تمام اصناف میں پنجاب نے اپنی زندہ دلی سے قابو حاصل کر لیا۔ بے اختیار دل سے یہ دعا نکلتی ہے ؎ ریاض

تری اٹھان ترقی کرے قیامت کی

ترا شباب بڑھے عمرِ جاوداں کی طرح

مجھے بہت زیادہ حیرت زبان کی ترقی پر ہے۔ پنجاب کے شہری افراد ہوں یا اہلِ تصنیف و تالیف، روزانہ ہفتہ وار پرچے ہوں یا ماہوار شائع ہونے والے رسالے قریب قریب کیسی پاکیزہ اردو، سادہ و بے ساختہ زبان میں استعمال کرتے ہیں۔ پنجاب ٹکسالی اردو میں بھی دہلی و لکھنؤ سے قریب قریب یکسانیت حاصل کر لیتا مگر ٹکسالی زبان تو بوجوہ اپنے خاص گھروں سے رخصت ہو رہی ہے پھر بھی مایوسی میں امید کی جھلک اس اعتبار سے نظر آ رہی ہے کہ زندہ دلانِ پنجاب اگر ٹکسالی زبان کی طرف متوجہ ہو گئے تو ضرور اس پر بھی قابو حاصل کر لیں گے۔ وہ ٹکسالی زبان جو غالب و انیس کا حصہ کہی جاتی ہے اور زمانہ سر سید صاحب تک خان بہادر میر ناصر علی مرحوم مدیر صلائے عام کا جو حصہ ہو گئی تھی ضرور ٹکسالی اردو کی نظم کو امیر و داغ و جلال نے چار چاند لگائے تھے۔ خدارا پنجاب کاش ادھر بھی توجہ فرمائے۔ جو زبان اسکولوں اور کالجوں میں اور ابتدائی مکاتیب میں داخلِ درس ہو چکی ہے وہ رہتی جاتی ہے خاص توجہ سے ٹکسالی زبان ہو سکتی ہے ورنہ تا ثریا می رود دیوار کج کی مصداق جیسی اب ہے آئندہ بھی رہے گی۔

میں آپ کو کیا لکھنا چاہتا تھا اور کیا لکھ گیا یا کسی اخبار کے لئے بہ امید معاوضہ کاغذ سیاہ کر رہا ہوں۔ مجھے جناب کو

نیاز نامہ لکھنے کا اتفاق اس بنا پر ہوا کہ میں نے فضا صاحب کو ایک خط اس غرض سے لکھا کہ میرے دیوان کے طبع کا چرچا تو پنجاب وغیرہ میں زیادہ عرصے سے ہے مگر تاخیر نے ہر طرف ناامیدی کی صورت پیدا کر دی ہے اس لئے فضا اور دوسرے احباب کو میں یقین دلانا چاہتا تھا کہ دیوان کی طباعت و اشاعت کا زمانہ اب قریب ہے اور اعتبار دلانے کو میں نے ملک کے سرمایۂ ناز سر سلیمان صاحب چیف جسٹس الٰہ آباد کی چٹھی جو اسی دن میرے نام آئی تھی بصورت نقل اسی خط میں ملفوف کر دی تھی۔ فضا صاحب نے اس چٹھی سے متاثر ہو کر یہ چاہا کہ دیوان ریاض کے متعلق اپنے صوبے کے سرمایۂ ناز حضرات جیسے سر عبدالقادر صاحب بالقابہ، سر اقبال صاحب بالقابہ، ملک سر فیروز خان نون ایم۔ اے وزیر تعلیم پنجاب سے ایسی ہی چٹھیاں یا نوٹ حاصل کئے جائیں کہ دیوان ریاض کو ان کے ذریعے سے بھی روشناس عالم ہونے کا موقع حاصل ہو سکے۔

فضا صاحب نے مجھ سے خواہش کی کہ میں ایک "نیاز نامہ" جناب کو بھیجوں۔ آپ محاسن اور مختلف خوبیوں کا مجموعہ ہیں مجھ پر آپ کی ستائش کا بخصوصیت تحسین یعنی مثل ہیں کہ تو دیدگی بود بس است یہ اثر ہوا کہ میں آپ کو خط بھیجنے کے لئے بیتاب ہو گیا۔

مجھے اس کی بھی خواہش نہیں ہے کہ آپ جواب لکھنے کی تکلیف گوارا کریں یا میری اس بے سروپا طولانی تحریر کے پڑھنے میں وقت ضائع کریں۔ میں صاحب! اپنی پوزیشن میں سو میں بیس جاتا ہوں۔ مالی حالت نے بلحاظ کثیر الاولاد ہونے اور ضعف یا بہار پیش ہونے کے مجھ پر عرصۂ دنیا تنگ کر دی ہے مگر دیوان کی اشاعت انشاء اللہ ضرور میرے لئے اطمینان پیدا کر دے گی بقول میرے ؎

آس اک چیز ہے دنیا میں اگر ٹوٹ نہ جائے

سر نواب قاضی عزیز الدین دیوان دنیا میرے واسطے بہترین ذریعہ تھے کہ میں ملکہ میں اعلیٰ حضرت نظام دکن سے ملوں مگر میری قسمت نے مجھے روک دیا۔

بیشک سر عبدالقادر صاحب، سر اقبال صاحب، ملک سر فیروز خان صاحب نون ایسی بلند پایہ شخصیتیں ہیں کہ وہ میرے دیوان کے متعلق اظہار خیال فرمائیں تو ممدوحین کی یہ قدر شناسی ملک کی شکر گزاری کا باعث ہوگی مگر میں ممدوحین سے ایسی استدعا کرنا اس عمر رسیدہ بزرگ کے ادب اور شان کے خلاف سمجھتا ہوں جس نے مجھ سے بے بضاعت کم مایہ شخص کی شاعری کو اس مرتبے پر پہنچایا کہ انگریزی تعلیم یافتہ بلند پایہ حضرات جن کی قابلیت نے دور جدید کی شاعری کو کچھ سے کچھ بنا دیا ہے میرے لئے تو ہیں مگر میرے اشعار کے لئے اچھے الفاظ سے بخل نہیں فرماتے ؎ کتنا تیرا گل رخوں سے ریاض شکستہ حال ۔ مجھ کو نہ دیکھئے مرے اشعار دیکھئے

میرا خیال یہ ہے کہ جو حضرات میرے دیوان کیلئے خامہ فرسائی فرمائیں گے وہ اپنے لئے میرے دیوان میں اپنی مستقل یادگار قائم کر دیں گے ؎ نوشتہ بماند سیہ بر سپید۔

فضا صاحب نے اپنی امیدیں جو آپ کے دامن سے وابستہ کی ہیں ان کا لحاظ فرماتے ہوئے آپ حضرات ممدوحین کو تکلیف دینا چاہیں اور مزید اعتبار کے لئے اس کی ضرورت معلوم ہو تو آپ سر سلیمان صاحب چیف جسٹس کی چٹھی نقل شدہ جو ملفوف بھیجتا ہوں آپ پیک شدہ صورت میں یا یونہی ان کی خدمت میں بھیج دیں یا خود کسی وقت دکھا دیں گے۔ میں وہ غزل بھی ملفوف بھیجتا ہوں جس کے لئے اچھے الفاظ خان بہادر خورشید الٰہی صاحب اسسٹنٹ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب نے اپنی چٹھی مرسلہ حال میں مجھ کو لکھے ہیں ؎

قدرداں گوہر سخن کے ہیں
منہ پر اور پیچھے سے بھی تیرے ہیں

سید ریاض احمد ریاض خیرآبادی (اودھ) ضلع سیتاپور۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۳۲ء

بنام دل شاہجہانپوری

(۸)

مکرمی!

دو مصرعوں سے بہ ہر نہج یا علاوہ ہم آپ جو چاہیں اپنے کلام میں داخل کر سکتے ہیں۔ میرے الفاظ ذیل آپ کے اتفاق و اختلاف کے محتاج ہیں اور وہ بھی صرف میری اور آپ کی آگاہی کے لئے۔

ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود

یہ مصرع کبھی میری نظر سے نہیں گزرا ہے۔ پرے کے لفظ کو متروک سمجھتا ہوں۔ داغ، امیر و جلال نے بھی استعمال نہیں کیا نہ ان کے متبعین نے۔ عام بول چال میں بھی نہیں بعض دلی والے شاید بولتے ہیں ع

دور ہے سرحد ادراک سے اپنا مسجود

پرے کا استعمال بے جا ہوا ہے ممکن ہے یہ پرانی غزل منشی صاحبؒ کی دیکھی ہوئی ہو اس صورت میں نوٹ دے دینا ضروری تھا۔ میں نے بے تکلفانہ اپنا خیال ظاہر کر دیا نہ جواب کی ضرورت نہ بحث کی۔

۲۔ اب تو ہر ہر نفس سرد ہے افسانۂ دل ۔ ہر ہر کا لفظ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

۳۔ کہ ایک وقت میں ہم ترک آرزو کرتے ۔ ترک آرزو کرنے اس کے لئے "ایک وقت میں" کیسا۔ اس وقت ضرورت یہی مجھ میں نہ آئی آئندہ شاید مجھ میں آ جائے۔

۴۔ اُٹھتے تو مجھ تا ملے تو غرق نیاز ۔ غرق نے بھی خوب ہی لیا۔ میرے خیال میں غرق کا لفظ باعتبار مناسبت کوئی رعایتی لفظ چاہتا ہے جیسے غرق بحر الفت یا آب خجالت۔

دیوان میں جب کہیں کوئی بات قابل استفسار نظر آئے گی آپ سے دریافت کروں گا۔
نیاز نے مقدمے میں بے ضرورت داغ کا یہ شعر لکھ کر ؎

کچھ زہر نہ تھی شراب انگور — کیا چیز حرام ہو گئی ہے

داغ کو میخوار ظاہر کیا ہے اور فوری ثبوت بھی اسی شعر سے دے دیا ہے۔ یہ بھی اشارہ فرما کر کہ پینے والے کا شعر پینے والے کو زیادہ مزا دیتا ہے اپنی نسبت بھی لوگوں کو بدگمانی کا موقع دے رہا ہے۔ آپ کو صاف صاف دامن آلودہ نہیں کیا غنیمت ہے مجھ سے نیاز سے بہت بگڑی رہی ہے میں نے کبھی پیتے نہیں دیکھا نہ کبھی ایسی حالت میں کہ شبہ کر سکوں۔ مگر مجھے تو بحث داغ سے ہے کیا داغ کے پینے نہ پینے کے متعلق آپ کچھ کہہ سکتے ہیں؟ یہ غیر ضروری باتیں اس وقت میرے قلم سے نکل گئیں۔ میں خود نیاز سے کسی وقت پوچھ لوں گا۔ میں نے آپ کا وقت ضائع کیا معاف کیجئے اور بہی خواہ اور دعا گو سمجھئے۔ اب لکھنے پڑھنے سے معذور رہتا جاتا ہوں اور ساتھ ہی

کچھ اپنے حال کا مجھے احساس ہی نہیں
یہ بیمار ہیں جو کہ وہ کفر میں ہے

ریاض ۱۵ر اکتوبر ۳۳ء خیرآباد

؎ ریاض مرحوم کو سہو ہوا۔ یہ مصرع دل صاحب کا نہیں غالب کا ہے جو نیاز فتح پوری نے مقدمے میں لکھ دیا تھا۔

بنام دل شاہجہان پوری (۸)

مکرمی!

مجھے دعوے کا ہے۔ ہر ہر کے لئے سند کی ضرورت نہ تھی آپ کے شعر میں موزوں ہونا کافی تھا۔ عرقِ نیاز، عرقِ ناز، عرقِ آرزو کے لئے عرقِ حیرت، عرقِ خجالت کو میں کافی نہیں سمجھتا۔ ہر نکتہ مقامے دارد۔ آپ کے سمجھانے پر بھی ایک لفظ زائد معلوم ہوتا ہے۔ میں اپنی رائے پر زور دیتا ہوں نہ مجبور کرنا چاہتا ہوں۔ نقدِ دل کے لئے کسی بات کے اظہار میں تکلف نہیں میں اسے اپنا کلام سمجھتا ہوں۔ زمانے میں بھی زائد ہے۔ سرنگیں اور رسالے کے متعلق قدوائی کا خیال صحیح نہیں آپ کا خیال صحیح ہے۔ بکار آمد میں بھی آپ سے متفق ہوں تو بیاں ہو جانا غیر صحیح نہیں مگر ہوتے جانا کو ترجیح ہے۔ انکار نہیں ہوتا۔

ہم حسرتِ صہبا کے قائل ہیں مگر واعظ — ہوتی ہیں جو چار آنکھیں انکار نہیں ہوتا

بااور کسی طرح اشاعت آئندہ میں ترمیم ہو جانا چاہیے۔ قدوائی جو کہتے ہیں پختہ گوئی کے مقابلہ میں ایسی خامیاں بے حقیقت ہیں ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں سب کے کلام میں نکل سکتی ہیں۔

خط آیا میں موجود نہ تھا۔ گو کہ پہلے سے آپ تو ماہ مبارک میں بیکار رہا اس کے بعد زلزلے کی تباہ کاریوں سے ہوش بجا نہ رہے تاخیرِ جواب سے آپ ضرور گراں خاطر ہوں گے میں عذر کا خواستگار ہوں۔

ریاض خیرآبادی ۱۲ فروری ۱۹۳۴ء

بنام جناب شاہ سید شاہد علی صاحب فانی سبز پوش رئیس اعظم گورکھپور (۹)

جناب شاہ صاحب سے بعد سلام نیاز کہئے کہ ابرا حمد کو خط لکھ کر کسی کا ہدیہ کے لیے یا اچھا معلوم ہو خصوصاً جب مولانا اصغر صاحب بھی ہوں ہدیہ کیا بھیجوں۔ سال بھر سے کچھ کہا نہیں۔ حسنِ انجمن زیادہ تھی چاہا کچھ خیال رجوع کروں۔ بہ دقت چند شعر کہے۔ بد نذر ارسال ہیں جناب مہاراجہ صاحب بہادر[1] کا ایک شعر ہاتھ آیا۔ نکلا ہوا شعر لاجواب ہے۔ زمین بھی سخت۔ تنہا اچھا شعر کوئی نہیں نکلا۔ جناب شاہ صاحب کی خدمت میں غزل پیش کر کے غزل واپس لے کر یا احتیاط رکھ بھیجئے گا۔ دوسرے کو نہ دیجئے گا۔ والدعا: ریاض

مہاراجہ صاحب کا یہ شعر ہے — جو آج پی ہو تو ساقی حرام شے پی ہو — یہ کل کی پی ہوئی مے کا خمار باقی ہے

ریاض —

۱ یہی سی آرزوئے وصلِ یار باقی ہے — ذرا سی مجھ میں ابھی جانِ زار باقی ہے

۲ لحد پہ آئیں گے وہ انتظار باقی ہے — کسی کا مجھ کو ابھی اعتبار باقی ہے

۳ نری گلی میں نشانِ مزار باقی ہے — غبارِ راہ مری یادگار باقی ہے

۴ یہ کتنی پی کے گئے تھے لحد میں ہم سونے — کہ روزِ حشر بھی کچھ کچھ خمار باقی ہے

۵ اٹھاؤ پھول کہ بستر بنے گا بسترِ مرگ — تو رات کچھ ہے عذابِ انتظار باقی ہے

۶ یہ بات کیا ہے؟ نظر جام سے نہیں ملتی — نہ دور ہے نہ مئے خوشگوار باقی ہے

۷ ہمیشہ غنچہ و گل اپنے جام و مینا ہیں — شراب خم میں ہے جب تک بہار باقی ہے

۸ کریں گے کعبے کا ہم غم بدوش جا کے طواف — اگر یہ زندگیِ مستعار باقی ہے

۹ نہ شیشے کی وہ پری ہے نہ وہ شباب ریاض — نہ سبزہ زار نہ وہ لالہ زار باقی ہے

---

[1] مہاراجہ محمد علی محمد خاں ساحر۔ کے سی آئی۔ والی ریاست محمود آباد ضلع سیتا پور (یو۔ پی)

غلام قادر گرامی

(۱)

بنام نواب عماد جنگ بہادر

عالیجناب نواب صاحب بہادر

تسلیم - میری رخصت پانچ ماہ کی پیش گاہ سرکار عالی منظور ہو چکی ہے - تر تعلیمہ وغیرہ کی باعث نہیں جا سکا علاوہ ریاست کی روک ٹوک کے خاص ضلع جالندھر میں بھی طاعون کے آثار نمودار تھے - ان وجوہات کے باعث میں رخصت سے استفادہ نہ اٹھا سکا، اب سنا جاتا ہے کہ قصبہ ماہون ضلع جالندھر میں طاعون کا کوئی کیس نہیں رہا - خداوند کریم کے فضل سے یہ بیماری دفع ہو گئی - یکم فروری ۱۹۰۰ الٰہی ۱۳۰۷ف سے رخصت سے مستفید ہونا چاہتا ہوں - لہٰذا خدمت عالی میں بذریعہ نامہ ہذا اطلاع دیتا ہوں - کہ مہربانی فرما کر یکم فروری سے میری رخصت محسوب کی جائے اور ایام رخصت کی تنخواہ میں خود گذشت سے لوں گا - اور کسی کو نہ دی جائے -

جناب عالی نے خاکسار گرامی کو زبانی یہی فرمایا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ سرکار عالی سے رخصت کی تجدید کرانے کی کوئی ضرورت نہیں محض ہمارے نام ایک رقعہ بھیج دینا ہی کافی ہوگا - امیدوار ہوں کہ میرا یہی رقعہ محاسبی میں بطور یادداشت بھیج دیا جاوے - راقم

۳۰ جنوری ۱۸۹۹ء مطابق ۱۷ رمضان ۱۳۱۶ھ   شیخ غلام قادر گرامی شاعر خاص حضور پرنور

(۲)

بنام پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی مرحوم

خدمت اقدس حضرت کیفی صاحب تسلیم

ایک تکلیف آپ کو دیتا ہوں وہ یہ کہ کشمیر سے ایک لاجواب پٹی گرم مجھے بھیجوا دو وی پی بھیجو کسی کارخانے والے کو کہہ دیجئے وہ وی پی بھیج دے گا - اور وہ پٹی نہایت عمدہ ملائم ڈبل ---- قیمت ۱۸ روپیہ یا ۲۰ روپیہ ہو ----

---

۱ شیخ غلام قادر گرامی حیدرآباد میں ملازم تھے انہوں نے پانچ ماہ رخصت لی تھی - مگر پنجاب میں طاعون (پلیگ) ہونے کی وجہ سے نہ جا سکے - اب اسی سابقہ منظورہ رخصت سے مستفید ہونے کی درخواست اس خط کے ذریعہ کی تھی یہ خط نواب عماد جنگ معتمد فنانس کا موسومہ ہے - اور اس کے ناصیہ (پیشانی) پر عماد جنگ کی تحریر ہے -

آپ کشمیر کے حاکم ہیں فارن سیکرٹری ہیں۔ نہایت اعلیٰ نفیس پٹی گرم بھیجیں گے۔ کوٹ اور پتلون گرم پٹی کا بنا ہوگا
پچھلے سال علامہ سر اقبال نے مجھے لکھا تھا کہ اقبال و گرامی کشمیر کی سیر کریں۔ غنی کشمیری کی روح خوش ہوگی کہ
گرامی جالندھری میری قبر پر آیا ہے۔ گرامی کی بدقسمتی کہ وہ کاہلی کی آغوش میں بیٹھ رہا۔

کاہلی کرد شکستہ استخواں — نشکنی اش بیچ نہ ہے ناتواں

گرامی کا پیمانۂ عمر لبریز ہو چکا ہے۔ آئندہ سال کا وعدہ نقش بر آب ہے

خدمت عالی حضرت ناظر[1] صاحب کا نیاز مندانہ شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میرا سلام کہہ دیجئے۔
خدمت اقدس حکیم مسیح الملک بہادر رئیس اعظم دہلی، گرامی کا سلام پہنچا دیجئے۔ والسلام

گرامی

رباعی: مارا ازما اگر نداد ند برات — واز تنگی کشاکش موت و حیات
بگذاشت کہ یک نفس بخود پردازیم — فریاد، فسوس، آہ، حسرت، ہیہات — گرامی

بنام پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی صاحب

(۳)

خدمت اقدس حضرت کیفی صاحب، تسلیم۔

گرم پٹی پہنچ گئی۔ پنڈت دیوی چند صاحب رئیس اعظم جالندھر نے میرے پاس پہنچا دی۔ نہایت عمدہ خوشرنگ پٹی ہے۔ آپ کا کوئی خط نہیں آیا۔ مہربانی فرما کر قیمت سے مجھے اطلاع دیجئے۔ بذریعہ منی آرڈر روپیہ بھیج دوں۔ آپ نے گرامی کی فرمائش پوری کی۔ گرامی کی عرض بھی قبول کیجئے وہ یہ کہ قیمت سے اطلاع دیجئے۔ روپیہ بھیجا جائے گا۔ آپ کا گرامی پارسا طرح ہے نہ بار خاطر۔ گرامی آپ کا رہین منت ہے۔

ایک غزل خدمت عالی میں بھیجتا ہوں۔ جناب چودھری صاحب بہادر حضرت ناظر کو بھی دکھلا دیجئے اس غزل کی نسبت وہ اپنا خیال ظاہر کریں۔ آپ بھی اس غزل کی نسبت اپنی رائے دلآویز کا اظہار کیجئے۔ یہ غزل سر اقبال نے بھی [illegible]
راجہ دلجیت سنگھ صاحب بہادر رئیس اعظم جالندھر تقاضا کر رہے ہیں کہ رباعیات گرامی مجھے دے دو۔ ہم سردار امراؤ سنگھ صاحب سے انگریزی میں ترجمہ کرائیں گے اور ڈاکٹر سر اقبال لکھ رہے ہیں کہ رباعیات کا انگریزی میں ترجمہ کروں گا۔ فرمائیے آپ کی رائے صحیح کیا ہے؟[2] والسلام

گرامی

---

[1] چودھری خوشی محمد ناظر (جوگی اور [illegible]) مراد ہیں۔

[2] اتفاق سے، اس خط کا جو جواب پنڈت کیفی صاحب نے لکھا تھا، وہ بھی مل گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

کیمل — ۱۰ / دسمبر سنہ ۱۹۲۳ء

میرے محب مولانا گرامی کی خدمت میں سلام شوق۔ گرامی نامہ پہنچا۔ اس پٹی کی قیمت پوچھ کر آپ نے میرا دل دکھایا اول تو وہ چیز ہی کیا ہے جس کی آپ قیمت پوچھتے ہیں۔ اور پھر "بار خاطر" کا فقرہ سناتے ہیں حضرت! اے بیر کیفی (باقی اگلے صفحہ پر)

بنام پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی صاحب (۲)

خدمت عالی حضرت کیفی صاحب۔ تسلیم

"خمخانۂ کیفی" گرامی کو مل گیا۔ میں کیا لکھوں کہ یہ میکدۂ معانی کیا چیز ہے۔ میرے دوست میرے عنایت فرمائے قدیم بالغ نظر جوہر فرد حضرت چودھری خوشی محمد صاحب ناظر ممبر کونسل کشمیر نے جو کچھ آپ کے کلام کی نسبت لکھا ہے۔ بہت صحیح ہے۔

چہ فصاحت چہ بلاغت چہ معانی چہ بیں — جلوہ زاست در آغوشِ زبانِ کیفی

گرامی ہفتاد سالہ، گرامی کے حواس خمسہ پنجاب کی، خدا گرامی کو خاک دکن ہی جذب کرے گی۔ داغ و امیر مینائی چشم براہ ہیں۔

حضرت کیفی صاحب صاحب، دہلی میں آپ کی یاد نے گرامی کو مضطرب کر دیا۔ لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے کا وہ حکمت اور ادب کی دولت، اور آپ کی یاد گرامی نہیں بھول سکتا۔

خدمت اقدس چودھری صاحب بہادر گرامی کا سلام پہنچا دیجیے [1]

والسلام گرامی

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) تصور فرمائیے اور اشعار کشمیر سے جو کچھ مدد کار ہو، بلا تکلف ارشاد کیجیے۔

غزل کا شکریہ۔ کیا اچھا کہا ہے۔

رہ عشق است امید از زمین یابی ما مدید — بدیں صحرا دلیا ہرقدہ یوسف بچہ ماند

کیا دل بڑھانے والا شعر ہے۔ غزل کتنی اعلیٰ استادانہ شان رکھتی ہے۔ مگر برائے خدا ایسے مسکڑے قافیہ نہ لکھا کیجیے۔ چودھری صاحب کے پاس ضرور بھیجوں گا۔ اپنی چند نظموں کا مجموعہ جو احباب نے زبردستی چھپوا دیا ہے بھیجتا ہوں۔ خدمت ملاحظہ فرمائیے صرف ایک فارسی غزل کی گنجائش نکلی۔

رباعیات کے ترجمے کی نسبت جو آپ پوچھتے ہیں، سو میری رائے یہ ہے کہ سردار امراؤ سنگھ میں وہ سب ضروری اوصاف موجود ہیں جو اس ترجمہ کے لئے چاہئیں اور وہ دل سے کر ترجمہ کر بھی دیں گے۔ ڈاکٹر اقبال بھی اس کام کے ایسے ہی اہل ہیں لیکن ان سے پابندی پڑتی نظر نہیں آتی۔ یہ ترجمہ ضرور ہونا چاہئے۔

لاہور آنا ہو تو لکھئے گا۔ واللہ آپ سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔ والشفیق

برجموہن دتاتریہ کیفی

[1] اس خط پر کیفی صاحب نے یہ چند لفظ قلم بند فرمائے ہیں:

میں نے حضرت گرامی کو ایک نسخہ اپنے مجموعۂ نظم "خمخانۂ کیفی" کا بھیجا تھا۔ اس کے جواب میں انہوں نے یہ خط اور رباعیات بھیجی ہیں۔ ان کے کلام نے یہ رنگ ابھی اختیار کیا ہے۔ خدا سلامت رکھے۔ ان کا دم غنیمت ہے۔

برجموہن دتاتریہ۔ سری نگر کشمیر

۲۰/اگست سنہ۱۹۲۳ء

رباعیات

(۱)
ما بیخود و آرزو بخود راه دہد — خود ابلہ و گوشمال آگاه دہد
سر رشتۂ تدبیر بدست امید — گلے بر بام و گاه در چاه دہد

(۲)
بر ہم زدنِ کارِ ما بیہ کاری ماست — خونریزی امید ما گنہ گاری ماست
در موت و حیات نقل دارند زده اند — بیداری ما خواب و خواب بیداری ماست

(۳)
می میرم و دیده اشکباری دارد — دل خوں شد و جاں فغاں شماری دارد
اے چارہ شناس کار با مرہم نیست — ایں سینہ بسینہ زخم کاری دارد

(۴)
فریاد، کہ عمرم ہمہ برباد آمد — ناکردنی و کردنیم یاد آمد
کارے کہ نکردنی ست کردم ہمہ عمر — فریاد کہ فریاد بفریاد آمد

(۵)
اے روح! بجسم زار نالی تا چند! — در بندِ قفس شکستہ بالی تا چند!
پر برزن و بر فرازِ سدرہ بنشیں — در مرکزِ تنگنائے خاک مالی تا چند! علہ

(۶)
خود را یک چند پاسبانی کردیم — یک چند بجز لیش سرگرانی کردیم
از بیم و امید پائے در زنجیرم — در پیچش مرگ و زندگانی کردیم

(۷)
ما رخت ز شہر بندِ ہستی بستیم — از خویش گسستیم و بیاد پیوستیم
در میکدۂ بیخبری با خبریم — در مکتب بین ہوشیاری مستیم

(۸)
دل بستگی خون طرازی دگر است — دل گرمی ذوقِ دل نوازی دگر است
ایں بازیِ عشق نیست بازیچہ مسیح — بازی دگر است عشق بازی دگر است

(۹)
دیباچۂ اسرارِ نہانی مائیم — در خوردِ جوابِ لن ترانی مائیم
جولاں گہِ ما خط وجود و عدم است — بازیچۂ مرگ و زندگانی مائیم

(۱۰)
اللہ اللہ چہ دلنشست زبانِ گیتی — کیست جز ناظر با مرتبہ دانِ گیتی
چہ فصاحت چہ بلاغت چہ معانی چہ بیان — جلوہ فرماست در آغوشِ زبانِ گیتی

یہ رباعیاں حضرت ناظر صاحب کو دکھلا دو۔ کیا ان کے پسند ہیں یہی حضرت ناظر اور علامہ اقبال کو

علہ اس رباعی پر پہلے جناب چودھری خوشی محمد ناظر نے لکھا ہے۔ "احسنت احقر ناظر" اور حاشیہ میں اپنا یہ شعر قلم بند فرمایا ہے ؎

"یہ جو فرش اسفلِ خاک ہے، یہ نجاستوں کی مغاک ہے
مرا سجدہ پایۂ عرش پر، مری لامکاں میں نماز ہے

احقر ناظر"

خدا وحدتی میں سمجھتا ہوں ؎۱

راقم
شیخ غلام قادر گرامی شاعر خاص حضور نظام دکن خلد اللہ ملکہٗ

(۵)

بنام نواب حسن علی خاں صاحب امیر جاگیردار مرحوم

حضرت جاگیردار صاحب جانشین حضرت نواب فصیح الملک

تسلیم۔ میرا جی بہت چاہتا ہے کہ میں آپ کو ملوں۔ ایک زمانہ گزر گیا ملاقات نہیں ہوئی۔ میں خوش ہوں کہ آپ بفضل خدا تندرست ہیں خوش ہیں۔

دیوان داغ آپ کی امانت میرے پاس ہے۔ پرسوں، کسی وقت اپنے آدمی کو بھیج دیجئے۔ کوئی شخص دیکھنے کو لے گیا ہے منگوا کر دے دیا جاوے گا۔ انشاء اللہ آپ کو ملوں گا۔ اور حضرت جماعت علی شاہ صاحب کی خدمت میں ضرور حاضر ہوں گا۔

راقم گرامی

(۶)

بنام نواب حسن علی خاں صاحب امیر جاگیردار مرحوم

حضرت جاگیردار صاحب بہادر

تسلیم۔ کیا کہوں توپ بازار کے احباب مجھے نہیں چھوڑتے۔ ان کی یہ سعی ہے کہ میں توپ بازار نہ چھوڑوں سب نے مل کر ایک مکان توپ بازار میں تجویز کر دیا ہے۔ میں آپ کی ہمدردی اور آپ کی عنایات کا شکریہ ادا کرتا ہوں

راقم: گرامی

ایک دو روز تک خدمت عالی میں حاضر ہوں گا۔

؎۱ اس پر جناب ناظر نے یہ دو سطریں لکھی ہیں:۔

"دلی شکریہ۔ حضرت گرامی کی صحت و عافیت کے لئے دعائے صبحگاہی احقر ناظر کا وظیفہ ہے۔ ان کے دم سے دکن آباد و معشوق کی یاد قائم ہے۔ احقر ناظر"

اس کے علاوہ انہوں نے ایک مختصر خط بھی کیفی صاحب کی خدمت میں لکھا تھا۔ جو درج ذیل ہے:۔

"مکرمی پنڈت صاحب۔

تسلیم۔۔ رباعیات قابل داد بہ شکریہ کے ساتھ واپس ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ کسی فرصت کے وقت میں دو ایک رباعیاں ساتھ لگا دوں۔ مگر افسوس ہے کہ فرصت نہ ملی اور یہ خواہش بھی داخل دفتر کرنی پڑی۔

آپ کا مخلص خوشی محمد"

سیّد امداد امام اثرؔ

(۱)

بنام احسن مارہروی

جناب مستطاب سید صاحب دام مجدکم!

تسلیم۔ عنایت نامہ وارد ہوا۔ یادفرمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں آپ کے خاندانِ علمی سے خوب واقف ہوں۔ بزرگوں سے مارہرہ کے حالات سُنا کیا ہوں۔ سبحان اللہ کیا کہنا ہے۔ افسوس کہ سادات بلگرام سے تازہ خالی ہو گیا۔ مجھے جن صاحبان کرام سے شرفِ نیاز حاصل تھا اور میں ہمیشہ ان کا مورد عنایات رہا۔ اب ان محترم بزرگوار سے بہت کم حضرات باقی ہیں۔ یا انقلاب زمانہ بھی کیا چیز ہے۔ اللہ اللہ!

شاعری کا مذاق خفیف کہنہ تھا اور رہ گیا ہے۔ مکروہات زمانہ اور کثرت مشاغل سے فرصت بھی نہیں ملی کہ اس کی طرف متوجہ ہو سکتا۔ علاوہ اس کے اس عہد کی شاعری کے ساتھ طبیعت کو فطری مناسبت بھی حاصل نہیں ہے۔ حضرات جدت پسند اردو کی شاعری کو انگریزی کی شاعری بنا ڈالنا چاہتے ہیں۔ مجھے ایسے حضرات کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی نہیں ہے گو مجھے انگریزی میں اتنا دخل ہے کہ اس کی نظم پر تمام تر قادر ہوں اور وقت پر ساننٹس (SONNITS) وغیرہ لکھ لیا کرتا ہوں۔ ایسی جدت کے علاوہ مجھے اس عہد کی غزل سرائی سے بھی کوئی حظ نہیں اٹھتا۔ یا رداوی استادان معروف طومار اور رہیں یا ایسی شوخی کا جلوہ دکھلاتے ہیں جو زنانِ بازاری کا شیوہ ہے۔ گاہے ماہے جو فرصت مل گئی، اساتذہ گذشتہ کے کلام سے انشراح روحی حاصل کر لیتا ہوں۔ مجھ سے کم فرصت شخص کے لئے مطالعہ کلام میر تقی میرؔ، مرزا رفیع سوداؔ، خواجہ میر دردؔ، ذوقؔ، مومنؔ، غالبؔ، آتشؔ و رندؔ کا کافی ہے۔ مجھے ہرگز اس کی تمنا نہیں ہے کہ شاعروں کی فہرست میں نام لکھاؤں اسی لئے گلدستوں وغیرہ میں کبھی غزل نہیں بھیجتا اور اس ذریعہ سے نام آور ہونا پسند نہیں کرتا۔ حقیقت امر یہ ہے کہ شاعری کی طرف مجھے توجہ کرنے کا موقع بھی نہیں ہے۔ مجھے مطالعہ تک کی فرصت نہیں ہے کہ کسی گلدستہ کو ایک نظر دیکھ سکوں۔ فرودگاہوں سے جگہ جگہ جانا بھی ہوتا ہے۔ اردو اخباروں کو کون پوچھتا ہے پاینیر اور انگلشمین کو دیکھ لینے کا بعض اوقات موقع نہیں ملتا ہے۔ ہر چند نیورہ میری قیام گاہ ہے مگر یہاں سے اس قدر غائب رہتا ہوں کہ برسبیل قیام کا نام ہی نام ہے۔ اس انتشار قیام کے باعث میں کسی اخبار یا گلدستہ کا سبسکرائبر (Subscriber) نہیں ہو سکتا۔ انگریزی اخبار جو میرے عزیزوں کے پاس آتے ہیں ان کے دیکھ لینے کا بھی موقع کم پاتا ہوں۔ فقط والتسلیم۔

امداد امام اثرؔ نیورہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۵ء

(۲)

بنام سید ہمایوں مرزا بیرسٹر

مجمع فضائل و فیض جناب علامہ خاندان مصطفوی و مرتضوی دام مجدکم!

بعد گذارش آداب و تسلیم عرض ہے کہ محبت نامہ وارد ہوا۔ دریافت خیریت سے مسرت قلبی حاصل ہوئی۔ خدائے تعالیٰ آپ کو ترقی و اقبال کے ساتھ ہمیشہ قائم رکھے۔ میری سرگزشت یہ ہے کہ آپ کی لقائے صوری کے بعد جب سے میں وطن کو کلکتہ سے واپس آیا انواع اقسام کی تکلیفات روحی و جسمانی میں مبتلا رہا اور اس وقت تک بلاؤں سے نجات نہیں ملی ہے۔ دو مہینے سے ہز ہائنس نواب صاحب فرمانروائے رامپور کا مہمان ہوں۔ یہاں تقریب شکار سے ہمرکاب آیا ہوں۔ نہیں معلوم کہ کب تک وطن کو معاودت کر سکوں گا۔ وطن کی یہ حالت ہے کہ دس مہینے سے نیورہ نہیں گیا ہوں۔ میں اپنی پریشانیوں کو کیا عرض کروں۔ آپ کی تصنیف شریف گیا میں ہے۔ ساتھ نہیں ہے۔ اس پر ریویو لکھنے کا مجھے کوئی موقع حاصل نہیں ہے۔ البتہ گیا جا کر تعمیل حکم کر سکوں گا۔ اس وقت امیدوار معافی ہوں۔ فقط زیادہ حد ادب!

دعاگو: امداد امام عفی عنہ کیمپ بڑکا ڈانڈی رامپور اسٹیٹ (یو۔ پی)

مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۱۳ء

---

(۳)

بنام منشی محمد الدین فوق

مخلصی و مشفقی دام مجدکم!

تسلیم بعد تکریم۔ نوازش نامہ مصدرہ ۱۹ اگست وارد ہوا۔ ذرہ نوازی کا شکریہ قبول ہو۔ میں اپنی تصنیفات سے ایک ایک نسخہ معیار الحق اور بہارستان سخن جلد دوم کا ارسال کرتا ہوں۔ ایک کاپی شاہ شرف الدین بہاری مخدوم الملک کے حالات کی بھی جو بزبان انگریزی ہے روانہ خدمت ہوتی ہے۔ کتابیں فقیر کی تصنیفات سے بہت ہیں مگر اس وقت موجود نہیں ہیں۔ بہر حال بہارستان سخن ایک ایسی کتاب ہے کہ جس میں ہر طرح کے مضامین داخل ہیں۔

ایک غزل اس وقت حاضر خدمت کرتا ہوں ؎

اپنی آنکھوں ہی مجھے خود رخ زیبا ہو کر — آپ کو دیکھتے ہیں آپ تماشا ہو کر

شوق سے پیس تن زار کو میرے اے چرخ — چشم عالم میں جگہ پاؤں گا سرمہ ہو کر

دیکھ ثابت قدمی اہل وفا کی اپنے — تیرے کوچے میں ہیں نقش کف پا ہو کر

اپنے مطلب کا ہوا کرتا ہے دیوانہ بھی — قیس صحرا کو گیا کوچۂ لیلیٰ ہو کر

خلوت یہ بھی ہے کوئی انجمن آرائی کا — انجمن سے ہوں نہاں انجمن آرا ہو کر

پردہ داری محبت کی نزاکت دیکھو — چشم یوسف میں پھری خواب زلیخا ہو کر

ایک جانب سے محبت نہیں ہوتی انجام — میں ترا ہو کے رہوں تو رہے میرا ہو کر

ٹھوکریں کھاتی ہے صحرائے طلب میں اپنے　　ذرہ ذرہ یہی کہتا ہے موسیٰ ہوکر

ق

حضرتِ موسیٰ کی حکایت سے عیاں ہوتا ہے　　جلوہ فرمائیاں کیں آپ نے کیا کیا ہوکر

آبِ حیواں کے چھپا رکھنے کو ظلمات بنے　　طور پہ آئے نظر برقِ تجلی ہوکر

آج کیوں صحبتِ احباب پہ مرتا ہے اثرؔ
زیرِ مدفن تجھے کل رہنا ہے تنہا ہوکر

میرے پاس بھی پرچہ نظام کا مرحمت فرماتے رہیے۔ مجھے بھی اس کا خریدار تصور فرمائیے۔ یہ نہ اس خیال سے کہ حضور نظام سے پڑھا کرتے ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ پرچہ اپنی اشاعت دینے والے کی خوبیوں کا آئینہ ہے۔ فقط زیادہ حدِ ادب!

فقیر امداد امام عفی عنہ گیا، مرادآباد صوبہ بہار ۲۴ر اگست ۱۹۱۹ء

سیّد علی حیدر نظم طباطبائیؒ

(۱)

بنام مولوی شہاد محمد صاحب بدایونی

مکرمی!

السلام علیکم۔ نقد الشعر میں کہ آپ نے جو اشعار لکھے ہیں اسی طرح میرے پاس کے نسخہ میں بھی ہیں۔ یہ نسخہ بھی نولکشور کا ہے۔
ترکی کا طرز کلام بھی اسی طرح کا ہے۔ اس میں کچھ زیادہ غلطی معلوم نہیں ہوتی۔

سید علی حیدر۔ ۔ اکتوبر ۱۹۲۵ء

(۲)

بنام صغریٰ ہمایوں مرزا صاحبہ[۱]

ادام اللہ اقبالکم!

آپ نے اس گرامی نامہ سے مجھے اپنی عنایت و محبت کا ممنون کیا۔ مجھے طیبہ بیگم صاحبہ[۲] مرحومہ کی عنایت و محبت یاد آ گئی۔ طبیعت اس فکر کی آب و ہوا شہر سے بدرجہا بہتر ہوگی لیکن مجھے روز دفتر میں جانا پڑتا ہے۔ ایک روز بیچ آج کل ۔۔ ابھی ڈاکٹر حامد علی صاحب[۳] مجھے دیکھ رہے ہیں۔ طبیعت بظاہر رو بہ اصلاح ہے۔ اطمینان ہو جائے تو چند روز کے لئے آپ کے وہاں چلا آؤں گا۔ دیوان غنی بیرسٹر صاحب کے سامنے ہی دیکھوں گا۔

آپ کا دعاگو۔ علی حیدر طباطبائیؒ

۱۔ صغریٰ بیگم حیدرآباد کے ایک ایرانی نژاد خاندان کی تعلیم یافتہ خاتون ہیں جو پٹنہ کے بیرسٹر ہمایوں مرزا فرزند الفت حسین فریاد (استاد شاد عظیم آبادی) سے بیاہی گئیں۔ متعدد کتابیں لکھیں اور چھپوائیں۔ حیدرآباد کی انجمن خواتین دکن کی سکریٹری ہیں۔ طبقۂ نسواں کی فلاح و بہبود کے متعدد کام کئے ہیں۔

۲۔ عماد الملک بلگرامی کی دختر، ڈاکٹر مریم خاں خدیو جنگ کی بیوی اور علی یاور جنگ کی والدہ اور طباطبائی صاحب کی بھتیجی شاگرد اور لائق خاتون تھیں۔ ان کے صدارتی خطبے انگریزی اور عربی میں ادارۂ ادبیات اردو کی طرف سے ان کی دختر سکینہ بیگم صاحبہ معتمد شعبۂ نسواں ادارہ نے مرتب کر کے 'رسائل طیبہ' کے عنوان سے چھپوائے۔ ان کے ناول انوری بیگم وغیرہ بھی چھپ چکے ہیں۔

۳۔ حیدرآباد کے ایک مخیر ڈاکٹر جنہوں نے وفات سے قبل غریب طالب علموں کے لئے کئی لاکھ کا ٹرسٹ قائم کیا جس سے وظیفے دیئے جاتے ہیں۔

(۳)

بنام صغرا بیگم ہمایوں مرزا صاحبہ

سلمکم اللہ تعالے

تسلیم۔ آپ دونوں صاحبوں کا تشریف لانا باعث مسرت ہوگا۔ یقین ہے کہ میرے یہاں جو ماحضر موجود ہوگا اوس سے بھی آپ تکلف نہ فرمائیں گی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں خود اس درمیان میں نہ آ سکا۔ قصد مصمم تھا مگر مہلت نہ ملی۔ میرے گھر میں سلام کہتی ہیں۔

سید علی حیدر طباطبائی

(۴)

بنام صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ

سلمکم اللہ۔ تسلیم!

اس سانحۂ جاں گداز کو سن کر نہایت قلق ہوا۔ خدا دشمن کو بھی اس غم میں مبتلا نہ کرے۔ تاریخ کہہ کر جلد بھیج دوں گا۔

خداوند کریم آپ کو خوش رکھے اور دنیا کے مکروہات سے محفوظ۔

میرے گھر کے لوگ اور لڑکیاں تسلیم کہتی ہیں۔

علی حیدر طباطبائی

(۵)

بنام صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ

لکھا صغرا ہمایوں مرزا نے　　بہت تفصیل سے کشمیر کا حال
زبان اون کی ہے موج آب کوثر　　قلم اون کا ہمایوں فر ہما بال
عبارت سے کہ تصویریں کھچی ہیں　　مطابق کس قدر ہے حال سے قال
یہی کشمیر کا جغرافیہ ہے　　یہی کشمیر کے تاریخی احوال
وہ جھیلیں اوس کی سمندر آسمانی　　پہاڑ اوس کے بلند اور چرخ تمثال
وہ طغیانی وہاں کی ندیوں کی　　کریں جو نوح کے طوفاں کو پامال
جو ہیں ان وادیوں کے بہنے والے　　پہاڑوں پر وہ چڑھ جاتے ہیں فی الحال
ہزاروں بوڑھے ایسے ہیں موجود　　جو ہیں طوفاں کے ڈر سے فارغ البال
وہ باغات اون کے شاداب و مطرا　　وہ نہریں جو ہیں جاری آب سلسال
غرض ہے خطۂ کشمیر سارا　　رخ ہندوستاں را خوش نما خال

نظم طباطبائی

(۶)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

ملازمان سرکار مہاراجہ بہادر دام اقبالہ!

میں اس وقت سرکار دام اقبالہ کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو پیش کرتا ہوں کہ ان کی ملاقات سے سرکار نہایت محظوظ ہوں گے۔

جناب دلو رام صاحب کوثری جن کی نظمیں قومی اخباروں میں گل فشانی کرتی رہی ہیں نواح دہلی کے رہنے والوں میں ہیں۔ آپ کا مذہب وشنوی ہے۔ موحد کامل ہیں اور مذہب، اسلام کے بڑے مداح ہیں۔ اہل ہنود میں ایسے حق پرست بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ نعت و منقبت میں ان کا کلام سننے کے قابل ہے مرثیہ بھی کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں اور بڑے بے تعصب خیالات رکھتے ہیں۔ ان کو شرفِ حضوری حاصل ہوگا تو خیر اندیش نہایت ممنون و شکر گذار سرکار دام اقبالہ کا ہوگا۔

عریضہ

خیر اندیش حیدر یار جنگ طباطبائی

ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ دوست نے ہماری نصیحت پر عمل نہیں کیا۔ فرض کیجئے ہمارا دوست مقروض ہے۔ اس کی بیکاری رفع کرنے کی کوشش کریں۔ کچھ نہ ہو سکے تو اپنے برتاؤ اور کلام سے اس کی مصیبت کے ہلکے کرنے کی کوشش کریں یہ بھی بہتر ہی ہے۔ بھائی سے برادرانہ شفقت کا برتاؤ رکھیں اس کی ناز برداری کریں اپنے اور اس کے حقوق کو برابر سمجھیں تنگ دلی سے کام نہ لیں۔ اس طرح دوسروں کے لئے عمدہ نظیر قائم کریں۔ فرصت کا وقت مطالعہ وغیرہ علمی مشغولیوں میں صرف کریں۔ شادی وغیرہ تقریبوں میں شریک ہوں تو سب سے اول ایسا شگفتہ مزاج قائم رکھیں کہ صاحب تقریب کو ہماری مہمانداری میں دقت پیش نہ آئے بلکہ ہماری آسائش کی فکر نہ کرے تو بھی ہم نہ بگڑیں اور اس طرح دل میں گنجائش پیدا کر کے کچھ مناسب حال الفاظ اس کے کان میں ڈال دیں جو اس کو اس تقریب میں کام آئیں تو آئندہ وہ بھی ہم سے ہمارا بتائے دوسروں کے لئے نظیر ہوگا۔ نظیر بھی نہ ہو تو ہم اپنے فرض سے ادا ہوں گے۔ ہر ایک پریشان حال بندۂ خدا صاحب تقریب کی مصیبت نہ بڑھائیں گے۔ ہمارے محلے میں جو مسلمان دکاندار ہیں ان کو ہم صفائی معاملہ کی ترغیب اس طرح دلاتے ہیں کہ جو ہمارا معاملہ ان سے ہو اس میں صفائی رکھیں اور ان کے ساتھ سہولت کا برتاؤ کریں۔ موقع موقع سے بہت استقلال کے متعلق دو چار لفظ ان کے کان میں ڈالتے رہیں۔ اپنی بستی کی گزشتہ تاریخ کے مرتب کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اس کے عمدہ سبق تحریراً و تقریراً بتائے زمانہ کو سناتے ہیں۔ بزرگوں کی علمی یادگاروں کو جو ہماری دسترس کے اندر ہوں قائم و محفوظ رکھنے کی سعی کرتے رہیں۔ ان سب کچھ کرنے کے بعد جب بالفرض ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جو کوشش ہونے کی وہ بالکل بار آور نہیں ہوئی بلکہ سب جگہ رائگاں گئی تو بھی ہم یہ خیال کر کے مطمئن رہتے ہیں کہ ہم نے اپنا فرض پورا کر دیا اور یہ اطمینان ہم کو کوشش میں برابر مصروف رکھتا ہے۔ میرے مخدوم! اگر ہم نے اپنی زندگی اس طرح بسر کی تو کیا ہم بے کار رہے اور کیا بیکاری اس کا نام ہے کہ ہم نوکری کے پابند ہو کر بیکار ہو جائیں۔ بہرحال بہت مجھ کو معاف فرمائیں۔ والسلام مع الاکرام۔　　خاکسار حبیب الرحمن

حبیب گنج ۴ جنوری ۱۹۰۳ء

۲

بنام خواجہ الطاف حسین حالی

بجناب خواجہ صاحب سرآمد کملائے عصر

سلطنت کے خطاب پر اہل کمال کو مبارکباد دینا غالباً ایک سخت مرحلہ ہے میں نے کلکتہ میں سنا اور جیسے شمس العلماء لکھے میں مان گیا کہ آپ سے اہل کمال کو اس خطاب پر مبارکباد دینے کا موقع کم ہاتھ آتا ہے۔ جہاں غیر مستحقوں نے کسی نہ کسی طرح اس خطاب کے پانے میں کامیابی حاصل کی ہے وہاں مولوی نذیر احمد صاحب مولوی عبدالحق صاحب خیر آبادی، مولوی شبلی صاحب بھی کسی نہ کسی طرح اس زمرہ میں آ گئے تھے۔ لیکن میں کس پر شکوہ کروں کہ ان میں سے لگا؟ آپ کو شمس العلماء ہونے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ خداوند تعالیٰ آپ کے فیض کے ادارے ملک و ملت کو دشاد و زندہ و سلامت رکھے۔

نیاز مند حبیب الرحمن

حبیب گنج ضلع علیگڑھ ۱۰ جون ۱۹۰۴ء

(۷)

فرزند نواب رفعت یار جنگ ڈپٹی کلکٹر منگلور

جناب نواب صاحب سراپا لطف و کرم مد ظلہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عریضہ گرامی قدر ناصر الدین احمد سلمہ کی شادی کی نوید آمیز سے دل کس قدر خوش ہوا بیان نہیں۔ عزیز کی شادی آپ کی سراپا اخلاص محبت اور یاد فرمائی۔ اس سے جو مسرت ہوئی وہ کس بیان میں آسکتی ہے۔ حاضری سے جسم تو قاصر رہے گا۔ لیکن میرا دل اللہ اور آپ کے اور عزیز سلمہ کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ تقریب سعید مبارک فرمائے۔ نیاز کیش صدر یار جنگ

حبیب گنج۔ ضلع علی گڑھ۔ ۱۹ جنوری ۱۹۴۲ء

(۸)

بنام نواب رفعت یار جنگ بہادر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں چھ بجے کی گاڑی سے رخصت ہو کر سب انشاء اللہ روانہ ہوں گا۔ کل قبل دوپہر ۱۰ اور ۱۱ ساعت کے درمیان آپ کے بنگلہ پر حاضر ہوں گا۔ اگر اس وقت شکیل یا بابا شاہ مسافر قدس سرہ موجود رہے تو تبادلہ خیالات با آسانی ممکن ہوگا۔

مجھ کو افسوس ہے کہ ایک بار آپ نے یہاں تشریف لانے کی زحمت گوارا فرمائی، مگر نوبت ملاقات کی نہ پہنچی۔

لیک ویو ۱۱ جولائی ۱۹۴۱ء   نیازمند حبیب الرحمٰن

(۹)

بنام نواب سید علی حسن مرحوم

جناب مکرم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ شکر آگیں

بحمد اللہ مع الخیر میں یہاں پہنچ گیا۔ گفتگو کی حاضری کا قصد مصمم ہے انشاء اللہ تعالیٰ تاریخ کا تعین کر کے عرض کروں گا۔ اگست کے اول ہفتے میں وقف کی آل کے ٹرسٹیوں کی میٹنگ طلب کی ہے آپ کی شرکت ضروری ہے اہم مسائل پیش ہونے والے ہیں۔ تقسیم روپیہ پھر عمل میں آئے گی۔ والسلام   نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ۱۵ جولائی ۱۹۴۳ء

(۱۰)

جناب نواب صاحب مکرم۔ السلام علیکم

پھولوں کی کشتی پہنچی۔ دل و دماغ پھولوں کی خوشبو سے اور مشام جان الطاف کی مہک سے معطر ہوا۔ دل و دماغ و احباب سب کے سب ادائے شکر میں ہم زبان ہیں۔ کمرے کئی وقت پھولوں کی خوشبو سے مہکتے رہے۔ امید ہے کہ مزاج سامی قرین عافیت ہے۔

۱؎ واقع [illegible] حیدرآباد   امید منزل، مطابق ۱۵ اپریل ۱۹۴۵ء   نیازمند حبیب الرحمٰن

(۱۳)

بنام ڈاکٹر زور

مکرمی، السلام علیکم

۱۱ نومبر کا عنایت نامہ پہنچا ممنون ہوں۔ میرا نسخہ کلیات میر حسن کا یہاں نہیں ہے، میرے خانگی کتاب خانہ میں بمقام حبیب گنج ہے میں
آپ کا خط مہتمم صاحب کتاب خانہ کے پاس بھیجتا ہوں، وہاں سے تفتیش آنے پر ان شاء اللہ مفصل جواب لکھوں گا۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہیں۔[1]

نیازمند حبیب الرحمٰن

حیدرآباد ۱۸ر نومبر ۱۹۳۸ء

(۱۴)

بنام مولانا مفتی سید شبیر علی صاحب[2]

جناب قدوۃ الفضلاء عمدۃ العلماء۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

جناب کے استاد بھائی مولینا سید سلیمان اشرف صاحب[3] کا رسالہ المبین ہدیۃً ارسال خدمت ہے۔ اس کی نسبت جناب کی گراں پایہ
رائے بوقت فاضل کو مطلوب ہے۔ اگر اوقات گرامی میں سے کچھ وقت نکال کر مطالعہ فرمایا جائے اور رائے تحریر ہو تو عنایت کرم ہے
جلد ہو سکے تو مزید کرم۔

نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب منزل، ۱۵ر نومبر ۱۹۲۹ء

(۱۵)

بنام مولانا مفتی سید شبیر علی صاحب

قدوۃ الفضلاء عالی جناب مولینا سید شبیر علی صاحب مد فیوضہ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

اجمیر شریف میں مولینا سید سلیمان اشرف صاحب سے ملاقات ہوئی تھی، المبین کی بابت رائے گرامی کا اشتیاق اظہار فرمایا
اب مکرمت نامہ آیا ہے۔ حافظ احمد حسین خاں صاحب[4] کو بھیجنے کی یاددہانی کا ارشاد ہے، چنانچہ تعمیلاً حافظ صاحب آئے ہیں، امید ہے
کہ کامیاب واپس ہوں گے۔

نیازمند حبیب الرحمٰن

حیدرآباد۔ ۲۲ر دسمبر ۱۹۲۹ء

(۱۶)

جناب نواب صاحب۔ وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ، مشکریہ

الحمد للہ مع الخیر ہوں، چہار شنبہ کی شب نواب[5] مہدی یار جنگ بہادر کی دعوت میں پہلے سے معروضہ ہے، چہار شنبہ کو در گلی جانا

۱۔ یہ خط غالباً تمام تفصیل میرے استفسار کے جواب میں بھیجا گیا تھا۔ ۲۔ مولانا مفتی شبیر علی مرحوم جامعہ عثمانیہ کے شعبہ دینیات میں استاد تفسیر تھے۔ ۳۔ مولانا سید سلیمان اشرف مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے صدر شعبہ دینیات۔ ۴۔ نظام کالج حیدرآباد کے استاد دینیات ہیں۔ ۵۔ مرزا احمد اللہ بیگ۔ مرزا یار جنگ بیف جنگ حیدرآباد

ہے۔ چہارشنبہ کی دوپہر کو خوشی سے حاضر ہو سکتا ہوں۔

امید ہے کہ مزاج سامی قرین عافیت ہوگا۔ نیازکیش حبیب الرحمن

خیریت آباد ۲۰ نومبر ۱۹۲۳ء

(۱۷)

بنام نواب رفعت یار جنگ صوبہ دار اورنگ آباد

جناب مکرم السلام علیکم شکر کرم

ان شاء اللہ چہارشنبہ کی دوپہر کو حاضر ہوں گا۔ مولوی [illegible] بھی میرے ساتھ ہیں اگر اجازت ہوگی تو ان کو بھی ساتھ لاؤں گا۔

۲۶ نومبر ۱۹۲۳ء نیازکیش حبیب الرحمن

(۱۸)

بنام نصیرالدین ہاشمی

مکرمی السلام علیکم شکر کرم

رسالہ بھی آگیا۔ آپ نے اس سے پہلے بھی بعض نتائج قلم بھیج کر ممنون کیا تھا، پتہ معلوم نہ ہونے سے رسید لکھنے سے قاصر رہا اور اس فروگذاشت قصور کے سبب نادم بھی رہا۔

اب گذشتہ عنایتوں کا بھی شکر قبول کیجئے۔ ایک رسالہ تازہ وارد رسالہ کا ہرگز خیال نہ کیا جائے کہ معاوضہ ہے بلکہ یہ مقصود ہے [illegible]

نیازمند حبیب الرحمن

حبیب گنج ۲۵ جون ۱۹۲۳ء

(۱۹)

بنام نصیرالدین ہاشمی

کرم فرما السلام علیکم

ممنون کرم ہوں کہ آپ یاد فرماتے رہتے ہیں۔ مضمون "شعرائے اردو کا ایک نایاب تذکرہ" رسالہ ہندوستانی میں [illegible] سے پڑھا تھا۔ اب رسالہ کی شکل میں بھی وہ نگاہ کے سامنے آگیا۔

مقام مسرت ہے کہ آپ کا دماغ و قلم زبان و ادب اردو کی خدمت میں مصروف ہیں اور زمانہ نے گرمی شوق کو کم نہیں کیا ہے۔ امید ہے کہ مزاج سامی بعافیت ہوگا۔ الحمد للہ یہاں خیریت ہے۔

حبیب الرحمن

حبیب گنج ۱۲ دسمبر ۱۹۲۳ء

امید ہے کہ مزاج سامی قرین عافیت ہوگا۔ بحمد اللہ یہاں خیریت ہے۔ نیازمند حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ۲۲ جنوری ۱۹۳۶ء

(۲۳)

بنام عرشی صاحب

مکرم ناظم صاحب کتب خانۂ ریاست، السلام علیکم
شکریہ یاد فرمائی۔ یہاں کی کتابوں کی متعدد فہرستیں مرتب و مکمل قریب قریب ہیں مگر مطبوعہ نہیں ہیں۔ اگر ہوتیں تو ضرور ارسال کی جاتیں۔
یہاں دیہات میں ناقل کا انتظام بھی دشوار ہے۔ اگر وہاں سے ناقل آئے تو نقل آسانی سے ہو سکے گی۔ کوشش کی جائے گی کہ طعام و قیام کی ان کو تکلیف نہ ہو۔ حال میں ایک عالم کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد سے آکر مطالعہ و فہرست لے گئے ہیں۔ نیازمند حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ضلع علی گڑھ۔ ۲۰ جولائی ۱۹۳۳ء

(۲۴)

بجناب نواب صاحب معدن الطاف و کرم دام الطافہ۔ السلام علیکم
کارڈ تقریب عزیزہ سلمہا کا آیا۔ یاد فرمائی کا دل شکر گزار ہے۔ جسمانی شرکت سے مجبور رہا لیکن میرا دل آپ کی مسرت میں شریک ہے۔
اللہ تعالیٰ اہل بیت اطہار کے صدقے میں یہ تقریب مبارک فرمائے، دولہا اور دلہن شاد و کامیاب رہیں۔
بارک اللہ علیہما و جمع فیہما بالخیر۔ نیازمند حبیب الرحمٰن
حبیب منزل علی گڑھ۔ ۲۹ نومبر ۱۹۳۹ء

(۲۵)

بنام نواب سید شمس الحسن صاحب خلف جناب نواب سید علی حسن صاحب

عزیز گرامی قدر سلمہ اللہ تعالیٰ! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!
آپ کے والد ماجد اور اپنے مہربان مخدوم نواب صاحب کی خبر رحلت سے دلی افسوس ہوا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔
نواب صاحب کی خدمت میں دیرینہ نیاز حاصل تھا جس کے باعث علامہ شبلی مرحوم ہوئے تھے۔ اس عرصہ میں مرحوم کے جو اوصاف دیکھے تھے وہ ہمیشہ نقش دل رہیں گے۔ ہر ملاقات میں حسن اخلاق اور مخلصانہ محبت کا اثر دل محسوس کرتا تھا۔
ندوۃ العلماء کی نظامت جس بے لوث اور خلوص سے کی وہ یادگار ہے۔ جس ہمدردی سے زندگی بسر کی وہ مثال ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنات الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آپ کو اور جملہ پس ماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل بخشے۔ نیازمند حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ضلع علی گڑھ۔ ۲۷ نومبر ۱۹۳۶ء

(۲۶)

بنام آنریبل ڈاکٹر سید محمود منسٹر بہار، پٹنہ

جناب من السلام علیکم

مخل اوقات گرامی ہونے کی معافی چاہ کر چند سطریں ایک ملکی تعلیمی اجتماع کے بارے میں لکھنا چاہتا ہوں۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کے اغراض و مقاصد اور حالات جناب کو معلوم ہیں، ان کا یہاں لکھنا تضیع اوقات کے جرم کا ارتکاب ہوگا۔ اس کانفرنس کے اجلاس سالانہ ہندوستان کے تمام صوبوں کے دارالصدر کے علاوہ بہت سے اضلاع اور ایک سے زیادہ اسلامی ریاستوں میں ہو چکے ہیں۔ کانفرنس کے خادموں کی دلی آرزو ہے کہ اس کا سالانہ اجلاس صوبہ بہار کے مردم خیز و علم پرور دارالصدر پٹنہ میں بھی دیکھتے۔ اور وہاں کے اہل علم اصحاب کی رایوں سے مستفید ہوتے۔

بہت عرصہ ہوا کہ ہندوستان کے علماء کی مشہور انجمن ندوۃ العلماء کے اجلاس میں پٹنہ حاضر ہونے کا مجھ کو بھی شرف حاصل ہوا تھا اس وقت کی یاد میرے دل میں خصوصیت سے تا حال تازہ رکھتی ہے کہ زندگی میں ایک بار وہ عزت حاصل ہوئی۔

اجلاس کے متعلق مزید تفصیل نظامی صاحب اور سید لطافت علی صاحب پیش کر سکیں گے۔

۲۵ اگست ۱۹۳۳ء　　نیازمند حبیب الرحمٰن

(۲۷)

بنام ڈاکٹر زور

مکرمی۔ السلام علیکم

میرے کتب خانہ کے مہتمم کا جواب آیا۔ ان کی علالت کی وجہ سے جواب میں دیر ہوئی۔ نتیجۂ اطلاع حسب ذیل ہے۔

کلیات حسن اردو: اول قصائد و منقبت ائمہ اطہار کی مدح میں۔

مثنویاں: سحر البیان، رموز العارفین، در مدح نصیر الدین حیدر، در بیان شادی، بہ ہجو حویلی کہنہ، در صفت چاہ، ہجو خانگی، در صفت مورچہ، تعریف باد چینی، در تعریف فیض آباد، مدح جواہر علی خان، تہنیت عید، متفرق ۲، جملہ ۱۰، مثنوی۔

اس کے بعد غزلیات، مخمسات، مسدسات، مفردات، رباعیات، واسوخت۔

تفصیل بالا سے معلوم ہوگا کہ انگلستان کے نسخے سے میرے یہاں کے نسخے میں کلام زیادہ ہے، البتہ مثنوی گلزار ارم کا نام مہتمم نے نہیں لکھا۔ امید کہ آپ بخیریت سے ہیں۔ الحمد للہ یہاں عافیت ہے۔　　نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج، ۲۹ جنوری ۱۹۳۳ء

(۲۸)

<u>بنام عرشی صاحب</u>

کرم فرما، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
اول شکر عنایت نامہ کا اس کے بعد مکاتیب غالب کا۔

مکاتیب دیکھ رہا ہوں۔ بڑی اعلیٰ خدمت ہوئی۔ ریاست رامپور کی قدیم شان معارف پروری کے شایاں۔
ہز ہائینس مد اقبالہ کے عہد کی گرامی پایہ یادگار ہے۔ دل تمنا ہے کہ بہت سی ایسی یادگاریں مسلسل جاری رہیں۔
چیف منسٹر صاحب کے توجہ نے بڑی مدد کی، بلکہ یہ کہیے کہ پروان چڑھایا۔
آپ کی دیدہ ریزی اور محنت، اور آپ کے معاونوں کے خدمت لائق صد تحسین و شکر ہے۔
یہ کام رامپور ہی میں ہو سکتا تھا اور وہ بھی آپ سے نکتہ سنج کے ہاتھوں سے

آفریں بر دست و بر بازوئے تو

نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۴ / مارچ ۱۹۳۸ء

(۲۹)

<u>بنام عرشی صاحب</u>

کرم فرمائے لطف گستر، السلام علیکم
رسالہ مکاتیب غالب نمبر ۲ ملا۔ الحمد للہ کہ آپ کی کوشش بلیغ کا اس نے مزید اعتراف کیا۔ اللہ تعالیٰ راست حشر کرے کہ یہ بھی اس سے اعلیٰ اہتمام میں شائع ہو۔

چونکہ دیدہ ریزی آپ نے واقعات کے تحقیق کرنے میں فرمائی ہے اس کا مقتضی یہ ہے کہ ایک واقعہ کی طرف توجہ دلاؤں۔ حکیم مظفر حسین صاحب کے ذخیرۂ کتب کے بابت رقم ۔۔۔ تحریر ہے۔ یہ پورا ذخیرہ تاریخ فروخت ہوا ہے کہ بہت سا حصہ باقی بھی رہ گیا تھا۔ جو عرصے تک فروخت ہوتا رہا۔ مولوی شبلی صاحب مرحوم نے بھی بہت سی کتابیں اس ذخیرے کے دیکھی تھیں، اور اس بنا پر صرف فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس کتاب خانے کی تاریخ لکھی جائے تو اس کی وسعت پر لوگ حیرت کریں۔

سات نسخے مختلف علوم کے نادر اس ذخیرے کے یہاں بھی ہیں۔ جن پر حکیم مظفر حسین خاں کے دستخط علاوہ مہر کے ہیں، وقت پر حکیم مسیح الدولہ کی بھی مہر ہے۔ مزاج گرامی کی عافیت کی تمنا پہ ختم کلام ہے۔

نیاز کیش حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۵ / مارچ ۱۹۳۹ء

(۳۰)

<u>بنام عرشی صاحب</u>

کرم فرما کرم و لطف، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
۱۳ / مارچ کے سالانہ نسخے کا سپاس اور دلی سپاس۔ کیوں؟ بہ لطف و کرم پژمردہ جان پرور ہے

یقین فرمایئے اشاعت کی طرف جو توجہ مبذول ہوئی ہے علمی دنیا کے واسطے ایک نعمت ہے۔ اس مرتبہ علمی شان کی کتاب شائع ہوئی
کتاب الاجناس کا نسخہ ضرور عنایت ہو۔ تصحیح و تحشیہ کا بھی مشتاق ہوں۔ والسلام ختم الکلام

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۲؍ اپریل ۳۳ء

---

(۳۱)

بنام عرشی صاحب

مکرم بندہ کرم فرما دام لطفہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

غلام مصطفیٰ خاں ایم اے (علیگ) رامپور آتے ہیں۔ میر حسن غزنوی کے متعلق ریسرچ کر کے پی ایچ ڈی کی ڈگری لینی چاہتے ہیں۔ یہاں بھی اس سلسلے میں آتے رہے۔ جو سرمایہ تھا پیش کر دیا گیا۔ اب رامپور جاتے ہیں۔ خاک از تودۂ کلاں بردار امید ہے کہ الطاف سامی سے کامیاب ہوں گے۔

آپ سے اگرچہ مراسلت کر چکے ہیں تاہم میرے شوق ہمکلامی نے ان چند سطور کی تحریر پر آمادہ کیا۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر مشاغل عزیزہ میں مصروف ہوں گے۔ الحمد للہ خیریت ہے۔

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۰؍ اکتوبر ۱۹۳۲ء

---

(۳۲)

بنام عرشی صاحب

مکرم و کرم فرما جناب عرشی صاحب مدظلہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

غلام مصطفیٰ خاں جو سید حسن غزنوی کے کلام کے متعلق ریسرچ کے لئے رامپور حاضر ہوئے تھے ان کی تحریر سے معلوم ہوا کہ دیوان حسن کے دو ورق پٹنہ کے کتب خانہ ریاست میں ہیں۔ میں دل سے ممنون ہوں گا اگر بہ تحریر سامی ان کی نقل بعد مقابلہ یہاں آ جائے۔ اجرت ادا ہو گی۔

امید کہ مزاج گرامی مقرون عافیت ہوگا۔ مشاغل حسنہ میں مصروفیت ہو گی۔ الحمد للہ یہاں بھی خیر و عافیت ہے۔

حبیب گنج ضلع علی گڑھ۔ ۱؍ دسمبر ۱۹۳۲ء — نیازمند حبیب الرحمٰن

---

(۳۳)

بنام عرشی صاحب

کرم فرمائے کرم گستر! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آغا سید تجمل حسین صاحب پشاور کے معززین اہل صلاح و علم سے ہیں۔ علم کے شائق رامپور تشریف لاتے ہیں کہ کتب خانہ دیکھیں مجھکو مسرت ہے کہ اس ذریعہ سے آپ سے مراسلت کا موقع ملا۔ حضرت آپ کے اخلاق عمیم و علم دوستی کے سبب کسی سفارش کی ضرورت نہ تھی۔ اطمینان تھا کہ اچھی طرح کتب خانہ سے بہرہ اندوز ہوں گے۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ الحمد للہ یہاں خیریت ہے۔ — نیازمند حبیب الرحمٰن

۱۶؍ جنوری ۳۳ء

سے ملاقات نہیں۔ کیا آپ کسے اطمینان پر یہ نسخے مل سکتے ہیں۔ مصارف آمد و واپسی میرے ذمہ ہوں گے۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر اور مصروف مشاغل علمیہ ہوگا۔ الحمد للہ میں بعافیت ہوں۔ والسلام

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۵ اپریل ۱۹۴۳ء　　　نیازمند حبیب الرحمٰن

(۵۰)

بنام عرشی صاحب

کرم گستر لطف پرور گرامی مرتبت عرشی کو۔ فرشی کا سلام شوق با فزونی شکر لطف و کرم

حسب معمول مسرت تحریر سامی مژدہ افزا ہے کہ آپ انتخاب مرزا غالب کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ یہ نسخہ میرے پاس آئے گا جو قیمت مقرر ہوگی حاضر کی جائے گی۔ علی ہذا القیاس دستور فصاحت الکاشف کے نسخوں کی تفصیل دیکھی۔ یہاں جو نسخہ نقل ہوا ہے اس کے مقابلے اور تصحیح کا اہتمام کل سے شروع ہو رہا ہے۔ ان شاء اللہ متعدد نسخے جمع ہیں۔ اگر آپ کے پاس دو تین سے نسخے ہوں ۱۲۴۲ء یہاں بھیجئے بذریعہ بیمہ تو یا کرم فرمائی سید محمد شاہ صاحب اور آپ کا ہے۔ ان شاء اللہ بعد فراغ جلد بحفاظت نسخے واپس ہوں گے۔ مصارف آمد و رفت میرے ذمہ ہوں گے

الحمد للہ بعافیت ہوں۔ آپ کی عافیت کا آرزومند۔ والسلام خیر الکلام　　　نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۷ مئی ۱۹۴۳ء

(۵۱)

بنام عرشی صاحب

بشمول ایں ادیب جناب عرشی کو　　خاکسار کا سلام فرشی

شکر کرامت، بہ تعمیل ارشاد اصل نسخہ سید حسین سے مقابلہ کیا۔ جو پرچہ مع گرامی نامہ تھا اس پر نتیجہ مقابلہ[1] لکھ کر واپس کر رہا ہوں۔ یہ مصرع کہاں کا ہے "اگر تو منتی از ساحران احتراز" اس کا پتہ نہ لگا۔ اس لئے مقابلہ سے معذور رہا۔ مکرر لفافہ بند کرکے دوبارہ نظر ڈالی مصرع مل گیا۔ مقتضب ہے کا نمبر درج پرچہ ہے

مہتمم کتابخانہ مولوی صاحب شرح علیم کے نسخوں کے مقابلے میں منہمک ہیں۔ اس لئے تعمیل ارشاد نہ کر سکے تاخیر کا خیال کرکے اس وقت میں نے ہی مقابلہ کرکے تعمیل ارشاد کی۔

مکاتیب غالب کے بابت بعد صحت وقت عرض کر سکوں گا۔ اس وقت کوئی خیال پیش نظر نہیں۔ والسلام

مکرر یہاں کا مطبوعہ نسخہ سید حسین ۱۲۸۴ھ کا چھپا ہوا ہے۔ میرزا کی حیات ہی میں مظہر العجائب سے یاد کیا ہے، محمد حسن خان نے اپنے مطبع احمدی علی میں چھاپا تھا۔

نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۰ جون ۱۹۴۳ء

---

[1] میرا استفسار تھا "اگر تو منتی از ساحران احتراز" ملک رام صاحب نے غلط چھاپا ہے ۔۔۔ کا یہ عبارت محمودی "یہ مصرع قطعہ تاریخ خلش ہے" یہ بھی معلوم نہ تھا کہاں کا ہے اس لئے مقابلہ مقتضب تھیں سے ایا ہو مقابلہ کرنا تھے حبیب الرحمٰن ... مکرر دوبارہ دیکھنے پر پتہ لگ گیا۔ اصل یہ غلطی ہے جیسا ملک رام نے لکھا ہے۔

(۵۲)

بنام عرشی صاحب

ادیب نواز جناب عرشی کی خدمت میں خاکسار شروانی کی تسلیم و تہنیت عید سعید

حافظ شیرازی کا ایک قلمی دیوان بخط قوام شیرازی یہاں ہے۔ خط میں شان خطاطی ہے۔ پورا نسخہ ہے مگر سن کتابت نہیں ہے۔ معتبر ذریعے سے معلوم ہوا ہے کہ کتاب خانہ ریاست میں خطاط موصوف کا نوشتہ نسخہ مثنوی مہر و مشتری کا ہے۔ اگر اس پر سنہ کتابت ہو تو اطلاع سے ممنون کیجیے۔ اس سے اس کا زمانہ متعین ہو جاتا ہے۔ والسلام ختم الکلام۔

نیازمند حبیب الرحمن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۳ء

(۵۳)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر   السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

۱۸ ماہ حال کا نامہ لطف آیا۔ نامہ لطف یوں کہ حبیب گنج پر لطف فرمائی ہوگی یہ مژدہ لایا۔ یہاں قدم رنجہ فرمانا سعادت ہے۔ ضرور آیئے ان شاء اللہ آرام سے گزرے گا مگر ہنوز اطمینان سے۔ کم از کم ایک شب تمام کیجیے تاکہ کتابوں پر تفصیلی نظر پڑ سکے اور مجھ کو اس سے فیض پہنچے۔ اس سے زیادہ کرم ہو تو میں کیا؟

دستور الفصاحت آپ کے اہتمام سے شائع ہوئی خوب ہوا۔ جلد نسخہ بھی عنایت ہو، قیمت مع صرف حاضر کی جائے گی۔

قائم کے دیوان میں آپ کی تحریر چھاپ کئے دیتا ہوں تاکہ جملہ کا کچھ تعین ہو جائے۔

خدا کرے بعافیت ہوں۔ آپ کی عافیت کا آرزومند۔   نیازمند حبیب الرحمن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۳ء

(۵۴)

بنام ڈاکٹر غلام یزدانی صاحب

کرم فرمائے یزدانی صاحب السلام علیکم

مدت کے بعد نصف ملاقات ہوئی۔ شکر کرم۔ اس لطف پر مزید کرم شمالی افریقہ پر مضمون کا ایک نقشہ دیکھ کر آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اصل عمارتیں کس قدر دل فزا ہوں گی۔ فرانس کی تاریکی البتہ نظر گذر کے لئے لگی ہوئی ہے۔ والسلام

نیازمند حبیب الرحمن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۳ فروری ۱۹۴۴ء

(۵۵)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر   السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

الطاف نامہ پہنچا۔ نور چشم کے حادثے کی خبر نے دل دکھایا۔ اللہ تعالیٰ صبر و اجر آپ کو بخشے۔ رضینا بقضاء اللہ تعالیٰ۔ کوشش کی جائے گی کہ طبی کا مقابلہ رام پور میں ہو سکے۔

حبیب منزل علی گڑھ ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۴ء

(۵۶)

بنام عرشی صاحب

مکرم و کرم فرما عرشی کو مخلص کا فرشی سلام

کتب خانہ عالیہ ریاست رام پور میں نواب نجیب الدولہ مرحوم والی نجیب آباد کی نادر شبیہ ہے۔ اگر آپ کی توجہ سے اس کی تین کاپیاں مجھ کو مل سکیں تو دل سے ممنون ہوں گا۔ مجھ کو حضور پر نور فرماں روائے رام پور کی علم نوازی سے امید ہے کہ پیشگاہ معلی سے اس کی اجازت صادر ہو سکے گی۔

زیادہ شوق نیاز۔

نیازمند حبیب الرحمٰن

سلطان جہاں منزل علی گڑھ۔ مرقومہ ۱ اپریل ۱۹۳۵ء

(۵۷)

بنام عرشی صاحب

ادیب بلند پایہ عرشی یگانہ   السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

علی گڑھ سے کارڈ آپ کا لکھا ہوا یہاں آیا۔ نادرات شاہی کے انطباع کا مژدہ لایا۔ اس حوال سے بڑا لطف دل نے پایا۔ کیا جناب نے ملاحظہ فرمائی۔ جناب کی توجہ ہو اور کتاب ملاحظہ ہو جائے پریس میں کس طرح چھپی ہے۔ ایک نسخہ تحفۃً میرے پاس آ جائے۔

نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۶ اپریل

(۵۸)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر   السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

شکر کرامت۔ نادرات شاہی آئی۔ بڑا لطف، بابر و جہانگیر کی تحریریں اور سلاطین کی تصویریں دیکھ چکی ہیں وہ ان تصنیفوں سے عبرت زدہ ہوتی ہیں۔ تخت نشین شہریار۔ مشاغل پر حیف صد حیف۔ کیسے کیسے امراء گروہ ماہر کام کون سے۔ یقیناً تصویر کی اطلاع کا شکریہ ادا کرتا ہوں دہلی کی فرمائش پر مکلف ہوا تھا۔

سلک گوہر کا نسخہ یہاں نہیں ہے۔

مولوی معین الدین صاحب کا سلام مسنون

نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ۔ ۲ مئی

(۵۹)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما الطاف گستر عرشی با امتیاز کی خدمت میں فرشی با نیاز کا سلام اخلاص التیام

گرامی نامہ نوازش کا شکر۔ پیکٹ کھولی۔ ایک جلد فرد پر نظر کی۔ کیا وجاہت ہے۔ کیا شان ہے۔ اب دو جلدیں ہیں وہ بھی میری نہیں۔

ایک کاپی سید الطاف علی صاحب فرمائش کر دیں گے اور وہ چاہیں گے تو سب میں سے ایک کاپی درج کرانے کے بعد کتب خانہ سے بھیجے

اس دیوان کے ساتھ دیوان ابوالعرفا رومی ہے۔ اسی کاتب کا لکھا ہوا ہے۔ اس پر ۹۹۳ھ سنہ کتابت درج ہے۔

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۰ اپریل ۱۹۳۱ء نیازمند حبیب الرحمٰن

(۶۷)

بنام عرشی صاحب

لطف و کرم فرمائے من! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

اطہر عباس صاحب ابوالعشق پر ریسرچ کر رہے ہیں۔ مہربانی سے یہاں آئے کام کیا ہے۔ رام پور آتے ہیں۔ اجنبیت سے گھبراتے تھے۔ میں نے آپ کے اخلاق کا ذکر کر کے مطمئن کر دیا۔ زیادہ تحریر کی ضرورت نہیں کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند۔ بحمد اللہ عافیت شامل حال ہے۔ آپ کی خیریت و عافیت کی تمنا۔ مولوی عبدالحبیب صاحب، پروفیسر فارسی جامعہ عثمانیہ پاس بیٹھے ہیں آپ کو سلام شوق کہتے ہیں۔ والسلام

غالباً نومبر ۱۹۴۹ء نیازمند حبیب الرحمٰن

(۶۸)

بنام مالک رام

گرامی قدر! سلام ثم السلام

شکریہ یادآوری۔ فسادوں کا کیا لکھنا۔ ملک اور اہل ملک کی قسمت۔ ایک عالم اس سے ماورا نہیں ہے ؎

بخود سے نشانی اندر دو دست لیکن   دو جہاں ہم بدید اسیر شور و شر بمانم

یہ مقال غنیمت حال ہے۔ بحمد اللہ شکر

تصویروں کی بابت علی گڑھ میں عبد الوحید خاں سے مل کر انتظام کرنے کا ارادہ ہے۔

"شیفتہ" کا مطلوب نمبر صحیح کر کے بھیجتا ہوں

خالہ جی کو سلام قبول ہو۔ الحمد للہ تعالیٰ عافیت ہے۔ آپ کی عافیت کی تمنا

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۰ مارچ ۱۹۴۷ء

(۶۹)

بنام ڈاکٹر زور

کرم فرمائے من! السلام علیکم

اس نیاز نامہ کے ساتھ ایک نسخہ مقالات شروانی کا پیش کرتا ہوں۔ یہ مقالات میری ۷۲ سالہ محنت ادبی کی یادگار ہیں۔ مختلف موضوعات پر لکھے گئے ہیں۔ امید ہے کہ یہ ادنیٰ تحفہ قبول ہو گا۔ کبھی فرصت سے اس پر نظر ڈالی جائے گی۔

یہ عزیز ہی التماس ہے کہ یہ کتاب عام مطالعے میں نہ رہے بلکہ کتب حوالجات کی الماری میں محفوظ رکھی جائے۔

سلطان جہاں منزل علی گڑھ ۲۹ جون ۱۹۴۹ء نیازمند حبیب الرحمٰن

(۷۹)

نام مالک رام

مہربان مخلصان یادآوران دوستان دام لطفہم، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۲۰ ماہ گذشتہ کے الطاف نامے کا شکر و لی۔ الحمدللہ بخیر و عافیت ہوں۔ میاں عزیز عبدالوحید خاں کہتے ہیں کہ انہوں نے جو سب آپ کو بھیج دیا نیز میرے اردو دیوان کا ایک نسخہ۔

آج کل موسم یہاں خلاف دستور خنک ہے۔ ہوا پروائی زور سے مسلسل چل رہی ہے، حالانکہ لو چلنے کا زمانہ ہے۔

آپ کی مطلوبہ فہرست دواوین تیار ہو رہی ہے۔ بعد تکمیل انشاءاللہ روانہ کی جائے گی۔ والسلام ختم الکلام

صدر یار جنگ ۲۰ مئی ۱۹۴۶ء

(۸۰)

بنام مالک رام

عزیزِ قدر گرامی شان سلمہ۔ وعلیکم السلام۔

۲۸ مئی کا نامہ وداد آیا۔ دل خوش ہوا۔ الحمدللہ تعالیٰ بخیریت و عافیت ہے۔ عام قاعدہ کے مطابق یہ موسم پوری بلکہ شدت گرما کا ہے لیکن آج کل ابر ہے اور موسم خنک ہے۔ صحت اچھی ہے۔

آپ کا خط مہتمم کتاب خانہ کو بھیج کر ہدایت کر دی ہے کہ اس کے مطابق فہرست مرتب کر کے بھیجیں۔ جس وقت آئے گی انشاءاللہ آپ کو بھیج دی جائے گی۔

دیوان اردو کے پہلے نسخے ایک وجہ سے ضائع ہو گئے۔ دوبارہ طبع ہو رہے ہیں۔ طبع ہو جانے پر انشاءاللہ نسخہ آپ کو بھیجا جائے گا۔ آپ کے لئے فردائی نسخے کا انتظام بھی انشاءاللہ کر دیا جائے گا۔ اور نقل میری طرف سے بطور ہدیہ کتب خانہ آپ کو بھیجی جائے گی۔

آپ رخصت کے زمانے میں یہاں بھی آئیں تو دل کو بڑی خوشی ہو۔ میری عمر کا جمع کردہ سرمایہ کتب دیکھیں۔ عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں کی کتابوں کا سرمایہ ہے۔ فہرستیں متعدد میں نے مرتب کی ہیں۔ ان کو دیکھ کر آپ انشاءاللہ خوش ہوں گے۔

عزیزی عبدالوحید خاں کو آپ کا سلام و پیام پہنچا دیا گیا۔

انگریز سے زیادہ حاضرین آپ کا پیام سننے اور ان کو خوش ہونے کے اہل ہیں۔ "بیاد آ حریفان بادہ پیما را" ۔ ان کیفیت دہندہ اور راحت بخش ہے کرد۔ برادر عزیز عبدالوحید خاں نے بیان کیا کہ اردو دیوان حسرت آپ کو بھیج دیا گیا۔

صدر یار جنگ ۴ جون ۱۹۴۶ء

(۸۱)

بنام مالک رام

میرے مہربان عنایت فرما خوش رہو۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مدت کے بعد ملک سے بعید وہ بہ کے بعد آپ کی تحریر دیکھ کر آنکھیں پر نور دل پر سرور رہا۔ یاد ہمیشہ دل میں رہتی ہے لیکن خط کس طرح لکھتا جب پتہ معلوم نہ تھا۔ اب معلوم ہوا تو لکھ رہا ہوں۔ اس سے خوشی ہوئی کہ اکتوبر میں آپ کا ہندوستان آنے کا ارادہ ہے۔ اور اسی سلسلے میں آپ کو یہاں

کتاب خانے میں دیکھ کر بہت خوشی ہوگی۔

الحمد للہ تعالیٰ بخیر و عافیت شامل حال ہے۔ میں بعافیت ہوں، اپنے مختلف مشاغل میں مصروف ہوں۔ آپ کی خدمت و مزاج پرسی کی غرض سے خط لکھا۔ اگر کوئی ضرورت ذہن میں آئی بے تکلف لکھ دوں گا۔ والسلام مع الاکرام

نیاز مند حبیب الرحمٰن　　　حبیب گنج

(۸۲)

جناب سید ہمایوں مرزا صاحب

الطاف فرمائے مخلصان، تسلیم

آپ مجھ کو اجازت دیں کہ منشی وزیر رضا صاحب سفیر آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کو آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ منشی صاحب معروف یہاں [illegible] ہیں۔ امید ہے کہ آپ نہ صرف خود وقف ممبری قبول فرمائیں گے بلکہ اور صاحبوں کو بھی ترغیب دے کر دال علی الخیر کا درجہ حاصل فرمائیں گے۔ جو ہمدردی آپ کو قومی تعلیم سے ہے، اس نے ان چند سطروں کے لکھنے کی جرأت دلائی ہے۔

صدیار جنگ

(۸۳)

جناب نواب صاحب، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

[illegible] باقی سہ ماہی رفاہ [illegible] کی جو کانفرنس [illegible] جناب نے دست بدست عنایت فرمائے تھے وہ اس نیاز نامہ کے ساتھ واپس ہے۔ میں نے اپنی نوشتہ تجویز پر غور کیا۔ سابق رائے میں تبدیلی کی وجہ سمجھ کرنے سے میں قاصر رہا۔ بعد تحریر کرنے تجویز کے جو پیش نظر تھا پورے غور کے ساتھ ملاحظہ کیا۔ در تجویز لکھی گئی ہے اب اس اصول [illegible] گزر جانے کے بعد تمام وجوہ کو یاد رکھنا اور تائید میں پیش کرنا ممکن نہیں جو رائے قائم کی گئی ہے اس کی بنیاد تجویز مذکور میں ظاہر کر دی گئی ہے۔

آپ کی رائے بالکل آزاد ہے، جو رائے قائم فرمائی جائے زیب قلم ہو۔

صدیار جنگ

(۸۴)

جناب مکرم، السلام علیکم و رحمۃ اللہ علیہ

مولوی ابو [illegible] صاحب سفیر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ دو کتابیں لے کر حاضر خدمت ہوتے ہیں دونوں کتابیں کانفرنس نے شائع کی ہیں، جو اپنی اپنی جگہ پر مفید اور قابل مطالعہ ہیں۔ ایک کتاب دور جدید کے مسلم علمی خیالات کا آئینہ ہے۔ دوسری مرحوم نواب وقار الملک کے سوانح حیات کی مکمل سرگزشت ہے۔ امید ہے جناب [illegible] کی قدر افزائی کا باعث ہوگا۔ والسلام

صدیار جنگ　　　سیکرٹری

(۸۵)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک مجموعہ میری تقریروں کا انجمن اسلامیہ کے اہتمام سے شائع کیا گیا ہے۔
ایک نسخہ اس کا بطور ہدیہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا جاتا ہے۔
چونکہ میں بارگاہِ خدمت دیگر سے جا رہا ہوں، اس سے امید ہے کہ یہ مجموعہ یاد دلائے گا۔ آپ کے کتب خانہ میں رہے گا۔

صدر یار جنگ

علّامہ اقبال

بنام منشی محمد دین فوق

(۱)

ڈیر فوق!

اہل اللہ کے حالات سے جو آپ نے بنام «یادِ رفتگاں» تحریر فرمائے ہیں مجھ پر بڑا اثر کیا اور بعض باتوں نے تو جو آپ نے اس چھوٹی سی کتاب میں درج کی ہیں مجھے اتنا رلایا کہ میں بے خود ہو گیا۔ خدا کرے آپ کی توجہ اس طرف لگی رہے۔ زمانۂ حال کے مسلمانوں کی نجات اسی میں ہے کہ ان لوگوں کے حیرت ناک تذکروں کو زندہ کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے زوال کی اصل علت عشقِ حقیقی کا دور ہو جانا ہے۔

بھائی فوق! خود بھی اس گوہر نایاب کی تلاش میں رہو جو بادشاہوں کے خزانوں میں نہیں مل سکتا بلکہ کسی خرقہ پوش کے پاؤں کی خاک میں اتفاقیہ مل جاتا ہے۔ والسلام!

از سیالکوٹ
۲؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء

آپ کا دوست
(شیخ) محمد اقبال (ایم۔ اے پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور)

بنام منشی محمد الدین فوق

(۲)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ آپ کا نوازش نامہ مجھے مل گیا ہے۔ ایک دو روز کے لئے بغرض ... لاہور گیا تھا کیونکہ وہی کام شروع کرنے کا ارادہ ہے۔ کشمیری میگزین دیکھتا ہوں۔ اس رسالے کی کامیابی آپ کو ہوئی اور ہو رہی ہے اس کے لئے مبارک باد دیتا ہوں اور جو کچھ آپ نے میری نسبت اپنے کالموں میں تحریر فرماتے ہیں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آپ جموں سے ہوتے ہوئے کشمیر جائیں تو ضرور سیالکوٹ تشریف لائیں۔ مجھے آپ کی دعوت و قدر و منزلت کرنے کا موقع ملے۔ افسوس ہے کہ میں ابھی کچھ عرصہ تک آپ کے لئے کچھ نہ لکھ سکوں گا کیونکہ قانونی کتب کی طرف متوجہ ہوں چونکہ یہ کام کو شروع

۱؎ ملاحظہ ہو علامہ کا شعر

تمنا دردِ دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

کیا ہے اس واسطے ارادہ ہے کہ اس کو حتی الامکان پورے طور پر کروں ۔ روٹی تو خدا ہر ایک کو دیتا ہے ۔ میری آرزو ہے کہ میں اس فن میں کمال پیدا کروں ۔ آپ بھی دعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس عزم میں میرا شامل حال ہو۔

انشاءاللہ نومبر میں لاہور آ کر مستقل طور پر کام شروع کروں گا ۔ اس وقت آپ سے خوب خوب ملاقاتیں ہوا کریں گی جیسے کبھی پہلے ہوا کرتی تھیں اور میں کشمیری میگزین کی ترقی و اشاعت کے لئے بھی چند باتیں آپ سے کروں گا ۔ باقی خیریت ہے ۔

اللہ یار صاحب جوگی کی خدمت میں میرا شکریہ پہنچا دیجئے[1] ۔ علاوہ ازیں تارا چند صاحب تارا حلوائی سوہن فروش دہلی دروازہ کی خدمت میں ۔ والسلام!

محمد اقبال از شہر سیالکوٹ ۲۹ راگست ۱۹۰۸ء

(۳)

بنام منشی محمد الدین فوق

ڈیر فوق!

مرزا افضل احمد[2] صاحب کا خط ملفوف ہے ۔ وہ اس خط کو کمیٹی میں پیش کرنا چاہتے ہیں ۔ اس کے علاوہ ایک اور کارڈ بھی آیا ہے ۔ مہربانی کر کے اس کی تعمیل بھی کریں ۔ جو خط آپ نے میری طرف سے میگزین میں شائع کیا ہے اس کی چند کاپیاں اگر وہ علیحدہ شائع ہوا ہو، غلام محمد ڈار متصل گھنٹہ گھر گوجرانوالہ کے نام ارسال کر دیں ۔ اگر علیحدہ شائع نہ ہوا ہو تو ان کو جواب لکھ دیں ۔ یہ صاحب آپ کے میگزین کے خریدار ہیں ۔

راقم

محمد اقبال (آنریری جنرل سیکرٹری انجمن کشمیری مسلمانان لاہور)

۱ رمئی ۱۹۰۹ء

(۴)

پوسٹ کارڈ بنام منشی محمد الدین فوق

بصحن گلشن ما صورت بہار بیا — کشادہ دیدۂ گل بہر انتظار بیا

۷ رمارچ ۱۹۰۳ء لاہور

اقبال

(۵)

بنام منشی محمد الدین فوق

ڈیر فوق!

السلام علیکم ۔ آپ آج کل لاہور میں ہیں یا امرتسر[3] میں؟ ایک دفعہ آپ نے کشمیری میگزین میں میرے حالات شائع کئے تھے ۔ اگر اس پرچہ کی کوئی کاپی آپ کے پاس رہ گئی ہو تو ارسال فرمائیے ۔ پھر واپس کر دی جائے گی ۔ اگر پاس نہ ہو تو کہیں سے منگوا دیجئے ۔

زیادہ کیا عرض کروں، آپ کبھی ملتے ہی نہیں ۔ اب تو آپ پریذیڈنٹ بھی بن گئے ۔ خدا کرے کہ حضرت حافظ جماعت علی شاہ صاحب[4] کی طرح آپ کے بھی ورود کشمیر کے متعلق الہامات شائع ہوا کریں ۔ والسلام! اس کارڈ کا جواب جلد ملے ۔

آپ کا خادم محمد اقبال ۔ لاہور

۲۴ رجولائی ۱۹۱۵ء

---

[1] غالباً جوگی صاحب کا شکریہ اس لئے ادا کیا ہے کہ انہوں نے ولایت سے اقبال کی تشریف آوری پر لاہور کی ایک تقریب میں نظم پڑھی تھی ۔ تارا چند تارا بھی شاعر تھے شاید انہوں نے بھی کوئی نظم پیش کی ہو۔

[2] مرزا افضل احمد مرحوم خان صاحب مرزا قطب الدین وکیل راولپنڈی و جاگیردار مالک اخبار چنار راولپنڈی کے والد بزرگوار تھے ۔

[3] سری نگر کشمیر ۔ [4] مرحوم علی پوری

بنام منشی محمد الدین فوق

(۶)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ آپ کا کارڈ ابھی ملا ہے۔ بھلا آپ کی گستاخی کیونکر ممکن ہو سکتی ہے؟ میں نے اس خیال سے لکھا تھا کہ آپ معروف آدمی ہیں، آنے میں حرج ہوگا اور تکلیف مزید کہ انار کلی شیرانوالہ دروازہ سے دور ہے۔

کتاب جب آئیے تو ضرور ہمراہ لیتے آئیے بلکہ اس کے آنے میں دیر ہو تو خود کتاب تشریف لے آئیے۔ ۲۱ دسمبر کا کشمیری نہیں ملا اور نہ آپ کی تازہ کتاب وجدانی نشتر نظر سے گزری ہے۔ والسلام!

آپ کا خادم محمد اقبال۔ لاہور ۱۳ دسمبر ۱۹۰۵ء

بنام منشی محمد الدین فوق

(۷)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ دونوں کتابیں مل گئی ہیں۔ انگریزی کتاب پہلے سے میرے پاس موجود ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کو مفت میں تکلیف ہوئی۔

وجدانی نشتر خوب ہے۔ مگر تعجب ہے کہ شیخ ملا کے ملحدانہ و زندیقانہ شعر "محمد چہ پیدا شدہ مصطفیٰؐ دارم" کو آپ اس کتاب میں جگہ دیتے ہیں اور ملا کی تشریح کس قدر بیہودہ ہے۔ یہی وہ وحدت الوجود ہے جس پر خواجہ حسن نظامی اور اہلِ طریقت کو ناز ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رحم کرے اور ہم غریب مسلمانوں کو ان کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔ وجدانی نشتر پر ریویو دوسرے صفحہ پر دیا ہے۔

محمد اقبال۔ لاہور ۲۳ دسمبر ۱۹۱۵ء

بنام امین زبیری صاحب[1]

(۸)

مخدومی!

السلام علیکم۔ آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے۔

میری رائے میں اس بحث پر سب سے بہتر کتاب قرآن کریم ہے مگر تدبر شرط ہے۔ اس میں تمام باتیں موجود ہیں۔ بلکہ Modern Ego Engenics کے تمام مسائل بھی اس میں موجود ہیں۔

زمانہ حال کی سفریجیٹ عورتوں نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے۔ ایک کتاب Right of Women میری نظر سے گزری ہے کسی عورت کی لکھی ہوئی ہے مگر افسوس ہے کہ مصنف کا نام ذہن میں محفوظ نہیں ہے۔

جان اسٹورٹ مل نے بھی اس پر ایک مفصل مضمون لکھا تھا۔ والسلام!

مخلص محمد اقبال۔ لاہور ۲۴ اپریل ۱۹۱۶ء

۱۔ عطیہ ڈاکٹر مختار الدین احمد

بنام محمد الدین فوق

(۹)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ آپ کا دستی خط مل گیا ہے۔ منشی قمر الدین جن کو آپ نے سفارشی خط دے کر بھیجا ہے وہ اس قابل نہیں کہ ان کو اجازت دی جاسکے۔ مجھے یہ بات گذشتہ تجربہ سے معلوم ہے۔ ورنہ میری عادت میں کسی کو محروم کرنا داخل نہیں۔ علاوہ اس کے یہ لوگ تجارتی اغراض کو مدنظر رکھتے ہیں اور اس بات کی مطلق پروا نہیں کرتے کہ شعر غلط چھپا ہے یا صحیح۔ اس کے علاوہ اعتراض مجھ پر ہوتے ہیں اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان نظموں کو میں نے شائع کیا ہے۔

اس سے پیشتر میں ایک شخص پر مقدمہ دائر کرنے کو تھا مگر مولوی غلام علی خاں کے کہنے سے باز رہا۔ اس نے اس سے پیشتر میری نظموں کو میری اجازت کے بغیر شائع کر دیا تھا۔ اب یہ سب معاملہ مولوی احمد دین وکیل کے سپرد کیا ہے کہ اگر کوئی میرا کلام میری اجازت کے بغیر چھاپے تو اس پر دعویٰ کر دیا جائے۔

اخباروں میں جو کچھ شائع ہوا ہے اسے میں نے پڑھا ہے۔ مگر سب اخبار میری نظر سے نہیں گذرتے۔ "مخبر دکن" کے لئے شکر گزار ہوں۔ مجھے اس معاملہ کا مطلق علم نہیں۔ نہ میں نے حیدر آباد میں کسی کو لکھا ہے نہ وہاں سے مجھے کسی نے تحریک کی ہے۔ میرے خیال میں یہ بات محض اخباری گپ ہے۔ حیدر آباد میں تو مجھ سے بہتر آدمی موجود ہوں گے۔

اودھ پنچ وغیرہ نے جو اعتراضات مجھ پر کئے ہیں ان کا مجھے علم نہیں۔ وہ پرچہ تلاش کرنا چاہیے۔ ممکن ہے کہ ان اعتراضوں میں کوئی کام کی بات ہو۔ لکھنؤ والے یا اور معترض یہ خیال کرتے ہیں کہ اقبال شاعر ہے۔ مگر میری غرض شاعری سے زبان دانی کا اظہار یا صنعت گری کا نہیں۔ نہ میں نے آج تک اپنے آپ کو شاعر سمجھا ہے۔ حقیقت میں فن شاعری اس قدر دقیق اور مشکل ہے کہ ایک عمر میں بھی انسان اس پر حاوی نہیں ہو سکتا۔ پھر میں کیونکر کامیاب ہو سکتا ہوں جسے روزی کے دھندوں ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ میرا مقصود گاہ گاہ نظم لکھنے سے صرف اسی قدر ہے کہ چند مطالب جو میرے ذہن میں ہیں ان کو مسلمانوں تک پہنچاؤں اور بس والسلام!

امید ہے کہ آپ قمر الدین صاحب کو اجازت نہ دینے سے ناراض نہ ہوں گے۔ غالباً آپ کو ان کے حالات کا پہلے علم نہ تھا ورنہ آپ ان کی سفارش نہ کرتے۔

مخلص محمد اقبال

کسی روز ضرور ملئے۔ آپ کی "فوقیت" اب اس قدر بلند ہو رہی ہے کہ نظروں سے غائب ہو گئی۔

محمد اقبال۔ ۹ مارچ ۱۹۱۱ء

بنام منشی محمد الدین فوق

(۱۰)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ کشمیر اور اہل کشمیر کے متعلق کہیں لکھ کر آپ نے مسلمانوں پر اور ان کی تاریخ پر احسان کیا ہے۔ البتہ کشاورزی قوم پرستی کا ایک ایسا عنصر ہے جس پر جوان گروہ مجھے معلوم ہے آپ نے اب تک کچھ نہیں لکھا۔ اس طرف سب سے زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔

رسالہ رہنمائے کشمیر جو حال میں آپ کے قلم سے نکلا ہے نہایت مفید اور دلچسپ ہے۔ طرزِ بیان بھی دلکش ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ رسالہ عام لوگوں کے لئے نہایت مفید ہوگا۔ افسوس ہے میں آج تک کشمیر کی سیر نہیں کر سکا لیکن احتمال ممکن ہے کہ آپ کا رسالہ مجھے بھی اُدھر کھینچ لے جائے۔

"اسرارِ خودی" کی کوئی کاپی اب موجود نہیں۔ مدت ہوئی پہلی ایڈیشن جس کی تعداد بہت زیادہ نہ تھی ختم ہو گئی۔ میں نے ارادتاً کم تعداد میں چھپوائی تھی کیونکہ مجھے یقین تھا کہ اصل (یعنی لفظ نہیں پڑھا گیا) اسلام ہندوستان میں ایک فراموش شدہ چیز ہے۔ اس واسطے اس کے مضمون سے بہت کم لوگوں کو دلچسپی ہوگی۔

ممکن ہے کہ دوسری ایڈیشن شائع ہو۔ ایسا ہوا تو سب سے پہلے ایک کاپی آپ کی خدمت میں ارسال ہوگی۔ اس مثنوی کا دوسرا حصہ بھی زیرِ اختتام ہے۔ والسلام!

مخلص محمد اقبال۔ لاہور ۵ر جون ۱۹۱۷ء

بنام منشی محمد الدین فوق

(۱۱)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ آپ کا خط معہ مطبوعہ اخبار مل گیا ہے جس کے لئے شکریہ ہے۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے بعض نمبر پنجاب پبلک لائبریری اور شاید یونیورسٹی لائبریری میں بھی ہوں۔ آپ کسی روز جا کر خود دیکھیں۔

رسالہ نظام کا اجرا مبارک ہو۔ میرے خیال میں تو آپ طریقت ہی کو فروغ دیتے تو شاید حضور نظام تصوف کی اشاعت کا صلہ عطا فرماتے۔[1] محمد دین صاحب صوفی[2] آپ سے بہتر نہیں ہیں لیکن وہ آدمی معاملہ فہم اور کاروان ہیں۔

میں بھی آپ کے لئے انشاء اللہ کچھ لکھوں گا۔

حکیم محمد دین صاحب کئی مدت سے نہیں ملے۔ خدا کرے کہ اچھے ہوں۔ آپ جب ملیں تو میری طرف سے استفسارِ حال کیجئے۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور ۱۶ر دسمبر ۱۹۱۶ء

بنام منشی محمد الدین فوق

(۱۲)

ڈیر فوق صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط مل گیا ہے جس میں اودھ پنچ (لکھنؤ) کا ایک صفحہ ملفوف تھا۔ میں لاہور میں ہوں۔ سردی کی وجہ سے کہیں باہر نہیں گیا۔

نظم زیرِ تنقید میری ابتدائی نظموں سے ہے۔ اس میں بہت سی خامیاں ہیں لیکن تعجب ہے کہ معترض نے ان میں سے ایک پر بھی اعتراض نہیں کیا اور جس قدر اعتراض ہیں غالباً کتابت کی غلطیوں پر ہیں۔ لوگ اس نظم کو بار بار چھاپتے ہیں اور بغیر میری اجازت کے کم از کم مجھے پروف ہی دکھایا کریں۔ اس کا علاج میرے پاس کچھ نہیں۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور ۲۸ر دسمبر ۱۹۱۶ء

---

[1] فوق صاحب نے طریقت بند کر کے نظام جاری کیا تھا [2] مولوی محمد دین صاحب مدیر رسالہ "صوفی" پنڈی بہاؤالدین۔

بنام منشی محمد الدین فوق

(۱۳)

ڈیئر فوق!

السلام علیکم۔ ایک کاپی اس نظم کی مجھے بھی ارسال کیجئے جو میں نے آپ کو رسالہ نظام میں شائع کرنے کے لئے بھیجی تھی۔
اس کا مسودہ بھی میرے پاس موجود نہیں۔

مخلص محمد اقبال از لاہور ۲۵ فروری ۱۹۱۹ء

[منشی سراج الدین صاحب جموں کے رہنے والے تھے۔ کئی سال تک مختلف بندوبست افسروں کے ماتحت مثل خوان رہے پھر تحصیلدار ہو گئے۔ اپنی قابلیت اور حکمت عملی کی بدولت افسر مال کے عہدے تک پہنچے۔ وہیں سے ریٹائر ہوئے۔ پنشن لینے کے بعد کشمیر اور جموں میں ریونیو ایجنٹ (وکیل) کی حیثیت سے کام کرتے رہے

آج سے تقریباً پینتیس چالیس سال قبل، ریاست میں شیخ محمد بخش اور سیٹھ کریم بخش نامور تاجر، رئیس اور کوٹھی وال تھے۔ زمانہ کے اثر سے ان کی حالت پتلی ہو گئی اور پنجاب نیشنل بینک کی شاخ سری نگر نے حساب کتاب اور لین دین کے معاملہ میں ان کی ڈگریاں اور قرقیاں کرائیں، ہزاروں کی جائداد سینکڑوں میں نیلام کرا دی۔ نیلام، قرقی وغیرہ میں بہت سی بے ضابطگیاں ہوئی تھیں۔ منشی سراج الدین نے جو شیخ محمد بخش مرحوم کے داماد تھے ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کی قانونی قابلیت سے فائدہ اٹھانے کے لئے کشمیر بلایا۔ ڈاکٹر صاحب مولوی احمد دین بی۔اے پلیڈر اور اپنے منشی شیخ طاہر دین کے ہمراہ کشمیر گئے اور تقریباً دو ہفتے سری نگر میں رہے۔ لاہور واپس آ کر منشی صاحب کو جو خطوط لکھے ان میں اسی مقدمے کے متعلق ذکر ہے۔]

بنام منشی سراج الدین ریٹائرڈ افسر مال کشمیر

(۱۴)

مخدومی منشی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔
آپ سے رخصت ہو کر پانچ بجے شام راولپنڈی پہنچ گئے اور ۸ بجے شام کی ٹرین بھی مل گئی۔ رستے میں بھی خدا کے فضل و کرم سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ آپ کی مستعدی، خدمت گذاری اور مہمان نوازی کی تعریف کرتے کرتے سخن ختم ہو گیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔
میرا خیال تھا کہ آپ کے مقدمہ میں حکم سنا دیا گیا ہوگا مگر سیٹھ کریم بخش صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ جج صاحب بہادر رخصت سے واپس آ کر حکم سنائیں گے۔ آپ سیٹھ صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں کہ اگر وہ اشتہار نیلام جو پنڈت جانکی ناتھ نے پیش کیا ہے شامل پر نہیں ہے تو اس کا کچھ اثر نہ ہونا چاہئے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ وہ مسلمان کی آخری امید ہے۔ سیٹھ صاحب اور بڑے شیخ صاحب سے کہئے کہ درود شریف پڑھنے سے غفلت نہ کریں۔ اس زمانے کے مسلمانوں کے لئے یہ بات خاص کر حلال مشکلات ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ میری طرف سے سب کی خدمت میں سلام عرض کیجئے۔ گرمی کی شدت ہے ابھی بارش نہیں ہوئی اور نہ اس کے بظاہر کوئی علامات نظر آتے ہیں۔ خواجہ اسد اللہ صاحب ایڈووکیٹ سری نگر (کشمیر) ملیں تو میرا سلام ان سے ضرور کہئے۔ والسلام

بخدمت سیٹھ کریم بخش صاحب مضمون واحد۔　　مخلص محمد اقبال لاہور ۱۱ جولائی ۱۹۲۰ء

۱؎ منشی صاحب کشمیر میں افسر مال تھے۔

بنام منشی سراج الدین صاحب

(۱۵)

مخدومی منشی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کی علالت کی خبر معلوم کر کے متردد ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے۔ نقل فیصلہ مقدمہ سیٹھ کریم بخش صاحب مل گئی ہے اور میں نے فیصلہ بغور پڑھا ہے۔

دفعہ ۴۴ کے متعلق جج صاحب بہادر نے جو کچھ لکھا ہے میری رائے میں غلط ہے۔ ہائی کورٹ میں اس کی چارہ جوئی ہو سکتی ہے لیکن اگر عدالت ہائی کورٹ اس امر میں ہم سے متفق ہو اور واقعات پر متفق نہ ہو تو ہمیں کوئی فائدہ نہیں۔ اس واسطے زیادہ ضروری امر واقعات کے متعلق ہے۔

واقعات کے متعلق یہ عرض ہے کہ جج صاحب نے وہی بات لکھی ہے اور اپنے فیصلے کو اسی بات پر مبنی کیا ہے جس کا احساس ہمیں پہلے ہی سے تھا یعنی یہ بات کہ تعلقات اور بے ضابطگیوں سے ڈگری دار کی بدنیتی ثابت نہیں ہوتی۔ میں نے یہ تمام باتیں پہلے ہی عرض کر دی تھیں۔ سب سے بڑی کمزوری اس مقدمہ میں یہی ہے۔ مجھے امید نہیں کہ ہائی کورٹ جہاں تک بے ضابطگیوں وغیرہ کا تعلق ہے اسے ڈی جج صاحب سے مختلف تجویز کرے۔

شیخ صاحبان اپنی جگہ سوچ لیں اور اس تمام زیرباری کا اندازہ کر لیں جو اپیل وغیرہ کا نتیجہ ہوگی۔ اگر معمولی مالیت کا مقدمہ ہوتا تو مضائقہ نہ تھا۔ مقدمہ کی مالیت بھی بڑی ہے اور اخراجات وکلاء وغیرہ بھی اسی حیثیت سے ہوں گے۔ غرض ان کو تمام امور ملحوظ رکھ کر آخری فیصلہ کرنا چاہیے۔ میں نہیں چاہتا کہ ان کی زیرباری میں اور اضافہ ہو۔ وجوہات اپیل دو چار روز تک لکھ کر ارسال خدمت کر دوں گا۔ اگر آپ کی مرضی ہو تو آپ اپیل دائر کر دیں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ چند ابتدائی غلطیوں کی وجہ سے اس مقدمہ کا فیصلہ آپ کے حق میں نہ ہو سکا مگر خدا تعالیٰ کی درگاہ سے مایوس نہ ہونا چاہیے۔ اگر یہ صورت نہیں تو اللہ تعالیٰ سیٹھ صاحبان کے لئے کوئی اور صورت پیدا کر دے گا۔ سیٹھ صاحبان کی خدمت میں السلام علیکم۔

مخلص محمد اقبال لاہور ۱۳ اگست ۱۹۲۱ء

بنام منشی سراج الدین صاحب

(۱۶)

ڈیئر منشی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ انشاء اللہ آپ کے ارشاد پر غور کیا جائے گا۔

افسوس کہ رحمان راہ[2] کامل طور پر نہ بچا گو پھانسی سے بچ گیا۔ ڈاکٹر کنور سین[3] صاحب سے لاہور میں میں نے اس مقدمہ کا مفصل ذکر کیا تھا اور تمام بڑی بڑی باتیں ان کو بتا دی تھیں اور یہ بھی درخواست کی تھی کہ مقدمہ کی سماعت جموں میں کریں تو میں بغیر مزید فیس کے بحث

---

[1] سیشن جج

[2] رحمان راہ سری نگر کا ایک باشندہ تھا اور وہ قتل کے مقدمہ میں ماخوذ تھا۔ یہ مقدمہ سری نگر ہی میں اقبال کو ملا تھا۔ یہ شخص پھانسی سے تو بچ گیا مگر قید ہو گیا۔

[3] جسٹس کنور سین جج ہائی کورٹ کشمیر بھی علامہ اقبال کی طرح مولانا میر حسن کے شاگرد تھے۔ عربی فارسی خوب جانتے تھے۔

کونسل کا مگر افسوس کہ وہ مقدمہ کشمیر میں لُٹ گیا۔

بہرحال میں نے منشی اسد اللہ کی تحریر پر اپنی بحث کے مفصل نوٹ ان کو بھیج دیے تھے جو عدالت میں پیش کر دیے گئے تھے لالہ کنور سین صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہاری بحث کے مفصل نوٹ مثل پر موجود ہیں۔ اس وقت اگر میعاد کا سوال نہ اٹھایا جاتا تو مقدمہ مہاراجہ سر پرتاب سنگھ کے سامنے ہی غالباً فیصلہ ہو جاتا مگر منشی اسد اللہ صاحب یہ خیال کرتے تھے کہ بار دیگر مقدمہ کونسل کے سامنے پیش ہو گا جہاں رحمان راہ کی بریت کی توقع ہے، اس واسطے اس وقت التوا کو غنیمت سمجھا گیا۔ ورنہ میں نے تو مہاراجہ صاحب سے بھی کہہ دیا تھا کہ آپ ابھی فیصلہ کر دیں۔ کیونکہ دوبارہ یہاں آنے کا خرچ مؤکل اپنی غریبی کی وجہ سے نہ اٹھا سکیں گے۔ مگر منشی اسد اللہ صاحب کا یہی خیال تھا کہ التوا بہتر ہے مگر افسوس کہ بعد میں ان کا خیال پورا نہ ہو سکا اور کونسل اب تک نہ بن سکی۔ غلطی سے یہ سمجھتے رہے کہ اس فیس میں جو انھوں نے مجھ کو دی تھی میں دوبارہ کشمیر آ سکوں گا۔ مگر یہ کیونکر ممکن تھا۔

اس کے علاوہ مہاراجہ صاحب کے سامنے میں نے یہ سب کچھ کہہ دیا تھا۔ بہرحال اب میں نے سنا ہے کہ وہ گورنمنٹ آف انڈیا میں لالہ کنور سین صاحب کے فیصلہ کے خلاف اپیل کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے مندرجہ بالا طویل حالات لکھ کر آپ کو تکلیف دی ہے۔ اس سے غرض یہ ہے کہ اگر رحمان راہ کے وارثوں کا ارادہ اپیل کرنے کا مستحکم ہو تو میں بغیر کسی مزید فیس کے ان کی اپیل لکھ دوں گا۔ آپ یہ ان کے گوش گزار کر دیں۔

چونکہ کشمیر میں یہ معاملہ ہندو مسلمان سوال بن گیا ہے اس واسطے ممکن ہے رحمان راہ کے وارثوں کو یہ خیال ہو کہ گورنمنٹ آف انڈیا کا قانونی ممبر بھی تو ایک کشمیری پنڈت ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور دقت بھی ہے اور وہ یہ کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے مہاراجہ کی طرف سے اگر کسی کو پھانسی کا حکم ہو تو اس کی اپیل گورنمنٹ آف انڈیا میں ہوتی ہے۔ قید کا اگر حکم ہو تو اس کی اپیل نہیں ہوتی۔ بہرحال اگر ان کا ارادہ ہو تو مجھے اس میں کچھ عذر نہ ہو گا۔ اس صورت میں آپ ان سے کہہ دیں کہ میری بحث کے مفصل نوٹ اور دیگر کاغذات بھیج دیں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔　　والسلام!

مخلص محمد اقبال لاہور، ۱۰ اپریل ۱۹۲۲ء

(۱۷)

بنام میر خورشید احمد[1]

مکرمی!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میں شہر میں آفتاب دیکھنے کو ترس گیا۔ اس کے علاوہ اندیشہ تھا کہ ہوا کی رطوبت سے نقرس عود نہ کر آئے۔

شعر زیر بحث کے متعلق یہ عرض ہے کہ دوسرا مصرع بابی کا خیال یہ ہے۔ اعتقادات کی بحث نہیں بلکہ فرقہ بندی کی بحث ہے بعض اسلامی فرقے (مثلاً صمدی) مسیحؑ و علی مرتضیٰؓ کو نصاریٰ کا خدا اور سنیوں کا علیؓ کہہ کر گالیاں دے لیتے ہیں۔ محمد رضا صاحب در جلد

---

[1] میر خورشید احمد صاحب ان دنوں حکومت جموں کے فارن اینڈ پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ میں ملازم تھے اور اب گلگت ایجنسی سے ریٹائر ہونے کے بعد لاہور میں مقیم ہیں۔ بڑا سچا ہوا علمی مذاق رکھتے ہیں۔

ان کے مرید مولوی عبدالکریم نے شیعوں کی تردید میں یہی افسوسناک طریقہ اختیار کیا ہے[1]۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ چودھری محمد حسین[2] صاحب سے سلام کہیے گا۔ والسلام!

محمد اقبال سیالکوٹ ۲۸ راگست ۱۹۲۲ء

(۱۸)

بنام میر نور رشید احمد

مخدومی!

السلام علیکم۔ والا نامہ جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

مولوی عبدالسلام کی دونوں کتابوں سے میں بہت مستفیض ہوا۔ میری طرف سے ان کی خدمت میں بہت بہت آداب عرض کیجیے نیز التماس دعا بھی کیجیے۔ کرسمس کے دنوں میں دلی آنے کی امید نہیں۔ البتہ فروری میں ممکن ہے۔ انشاءاللہ العزیز مولوی صاحب سے بھی شرف نیاز حاصل ہوگا۔ غزل مطلوب کے جتنے اشعار یاد ہیں عرض کرتا ہوں۔

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں　　کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

طرب آشنائے خروش ہو تو نوا ہے محرم گوش ہو　　وہ سرود کیا کہ چھپا ہوا ہو سکوت پردۂ ساز میں

دم طوف کرمک شمع نے یہ کہا کہ وہ اثر کہن　　نہ تری حکایت سوز میں نہ مری حدیث گداز میں

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئنہ ہے وہ آئنہ　　کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئنہ ساز میں

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں　　نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلف ایاز میں

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی　　مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں[3]

شاید دو چار شعر اور ہوں گے لیکن اس وقت یاد نہیں آتے، پھر عرض کروں گا۔ جو شعر آپ نے خط میں لکھا ہے معلوم نہیں کس کا ہے مگر شعر خوب ہے۔

---

[1] اقبال کی نظم "ابر گہربار" یا "فریاد امت" کا ایک شعر ہے ؎

یہ نصاریٰ کا خدا، وہ ہے علیؓ شیعوں کا　　جانے کس ڈھنگ سے اچھوں کو برا کہتے ہیں

غالباً اس کے مفہوم کے متعلق دو فریقوں کی رائیں مختلف تھیں۔ اقبال سے پوچھا گیا تو واضح کر دیا کہ اس میں عقائد کی بحث نہیں بلکہ فرقہ بندی کی بحث ہے مناظروں میں بعض اصحاب نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کے خلاف بہت نازیبا باتیں کرتے اور ٹوکا جاتا تو کہہ دیتے ہم حضرت مسیح علیہ السلام کو نہیں کہتے بلکہ انجیلوں کے مسیح کو کہتے ہیں۔ یہی طریقہ بعض لوگوں نے حضرت علیؓ کے متعلق اختیار کر لیا تھا جیسا کہ اقبال نے خود بالا اشارہ کر دیا ہے گویا اقبال کا یہ شعر اس طریق مناظرہ و گفتگو کے خلاف ہے۔

[2] جن کو اقبال نے آخری عمر میں اپنی جائیداد کا وصی مقرر کیا تھا۔ (محمد عبداللہ قریشی)

[3] "بانگ درا" اس کا صرف ایک شعر اور ہے ؎

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا　　ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

حضور سرور کائنات کو مخاطب کر کے چند اشعار میں نے لکھے تھے جو گرامی صاحب کی خدمت میں عرض کیجیے۔ مجھے یقین ہے انہیں پسند آئیں گے ۔۔۔

تیغ لا در پنجۂ ایں کافر دیرینہ دہ — باز بنگر در جہاں ہنگامۂ الّائے من !

از سپہر بارگاہت یک جہاں افروز نصیب — جلوۂ داری دریغ از وادیٔ سینائے من

با خدا در پردہ گویم با تو گویم آشکار — یا رسول اللہ او پنہاں و تو پیدائے من[1]

مخلص محمد اقبال لاہور ۱۳ر دسمبر ۱۹۲۲ء

نوٹ: اس خط کا جواب میر خورشید احمد کی طرف سے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں[2]۔

---

[1] اس کے سات شعر ہیں جو پیام مشرق میں بھی چھپے۔

[2] نوری مس دہلی ۱۱ر دسمبر ۱۹۲۲ء

مخدومی جناب قبلہ ڈاکٹر صاحب

آداب۔ جناب نے اپنے گرامی نامہ میں اس ننگ آفرینش کو "مخدومی" سے خطاب فرمایا ہے۔ میں اسے پڑھ کر بہت نادم ہوا اول بے ادبانہ جرأت یہ کہ جناب ایسی مقدس ہستی کو خط لکھتا ہوں، دوم گستاخانہ آرزو یہ کہ جواب کا امیدوار رہتا ہوں۔ اس پر آپ سے مخدومی کہلاؤں بیچارگی کا فراغت نہ لکھوں۔

جواب میں بہت توقف ہوا۔ اس کی وجہ صرف یہ کہ قبلہ گرامی صاحب کو خط سنانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ کل صبح ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے خط پڑھ کر سنایا۔ فرمانے لگے "ڈاکٹر صاحب کو میرا سلام کہو اور لکھو —

اے سالک رہ سخن ز ہر باب مجو — جز داد و وصل رب ارباب مجو

چوں علت تفرقہ است اسباب جہاں — جمعیت دل ز جمع اسباب مجو

پرسوں شب ایک محفل میں بیٹھے ہوئے یہ مطلع کہا

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں

دیر اس پر کہتے رہے تھے جو کوئی جس لائق ہوتا ہے اسے وہی ملتا ہے۔ جو ذہن اور تخیل ڈاکٹر صاحب کو عطا ہوا ہے اگر ساقی اور بجنود (دو حضرات) کو عطا ہوتا تو یہ حضرات برداشت نہ کر سکتے۔ ان کے دماغ پھٹ جاتے اور دیوانے ہو جاتے۔ وغیرہ وغیرہ۔

کل صبح ملا۔ فرماتے تھے میں نے ڈاکٹر صاحب کو دعا بھی دیکھا ہے اور ان سے باتیں بھی کی ہیں۔ شاید انہیں یاد ہو۔

میں منتظر ہوں آپ دہلی آئے اور جناب کی صحبت سے فیض حاصل ہوں۔ اگرچہ یہ فقرہ رسمی ہے کہ میرے لائق کوئی کام خدمت ہو لیکن میں اسے دل سے لکھ رہا ہوں کیونکہ اپنے لیے سعادت جانتا ہوں۔

خورشید

<u>بنام منشی محمد الدین فوق</u>

(۱۹)

ڈیر فوق صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ آپ کے بیٹے کا حال سن کر بہت افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے۔ مولوی عبداللہ غزنوی حدیث کا درس دے رہے تھے کہ ان کو اپنے بیٹے کے قتل کئے جانے کی خبر ملی۔ ایک منٹ تامل کیا، پھر طلبا کو مخاطب کر کے کہا: "ما رضائے او راضی ہستیم۔ بیاشید کہ کار خود کنیم" یہ کہہ کر پھر درس میں مصروف ہو گئے۔ مخلص مسلمان اپنے مصائب کو بھی خدا تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بنا لیتا ہے۔

"شباب کشمیر" ضرور لکھئے، بہت مفید کتاب ہوگی۔ —— اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ کشمیر کے رگوں میں خودداری کی روح پیدا کی جائے۔ میں نے بھی ایک نظم اس مضمون پر لکھی ہے جو عنقریب فارسی مجموعہ میں شامل ہوگی۔ افسوس ہے کہ مجھے تاریخ کشمیر سے بہت کم آگاہی ہے۔ ممکن ہے پنڈت شیونرائن شمیم آپ کی مدد کر سکیں۔ راج ترنگنی غالباً ان کے پاس ہے۔ اگر نہ ہو تو پنجاب پبلک لائبریری سے ضرور مل جائے گی۔

"اسلام میں سیاست" چودہ سال ہوئے انگریزی زبان میں لکھا گیا تھا یعنی ۱۹۰۸ء میں جب ترکی میں انقلاب ہو رہا تھا جس کا نتیجہ آخرکار ۱۹۰۹ء میں سلطان عبدالحمید خان کی معزولی میں ظاہر ہوا۔ یہ مضمون لندن کے سوشیالوجیکل ریویو میں شائع ہوا تھا۔ پیسہ اخبار نے اس کا ترجمہ بہت غلط شائع کیا ہے۔ صحیح ترجمہ زمیندار میں شائع ہوا تھا۔ یہ ترجمہ چودھری محمد حسین صاحب ایم۔ اے سیکرٹری نواب سر ذوالفقار علی خان صاحب نے کیا تھا، معتبر ہے۔ اگر آپ چھاپنا چاہیں تو بڑی خوشی سے پمفلٹ فارم میں شائع کریں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ البتہ چودھری صاحب سے بھی اجازت لے لیں تو بہتر ہے۔ وہ ایک آدھ روز تک سیالکوٹ جانے والے ہیں۔ وہاں سے جنوری کے شروع میں واپس آئیں گے۔ ان کو اجازت دینے میں مجھے یقین ہے تامل نہ ہوگا۔ انگریزی مضمون چند روز ہوئے مسلم آؤٹ لک میں چھپا تھا۔ وہ مطلوب ہو تو مسلم آؤٹ لک سے مل سکتا ہے۔

باقی رہے میرے حالات، اسرار میں کیا رکھا ہے؟
میری طرز رہائش مشرقی ہے۔ آپ جب چاہیں شوق سے تشریف لا سکتے ہیں۔
محمد اقبال، لاہور، ۱۹؍ دسمبر ۱۹۲۲ء

<u>بنام منشی محمد الدین فوق</u>

(۲۰)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ مخدومی جناب میر حسن[1] صاحب نے جو نام لکھے ہیں ان میں سے میں کسی کو نہیں جانتا۔ سوائے عشق پیچاں شاعر کے جو کوئی شاعر نہ تھا، ہاں تک بند ضرور تھا۔ سیالکوٹ کے مشہور قدیم شعراء میں سے شیخ محمد علی ماہر تھے۔ ان کا دیوان فارسی میں بہت ضخیم ہے، میں نے خود دیکھا ہے۔ غالباً شاہجہان یا عالمگیر کے عہد میں تھے۔ ٹیک چند نے بہار عجم میں جابجا ان کے اشعار کو محاورات فارسی کی سند میں لکھا ہے۔ ایک

---

[1] شمس العلماء مولوی سید میر حسن سیالکوٹی۔

شعر مجھے بھی یاد ہے:

از جائے مروت دیگر بہ بند افتادہ ام — دوستاں رحمے کہ از بام بلند افتادہ ام

غالباً کسی نہ کسی تذکرہ میں ان کا ذکر ضرور مل جائے گا۔ مولوی صاحب تجمل حسین صاحب کے متعلق جہاں تک مجھے یاد ہے میری کوئی نظم نہیں شاید کوئی شعر اشارۃً کسی نظم میں ہو۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور ۴ مارچ ۱۹۲۳ء

---

(۲۱)

بنام پروفیسر رشید احمد

مخدومی!

تسنیم۔ سائل صاحب (دہلوی) کا جواب میری رائے ناقص میں صحیح ہے۔ اصل عربی لفظ دُرّہ (دُرّۃ التاج) ہے۔ جس کی جمع دُرر آتی ہے اور شاید دراری بھی۔ فارسی میں بغیر تشدید بھی لکھتے ہیں۔ دُر یکتا، دُر ثمین، دُر مکنون، دُر یتیم، دُر خوش آب، دُر شاہوار، دُر نایاب، جہاں تک مجھے معلوم ہے سب درست ہیں۔ اگر ان ترکیبوں میں دُر یکتا وغیرہ میں التشدید بھی لکھیں تو بھی درست ہے۔ افسوس ہے سند اس وقت مجھے کوئی یاد نہیں۔ اگر مطالعہ میں آگئی تو لکھ بھیجوں گا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ دُرِ یکتا اور دُرّ یکتا دونوں درست ہیں۔ نیاز صاحب (فتحپوری) کا استدلال صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ قاآنی نے ابر یکتا (حالانکہ یکتا ابر کی صفت متصور ہونی چاہیے) اور دُرِ یکتا بھی لکھا ہے۔ ایسی صورت میں دُرّ یکتا میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔

ساقی نامۂ کشمیر کے متعلق بعض لوگوں کا گلہ سن کر مجھے تعجب ہوا۔ افسوس ہے ہندوستان سے فارسی رخصت ہو گئی۔ بعض نے محض قومی رقابت سے کشمیریوں کی ہجو کی ہوگی۔ کیونکہ ایک زمانہ میں کشمیر ایران کا ہمسر رہ چکا ہے۔ میں نے تو ذکر تو یہ لکھا ہے اور یہ بات سیاق اشعار سے صاف ظاہر ہے۔ ذکر طریقے کی بنا بھی واقعات پر ہے جن کا میں نے کشمیر میں خود مشاہدہ کیا۔[1]
پنجاب کے کسانوں کی حالت کشمیر کے کسان سے بدرجہا بہتر ہے۔ نظم کا موضوع کسان ہے کشمیر میں نہ کسان پنجاب جو لوگ

---

[1] ساقی نامہ پیام مشرق کی مشہور نظم ہے جو علامہ اقبال نے نشاط باغ کشمیر میں کہی تھی۔ اس میں بہار کا منظر پیش کرنے کے بعد ساقی (خدا) سے دعا کی گئی ہے کہ وہ باشندگانِ کشمیر کے دلوں میں آزادی کا جذبہ پیدا کر دے۔ اس کے چند شعر جن میں یہ تصور کیا گیا ہے یہ ہیں:

کشیری کہ با بندگی خو گرفتہ — بتے می تراشد ز سنگِ مزارے
ضمیرش تہی از خیالِ بلندے — خودی ناشناسے ز خود شرمسارے
بریشم قبا خواجہ از محنتِ او — نصیبِ تنش جامۂ تار تارے
نہ در دیدۂ او فروغِ نگاہے — نہ در سینۂ او دلِ بیقرارے
ازاں مے فشاں قطرۂ بر کشیری
کہ خاکسترش آفریند شرارے

(محمد عبداللہ قریشی)

میرے اشعار کو کشمیریوں کی ہجو تصور کرتے ہیں وہ شعر کے مذاق اور مقاصد سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ ان کے لئے یہی جواب کافی ہے کہ میرے آباؤ اجداد اہلِ خطہ میں سے ہیں۔

شملہ میں...... کے لئے حاضر ہونا پڑے گا مگر معلوم نہیں یہ رسم کب ادا کی جائے گی۔[1]

محمد اقبال لاہور ۲۹ مئی ۱۹۲۳ء

بنام میر خورشید احمد

(۲۲)

بر بناگوش تو اے ترک نژاد دُرِّ یتیم
سنبلِ تازہ ہمے بردمد از نقرۂ سیم (فرخی)

اس شعر سے ظاہر ہے کہ دُرّ مع التشدید واحد ہے اور اس کی صفت میں لفظ یتیم واقع ہوا ہے جس کے معنی بے نظیر و یکتا کے ہیں۔ والسلام!

محمد اقبال از لاہور ۳۱ مئی ۱۹۲۳ء

بنام میر خورشید احمد

(۲۳)

مکرمی!

تسلیم۔ لفظ دُرّ مع التشدید جمع نہیں بلکہ واحد ہے۔ میں آج صبح قصیدہ بُردہ پڑھ رہا تھا اس میں یہ شعر نظر آیا ؎

کالدُّرِّ یزداد حسناً وھو منتظمٌ
ولیس ینقص قدراً غیر منتظمِ

یعنی موتی حسن کے اعتبار سے بڑھ جاتا ہے جب سلسلہ میں منسلک ہو اور اگر منسلک نہ ہو تو بھی اس کی قدر گھٹتی نہیں۔ ایسی صورت میں دُرِّ یکتا کیونکر غلط ہو سکتا ہے۔ اگر یہ لفظ جمع ہوتا تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ یکتا کا لفظ اس کی صفت نہیں ہو سکتا۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور یکم جون ۱۹۲۳ء

بنام میر خورشید احمد

(۲۴)

مکرم بندہ!

السلام علیکم۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں جہاں آپ چاہیں چھپوائیں۔ ہمایوں بھی اچھا رسالہ ہے۔ امام شرف الدین کا لقب "بُصیری" ہے۔ عرب میں تخلص کا دستور نہ تھا۔ میں نے مثنوی رموزِ بیخودی میں بھی ان کا ذکر کیا ہے ؎

اے بصیری را ردا بخشندۂ
بربطِ سلمیٰ مرا بخشندۂ

والسلام! محمد اقبال لاہور ۲۰ جون ۱۹۲۳ء

---

[1] غالباً نائٹ ہڈ کی رسم کی طرف اشارہ ہے جو خاص اہتمام سے ادا کی جاتی تھی۔

(۲۵)

بنام میر خورشید احمد

مکرمی جناب خورشید!

امین صاحب کا میری طرف سے بہت بہت شکریہ ادا کیجیے۔ قطعہ ان کا بہت اچھا ہے۔ کسی اخبار میں اس کی اشاعت کرا دیجیے شاید زمیندار اس مطلب کے لیے بہتر ہوگا۔

تعجب ہے عربی شعر کو جناب نیاز[1] (نگار) کسی عجمی کا بتاتے ہیں۔ وہ شعر حضرت بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو مصر کے مشہور شعرا میں سے ہیں۔ ان کا نام امام شرف الدین ہے چھٹی صدی کے آخر میں مصر میں پیدا ہوئے اور ساتویں صدی کے وسط میں بمقام قاہرہ ان کا انتقال ہوا۔ خالص عرب تھے۔ مشہور قصیدہ بردہ جس کا لوگ ورد کرتے ہیں انہی کی تصانیف سے ہے۔ والسلام!

میں ان شاء اللہ اگست میں شملہ آؤں گا۔

محمد اقبال لاہور ۲۶ جون ۱۹۲۲ء

---

(۲۶)

بنام منشی محمد الدین فوق

ڈیئر فوق صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ یہاں ہر طرح خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اگر آپ نے خواب میں مجھے دوزخ میں دیکھا ہے تو یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ لاہور آج کل دوزخ سے کم نہیں۔ باقی خیریت ہے۔ امید کہ آپکا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام!

مخلص محمد اقبال لاہور ۲۰ جون ۱۹۲۴ء

---

(۲۷)

بنام نصیر الدین ہاشمی

جناب من!

السلام علیکم۔ میں نقرس کی وجہ سے صاحب فراش تھا اس واسطے اس سے پہلے آپ کے خط کا جواب نہ دے سکا معاف فرمائیے۔

"دکن میں اردو" نہایت مفید کتاب ہے خصوصاً اس کا پہلا حصہ جو میں نے نہایت غور سے پڑھا۔ اردو زبان اور لٹریچر کی تاریخ کے لیے جس قدر مسالہ ممکن ہو جمع کرنا ضروری ہے۔ غالباً پنجاب میں بھی کچھ پرانا مسالہ موجود ہے۔ اگر اس کے جمع کرنے میں کسی کو کامیابی ہو گئی تو تاریخ اردو کے لیے نئے سوالات پیدا ہوں گے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

لاہور ۱۸ مئی ۱۹۲۵ء

نوٹ: اس خط کے چند سال بعد "پنجاب میں اردو" محمود شیرانی نے شائع کی۔

---

[1] جناب نیاز فتحپوری، مدیر نگار، لکھنؤ۔

بنام منشی محمد الدین فوق

(۲۸)

ڈیر فوق!

اودھ پنچ کا مضمون "بہاران لکھنؤ" کے جواب میں ہے۔ مجھے پہلے سے خیال تھا کہ اس کا جواب لکھا جائے گا، بہرحال موجودہ لٹریری مذاق کی حالت قابلِ ماتم ہے۔

ذخیرۃ الملوک (مصنفہ امیر کبیر سید علی ہمدانی) کے دیکھنے کا میں بھی مشتاق ہوں۔ سنا ہے کوئی شخص کشمیر میں اس کا ترجمہ اردو میں بھی کر رہا ہے۔ والسلام!

محمد اقبال۔ ۵ مئی ۱۹۲۶ء

بنام میر حسن الدین[1]

(۲۹)

جناب من!

السلام علیکم۔ مجھے کوئی تامل نہیں آپ بلا تکلف اس کا ترجمہ شائع فرما سکتے ہیں۔ مگر میرے نزدیک اس کا ترجمہ کچھ مفید نہ ہوگا۔ یہ کتاب اب سے اٹھارہ سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اس وقت سے بہت سے نئے امور انکشاف ہوئے ہیں اور خود میرے خیالات میں بھی بہت سا انقلاب آچکا ہے۔ جرمن زبان میں غزالی، طوسی وغیرہ پر علیحدہ کتابیں لکھی گئی ہیں جو میری تحریر کے وقت موجود نہ تھیں۔ میرے خیال میں اب اس کتاب کا تھوڑا سا حصہ باقی ہے جو تنقید کی رو سے بچ سکے۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے۔ میری رائے میں ترجمہ کرنے سے بہتر یہ بات ہے کہ آپ خود ایسی تاریخ لکھیں۔ فقط!

محمد اقبال لاہور ۱۸ جنوری ۱۹۲۷ء

(۳۰)

لاہور ۱۰ جولائی ۱۹۲۷ء

میر ولی اللہ[2] خوش نویس ائمہ جامع مسجد دہلی کے خاندان سے ہیں اور یہ وہ محترم خاندان ہے جس کے مورثِ اعلیٰ کو شہنشاہ شاہجہاں علیہ الرحمۃ نے بخارا سے بلا کر امام جامع مسجد مقرر کیا تھا۔ میر ولی اللہ کے دادا مولانا حافظ میر احمد علی مرحوم و مغفور ابو ظفر بہادر شاہ بادشاہ دہلی کے استاد تھے۔ ان کے والد حافظ سید محمد سعید سلطنتِ دکن اور بھوپال کے وظیفہ خوار تھے جو ان کو ان کی خاندانی شرافت و نجابت و تقویٰ کی بنا پر عطا کیا گیا تھا۔ میرے نزدیک اس خاندان کے افراد قدر کے مستحق ہیں۔

محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لا۔

---

[1] میر حسن الدین بی۔ اے ایل ایل بی وکیل جامعہ عثمانیہ کے ایک لائق سپوت تھے۔ اقبال کی کتاب "فلسفۂ عجم" کا ترجمہ کیا تھا جو بعد کو تصدق حسین صاحب تاج نے شائع کیا۔ یہ خط اسی کے ترجمہ کا ذکر کرتا ہے۔ حسن الدین صاحب نے حیدر آباد میں سالہا سال تک ایک ہفتہ وار اخبار "مملکت" مرتب اور شائع کیا۔ یہ خط تاج صاحب نے اداریے میں داخل کیا ہے اور اب تک نہیں چھپا ہے۔

[2] اصل خط ولی اللہ (بشیر) کے پاس محفوظ ہے جس کا فوٹو گراف انہوں نے مجھے دیا ہے جو میرے ذخیرے میں موجود ہے۔ ولی اللہ بشیر (جن کا ذکر اس خط میں ہے) یہاں موجود اور بڑے اچھے خطاط ہیں۔ (تمکین کاظمی)

بنام تمکین کاظمی

(۳۱)

جنابِ من[1]

تسلیم۔ نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ میں ذاتی طور پر ترجموں کا قائل نہیں ہوں۔ تاہم آپ چند اشعار ترجمہ کر کے بھیجئے تو میں رائے دینے کے قابل ہو سکوں گا۔ اس سے پہلے جو ترجمے وصول ہوئے بہت ناقص تھے۔ میں نے خود اسرارِ خودی پہلے اردو میں لکھنی شروع کی تھی مگر مطالب ادا کرنے سے قاصر رہا۔ جو حصہ لکھا گیا تھا اس کو تلف کر دیا گیا۔ کئی سال بعد پھر بھی کوشش میں نے کی۔ قریباً ڈیڑھ سو اشعار لکھے مگر میں ان سے مطمئن نہیں ہوں۔

محمد اقبال لاہور ۱۶؍اگست ۲۸ء

بنام تمکین کاظمی

(۳۲)

جنابِ من[2]

تسلیم۔ میں نے آپ کا ترجمہ دیکھا ہے افسوس کہ ناقص اور بعض بعض جگہ غلط ہے۔ میری رائے میں اس ترجمہ سے اردو لٹریچر کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ محض لفظی ترجمہ ادبی اعتبار سے بے سود بلکہ شاید مضر ہے۔ میری دوستانہ رائے یہ ہے کہ آپ اپنے اوقات کے لئے کوئی بہتر مصرف تلاش کریں۔ امید ہے کہ اس بے لاگ رائے سے آپ ناخوش نہ ہوں گے۔

محمد اقبال لاہور ۴؍ستمبر ۲۸ء

بنام تمکین کاظمی

(۳۳)

جنابِ من[3]

تسلیم۔ نوازش نامہ مل گیا ہے۔ نذیر و مجیر پر شوق سے مضمون لکھئے میری طرف سے اجازت ہے۔ فی الحال علالت کی وجہ سے بہت کم لکھتا پڑھتا ہوں۔ درد گردہ نے دو ماہ تک بیزار کیا۔ اب خدا کے فضل سے اچھا ہوں اور صحت کے خیال سے چند روز کے لئے شملہ میں مقیم ہوں۔ لاہور جاتے ہی فرصت کے اوقات الٰہیات اسلامیہ پر لیکچر لکھنے میں صرف ہوں گے جن کا وعدہ میں مسلم ایسوسی ایشن مدراس سے کر چکا ہوں اگر فروری ۲۹ء تک یہ لیکچر لکھ سکا تو مدراس میں پڑھے جائیں گے۔ امید ہے کہ آپ مجھے معاف فرمائیں گے۔

محمد اقبال شملہ ۱۸؍ستمبر ۲۸ء

---

1. یہ خط میرا اردو سے ہے۔ میں نے علامہ کی اسرارِ خودی کا ترجمہ اردو نظم میں کرنے کا ارادہ کیا تو اس کی اطلاع علامہ کو دی تو علامہ نے یہ جواب لکھا ہے۔ اصل خط میرے ذخیرے میں محفوظ ہے۔ (تمکین کاظمی)
2. اس خط کے متعلق لوگوں کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ یہ میرے نام ہے۔
میں نے اقبال کی فارسی نظموں کا اردو نظم میں ترجمہ کرنا شروع کیا تو ان دنوں مجھے قافیہ پیمائی کا شوق تھا اور اسی کو میں شاعری تصور کرتا تھا۔ یہ ترجمہ میں نے اقبال کو بھیجا تو انہوں نے یہ رائے دی جو اس خط میں آپ ملاحظہ کر رہے ہیں۔ میں نے غور کیا تو بالکل صحیح مشورہ تھا۔ اسی روز سے میں نے شاعری ترک کر دی اور اب بحمد اللہ اس سے کوسوں دور ہوں۔
میں علامہ اقبال کا ممنون ہوں کہ ان کی وجہ سے میں نے ایک بیکار مشغلے سے چھٹکارا حاصل کیا۔ یہ خط میرے پاس محفوظ ہے۔ (تمکین کاظمی)
3. یہ خط بھی میرے نام ہے جو محفوظ ہے۔ (تمکین کاظمی)

بنام غلام رسول مہر

(۳۴)

جناب ایڈیٹر صاحب انقلاب!

السلام علیکم ۔ ۲۶ ؍ جولائی کے انقلاب میں آپ نے نواب احمد یار خاں صاحب کے ایک مکتوب کا حوالہ دیا ہے۔ میں اس مکتوب کے متعلق چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں اور استدعا کرتا ہوں کہ سطور ذیل اپنے اخبار کے کسی کالم میں شائع فرما کر مجھے ممنون فرمائیے۔

نواب صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ کسی مطبوعہ پمفلٹ میں وہ تمام تجاویز درج تھیں جن پر اب انقلاب معترض ہے اور اس پمفلٹ کی تجاویز پر تمام مسلم ارکان کونسل نے دستخط ثبت کئے تھے اس واسطے نواب صاحب موصوف کے خیال میں اس مسئلہ کشی کے لئے صرف پنجاب سائمن کمیٹی[۱] کے ممبر ہی ذمہ دار نہیں بلکہ تمام مسلم ارکان کونسل ذمہ دار ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا یہ مطبوعہ پمفلٹ وہی تحریر ہے جس پر آپ نے متعدد مضامین "انقلاب" میں لکھے تھے اور جس کی تجاویز کے خلاف لاہور کے تمام میونسپل وارڈوں نے ریزولیشن پاس کئے تھے۔ یہ ریزولیشن بھی غالباً آپ کے اخبار میں شائع ہو چکے ہیں۔

پنجاب سائمن کمیٹی کی سفارشات کا مجھے کوئی علم نہیں۔ ان کی رپورٹ اب تک شائع نہیں ہوئی لیکن نواب صاحب کے خط سے جس کا ملخص آپ نے "انقلاب" میں شائع کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا خطرہ بالکل بجا ہے اور غالباً پنجاب سائمن کمیٹی کی سفارشات وہی ہیں جو مذکورہ بالا پمفلٹ میں درج تھیں۔ بہر حال میں نے متعدد ارکان کونسل سے دریافت کیا وہ سب کے سب پمفلٹ مذکورہ کی تجاویز پر دستخط کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ نواب احمد یار خاں صاحب سے بھی میں نے گفتگو کی وہ فرماتے ہیں کہ کوئی میٹنگ کسی جگہ ہوئی تھی جہاں مسلم ارکان کونسل نے ان تجاویز پر دستخط کئے تھے۔ ممکن ہے نواب صاحب کے پاس ان حضرات کے دستخط موجود ہوں۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں کسی ایسی میٹنگ میں شریک نہیں ہوا اور نہ کسی پمفلٹ کی تجاویز پر میں نے دستخط کئے ہیں۔ جن ارکان کونسل سے میں نے دریافت کیا ان کے اسمائے گرامی ذیل میں درج ہیں۔

سردار حبیب اللہ۔ مسٹر دین محمد۔ سید محمد حسین شاہ۔ مولوی سر رحیم بخش۔ پیر اکبر علی۔ ملک محمد امین شمس آبادی۔ مسٹر غلام رشید۔

ان حضرات نے بڑے زور سے نواب احمد یار خاں صاحب کے بیان کی تردید کی۔ مسٹر دین محمد تو شاید اس مضمون کی کوئی تحریر بھی آپ کی خدمت میں اشاعت کے لئے ارسال کر چکے ہیں۔ والسلام!

محمد اقبال شملہ ۲۸ ؍ جولائی ۱۹۲۹ء

---

[۱] سائمن کمیشن کی اعانت کے لئے ایک مرکزی سائمن کمیٹی بنی تھی، اس کے علاوہ مختلف صوبوں میں بھی سائمن کمیٹیاں بن گئی تھیں۔ پنجاب سائمن کمیٹی کی سفارشات شائع ہونے سے قبل ایک پمفلٹ شائع ہوا تھا جس میں یہی باتیں درج تھیں جنہیں پیش نظر رکھتے ہوئے شبہ ہوتا تھا کہ کمیٹی کی سفارشات بھی اسی نوعیت کی ہوں گی۔ "انقلاب" میں اس پمفلٹ پر نکتہ چینی کی گئی۔ نواب احمد یار خاں مرحوم نے تحریر فرمایا کہ اس پمفلٹ پر پنجاب کونسل کے مسلم ممبروں نے دستخط کئے تھے۔ حضرت علامہ مرحوم اس زمانے میں کونسل کے ممبر تھے انہوں نے فوراً اعلان کر دیا کہ میں نے کسی ایسے پمفلٹ پر دستخط نہیں کئے۔ نیز جن ممبروں کے نام درج کئے ہیں، انہوں نے بھی مرحوم کے استفسار پر دستخط کرنے سے صاف انکار کیا۔ یہ گویا نواب احمد یار خاں مرحوم کے بیان کی تردید تھی۔

(۳۵)

بنام پروفیسر رشید احمد صدیقی

جناب صدیقی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط مل گیا ہے۔

میری رائے ناقص میں خواجہ حافظ کے شعر میں "بادیہ پیمائی" ہے[۱]۔
پہلے مصرع میں "اینجا" سے مراد "دریں بادیہ" ہے۔ مفہوم شعر کا یہ ہے کہ اس دشت میں سینکڑوں ہوائیں بے سلسلہ یعنی بے زنجیر، آزادانہ، رقص کر رہی ہیں اور یہی ہوائیں اے دل تیری رفیق و حریف یعنی رفیق ہیں جب تک تو بادیہ پیما ہے۔ یا ان کا رقص اس غرض سے ہے کہ تو آسانی اور اطمینان سے اس صحرا کو طے کرے۔ شاعر کا مقصود اپنے آپ کو تسکین دینا ہے کہ تو اس بادیہ گردی میں تنہا نہیں ہے بلکہ عالم کا ہر ذرہ تیری ہی خاطر حالت رقص میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلا مصرع بہت بلند ہے اور کسی اور مضمون کا متقاضی ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور ۲ دسمبر ۲۹ء

(۳۶)

بنام مدیر انقلاب مہر صاحب

جناب مدیر انقلاب!

السلام علیکم۔ آپ کے بیش قیمت کالموں کی وساطت سے میں ان بے شمار احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے میرے والد مرحوم کی وفات پر مجھ سے اور میرے اعزا سے اظہار ہمدردی فرمایا۔ خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ چونکہ فرداً فرداً خطوط اور برقی پیامات کا جواب لکھنے سے قاصر ہوں اس واسطے آپ سے درخواست ہے کہ میرا دلی شکریہ میرے احباب تک پہنچا کر مجھے ممنون فرمایئے۔ والسلام!

مخلص محمد اقبال لاہور یکم ستمبر ۳۰ء

۱؎ خواجہ حافظ کا شعر یہ ہے ؎

صد باد صبا اینجا بے سلسلہ می رقصند — این است حریف اے دل تا بادیہ پیمائی

"بادیہ پیمائی" کی جگہ دیوان میں دو نسخے ہیں۔ ایک "باد نہ پیمائی" دوسرا "بادہ نہ پیمائی"۔ سوال غالباً یہ تھا کہ تینوں میں سے کون سا صحیح ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے "بادیہ پیمائی" کو درست قرار دیا۔

بنام مہر صاحب

(۳۷)

ڈیر مہر صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کے اخبار میں یہ شائع ہوا ہے کہ جموں کے حوادث کے متعلق جو پرسن رونما ہوئے تمام فوٹو لے لئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ سری نگر میں جو آتش باری ہوئی اس کے فوٹو بھی میں نے سنا ہے موجود ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اپنے کسی دوست یا نامہ نگار کی معرفت تمام مذکورہ بالا فوٹو حاصل کر سکیں؟ یہ کام نہایت ضروری اور مفید ہے۔ اس کے لئے فوراً کوشش شروع کیجئے اور میرے انگلستان روانہ ہونے سے پہلے سب کو حاصل کر لیجئے۔ آپ کا جہاز مکتوب ہو چکا یا نہیں؟ چودھری صاحب تو رہ گئے[1]۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور ۱۶ر اگست ۳۱ء

بنام مہر صاحب

(۳۸)

ڈیر مہر صاحب!

السلام علیکم۔ میں تو دہلی کے لئے تیار تھا اور اب علی بخش بستر وغیرہ بھی باندھ چکا تھا۔ خیال تھا کہ گوٹ کی تکلیف جو مجھے گذشتہ رات ہو گئی تھی آج شام تک رفع ہو جائے گی۔ میں نے اس کا علاج بھی کیا مگر اب گرگابی پہنی تو تکلیف بڑھ گئی۔ اس واسطے میں دہلی نہ جا سکوں گا۔ میری طرف سے ورکنگ کمیٹی کی خدمت میں نیز سیٹھ صاحب کی خدمت میں معذرت کر دیجئے[2]۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور ۴ر جنوری ۳۲ء

---

[1] علامہ مرحوم دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے عازم لندن ہونے والے تھے۔ اس سے پیشتر جموں اور کشمیر میں مسلمانوں کی طرف سے اپنے حقوق کی بازیافت کے لئے تحریک شروع ہو چکی تھی اور حکومت کشمیر نے مسلمانوں پر سخت ظلم کئے تھے۔ "حوادث" میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ میں بھی لندن جا رہا تھا اس لئے مرحوم نے استفسار فرمایا کہ جہاز میں نشست کا بندوبست کر لیا ہے یا نہیں۔ چودھری صاحب سے یہاں بھی چودھری محمد حسین مرحوم مراد ہیں۔

[2] اس مکتوب میں آل انڈیا مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کی طرف اشارہ ہے جو دہلی میں منعقد ہونے والا تھا۔ میں بھی اس کا ممبر تھا اور ساتھ جانے والا تھا لہذا مجھے اطلاع دی کہ نقرس کی تکلیف شروع ہو جانے کے باعث میرا جانا مشکل ہے۔ سیٹھ صاحب سے مراد حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون مرحوم ہیں جنہوں نے علامہ مرحوم کو تشریف آوری کے لئے تاکیدی پیغام بھیجا تھا۔ — مہر

(۳۹)

بنام مہر صاحب

ڈیر مہر صاحب!

میں تو آج دہلی جانے کے لئے تیار ہو گیا تھا مگر جاوید کا بخار بدستور ہے۔ رات بھی اسے ایک سو پانچ ہو گیا تھا۔ آج ڈاکٹر صاحب نے دیکھا ہے ان کو شبہ ہے کہ بخار میعادی ہے۔ پختہ پتہ کل صبح کے معائنے سے ہوگا۔ اس تشویش کی حالت میں میرے لئے سفر مشکل ہے۔ ڈاکٹر نے بھی یہی مشورہ دیا ہے۔ آپ میری طرف سے ہز ہائی نس[۱] کی خدمت میں معذرت کریں کہ میں ان کے حکم کی تعمیل میں سفر کے لئے تیار تھا مگر مذکورہ بالا ناگہانی افتاد کی وجہ سے رک گیا۔ زیادہ کیا عرض کروں بہت مشوش ہوں۔ والسلام!

محمد اقبال ۲۹ر فروری ۳۲ء

(۴۰)

بنام نصیر الدین ہاشمی

مخدوم من!

"یورپ میں دکنی مخطوطات" کا نسخہ جو آپ نے بکمال عنایت مجھے مرحمت فرمایا ہے اس کے لئے نہایت شکرگزار ہوں۔ یہ کتاب اردو زبان اور لٹریچر کی تاریخ میں نہایت مفید ثابت ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ایسی مفید تالیفات کا سلسلہ جاری رکھ سکنے میں کامیاب ہوں گے۔ ابھی بہت سے مواد کا جمع ہونا اور بہت سی کتابوں کے صحیح ایڈیشنوں کا چھپنا باقی ہے تاکہ اردو کے ارتقا کی ایک تاریخ مدون ہو سکے۔ آپ کا یہ کارنامہ قابلِ قدر ہے اور میں آپ کو اس کتاب کی اشاعت پر مبارکباد دیتا ہوں۔ مخلص محمد اقبال۔ لاہور ۸ مارچ ۳۲ء

(۴۱)

بنام مہر صاحب

ڈیر مہر صاحب!

گذشتہ رات پنڈت موتی لال نہرو کا ایک تار میرے نام آیا تھا جس کا مقصود یہ تھا کہ میں اس بیان پر دستخط کروں جو دہلی سے شائع ہوا ہے اور جو آج کے "انقلاب" میں بھی شائع ہوا ہے۔ اس کے جواب میں مندرجہ ذیل تار دیا گیا ہے:

Committed to joint statement already issued from Lahore. Sorry cannot now Sign another statement. Another Unity Conference essential

Sd. Md. Iqbal

محمد اقبال

۱؎ اس مکتوب میں "ہز ہائی نس" سے مراد اعلیٰ حضرت نواب حمید اللہ خاں بہادر والیٔ بھوپال ہیں۔ بہت کم اصحاب کو معلوم ہوگا کہ کشمیر میں مسلمانوں نے جو تحریک شروع کر رکھی تھی اس میں ایک موقع پر مہاراجہ ہری سنگھ والیٔ کشمیر کی خواہش کے مطابق اعلیٰ حضرت نواب حمید اللہ خاں والیٔ بھوپال مصالحت کرا دینے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اس ضمن میں اعلیٰ حضرت نے علامہ مرحوم کی وساطت سے گفتگو شروع کی تھی چنانچہ حضرت مرحوم دو مرتبہ بھوپال تشریف لے گئے۔ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت دہلی آئے تو حضرت علامہ کو اسی گفتگو کے لئے دہلی بلایا۔ حضرت علامہ عزیزی جاوید کی علالت کے باعث جا نہ سکے اور میں نے دہلی پہنچ کر پیام معذرت اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔

مہر

بنام مولانا عرفان صاحب

(۴۲)

۵ جولائی ۱۹۳۲ء

(بصیغۂ راز)

جناب مولانا!

السلام علیکم۔ مولانا شوکت علی تو اس وقت مفتی کی تیاریوں میں مصروف ہوں گے۔ آپ ان سے دریافت حالات کر کے مجھ کو مطلع کریں۔ کچھ روز ہوئے میں نے ان کی خدمت میں لکھا تھا کہ ایک ہندو بزرگ مسٹر طلعت کا خط میرے پاس آیا تھا اس کا مضمون یہ تھا کہ "مہاتما جی سمجھے ہماری اسکیم کو جو تم نے لیگ کی صدارتی ایڈریس میں پیش کی تھی تسلیم کرتے ہیں۔ پنڈت مالویہ سے بھی مشورہ کرنے کے لئے جا رہا ہوں وہ بھی ہندو مسلمانوں کی صلح کی خاطر اس کو تسلیم کر لیں گے۔ مگر اس وقت علانیہ طور پر اس سکیم کو تسلیم کر لینا مصلحت نہیں ہے۔" یہ خط بصیغۂ راز تھا اور اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ میں نے مولانا شوکت علی صاحب سے بھی گفتگو کی ہے وہ بھی صلح پر آمادہ ہیں۔ اسکیم جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے آپ سمجھ گئے ہوں گے یعنی شمال ہندوستان کے مسلمان صوبوں کا ایک ہو جانا۔

اس خط کے موصول ہونے پر میں نے مولانا شوکت علی کو لکھا اور انہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ مسٹر طلعت ان سے ملے تھے میں نے مسٹر موصوف کو دو خط اس کے جواب میں لکھے تھے مگر یہ خط قریباً ایک ماہ کے بعد ڈیڈ لیٹر آفس کے ذریعہ سے میرے پاس آ گئے ہیں۔ پہلے مجھ کو شبہ تھا کہ اس میں کوئی چال اور عیاری ہو مگر اب خطوں کے واپس آ جانے سے یہ شبہ رفع ہوا۔ مسٹر طلعت اب معلوم نہیں کہاں ہیں؟ اور مذکورہ بالا خط لکھنے سے ان کا کیا مقصد تھا۔ ممکن ہے مولانا شوکت علی اس پر کچھ روشنی ڈال سکیں۔ بعض لوگ مشورہ دے رہے ہیں کہ میرے خطوط کے واپس آ جانے کے بعد مسٹر طلعت کے خط کو شائع کر دینا چاہئے۔ اگر ممکن ہو تو حالات دریافت کرنے کے بعد مجھ کو مطلع فرمائیں۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

افسوس کہ بمبئی کے فسادات ختم ہونے میں نہیں آتے۔

مخلص محمد اقبال

بنام مہر صاحب

(۴۳)

ڈیئر مہر صاحب!

کل صبح اندلس پہنچے۔ یہاں سے قرطبہ، غرناطہ وغیرہ جائیں گے اور فروری تک واپس پہنچنا ہے۔

آج یہاں کے وزیر تعلیم سے ملاقات ہوئی اور پروفیسر آسین سے جنہوں نے دانتے کی ڈیوائن کامیڈی اور اسلام پر کتاب لکھی ہے۔ عنقریب مجھ و بیبر سے غالباً ملاقات ہوگی۔ امید ہے سب طرح خیریت ہوگی۔

چودھری صاحب سے مضمون یوا لفت۔

محمد اقبال

[1] یہ مکتوب بغیر تاریخ ہے مگر اس کی عبارت سے ظاہر ہے اسپانیہ کے دار الحکومت میڈرڈ سے بھیجا گیا تھا۔ ۱۹۳۲ء کے اواخر میں حضرت علامہ تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن گئے تھے تو اس سے فارغ ہو کر اسلامی یادگاروں کو دیکھنے کے لئے اسپانیہ پہنچے تھے۔ چودھری صاحب سے مقصود چودھری محمد حسین مرحوم ہیں۔

(۴۴)

بنام مہر صاحب

پیرس

ڈیر مہر صاحب!

السلام علیکم۔ کل "انقلاب" کے بہت سے نمبر اقبال شیدائی صاحب[1] سے مل گئے جن کو پڑھ کر بہت مسرت ہوئی۔ ۱۱ تاریخ کو ہسپانیہ کے سفر سے واپس آیا۔ اب ۱۰ فروری کو وینس سے اطالوی جہاز کانٹے وردی پر سوار ہو کر ۲۲ کی صبح کو انشاءاللہ بمبئی پہنچ جاؤں گا۔ ہسپانیہ میں جو کچھ دیکھا ایک خط کے تنگ دامن میں کیونکر سما سکتا ہے؟

امید ہے آپ کا مزاج بخیر و عافیت ہوگا۔ چودھری محمد حسین صاحب کی خدمت میں سلام عرض کیجئے اور گھر پر بھی خیر و خیریت بھیج دیجئے۔

خان صاحب ذکاء الدین[2] کی وفات کی خبر پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ خدا تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے۔ ان کے اعزا تک میری طرف سے تعزیت پہنچا دیجئے۔ مجھے ان میں سے کسی کا ایڈریس معلوم نہیں۔

سالک صاحب کس رنگ میں ہیں؟

محمد اقبال یکم فروری ۱۹۳۳ء

---

(۴۵)

بنام مہر صاحب

ڈیر مہر صاحب

یہ اس خط کی نقل ہے جو مسٹر آصف علی بیرسٹر ایٹ لاء نے ان حضرات کے نام لکھا تھا جن کے دستخط اپیل مسلم لیگ والے مینی فیسٹو پر تھے۔ آپ کے ملاحظہ کے لئے ارسال کرتا ہوں۔ "ہمدم" کا ایڈیٹوریل مفتی اعظم کے متعلق جو نوٹ ہے اسے بھی پڑھ لیجئے۔

اس کے علاوہ اقبال شیدائی کا خط پیرس سے آیا ہے وہ آپ سے متوقع ہے کہ ساہوکاروں اور سود کے متعلق چند مضامین لکھیں جو عام ہوں۔ ان میں پنجاب کے مسلمانوں کے قرضے کا بھی عام طور پر ذکر ہو۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ایسے مضامین مسلمانوں کے متعلق ہمدردی پیدا کرنے میں ممد و معاون ہوں گے۔ والسلام!

محمد اقبال

---

[1] انگریزی دور حکومت کے مشہور انقلابی جو پیرس میں مقیم تھے، پاکستان بن جانے کے بعد وطن واپس آ گئے۔ آج کل کاروبار میں مشغول ہیں۔

[2] خان صاحب ذکاء الدین خان مرحوم ڈسٹرکٹ و سیشن جج جو ڈاکٹر صاحب کے دوست تھے۔

Kucha chelan
Delhi 15. Z. 33.
From - Mr. Asif Ali, Bar-at-Law,

The enclosed letter is a draft manifesto which speak for itself. There is every chance of resuscitating the League after a close examination of the possibilities of making the League representative organization. I can assure you that if we proceed in the manner suggested in the manifesto we can secure the objects we have in view. I am, therefore, requesting you to let me know by wire before the 29th April, 1933, if you agree with the manifesto or you may suggest any alterations.

It is proposed to issue the manifesto to the press on the 30th instt. and unless you suggest any -alteration or decline to be signatory you will be included among the signatories'

Further I request you to send in nominations to the council of the league to be put up before the councile see that all of them are reliable and energetic persons.

Further still I must request you to sed that those who are under notice to pay up arrears lest they are put along with other defaulters (who must be removed or struk off).

I am confident that if we enorl a large electorate of Rs.1/- member we can make the League really representative, I need hardly emphasize the necessity of reorganizing the League befor 1935. The future of muslim politics depend entirely on sound organizations and disorganized muslims will be a source of great weknes and the responsibilities of allowing-the interest of the community no less than this country to suffer, will be ours if we neglect our duty now.

Those who have used the League and other organizations for selfish and narrow ends of their tethervand must go it will be very serious to fail to be stirred now and step in to the field.

Please do you duty.

(۳۶)

بنام منشی محمد الدین فوق

ڈیر فوق صاحب!

مجھے معلوم نہیں لفظ سپرو کے معانی کشمیری زبان میں کیا ہیں۔ ممکن ہے اس کے معنی وہی ہوں جو آپ نے تحریر فرمائے ہیں یعنی وہ لڑکا جو چھوٹی عمر میں بڑوں کی سی ذہانت دکھائے۔ البتہ کشمیری برہمنوں کی جو گوت سپرو ہے اس کے اصل کے متعلق جو کچھ میں نے اپنے والد مرحوم سے سنا تھا وہ عرض کرتا ہوں۔

جب مسلمانوں کا کشمیر میں دور دورہ ہوا تو چونکہ برہمن کشمیر مسلمانوں کے علوم و زبان کی طرف بوجہ قدامت پرستی یا اور وجوہ کے توجہ نہ کرتے تھے اس قوم میں سے پہلے جس گروہ نے فارسی زبان وغیرہ کی طرف توجہ کی اور اس میں امتیاز حاصل کر کے حکومت اسلامی کا اعتماد حاصل کیا وہ سپرو کہلایا۔ اس لفظ کے معنی ہیں وہ شخص جو سب سے پہلے پڑھنا شروع کرے یا جس نے سب سے پہلے پڑھنا شروع کیا۔ اس لفظ کے ملتے جلتے کئی زبانوں میں آئے ہیں اور "پرہ" کا مادہ وہی ہے جو ہمارے مصدر "پڑھنا" کا ہے۔

والد مرحوم کہتے تھے کہ یہ نام کشمیر کے برہمنوں نے اپنے ان بھائی بندوں کو از راہ تعریض و تحقیر دیا تھا جنہوں نے قدیم رسوم و تعلقات قومی و مذہبی کو چھوڑ کر سب سے پہلے اسلامی زبان و علوم کو سیکھنا شروع کیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ نام ایک مستقل گوت ہو کر مشہور ہو گیا۔

ڈیرل انیک چند (ایم۔ اے) جو پنجاب میں کمشنر تھے ان کو تحقیق لسان کا بڑا شوق تھا۔ ایک دفعہ انبالہ میں انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ لفظ سپرو کا تعلق ایران کے قدیم بادشاہ شاہ پور سے ہے اور سپرو حقیقت میں ایرانی ہیں جو اسلام سے بہت پہلے ایران کو چھوڑ کر کشمیر میں آباد ہو گئے تھے اور اپنی ذہانت و فطانت کی وجہ سے برہمنوں میں داخل ہو گئے۔ واللہ اعلم۔

پنجاب میں جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی گھر مسلمان سپرو خاندان کا نہیں ہے۔ اعجاز[2] کی شادی کے وقت اس امر کی جستجو کی گئی تھی مگر ناکامی ہوئی۔

محمد اقبال ۱۹ جنوری سنہ ۱۹۳۴ء

(۳۷)

بنام مولوی عبدالحق صاحب

مخدومی!

السلام علیکم۔ مزاج اقدس! آپ کی کانفرنس کے دو پروگرام دیکھنے میں آئے ہیں ایک انگریزی میں اور ایک اردو میں۔ انگریزی پروگرام کی رو سے اجلاس عام ۲۸ کو ہے اور اردو پروگرام میں ۲۹ کو بتلایا گیا ہے آپ اگرچہ آج کل بے حد مصروف ہیں مگر اتنی تکلیف آپ کو دوں گا کہ مجھے آپ اطلاع دیں کہ کونسا پروگرام صحیح سمجھا جائے نیز یہ کہ مشاعرہ کس تاریخ کو ہے؟

جواب بر رجسٹرڈ جاوید منزل کے پتے پر ارسال فرمائیں کیونکہ کالج کل سے بند ہو رہا ہے۔ والسلام مع الاکرام!

مخلص محمد اقبال ۲۰ دسمبر سنہ ۱۹۳۶ء

---

[1] علامہ اقبال بھی کشمیری برہمنوں کی سپرو گوت سے تعلق رکھتے تھے۔ تفصیل کے لیے منشی محمد الدین فوق کی کتاب "تاریخ اقوام کشمیر" دیکھیے۔

[2] حضرت علامہ کے بھتیجے شیخ اعجاز احمد صاحب۔

بنام منشی محمد الدین فوق

(۴۸)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ خط و رسید ابھی موصول ہوا۔ کل گورکھپور سے حکیم برہم کا خط آیا تھا انہوں نے [illegible]ھ۔ کا "ریاض الاخبار" ارسال کرنے کا وعدہ کیا ہے مگر ابھی پہنچا نہیں۔ اس پرچہ سے حضرت ریاض (خیرآبادی) کی رائے معلوم ہوگی۔ حکیم برہم لکھتے ہیں کہ ہم لوگ آپ کے بہت مشکور ہیں۔ والسلام!

آپ کا اقبال!

اس انگریزی مضمون کا ترجمہ بھی انشاء اللہ ضرور شائع ہوگا۔ غالباً شیخ عبدالقادر صاحب کریں گے کیونکہ انہوں نے یہ کام اپنے ذمہ لیا ہوا ہے۔ ایڈیٹر سول اینڈ ملٹری نیوز کا میری طرف سے شکریہ ادا کریں۔

آپ کا اقبال!

میں ایڈیٹر صاحب سول اینڈ ملٹری نیوز کا دل سے ممنون ہوں۔ جو رائے انہوں نے میرے ٹوٹے پھوٹے اشعار کی نسبت اپنے قیمتی اخبار میں ظاہر فرمائی ہے حقیقت میں میں اس کے قابل نہیں ؎

حق تو یوں ہے کہ ہوں سب شعرا سے بدتر

آپ اچھے ہیں جو کہتے ہیں جلال اچھا ہے

میں ایڈیٹر صاحب کو یقین دلاتا ہوں کہ انشاء اللہ اس انگریزی مضمون کا ترجمہ شیخ عبدالقادر صاحب ایڈیٹر مخزن کریں گے۔

اقبالؔ

لفافہ پر: مل گیا۔ گلدستہ شفق کا آخری نمبر ضرور دیکھیے۔ اس میں حسرت موہانی نے ایک ..... حملہ آپ پر کیا ہے۔

اقبالؔ

(تاریخ ندارد)

بنام سید مبارک شاہ صاحب جیلانی

(۴۹)

جناب من!

السلام علیکم۔ افسوس ہے کہ میں آپ کے تعمیل ارشاد سے قاصر ہوں۔ مجھے فرصت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ فرمائشی اشعار کیونکر لکھے جا سکتے ہیں۔

محمد اقبال!

سر عبدالقادر

بنام خان بہادر بشیر الدین احمد صاحب

(۱)

جناب کرم بندہ مولوی صاحب۔ السلام علیکم۔ پندرہ کاپی پراسپکٹس کی ارسال خدمت ہیں۔ انہیں کاپیوں کے ساتھ ابھی درخواست فارم کے کارڈ شامل نہیں کئے گئے۔ لیکن چونکہ آپ کی اخبار میں مخزن پر نوٹ لکھنے کے لئے پراسپکٹس کی ضرورت تھی آپ کو فوراً جلدی ہی روانہ کیا گیا ہے۔ آپ خود ملاحظہ فرما کر نوٹ لکھ دیجئے۔ اور بعد میں باقی ماندہ کاپیاں اپنے احباب میں تقسیم کرا دیجئے۔ تاکہ جو صاحب شمارہ میں خریداری کا قصد رکھتے ہوں ان کے کارڈ میرے نام جلد پہنچ جائیں۔ اور مجھے پہلا نمبر نکالنے سے پہلے قدرے اندازہ لگانے کا موقع ملے کہ مانگ کہاں تک ہوگی۔

لاہور ۲۰ مارچ ۱۹۰۱ء بندہ عبدالقادر

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

(۲)

میرے کرم فرما جناب خانصاحب۔ السلام علیکم۔ کارڈ مورخہ ۲ مارچ اور لفافہ مورخہ ۴ مارچ پے در پے پہنچے۔ یادآوری کا مشکور ہوں۔ نہایت خوشی ہے کہ آپ بخیریت وطن پہنچ گئے اب "باز آ" کا مضمون انشاءاللہ اکتوبر میں چھپ جائے گا۔ اگر آپ کوئی نقش یہاں سے دل پر لے گئے ہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس سے گہرا نقش آپ چھوڑ گئے ہیں۔ ایک دل پر نہیں بلکہ کئی دلوں پر۔ ہمارے میر نیرنگ صاحب نے انبالے پہنچ کر خط لکھا ہے جس میں آپ سے تعارف ہو جانے کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ اور یہاں کے احباب میں تو اکثر آپ کا ذکر خیر رہتا ہے۔ ابزرور کے منیجر صاحب کو لکھ بھیجا ہوں کہ وی پی جناب عزیز اللہ خاں صاحب کی خدمت میں بھیج دے۔ اور مخزن بھی علٰحدہ پھرا دے دیتا ہوں۔ آپ کی تقریر دطن کے اگلے پرچے میں شائع ہوگی انہوں نے مولوی محبوب عالم صاحب سے لے لی تھی۔ اگر آپ کو بہت زیادہ کاپیاں درکار ہوں تو اخبار کی چند زائد کاپیاں چھپوا کر آپ کو بھجوائی جا سکتی ہیں۔ ورنہ وہاں سے کاغذ فارغ ہوتے ہی مطبع مفاد عام میں دے دوں گا۔ اور ڈیڑھ سو کاپی حسب ایما چھپوا کر بھجوا دوں گا۔ تیر نور جہاں کے متعلق نظم کا منتظر ہوں۔ زیادہ شوق۔

۶ مارچ ۱۹۰۲ء بندہ شیخ عبدالقادر از لاہور

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

(۳)

جناب کرم فرمائے بندہ خان صاحب زاد عنایتکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ نظم مرسلہ پہنچی۔ واقعی تقریر عبرت ہے۔ آپ نے جو مضمون انتخاب کیا ہے وہ تو ایسا ہے کہ اس پر کوئی چاہے تو ایک کتاب لکھ دے۔ چند سطروں میں کیا لکھا جا سکتا ہے۔ مگر جو آپ نے لکھا ہے نہایت صاف اور پاکیزہ اور دل گداز ہے۔ اپریل کے پرچے میں آپ اس نظم کو دیکھیں گے۔ یا شاید نئے سال کی ابتدا میں آپ کی نظم چھپے گی۔ خدا کرے کہ سال بھر آپ کے کلام نظم و نثر سے فیض پہنچتا رہے۔ میں نے آپ کا ریویو پڑھا۔ اور پھر کئی دوستوں کو پڑھنے کے لئے دیا۔ سب ہی نے بہت پسندیدگی کا ہے۔ آپ نے حیات جاوید کی داد بھی خوب دی ہے اور اس پر تنقید بھی خوب لکھی ہے۔ حیات جاوید ایک ایسی کتاب ہے جس پر بہت سے ریویو نکلنے چاہئے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ اپنی قسم کا یہ پہلا ہی نکلا ہے۔ اور یقین نہیں کہ اور بعد میں جلد نکلیں۔ مجھے افسوس ہے کہ مولوی غلام محمد صاحب کے سفر سے آپ نے اور نامی شاہ سلیمان صاحب نے امرتسر کا سفر ملتوی کر دیا۔ آج میرے پاس خط ملا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے صاحبان آپ کے منتظر تھے۔ بہرحال پھر موقع بشرط خیریت آیا جاتا ہے۔ منشی محبوب عالم صاحب اور شیخ محمد اقبال صاحب کو آپ کا سلام شوق پہنچا دیا تھا۔ وہ اسی شوق سے جواب سلام عرض کرنے کی فرمائش کرتے ہیں۔

۱۴ مارچ ۱۹۰۲ء　　　بندہ شیخ عبدالقادر از لاہور

---

(۴)

بنام خان بہادر بشیر الدین احمد صاحب

جناب مکرم بندہ مولوی صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا عنایت نامہ مرقومہ ۱۰ اپریل ملا۔ اس سے پہلے بھی ایک خط آپ کا آیا تھا جس کے جواب میں بوجہ علالت تاخیر ہوئی۔ کوئی ماسٹر ایسا مجھے دستیاب نہیں ہوا جس کو آپ کے ہاں بھیج سکوں۔ متلاشی رہوں گا۔

جن لڑکوں کے سرٹیفیکیٹ درکار ہیں۔ ان سب کے رول نمبر اور نام وغیرہ ٹھیک طور پر دریافت کر کے بھیج دئیے ہیں میں آپ کو سرٹیفیکیٹ بھجوا دوں گا۔ مگر سرٹیفیکیٹ عرصے سے تقسیم ہو چکے ہیں۔ یہاں قاعدہ یہ ہے کہ پرائیویٹ سٹوڈنٹ کی درخواست میں جب تک کسی ایسے شخص کے ذریعہ نہ آئے جن کو وہ ذاتی طور سے پہچانتی ہو علاوہ سند کے لئے غور نہیں ہوتا۔

مخزن کا دوسرا سال شروع ہو گیا ہے اور پہلے میں کسی قدر حجم بڑھا دیا گیا ہے۔ اپریل کا پرچہ کل آپ کو بھیجا جائے گا۔ چند سطور میں نوازش کے لئے۔

لاہور ۲۳ اپریل ۱۹۰۲ء　　　بندہ شیخ عبدالقادر

---

(۵)

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

جناب مکرم بندہ خان صاحب۔ السلام علیکم۔ گو عام عقل انسانی یہ تقاضا کرتی ہے کہ اگر کوئی ایک سال کے عرصے میں دو دفعہ پنجاب آ چکا ہو اور ان سفروں میں سے ایک دربار کی چپقلش کا سفر ہو تو اسے پھر تحریک سفر کرنا نامناسب ہے مگر عشق اس عقل کو کیا کرے کہ بہتا کہیں نہیں

آپ کا پچھلے سال جلسۂ انجمن کے موقع پر لاہور میں رونق افروز ہونا کچھ ایسا پسند آگیا ہے اور آپ کی آواز انجمن کے پلیٹ فارم پر پھر سننے کا اشتیاق ایسا ہے کہ وہ مجھے مجبور کرتا ہے کہ آپ کو پھر بلاؤں۔ باوجودیکہ آج ہی سیکرٹری صاحب سے سن چکا ہوں کہ آپ نے عذر کر دیا ہے۔ میرا مطلب لکھنے سے یہ نہیں کہ آپ اپنے کاروبار دنیاوی چھوڑ کر جلسے دیکھنے پر تُل جائیں مگر اتنا ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ اگر کسی سخت ہرج یا نقصان کے بغیر آپ آسکیں اور اصلی رکاوٹ صرف سہ بارہ سفر پنجاب کی تکلیف سے بچنے کی ہی ہو تو اپنے مشتاقانِ جمال کی خاطر اس کو بھی "بلائے غم ہائے دگر" گوارا کر لیجئے۔ اس درخواست میں اقبال اور میر نیرنگ بھی میرے ساتھ شریک ہیں۔ بلکہ حقیقت یوں ہے کہ میر صاحب کے ایک فقرے نے مجھے اس پر جسارت درخواست کرنے پر آمادہ کیا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ اگر آپ کے خانصاحب سے دو مہینے میں ملاقات کرا دو تو جانیں۔ اب میں کچھ آپ کی طرح تسخیر کا عمل تو رکھتا نہیں کہ جسے اور جب چاہوں بلالوں۔ یہی ہے کہ جذبِ دل آزما دیکھوں۔ سو یہ چند حروف لکھتا ہوں میں اکثر یہ دعا مانگا کرتا ہوں کہ خدا ہماری قوم میں ایسے اصحاب پیدا کر دے جو آسودہ حال ہوں اور گو کاروبار اور مشاغل رکھتے ہوں مگر فکر معیشت سے آزاد ہوں اور مشاغل علمی اور قومی کے لئے بہت سا وقت ان کے قابو اور اختیار میں ہو اور اس دعا کے وقت آپ جیسے حضرات کی تصویر سامنے ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر آپ کو بھی علائق کی مجبوری ایسے مواقع سے جیسے کہ جلسہ انجمن ہے روک سکے تو پھر امید کس کی طرف نظر اٹھائے۔

۹ فروری ۱۹۰۴ء — بندہ شیخ عبدالقادر از لاہور

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

(۶)

میرے عنایت فرما جناب خانصاحب بہادر۔ السلام علیکم۔ کچھ ایسے اتفاقات پیش آئے ہیں کہ وہ جو سال میں ایک آدھ دفعہ آپ سے ملاقات کے سامان ہو جایا کرتے تھے۔ اور یہ وہ موقع ہوتے تھے جن کا میں شوق سے منتظر رہا کرتا تھا کوئی دو تین سال کے لئے ان کی راہ مسدود ہو۔ اور میں یہ عرصہ ہندوستان سے باہر گزاروں۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ کوئی دو مہینے کے اندر سفر انگلستان کا عازم ہوں اور وہاں مقصد تمام تکمیل فن اخبار نویسی ہے۔ اور اس کے علاوہ کوئی اور چیز بھی حاصل کرنے کا موقع ہو جائے تو وہ بھی نشو و نما بالائی میں سمجھ کر حاصل کر لی جائے گی۔ اس لئے اس عزم سے آپ کو مطلع کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ کیونکہ آپ ان چیدہ بزرگان قوم میں ہیں جن سے مجھے گو نیاز دیرینہ نہیں مگر تھوڑے ہی دنوں میں تعلق گہرا ہو گیا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ آپ سے خواستگار دعا ہوں کہ خدا مجھے اس کام میں برکت دے۔ اور توفیق عطا فرمائے۔ کہ واپس آکر پھر کچھ خدمت اس کے بدولت کی کر سکوں۔ آپ سے ایک دوستانہ التماس ہے کہ میری غیر حاضری میں آپ مخزن کے حال پر خاص نظر عنایت رکھیں۔ اس کا ضرور تو انتظام کیا گیا ہے کہ یہ رسالہ میرے پیچھے چلتا رہے۔ ترتیب و اصلاح مضامین وغیرہ کا کام بدستور میں اپنے ہاتھوں میں رکھوں گا اور وہاں سے ایڈٹ کر کے بھیجتا رہوں گا۔ اور یہاں دفتر کا انتظام آگے سے عمدہ کر کے جاؤں گا۔ چھپائی کی تاریخوں کے انضباط کی بھی معقول صورت پبلشرز سے باضابطہ معاہدے کے ذریعے پیدا ہو گئی ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ چند خاص مربیان رسالہ اس کے لئے خصوصیت سے ساعی رہیں۔ آپ سے ایک درخواست تو یہ ہے کہ آپ ہر مہینے نہیں تو ہر دوسرے مہینے مزید ایک مضمون۔ نظم نہیں تو نثر ہی سہی۔ عطا

کیا کریں۔ مضمون نثر خواہ مختصر ہو مگر مخزن کے رنگ کا ہو۔ آپ نے آج تک نثر کا ایک مضمون نہیں دیا۔ اور دوسرے یہ کہ کبھی کبھی ہمارے بعض چیدہ مضمون نگاروں کو بذریعہ تقاضا کے بیدار کرتے رہیں۔ گو میں خود بھی ان لوگوں سے پختہ وعدے کر جاؤں گا۔

۱۰ جولائی ۱۹۰۳ء — نیازمند عبدالقادر۔ لاہور

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

(۳)

میرے عنایت فرما جناب خاں صاحب۔ السلام علیکم۔ نہ آپ وداع ہوئے نہ وداع یار۔ انجمن میں اگر آپ آئیں گے۔ تو انجمن کی رونق بڑھے گی میرا۔ ہاں جیتے دل شاد ہوگا۔ اور یہ مسرت کہ آپ اتنی دور سے کسی کے دل کا سرور ہو سکتے ہیں گو آنکھوں سے او جھل ہوں۔ آپ کو تسلی بخشے گی اور وداع یار سے نہیں کہتے کہ امید لگی ہوئی ہے۔ کہ اب واپس آئیے۔ دو ڈھائی سال گرتے گتے دن گنتے ہیں اگر خدا نے چاہا تو پھر وہی جلسے ہوں گے۔ اور وہی لطف ملاقات۔ ہو سکا تو زمین تقریر آپ کی خاطر خدا باقاعدہ سیکھ آؤں گا۔ تاکہ فغاں میں تاثیر زیادہ ہو جائے۔ آپ دعا میں یاد فرمایا کیجئے گا۔ یہ میرے حق میں خاص دوستی ہوگی۔ میں خدا سے چاہتا ہوں کہ انگلستان کی سیر اور وہاں کے قیام کا جو پردہ اثر پڑے جس کی آپ نے آرزو ظاہر فرمائی ہے اور اگر کوئی بڑا اثر پڑتا ہو تو میں جاہی نہ سکوں۔ مخزن کے متعلق جو لطف آمیز وعدہ آپ نے دیا اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں میر صاحب اور اقبال کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات سے خط و کتابت جاری رکھئے گا۔ خالی از دلچسپی نہ ہوگا اور مطلب بھی نکل آئے گا۔ سید کاظم حسین کنتوری الہ آباد۔ میر علی محمد شاد آنریری مجسٹریٹ پٹنہ اور سید اکبر حسین صاحب جج جن سے غالباً آپ کی ملاقات ہوگی۔ کبھی مولانا شبلی سے کچھ لکھوانے کی کوشش کیجئے۔ مجھے تو انہوں نے ایک وعدہ جواب میں دیا تھا اس سے میں مستغنی نہیں ہوا۔ مگر ع

یہ فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب

ان سب حضرات کو اس امر کی تاکید کیجئے گا کہ مضامین عام دلچسپی کے تلاش کریں۔ خاص اسلامی قومی رنگ مخزن میں بہت کھپتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ نہیں کھپتا۔ وہ اس کی اس پالیسی سے یہ نتیجہ ہوا ہے کہ ہندو صاحبان کے ایک معقول تعداد اس کے ناظرین میں ہے اور اس طرح اردو سے کچھ دلچسپی رکھتی ہے۔ میں انشاء اللہ آپ کو ولایت سے خط لکھتا رہوں گا۔ غزل مرسلہ پہنچ گئی سبحان اللہ مقطع کیا لاجواب ہے۔ اور اس کا دوسرا مصرع تو غضب ہی ہے۔ شکریہ قبول فرمائیے۔

کیا یہ حق ہے کہ ندوے میں بہت سی اندرونی دقتیں پڑی ہوئی ہیں؟ خدا کرے یہ گتھیاں سلجھ جائیں۔ اب کے مت ہے مدراس میں تحریک بھی ہے جو زمانہ میں سے اہل مدراس کی دین داری کا لگایا ہے اس سے خیال ہوتا ہے کہ وہاں ندوہ کانفرنس سے کچھ بڑھ کر کامیاب ہوگا۔ قلق ہے کہ اب کے بمبئی کی کانفرنس نہ دیکھ سکوں گا۔ مزید انگریزی استفسار آپ نے دوبارہ ابھی دریافت فرمایا ہے اس میں ابھی تک مجھے تذبذب ہے مگر امید ہے کہ عنقریب آپ کو اطلاع دے سکوں گا۔ کہ انتظام خاطر خواہ ہوگیا ہے۔ ایک نظر محمد حیات صاحب پر ہے اور دوسری شیخ عبدالعزیز پر جو پہلے میرے نائب تھے اور اب کالج میں ہیں۔ ابھی فیصلہ نہیں ہوا۔ دوسرے شاہ دین صاحب اس بارے میں خواجہ احمد شاہ صاحب سے خط و کتابت کر رہے

ہیں۔ اس بات کی خاص احتیاط سوچی گئی ہے کہ اعتدال روش میں فرق نہ آئے۔ جو انگریزی ہمارے ہاں پہلا تھا اس کی از
سر نو دوبارہ قائم کرنے کی تجویز ہو رہی ہے۔ میں اس بارے میں خصوصیت سے کوشش کر رہا ہوں۔ کہ میری غیر حاضری میں اخبار
کے کام میں کوئی ہرج نہ ہو۔ ممکن ہوا تو وہاں سے بھی کچھ اس کی خدمت کرتا رہوں گا۔

۱۲ر جولائی سنہ ۱۹۰۳ء — بندہ عبدالقادر از لاہور

(۸)

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

پیارے خانصاحب بہادر۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ پہنچ کر کاشف حالات ہوا۔ آپ کے لئے پیار آپ کے سب
دوست اور ان سب میں نیاز مند بالخصوص برابر چشم براہ ہیں۔ اور اس وقت تک اس مجبوری کو کوستے ہیں جس نے ہمیں
اس موقع ملاقات سے محروم رکھا۔ تاہم دنیا میں علائق سے چھٹکارا نہیں کسی اور موقع کے منتظر رہیں گے۔ خدا آپ کو خوش
رکھے اور کاروبار میں کامیاب۔ میں علی گڑھ آرنلڈ صاحب کو رخصت کرنے ۲۵ر فروری کو گیا تھا۔ اس سفر کا ارادہ عین ان
کی روانگی کے قریب ہوا اس لئے پہلے سے آپ کو خط لکھ نہیں سکا۔ مگر امید غالب تھی کہ آپ وہاں تشریف فرما ہوں گے،
کیونکہ قریب ٹرسٹی صاحبان کو اس موقع پر بلایا گیا تھا۔ میں نے جاتے ہی دریافت کیا تو کسی نے کہا کہ آپ اس سے شاید ایک
دن پہلے تک نمائش میں تھے مگر پھر تشریف لے گئے۔ میں صرف دو روز وہاں ٹھہرا اور اس خیال سے کہ آپ ابھی گئے
ہیں بلا بھیجنا مناسب نہ جانا۔ مجھے مسرت ہے کہ مضمون آپ کے پیش نظر ہے۔ مجھے ہر وقت اس کا منتظر سمجھئے۔

۱۷ر اپریل سنہ ۱۹۰۴ء — نیاز مند شیخ عبدالقادر از لاہور

(۹)

بنام مولوی بشیرالدین

THOMAS COOK & SON LUDGATE CIRCUS. لندن۔ معرفت

کرم و مشفق بندہ۔ السلام علیکم۔ آپ نے جن عنایت آمیز الفاظ میں مجھے یاد فرمایا ہے۔ اس کا شکریہ ادا
کرتا ہوں۔ آپ کو خط لکھنے کا قصد رکھتا تھا مگر موقعہ نہ ملا۔ اب (کہا ہوا ہے پڑھا نہیں گیا) ارادے سے کئی دن پہلے
آپ کے لئے خط لکھ رکھتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ خدا کے فضل سے آبزرور کے جاری رہنے کا عمدہ بندوبست
ہو گیا ہے۔ گزشتہ سال میرے رک جانے کا یہی سبب تھا۔ وہ اب تسلی ہو گئی تو چلا۔ آپ دیکھیں گے کہ اس میں بہمہ
وجوہ بہ نسبت سابق رونق ہو گی نہ کہ کمی۔ ٹائپ اب نیا آیا ہے۔ ترتیب مضامین میں کچھ جدت کی گئی ہے۔ ہمارے پرانے
ایڈیٹر مسٹر داس سے معاملہ میں علیحدگی ہو گئی ہے اور خدمت ایڈیٹری شیخ عبدالعزیز صاحب بی اے کے سپرد ہوئی ہے۔
جو پانچ سال میرے ساتھ اسسٹنٹ ایڈیٹری کا کام کر چکے ہیں اور پورا تجربہ اور قابلیت رکھتے ہیں۔ مجھ سے یہ انتظام
ہوا ہے کہ میں ہفتہ وار ایک خط اور ایک مضمون آبزرور کے لئے لکھتا رہوں جس کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ امید
کہ آپ کسی مختصر نوٹ میں اس امر کا تذکرہ کر دیں گے۔ تاکہ قدردانوں کو اطمینان ہو جائے۔

نیز آپ دیکھتے ہوں گے کہ مخزن کا کام بھی بخوبی چل رہا ہے۔ اور اس پر بھی میری غیر حاضری کا کوئی مضر اثر نہیں
پڑا۔ بلکہ یہاں سے جو مضمون بھیجتا ہوں اور جو تصویریں چھپوانے کا انتظام ہوا ہے اس کے سبب کچھ خوبی بڑھ جائے گی۔

اس کی بھی کسی موقع پر داد دیجیئے گا۔ ڈاکٹر ضیاء الدین سے متعدد ملاقاتیں ہو چکی ہیں جن میں متعدد قومی امور کے متعلق مشورے ہوئے، خدا کرے ان کا کچھ نتیجہ ہو۔ وہ چند ضروری مضامین البشیر میں لکھیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ البشیر میری نظر سے گذرا کرے۔ آپ ایک کاپی مجھے بھی باقاعدہ بھجوا سکیں تو نہایت ممنون ہوں گا۔ اور کا ہے بارہ لاالفتہ سے یاد فرماتے رہیں۔

۲۶ رجولائی سنہ [illegible]ء		عبدالقادر

---

(۱۰)

<u>بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب</u>

میرے کرم فرما جناب خانصاحب زاد لطفکم۔ السلام علیکم۔ آپ کو یہ تو بذریعہ اخبارات معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں بخیر انگلستان آ پہنچا۔ خدا کا فضل سفر میں شامل حال رہا۔ اور یہاں آکر بھی اب تک نعمت صحت حاصل ہے اور کام بخوبی ہو رہا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ عجلت میں چلنے کے سبب صرف ایک افسوس رہ گیا کہ آپ حضرات سے وقت رخصت مل نہ ہو سکا۔ اچھا۔ یار زندہ صحبت باقی پھر انشاء اللہ کبھی ہم ہوں گے اور آپ۔ اور تصانیف کا جزدان کھلے گا۔ اور اس بیچ چیدہ چیدہ کلام سے بہرہ اندوز ہوں گا۔ اس خط کے لکھنے سے محض رسید منظور نہیں۔ یہ آپ کو پہلے سے معلوم ہے۔ دو مطلب ہیں۔ ایک سلسلۂ خط و کتابت جاری کرنا۔ آپ ضرور اوقات فرصت میں مجھے یاد فرمایا کیجیئے۔ آپ کے خطوط سے مشرف ہونا مسرت خاص کا باعث ہو گا۔ اور جواب لکھنے میں مجھے راحت ملے گی۔ دوسرے میری غیر حاضری میں مخزن کی طرف خاص طور پر توجہ فرمانے اور مستقل قلمی امداد دینے کا جو وعدہ آپ نے گزشتہ اگست میں فرمایا تھا اس کی تجدید۔ سو میں جانتا ہوں کہ اس مختصر خط سے دونوں مطلب حاصل ہو جائیں گے اور دوبارہ یاد دہانی کی ضرورت نہ پڑے گی۔ میں نے آج نواب محسن الملک بہادر کو خط لکھا ہے کہ اگر وہاں کے اصحاب کی رائے ہو جائے کہ آرنلڈ صاحب کو پرنسپل پر بلایا جائے تو ہمیں کوئی باضابطہ قرارداد کر کے ارشاد فرمائیں کہ ہم تحریک کریں۔ ہمیں بہت امید کامیابی کی ہے۔ اگر آپ اس خیال کو پسند فرمائیں تو آپ بھی اس بارے میں ساعی ہوں۔ اردو اخبارات میں ندوہ کے متعلق بعض پریشان کن خبریں پڑھتا ہوں۔ معلوم نہیں کہاں تک درست ہیں آپ کچھ مطلع فرمائیں۔

۱۹ راگست سنہ [illegible]ء		نیاز مند عبدالقادر از لندن

---

(۱۱)

<u>بنام ڈاکٹر اقبال</u>

پیارے اقبال۔ السلام علیکم۔ آپ کا محبت نامہ مرقومہ ۱۰ راگست (ایبٹ آباد) ۲۹ راگست کو ملا۔ میں دو خط سیالکوٹ کے پتے سے لکھ چکا ہوں امید کہ وہ آپ کو مل گئے ہوں گے۔ اگر آپ کے نقل و حرکت مکانی میں کوئی گم ہو گیا۔ تو افسوس ہو گا۔ اب یہ پرچہ سیالکوٹ ہی کو بھیجتا ہوں کیونکہ آپ نے لکھا ہے کہ آپ ۵ ستمبر کو سیالکوٹ جاویں گے۔ گو ڈاک مس ہونے کی جو معذوریاں آپ نے لکھی ہیں وہ معقول ہیں۔ مگر پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ آپ معذوری میں بھی کچھ لکھ ہی دیا کریں۔ خواہ دو سطریں ہی کیوں نہ ہوں۔ اس سے دو فائدے ہیں۔ ایک تو سلسلہ نہیں ٹوٹتا دوسرے تسلی ہو جاتی ہے۔ اب دیکھیئے پچھلے دنوں آپ کا خط نہ آیا تو مجھ سے بھی ایک آدھ ناغہ ہوا۔ آپ تکلیف تحریر کو نہ دیکھا کیجیے بلکہ یہ خیال کیا کیجیئے کہ کس طرح ہم منتظر رہتے ہیں۔

تو میرا شوق دیکھ مرا انتظار دیکھ

مشرقی کے مضمون کی تعریف کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جیسا کہ آگے لکھ چکا ہوں۔ میرے لئے تو یہی بس ہے کہ آپ نے پسند کیا اس میں کئی اوروں کی تعریف آ گئی۔

ہاں۔ اگلے ستمبر کے صرف آپ ہی منتظر نہیں[1]۔ یہاں بھی کئی لوگ منتظر ہیں۔ ان میں سب سے بڑھ کر میں ہوں بعد پھر وہ جو میرے ذریعے مشتاق بنتے جاتے ہیں۔

آرنلڈ صاحب[2] سے اب میں اکثر ملتا رہتا ہوں۔ کیونکہ میری طبیعت نے اجازت نہ دی کہ ان کی شاگردی سے محروم رہوں اور نہیں تو فرنچ ہی شروع کر دی ہے۔ بلکہ کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگی ہے۔ آپ کے آنے تک خوب واقف ہو جاؤں گا۔ اگر ایبٹ آباد میں لیکچر[3] دیا ہے تو اس کا حال لکھئے گا اور جلسہ اگر اتر گیا ہے تو پوری کیفیت سے مشکور فرمائیے گا۔ مفصل خط اگلے ہفتے ان شاء اللہ لکھوں گا۔ اب ڈاک کا وقت قریب ہے اور ایک دوست ملاقات کے لئے تشریف لے آئے ہیں اس لئے اسے مختصر کر دینا پڑا۔

لندن ۲ ستمبر ۱۹۰۵ء بندہ عبد القادر

---

(۱۳)

بنام مولانا عبد العزیز

مکرمی مولانا عبد العزیز صاحب سلامت باشد۔ السلام علیکم۔ یہاں جناب صاحبزادہ صاحب سے ملاقات ہوئی اور آپ کے متعلق گفتگو رہی۔ ان شاء اللہ امید پڑتی ہے کہ عنقریب اس اسامی پر کسی کا تقرر ہو گا۔ جس کے لئے آپ نے کوشش کی تھی۔ اور غالب ہے کہ آپ کے نام ہی قرعۂ فال نکلے۔ آپ کو اگر یہ خط مل جائے۔ تو براہ مہربانی بواپسی مطلع فرمائیں کہ اگر آپ کا تقرر ہو جائے تو آپ کب تک چارج لے سکیں گے۔

میرا خیال ہے کہ ان دنوں آپ وطن گئے ہوئے ہوں گے۔ مگر اب کالجوں کے کھلنے کا زمانہ قریب ہے۔ خدا کرے کہ آپ آ گئے ہوں یا جلد آنے والے ہوں اور میرا خط آپ کو لاہور میں مل جائے۔ زیادہ خیریت

شملہ ۱۸ ستمبر ۱۹۲۵ء راقم عبد القادر

---

(۱۴)

بنام سید ہمایوں مرزا بیرسٹر

امید منزل خیریت آباد۔ کرم فرمائے بندہ دام لطفکم۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ ملا۔ میں آج صبح حاضر ہوا۔ اور کل شام جا رہا ہوں۔ اس اثنا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد تھا۔ اب آپ نے خود تحریر فرمایا ہے کہ آپ

---

[1] یہ اسی دور کا مکتوب ہے۔ جب سر عبد القادر مرحوم ولایت جا چکے تھے اور حضرت علامہ جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ چنانچہ وہ اگست ۱۹۰۵ء میں ولایت روانہ ہو گئے اور ستمبر میں پہنچے۔

[2] حضرت علامہ مرحوم کے محبوب استاد ان کے متعلق ایک نظم بھی بانگ درا میں موجود ہے۔

[3] یہ لیکچر انگریزی میں تھا اور اسی زمانے میں چھپ گیا تھا۔ بعد ازاں اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو گیا تھا۔ جس کا عنوان تھا "ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر"۔

تشریف لاتے ہیں ۔ زہے نصیب ۔ اگر آپ آج ۲ بجے تشریف لا سکیں تو ملاقات سے مجھے نہایت مسرت حاصل ہوگی ورنہ کل صبح ۸ اور ۹ کے درمیان میں مکان پر ہوں گا ۔ اس کے بعد کچہری میں ہوں ۔ اگر ان وقتوں میں سے کوئی آپ کے لئے موافق نہ ہو تو میں کسی وقت ہوٹل تک پہنچوں گا ۔

میری طرف سے بہن صاحبہ یعنی بیگم صاحبہ ہمایوں مرزا صاحب کی خدمت میں بعد سلام یہ عرض ہے کہ لیڈی عبدالقادر نے انہیں بہت بہت سلام کہلا بھیجا ہے ۔ مگر بعض کام شملہ ایسے درپیش تھے کہ وہ میرے ہمراہ نہیں آ سکیں ۔ خدا پھر کوئی موقع لائے ۔ والسلام

۳۰ دسمبر ۳۲ء — راقم عبدالقادر

(۱۴)

بنام ڈاکٹر زور صاحب

۲ ٹمپل روڈ ۔ لاہور ۔ مکرمی سید صاحب زاد لطفکم ۔ السلام علیکم ۔ آپ کا عنایت نامہ مرقومہ ۲۷ اگست ملا ۔ زور کے فرزند[1] کا پیغام بہت دلچسپ ہے ۔ بچے کو میری طرف سے دعا پہنچا دیں ۔ اور کہئے کہ مجھے معلوم ہوتا کہ وہ میرے ساتھ بٹ جانے کو تیار ہے تو میں ساتھ لے جاتا ۔ مگر وہ اکیلے واپس کیسے آتا ۔ دیکھئے کیا جاتا ہے ۔

آپ سے مل کر اور آپ کی جماعت کا کام دیکھ کر دل خوش ہوا ۔ میں ایک خط نواب مہدی یار جنگ صاحب کو لکھنے کو ہوں ۔ اس میں آپ کی جماعت کے کام کا ذکر مناسب الفاظ میں کروں گا ۔ اور ان کو توجہ دلاؤں گا ۔ سب احباب کو سلام شوق کہہ دیں ۔

میں ۵ اگست کی صبح کو یہاں پہنچا اور اس وقت سے برابر مصروف ہوں ۔ اور احباب بکثرت ملنے کو آ رہے ہیں ۔ ہرچند کہ تعطیلات کی وجہ سے ایک کثیر تعداد لاہور سے باہر گئی ہوئی ہے ۔

فوٹو کا گروپ جو آپ نے ارسال فرمایا ۔ اس کا شکریہ قبول فرمائیے ۔ فوٹو اچھا بنا ہے ۔

۳۱ اگست ۳۹ء — آپ کا خیر طلب عبدالقادر

(۱۵)

بنام ڈاکٹر زور

لائل پور ۔ مکرمی جناب زور صاحب ۔ السلام علیکم ۔ عنایت نامہ مرقومہ یکم ستمبر ملا ۔ ممنون ہوں ۔ آپ کے پہلے خط کا جواب میں نے لاہور سے بھیج دیا تھا ۔ جس میں نواب مہدی یار جنگ بہادر کی توجہ ادارۂ ادبیات اردو کی طرف دلائی تھی ۔ امید ہے وہ خط ان کو مل گیا ہوگا ۔ میں چند روز کے لئے یہاں آیا ہوں ۔ اگر خط لکھیں تو لاہور کے پتے سے ہی لکھیں ۔ میں عنقریب شملہ جانے والا ہوں ۔

آج ایک گرامی نامہ رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری صاحب کا آیا تھا ۔ جس میں انہوں نے آپ کے ادارہ کے مفید کام کا اعتراف کیا تھا ۔ خدا کرے آپ کو ہر دو حضرات ممدوح کی توجہ سے ادارہ کی ترقی کے لئے مدد ملے ۔ گو آج کل جو حالات ہیں ۔ وہ چنداں مساعد نہیں ۔ بہرحال یہ غنیمت ہے کہ آپ اور آپ کے رفقا اپنے محدود وسائل سے

---

[1] میرا لڑکا سید شاہ تقی الدین قادری سجادہ نشین ۔ (زور)

باوجود ہمہ تن اس کی ترقی میں کوشاں ہیں۔

آپ نے جو مضمون اردو سے متعلق اپنے مجوزہ ارمغان کے لئے طلب کیا ہے اس کے لکھنے کی کوشش کروں گا۔ مگر وعدہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مجھے ان دنوں بہت کم فرصت رہتی ہے۔ یہ بتایئے کہ دیر سے دیر کب تک مضمون آپ کو پہنچ جانا چاہیئے۔ مخزن کے بعد میں نے جو مضامین اردو میں لکھے۔ انہیں اگر آپ جمع کر کے چھاپنا چاہتے ہیں تو ان کا پتہ بتانے میں آپ کی مدد کرنے کو میں تیار ہوں۔ صرف یہ بتا دیجئے کہ اس زمانے میں کئی دیباچے مصنفین کے اصرار پر ان کی کتابوں کے لئے لکھے گئے۔ ایک سے ایک کا رنگ الگ ہے۔ مثلاً سر اقبال مرحوم کے اردو کلیات کا دیباچہ۔ حفیظ صاحب جالندھری کے شاہ نامے کا دیباچہ، منشی سکھ دیو سہا بسمل الٰہ آبادی کے دیوان کا دیباچہ۔ مسٹر تلوک چند محروم کے دیوان کا دیباچہ۔ اگر آپ ان کو شامل کرنا پسند کریں گے تو مجموعہ خاصہ بڑا ہو جائے گا۔ ورنہ بعض رسائل کے مضامین ہی ہیں اور بعض ان میں سے دیرپا بھی ہیں۔

آپ کے ہاں کے گروپ کا فوٹو آپ نے بھیجا تھا۔ اس کی رسید دے چکا ہوں آج جو پتا گروپ آپ نے نام لکھنے کے لئے بھیجا ہے اس پر جو نام یاد آئے ہیں میں نے لکھ دیئے ہیں وہ آپ چھاپ لیں۔ باقی بزرگوں میں سے بھی کئی مشکل سے پہچانتا ہوں مگر نام یاد نہیں آتے وہ گروپ واپس ارسال خدمت ہے۔

صرف نواب محسن الملک اور وقار الملک مرحوم اور دیگر ایسے حضرات کے نام میں نے نیچے نہیں لکھے کیونکہ انہیں آپ خود جانتے ہیں۔ وہ نام آپ خود لکھ لیجئے،

۷ ستمبر ۱۹۳۹ء　　　آپ کا مخلص عبدالقادر

---

(۱۶)

بنام ڈاکٹر زور

مکرمی جناب زور صاحب۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ لاہور سے ہوتا ہوا مجھے یہاں ملا۔ میں ۱۸ ستمبر سے یہاں ہوں اور ۲۱ کو انشاء اللہ لاہور واپس جاؤں گا۔

آپ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اب میرے مضامین اور مقدمے الگ چھاپے جائیں۔ میرے خیال میں مضامین اتنے نہ ہوں گے کہ ایک علیحدہ معقول جلد ان سے مرتب ہو سکے۔ اس لئے دونوں کو یکجا چھاپنا بہتر ہوگا۔ افسوس کہ میرے پاس کوئی یادداشت موجود نہیں جس سے معلوم ہو کہ مضامین کہاں کہاں چھپے۔ حافظے سے جو جتنے اس وقت یاد ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ حال میں جو تین چار مضمون انیس نسواں کے لئے لکھے۔

۲۔ سنہ ۱۹۲۸ء میں ایک مضمون ادبی دنیا لاہور میں چھپا۔ شاید لندن میں اردو۔ عنوان تھا۔ سنہ ۲۹ء میں ایک مضمون کوہ نور کے عنوان سے ادبی دنیا میں چھپا۔

۳۔ غالباً سنہ ۳۳ء یا سنہ ۳۴ء میں ایک مضمون مسولینی کے متعلق نیرنگ خیال لاہور میں چھپا۔ اور جو یاد آئیں گے لکھ بتاؤں گا۔

انیس نسواں کے مضامین کے لئے میں نے شیخ محمد اکرام صاحب کو لکھا ہے وہ اپنے سب پرچے جو تا حال چھپے ہیں۔ آپ کے پاس بھیج دیں بلکہ ان کو صلاح دی ہے کہ وہ انیس نسواں کا تبادلہ سب رسں سے مستقل طور پر (ARRANGE) کریں۔ ادبی دنیا اور نیرنگ خیال کے مضامین لاہور جانے کے بعد آپ کو بھجوانے کی کوشش کروں گا۔ ایک مضمون مخزن میں اس زمانے میں شائع ہوا تھا۔ جب اس کا دور ثانی یا ثالث تھا اور میں اس کا ایڈیٹر تھا۔ وہ سر اقبال مرحوم کی رموزِ بیخودی پر تھا۔ وہ انتخاب مخزن حصہ سوم میں شائع ہوا تھا۔ اس کتاب کی ایک جلد اگر مل گئی تو وہ بھی آپ کو بھیج دونگا۔

اورینٹل کانفرنس کی بابت جو آخری فیصلہ ہو اس سے مطلع کیجئے گا۔ ارمغان کے لئے مضمون لکھنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن یقینی وعدہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ابھی میں سفروں کی مصروفیات میں ہوں۔ اور خط لکھنے کے لئے بھی مشکل سے وقت نکلتا ہے۔ تا یہ مضمون چھوڑ دو۔

"مضامین عبد القادر" یا "مقدمات عبد القادر" کچھ بہت اچھا نام آپ کی مجوزہ کتاب کے لئے نہیں ہے۔ جب آپ اس کام کو شروع کریں گے تو کچھ اور نام سوچا ہو گا۔ زیادہ خیریت۔ جواب اگر لکھیں تو لاہور کے پتے سے لکھیں

شملہ ۱۷ ستمبر ۱۹۳۲ء
آپ کا مخلص عبد القادر

---

(۱۷)

بنام سید ہمایوں مرزا صاحب بیرسٹر

مکرم بندہ جناب سید ہمایوں مرزا صاحب سلامت باشد۔ السلام علیکم۔ آج اورینٹل کانفرنس کا افتتاح ہے۔ اچھی رونق کا موقع ہو گا۔ اگر آپ پچھلے پہر فارغ ہوں اور اس میں تشریف لانا چاہیں تو اس کے لئے ایک ٹکٹ ارسال خدمت کرتا ہوں۔ تشریف لے آئیے گا۔ نیز لیڈی عبد القادر کی طرف سے بیگم صاحبہ[1] کی خدمت میں یہ پیغام دے دیں کہ وہاں ایک نشست گاہ پردہ دار خواتین کے لئے بھی رکھی گئی ہے۔ اگر بیگم صاحبہ اس اجلاس کو دیکھنا چاہیں تو لیڈی عبد القادر کے پاس پونے پانچ تک پہنچ جائیں۔ یا انہیں اطلاع دیں کہ وہ پونے پانچ بجے ان کو ہمراہ لے لیں۔ اس صورت میں وہ پونے پانچ سے پہلے تیار رہیں۔ نیز بیگم حمید علی صاحبہ سے بھی پوچھ لیں۔ وہ اگر چلنا چاہیں تو وہ بھی چلیں۔ جواب سے ممنون فرما دیں۔ کہ بیگم صاحبہ اگر جانے کو تیار ہیں تو آیا وہ ادھر آئیں گی یا لیڈی عبد القادر ادھر آئیں۔ بیگم صاحبہ کہ وہ خود خط لکھنے کو تھیں لیکن چونکہ میں آپ کو خط لکھ رہا تھا۔ انہوں نے اسی میں اپنا پیغام بھیج دیا ہے۔ والسلام۔

لاہور ۱۹ نومبر ۱۹۳۲ء
راقم عبد القادر

---

(۱۸)

بنام ڈاکٹر زور

نئی دہلی، ۷ کنگ ایڈورڈ روڈ۔ مکرمی جناب محی الدین زور صاحب، تسلیم۔ آپ کے عنایت ناموں کا جواب میرے ذمے ہے۔ تاخیر کی معافی چاہتا ہوں۔ مجھے چونکہ اکتوبر میں دفعتاً یہاں آ جانا پڑا اور یہاں آ کر غیر معمولی مصروفیت رہی اور درمیان میں کچھ زکام وغیرہ کی تکلیف سے کچھ دن علیل رہا۔ اس لئے خط نہ لکھ سکا۔ میں نے آپ کو مضامین

---

[1] صغریٰ بیگم ہمایوں مرزا۔

اور دیباچے بھجوانے کی تحریک اس اثنا میں بھی جاری رکھی۔ منشی تلوک چند صاحب محروم کے دیوان کا دیباچہ میں نے لکھا تھا۔ ان سے میں نے کہا تھا کہ آپ کو وہ اپنا دیوان بھجوا دیں۔ انہوں نے وعدہ کیا تھا۔ لکھئے کہ پہنچا یا نہیں۔ تاکہ پہنچا ہو تو اہنیں یاد دہانی کی جائے۔

حضرت حفیظ جالندھری کے شاہنامے کی دو نو جلدوں کے دیباچے میں نے لکھے تھے۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ عنقریب حیدرآباد جائیں گے تو دونو جلدیں آپ کو دیں گے۔ اور جو مضامین مل سکیں گے آپ کو بھجواؤں گا۔ یا پہنچواؤں گا۔

مسٹر عزیز احمد صاحب ایک دن ملے تھے ان سے معلوم ہوا کہ آپ کے ادارے کو پانچ سو روپیہ وزارت تعلیمات سے ملا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو موجب مسرت و تشکر ہے چند روز ہوئے خواجہ حمید الدین صاحب مہتمم "مہر نیمروز پریس" کا کارڈ آیا تھا۔ کہ جنتری ۱۹۴۰ء کے سب رس کے لئے کوئی مضمون بھیجوں۔ مگر میں نہایت متاسف ہوں کہ یہاں کے کار کے ساتھ مضمون نگاری کے لئے وقت نہیں نکال سکتا۔ پھر کبھی کچھ لکھ سکوں تو اور بات ہے۔ یہاں کا عارضی کام جلد ختم ہونے کو ہے اور میں بالا خر ماہ حال میں واپس جاؤں گا۔ وہاں کی نقل و حرکت کے متعلق وہیں پہنچ کر پتہ ہوگا۔ والسلام

۴ ستمبر ۱۹۳۹ء

آپ کا مخلص عبدالقادر

(۱۹)

<u>بنام ڈاکٹر زور</u>

کنگ ایڈورڈ روڈ۔ نئی دہلی۔ مکرمی ڈاکٹر زور صاحب تسلیم۔ عنایت نامہ پہنچا۔ دیوان محروم آپ کے پاس پہنچ گیا۔ خوب ہوا۔ شیخ محمد اکرم صاحب نے تو کہا تھا انہیں تنواں کے پچھلے پرچے بھیج رہے ہیں۔ اب انہیں دوبارہ یاد دہانی کر دی جائے گی۔ اسی طرح حفیظ صاحب کو بھی۔ حفیظ صاحب یہاں آئے تھے۔ آپ کے مجوزہ مجموعے کا نام وہ "مضامین شیخ" یا "مضامین سر شیخ" تجویز کرتے تھے۔

آپ کا ایک خط مجھے نہیں ملا۔ اسی میں غالباً (۵۰۰) روپے سرکار سے ملنے کا ذکر تھا۔

آپ اگر اردو کانفرنس کے لئے دہلی آگئے تو آپ کی ملاقات سے بہت مسرت ہوگی۔ میں تو یہاں کے کام سے فارغ ہو کر عنقریب لاہور جانے کو ہوں۔ ۲۱ دسمبر کے بعد جو خط مجھے لکھیں اس پر لاہور کا پتہ درج کیجئے۔ کانفرنس کے متعلق میرا ارادہ ہے کہ میں لاہور جا کر اس جلسے کے لئے پھر دہلی آؤں گا اور ۲۸ سے ۳۰ تک مولوی عبدالحق صاحب کے ہاں مقیم ہوں گا۔ زیادہ خیریت

۱۷ دسمبر ۱۹۳۹ء

آپ کا مخلص عبدالقادر

(۲۰)

<u>بنام ڈاکٹر زور</u>

۹ مقبل روڈ۔ لاہور۔ مکرمی ڈاکٹر زور صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا عنایت نامہ ملا۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ پہلی اور دوسری جنوری کے لئے لاہور آ رہے ہیں۔ آپ سے مل کر بہت خوشی ہوگی۔ مجھے یہ بڑا افسوس رہا ہے کہ کانفرنس کے جلسے میں بوجہ ناسازی طبع شریک نہیں ہو سکا۔

آپ اگر ۲ر دسمبر کو دہلی سے روانہ ہونے کو ہیں تو مجھے مندرجہ بالا پتہ پر بذریعہ تار اطلاع دے دیں کہ آپ کس گاڑی سے آ رہے ہیں۔ ایک کا نام فرنٹیر میل ہے جو دہلی سے ۹ بجکر ۲۰ منٹ پر چلتی ہے۔ اور دوسری بھٹنڈہ اور فیروزپور کے راستے چند منٹ بعد چلتی ہے۔ چونکہ یہ دونوں گاڑیاں دو مختلف پلیٹ فارموں پر آتی ہیں اس لئے یہ اطلاع ضروری ہے تاکہ میں کسی کو اسٹیشن پر بھیج سکوں۔ اگر یہ اطلاع نہ دے سکیں تو باہر نکل کر یہ پتہ کسی ٹیکسی یا تانگہ والے کو بتا دیجئے۔ وہ آپ کو بہ آسانی لے آئے گا۔ امید کہ آپ یہ دو روز میرے پاس ٹھہریں گے۔ زیادہ خیریت

۲۹ر دسمبر ۱۹۳۹ء

آپ کا مخلص عبدالقادر

بنام ڈاکٹر نذر

(۲۱)

۴۔ ٹمپل روڈ۔ لاہور۔ مکرمی ڈاکٹر نذر صاحب، السلام علیکم۔ عنایت نامہ مورخہ ۴ر مارچ ملا۔ میں نے اکرام صاحب کو تاکید لکھی ہے کہ وہ اپنا رسالہ آپ کے پاس برابر بھیجتے رہیں۔

سب رس مجھے برابر ملتا ہے۔ خوب ہے۔ میں ابھی ان دنوں میں تو کوئی مضمون نہیں لکھ سکتا۔ کیونکہ بعض پہلے وعدے ابھی پورے نہیں کر سکا۔ لیکن جب کوئی چیز خیال میں آئے گی تو لکھوں گا۔

لاہور کے بعض رسالے جو اچھا کاغذ دستور لگا رہے ہیں صرف اپنے استقلال کا نمونہ دکھا رہے ہیں ورنہ سب گرانی کے شاکی ہیں۔

امید کہ آپ بہمہ وجوہ بخیریت ہوں گے۔ آپ کو مسٹر کے۔ اے۔ حمید صاحب کی کتاب "اناٹول" مل گئی ہوگی۔ اس میں میرا دیباچہ ہے۔ آپ کو کرنے اور دیباچوں کا پتہ چلا ہے۔

۸ر مارچ ۱۹۴۰ء

آپ کا مخلص عبدالقادر

بنام صوفی غیرت قادری

(۲۲)

مکرمی جناب صوفی محمد شریف صاحب غیرت قادری۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا خط اور مسودہ کتاب شاہنامہ حکیم نذیر احمد صاحب[1] لے کر آئے۔ مسودہ میں نے سنبھال لیا ہے۔ ان شاءاللہ آہستہ آہستہ اسے پڑھتا رہوں گا۔ اور جب موقع ملے گا تو آپ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ ۱۱ر اکتوبر کے بعد تشریف لا سکتے ہیں۔ اگر ۱۰ر کو عید ہو جائے تو ۳۰ر اکتوبر کو تشریف لائیں۔ میں ۱۳ر تک یہاں ہوں۔ ۱۳ر کی شام کو واپسی کا ارادہ ہے۔ مل کر مسرت ہوگی۔ لیکن آپ محض تاکید کے لئے تکلیف سفر نہ کریں۔ جب میں لکھنے کے کام سے فارغ ہوں گا تو آپ کو اطلاع دوں گا۔ آپ مل بھی لیں گے اور اپنی کتاب بھی لے جائیں گے۔ زیادہ خیریت۔

۷ر اکتوبر [illegible]

آپ کا مخلص اور طالب دعا عبدالقادر

بنام صوفی غیرت قادری

(۲۳)

بہاولپور۔ مکرمی جناب صوفی محمد شریف صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا عنایت نامہ مرقومہ یکم مارچ ملا۔ میں آپ

---

[1] حکیم نذیر احمد کیف صاحب (غیرت قادری)

ای کتاب کو پڑھ چکا ہوں اور جا بجا سے کچھ انتخاب بھی کیا ہے۔ میں انشاء اللہ جس وقت فرصت ملی ہے ایک مختصر سا دیباچہ یا تعارف لکھ کر بھیجوں گا۔

ہمارے دوست راجہ عنایت اللہ خاں صاحب کے بے وقت انتقال کی خبر سے زحد ملال ہوا۔ خداوند ان کو جنت نصیب کرے اور پس ماندگان کو توفیقِ صبر دے۔ آپ سے انہیں دلی محبت تھی۔ اس لئے آپ کو ان کی جدائی کا صدمہ ہونا ضروری ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ سن کر کہ آپ علیل رہے ہیں افسوس ہوا مگر شکر ہے کہ اب آپ کو خدا نے صحت بخشی ہے۔

میں جلد تو لاہور آنے کا تھیرنے کا ارادہ نہیں کر رہا۔ جب دو چار دن کے قیام کی صورت نظر آئے گی تو آپ کو لکھ بھیجوں گا۔ والسلام

۱۳ مارچ سنہ ۱۹۲۳ء　　آپ کا مخلص عبدالقادر

(۲۴)

بنام بشیر النساء بیگم صاحبہ بشیر

عزیزہ محترمہ بشیر النساء بیگم صاحبہ۔ تسلیمات۔ میں اور لیڈی عبدالقادر صاحبہ جب سے حیدرآباد سے واپس آئے ارادہ کرتے رہے کہ آپ کو اور آپ کے شوہر جناب عنایت علی صاحب کو خط لکھیں اور جو توجہ آپ دونوں نے ہمارے قیام حیدرآباد کے دوران میں ہمارے حال پر رکھی اس کا شاکرانہ اعتراف کریں مگر اتفاقات ایسے پیش آتے کہ نہ ہو سکا۔

ہم اورنگ آباد ہوتے ہوئے یکم کو دکن سے نکلے اور تیسری اگست کو لاہور پہنچے حیدرآباد سے جاتے وقت یہ افسوس رہا کہ آپ مہمان خانۂ سرکاری پر ہمیں ملنے آئیں اور ہم نہ تھے۔ جو کتابیں اور غیر مطبوعہ نظمیں آپ دے گئیں وہ مل گئیں۔ پھولوں کے خوبصورت ہار جو آپ نے ہمیں دئے تھے جب ہم آپ کے ہاں چائے پر گئے بہت سا راستہ ہمارے رفیقِ سفر رہے۔ اور آپ کی علم دوستی اور ذوق ادب کی یاد دلاتے رہے ہیں لاہور سے روانہ ہو کر ۵ اگست کو یہاں پہنچا مگر آتے ہی مجھے بخار ہو گیا۔ لیڈی بیماری کی خبر سن کر لیڈی صاحبہ لاہور سے یہاں آگئیں اور چند دن تیمارداری میں مصروف رہیں۔ پھر وہ بیمار ہو گئیں اور مجھ سے زیادہ تکلیف میں رہیں۔ اب ہم دونوں بفضل خدا شفا پا چکے ہیں اس لئے آپ کو خط لکھنے کا رہا ہوا کام پورا کیا۔ آپ کے ادبی مذاق اور خاص کر سر اقبال مرحوم سے والہانہ عقیدت سے ہم بہت متاثر ہوئے۔ اور آپ کے شوہر کے اخلاق سے اور جس شوق سے وہ آپ کی ادبی کوششوں کی اشاعت اور تربیت کے لئے کوشاں رہتے ہیں، اس سے بھی ہم بہت متاثر ہوئے۔ خدا آپ دونوں کو ان ادبی خدمات کے لئے سلامت رکھے۔ اور آپ کے ذوق علمی میں اور ترقی دے۔

آپ نے جو مجلد رسالہ سب رس کی لیڈی صاحبہ کو پڑھنے کو دی تھیں وہ ان کے زیر مطالعہ رہی ہیں۔ اور آپ کے مضامین کو انہوں نے بہت پسند کیا۔ وہ خود علیحدہ خط لکھنے کی اس وقت معافی چاہتی ہیں۔ کیونکہ ایک مختصر سے سفر کے لئے جو ہمیں پھر درپیش ہے اس وقت وہ تیاری کر رہی ہیں۔ اور آپ کے شکریے میں اور آپ

کو دعا بھیجنے میں میرے ساتھ شریک ہیں۔ آپ دونوں کو ہم دونوں کا سلام۔ آپ لوگ کبھی لاہور آئیں تو مجھے ضرور ملیں۔ والسلام

۲۹ اگست سنہ ۱۹۳۳ء

آپ کا خیر طلب عبدالقادر

(۲۵)

بنام آغا صادق صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ۔

شملہ

مکرمی جناب سید آغا صادق حسین صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط مورخہ ۷ ستمبر لاہور سے ہوتا ہوا کل یہاں ملا۔ یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس میں تین نظمیں ملفوف ہیں۔ مجھے بہت پسند آئیں۔ انشاءاللہ انہیں اپنے چند الفاظ کے ساتھ بعض رسائل کو بھیج دوں گا۔

آپ نے لکھا ہے کہ اس سے پہلے ایک خط آپ بھیج چکے ہیں "جس میں زیادہ کاغذات کی گنجائش نہ تھی"۔ وہ خط مجھ تک نہیں پہنچا۔ آیا کہیں ڈاک میں ادھر ادھر ہو گیا یا لاہور والوں نے پتہ بدل کر روانہ کیا۔ درمیان میں ایک مرتبہ یہ ہوا کہ میری ڈاک جو لاہور میں تھی ایک شخص کے ہاتھ دستی یہاں بھیجی گئی اور اس کا سامان جس میں میرے کاغذ بھی تھے ریل میں چوری ہو گیا۔ اگر آپ کا خط کہیں ان کاغذوں کے ساتھ گم ہو گیا ہے تو افسوس ہے۔ آپ یہ لکھئے کہ وہ خط کس مضمون کا تھا۔ اگر اس میں بھی کچھ نظمیں تھیں تو کسی وقت تکلیف فرما کر ان کی نقلیں دوبارہ بھیج دیجئے۔ اگر اس میں کوئی اور مضمون تھا تو اسے پھر اپنے خط میں دہرائیے۔

امید کہ آپ ہر طرح سے بخیریت ہوں گے اور کوئٹہ میں آپ کے وجود سے علمی مجالس میں وہی گرمی ہو گی جو میں نے سنہ ۱۹۳۱ء میں دیکھی تھی۔

اس سال ہم مارچ سے یہاں آ گئے تھے اور یہ مہینہ یہاں ختم کر کے اکتوبر کی کسی تاریخ میں لاہور واپس جانے کا قصد ہے۔

والسلام ۱۶ ستمبر سنہ ۱۹۳۶ء

آپ کا مخلص عبدالقادر

(۲۶)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ

شملہ

مکرمی جناب سید آغا صادق حسین صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۸ ستمبر ملا۔ ممنون ہوا۔ جو خط گم ہو گیا تھا اس کا مضمون معلوم ہو کر خوشی ہوئی کہ آپ اپنا کلام جمع کر کے شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس کے لئے "صبح صادق" نام تجویز کیا ہے۔ آپ کے تخلص کے لحاظ سے موزوں نام ہے۔ مزید شائع کیجئے آپ ازراہ لطف اس مجموعہ کو میرے نام معنون کرنا چاہتے ہیں۔ اس خیال کے لئے آپ کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اگرچہ میں اپنے آپ کو اس کا مستحق نہیں سمجھتا لیکن اسے آپ کی رائے پر چھوڑتا ہوں۔

آپ یہ بھی چاہتے ہیں کہ آپ کے مجموعہ کلام پر کچھ خامہ فرسائی کروں۔ اس کے لئے میں پورا مسودہ دیکھنا پسند کروں گا۔ اگر مسودہ بھیجیں تو رجسٹری شدہ پارسل ہو۔

میں انشاء اللہ دس اکتوبر تک لاہور واپس جاؤں گا۔ اس کے بعد خط و کتابت ہو وہ وہاں کے پتہ سے ہو۔

والسلام

۳۰ ستمبر ۱۹۴۶ء　　　آپ کا مخلص عبدالقادر

---

(۲۷)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ

۳ ٹمپل روڈ لاہور

مکرمی آغا صادق حسین صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کے اشعار کا مجموعہ مجھے ۴ نومبر کو مل گیا تھا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کے صاحبزادے دے کر آئے تھے۔ میں اس دفعہ دہلی جامعہ ملیہ کے جلسۂ جوبلی میں شامل ہونے کو جا رہا تھا پارسل بنا بنایا رکھا ہے۔ میں دہلی سے ۱۹ کی صبح کو واپس آیا اور اسی شام پھر سفر درپیش تھا۔ کل شام سفر سے واپس آیا ہوں۔ ڈاک میں آپ کا ۱۴ نومبر کا لکھا ہوا خط پایا۔ آپ کی تشویش رفع کرنے کے لئے جلد خط لکھ رہا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے یا ان کے لڑکے نے آپ کو اطلاع کر دی ہو گی۔ کہ مجموعۂ اشعار پہنچا دیا گیا ہے۔ میں تھوڑے دنوں میں فرصت پا کر اسے دیکھنا شروع کروں گا اور پھر رفتہ رفتہ تعمیل ارشاد کی فکر کروں گا۔

امید کہ آپ بہمہ وجوہ بخیریت ہوں گے۔ والسلام

۲۸ نومبر ۱۹۴۶ء　　　آپ کا مخلص عبدالقادر

---

(۲۸)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ۔

۳ ٹمپل روڈ لاہور

مکرمی سید آغا صادق حسین صاحب۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ مورخہ ۲۴ دسمبر ملا۔ میں خط کی بجائے آپ کا منتظر تھا۔ خط سے معلوم ہوا کہ آپ وطن میں پہنچ کر علیل ہو گئے۔ اور اب جنوری کے تیسرے ہفتے میں یہاں آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

دعا ہے کہ خدا آپ کو جلد صحت بخشے۔ جب آپ لاہور آئیں گے تو آپ سے مل کر خوشی ہو گی۔

آپ کی "شاہکار فطرت" والی نظم میں نے رسالہ ہمایوں کے جوبلی نمبر میں اشاعت کے لئے بھیجی ہے اور اس کے شروع میں چند سطریں اپنی طرف سے لکھی ہیں۔ والسلام

۳۱ دسمبر ۱۹۴۶ء　　　آپ کا مخلص عبدالقادر

---

(۲۹)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ۔

۳ ٹمپل روڈ
لاہور

My dear Sadiq

السلام علیکم۔ انگریزی میں شروع کر کے قلم نے قدرتی طور پر اردو کی طرف رخ کیا۔ کیونکہ خط آپ کے نام تھا اور جن صاحب کا ذکر آپ کے خط میں تھا اُن کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار اپنی زبان میں ہی بہتر ہو سکتا ہے۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ آپ کے خاندان اور جائداد پر اتنا بڑا اثر اس انقلاب کا پڑے گا۔ جس سے پنجاب پر اور دہلی پر ایسی

مصیبت آئی ہے اور خاص کر مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کو جس تباہی کا سامنا ہوا ہے۔ خدا ان سب پر رحم کرے اور آپ کو پھر گری ہوئی حالت کو سنبھالنے کی ہمت دے۔ فی الحال تو صرف تھوڑی سی تنخواہ پر آپ کا گزارہ محدود ہے۔

بٹالہ کے ایک شاعر کا گھر چوروں نے لوٹ لیا تھا۔ وہ صبح کو اٹھ کر مکان کے باہر بیٹھ گیا۔ اس کے پاس صرف ایک عینک رہ گئی تھی اور ایک بوتل جس میں پارا تھا۔ دوست پوچھنے آتے تھے کہ کچھ بچا یا نہیں۔ اس نے یہ شعر کہا۔؎

چشم حیران و دل بیتاب بامن ماندہ است　　　زاں ہمہ یک عینک و سیماب بامن ماندہ است؎

وہی کیفیت آپ کی ہے۔ خدا دل بیتاب کو تسکین تاب دے۔ خدا کا شکر ہے کہ مستورات کی آبرو محفوظ رہی۔

"فطرت اسلام" پر آپ کی نظم پڑھی۔ ماشاء اللہ خوب نظم ہے۔ میں ابھی بعض تفکرات میں مبتلا رہا۔ اس لئے ابھی دیباچہ دیوان صادق نہیں لکھ سکا۔ انشاء اللہ آپ کے تعطیلات میں آنے تک لکھنے کی کوشش کروں گا۔

شملہ پر آپ کا دیوان دیکھ رہا تھا کہ یکایک وہاں کے طوفان سے بچنے کے لئے نکل آنا پڑا۔ فوجی CONVOY کے ذریعہ بمشکل تین دن میں یہاں مع والیس پہنچا۔ اس کے بعد سے قدرے علیل ہوں۔ والسلام

۱۹ر نومبر ۴۷ء　　　آپ کا خیر طلب عبدالقادر

---

(۳۰)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ

۳ ٹمپل روڈ لاہور۔

مکرمی آغا سید صادق حسین صاحب صادق۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط ۱۵ر فروری کا لکھا ہوا ملا۔ افسوس کہ آپ کا ادھر رخصت پر آنے کا ارادہ ملتوی ہو گیا۔

میں جب گزشتہ گرما میں شملہ گیا تھا تو آپ کے کلام کے مسودات ساتھ لے گیا تھا اور ارادہ یہی تھا کہ وہیں سے آپ کو پیش لفظ لکھ کر بھیج دوں گا۔ اشعار کو پڑھنا شروع کیا۔ نصف کے قریب دیکھ چکا تھا۔ شملہ میں افراتفری شروع ہوئی۔ میں مع بال بچوں کے وہاں سے ایک فوجی قافلہ کی مدد سے باہر آیا۔ تین دن راستے میں سڑک پر صرف ہوئے اور تین جگہ ہمارے قافلہ پر گولی چلی۔ مگر خدا کے فضل سے ہم بخیریت پہنچ گئے۔

اس دوران میں میری صحت کچھ خراب رہی اس لئے وہ کام جہاں تھا وہیں رہا۔ پھر اسے شروع کرنے کی نوبت

؎ یہ شعر ملا نورالعین واقف بٹالوی کا ہے۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے "خزانہ عامرہ" میں واقف کی یوں لکھا ہے کہ حاکم لاہوری اور واقف حج کے ارادے سے سورت پہنچے۔ واقف میں جہاز کے سفر کی ہمت نہ رہی اور سورت ہی میں ٹھہر رہا۔ حاکم حج کے بعد واپس آیا تو دونوں اورنگ آباد پہنچے۔ اورنگ آباد اور بالاپور کے درمیان سب سامان لٹ گیا۔ اس موقع پر واقف نے مولانا غلام علی آزاد کو حیدر آباد اطلاع بھیجی تھی تو یہ شعر لکھا تھا،

عینک و پارۂ سیماب بامن ماندہ است　　　چشم خواب و دل بے تاب بامن ماندہ است

پارۂ سیماب اس لئے ساتھ تھا کہ واقف کو کیمیاگری کا بہت شوق تھا۔ اور پارہ ساتھ رہتا تھا۔ مولانا آزاد نے حیدر آباد سے کچھ روپے بھیجے تو حاکم و واقف وطن پہنچے۔

ذاتی ملاقات ان شاء اللہ عنقریب پھر شروع کروں گا۔ اس لئے اگر آپ کا کوئی دوست ان دنوں میں مسودات مجھ سے لینے آئے گا تو اسے خالی ہی جانا پڑے گا۔

آپ اپنے کلام کے مناظر قدرت والے حصے کو علٰحدہ چھپائیں تو مناسب ہوگا۔

یہ سن کر کہ کوئٹہ میں نئی انجمن بہار ادب قائم ہوئی ہے اور آپ اس کے سیکرٹری ہیں، خوشی ہوئی۔ اردو کو اب آپ جیسے حضرات کی خدمت کی بیش از بیش ضرورت ہے اور کوئٹہ میں آپ کی کوشش سے بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ والسلام

۲۵ر فروری سنہ۴۶ء　　　آپ کا خیر طلب عبدالقادر

---

(۳۱)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ

۳۔ٹمپل روڈ، لاہور۔ مکرمی جناب آغا صاحب! تسلیمات! کل آپ کا عنایت نامہ مرسلہ ملا۔ ممنون ہوں۔ یہ معلوم کر کے کہ آپ کوئٹہ سے ایک اردو رسالہ "سنگ تراش" نکال رہے ہیں، خوشی ہوئی، دعا ہے کہ خدا کامیاب کرے۔

افسوس کہ میں دو تین ہفتہ سے بیمار ہوں اور صاحب فراش۔ بہت زیادہ بیمار ہو گیا تھا، اب قدرے بہتر حالت ہے مگر ابھی ہلنے چلنے سے معذور ہوں۔ اس لئے ابھی تو آپ کے رسالے کے لئے کچھ لکھنا ممکن نہیں۔ بعد صحت اور بشرط حیات آگے چل کر دیکھا جائے گا۔

آپ کے دیوان کا دیباچہ بھی بدستور تعویق میں ہے۔ خدا مجھے اس سے بخیریت عہدہ برآ ہونے کا موقع دے۔

۳۱ر دسمبر سنہ۱۹۴۶ء　　　والسلام عبدالقادر

---

(۳۲)

بنام جناب تمکین کاظمی صاحب

۳۔ٹمپل روڈ۔ لاہور۔ مکرمی جناب تمکین کاظمی صاحب۔ آپ کا ایک خط میری علالت سے پہلے ملا تھا در ایک درمیانی علالت میں، مجھے افسوس ہے کہ ان حالات میں جواب لکھنے سے میں قاصر رہا۔ اس کے بعد کچھ صحت کا آغاز ہوا مگر کمزوری اب تک باقی ہے۔ آپ کی دعا کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آپ کا رسالہ جو پہنچا اسے دیکھ کر خوشی ہوئی تھی، ابھی کچھ لکھنے کا ارادہ ہی تھا کہ بیماری نے گھیر لیا، اس کے بعد معلوم نہیں کہ اب چل رہا ہے یا نہیں، اس اثنا میں دنیا میں اور خاص کر آپ کی دنیا میں انقلاب عظیم آیا۔ معلوم نہیں اس کا آپ پر اور آپ کے کاروبار پر کیا اثر پڑا۔

امید ہے کہ آپ ذاتی طور پر بفضلہ بخیریت ہوں گے۔

۲۷ر مئی سنہ۴۹ء　　　آپ کا خیر طلب عبدالقادر

---

(۳۳)

بنام جناب نصیر الدین ہاشمی صاحب

مکرمی جناب نصیر الدین ہاشمی صاحب زاد لطفکم۔ تسلیم۔ آج بذریعہ رجسٹری آپ کی بیش بہا کتاب "یورپ میں دکنی مخطوطات" مجھے پہنچی۔ میں آپ کی اس غائبانہ عنایت کا دل سے ممنون ہوں اور آپ کے اس تحفہ کو بنا

قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ میں نے سرسری نظر میں ہی اس قدر تو دیکھ لیا کہ آپ نے نہایت محنت اور کاوش سے ادب اردو کی ایک بڑی خدمت کی ہے۔ کتاب کے مفصل مطالعہ سے انشاء اللہ اوقات فرصت میں مستفید ہوتا رہوں گا۔ امید کہ اردو کے شائقین آپ کی حوصلہ افزائی کریں گے۔ اور آپ اسی طرح کے اور اہم کام انجام دے سکیں گے۔ والسلام

آپ کا مخلص سر عبدالقادر

مولانا محمد علی جوہر

(۱)

قبلہ و کعبہ!

السلام علیکم۔ ابھی سرکار سے آ رہا ہوں اور چونکہ رجسٹری شدہ ڈاک میں چند منٹ باقی ہیں اس لئے عریضہ لکھے دیتا ہوں۔
سرکار نے کچھ نہیں کہا۔ صرف یہ پوچھا کہ اطلاع مل گئی یا نہیں؟ میں نے کہا کہ جی ہاں۔ فرمایا "پھر؟" میں نے کہا میں تو لکھ چکا ہوں کہ جو حکم ہو میرا آنکھوں پر۔ بڑے صاحب کا حکم میں نہیں مانتا۔ سرکار کا حکم ہے۔ میں ان سے واقف نہیں ہوں۔ کہا "پھر!" میں نے بھی کہا لفٹننٹ گورنر صاحب کو شک تھا۔ میں نے کہا کہ اس میں شک کی جگہ ہی نہیں ہے۔ وہ میرے اشارے کے خلاف نہ چلیں گے۔ پھر فرمایا کہ لاٹ صاحب نے کہا کہ آپ ان سے قطع تعلق کر دیجئے۔ اس پر میں نے کہا کہ یہ ناممکن ہے۔ وہ میری رعایا ہیں۔ ان کا خاندان مدتوں سے میری ریاست کا ایک جزو ہو گیا ہے۔ لاٹ صاحب نے کہا کہ خیر آپ ان کو آئندہ جرأت نہ دلائیں۔ سرکار نے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے۔ آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہ ملے گا۔ آج ہی تار دے رہے ہیں کہ محمد علی آ رہا ہے۔ شوکت علی اور محمد علی دونوں کو مفصل کیفیت سمجھا دی ہے آئندہ اطمینان رکھیں شکایت کا موقع نہ ملے گا۔ محمد علی آپ کے پاس حاضر ہونا چاہتا ہے کب بھیجوں۔ میں نے تار میں ایسا کوئی لفظ نہیں آنے دیا کہ جو آپ فرمائیں گے وہی وہ کرے گا۔ گویا گذشتہ را صلوٰۃ آئندہ را احتیاط۔[1]

محمد علی — رام پور ۱۰؍ دسمبر ۱۹۰۷ء

(۲)

چھندواڑہ ۲۰؍ اپریل ۱۹۱۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر و حبیب الاحترام!

السلام علیکم — ۸؍ اپریل کے محبت نامہ کا جواب آج دیتا ہوں اور محجوب ہوں کہ اس تاخیر کا باعث سوائے اس کے کچھ نہیں بیان کر سکتا کہ اس عرصہ میں برابر غم و غصہ کا شکار رہا۔ میں جو بڑے بڑے معاملات میں بھی آج کے عارضی فیصلوں کا

---

[1] یہ مکتوب غالباً نواب صاحب رام پور کو لکھا گیا تھا۔

قائل ہیں اور ان تمام ہنگاموں کو "شرِّ نفس" سے زیادہ نہیں سمجھتا۔ ۸ اپریل کے فیصلہ پر کیا "بندۂ دام فریب" ہوں گا۔ مگر دوستوں کی محبت اس زمانہ میں بھی جبکہ نفرت کا بازار گرم ہے دو چار آنسو بطور خراج کے وصول کر ہی لیتی ہے اور ۸ اپریل کو میرے چند عزیز ترین دوست مدناجل ہو گئے۔ اس لئے میرا غم و غصہ بے جا نہیں ـــــ مگر موت جسمانی نہیں، اس لئے کہ میں تو اس کا قائل ہی نہیں ہوں۔ بہت سے مُردوں کو جن کی ہڈیوں تک کا بھی پتہ نہیں چلتا "علی احیاء" میں شامل کرتا ہوں مگر ان جیتی جاگتی کٹھ پتلیوں کو جو قومی سٹیج پر نچائی جاتی ہیں اور نچائی جا رہی ہیں مُردوں سے بدتر سمجھتا ہوں کیونکہ موت ان کے جسموں کو نہیں آئی بلکہ ان کی روحوں کو۔ تم تو پہلے ہی کہہ چکے ہو کہ ؎

محروم ہوں، مجبور ہوں، بے تاب و تواں ہوں
مخصوص تو بے غم کا مزا میرے لئے ہے

پھر جس چیز کا حقیقی معنوں میں اجارہ دار کو اس دربار سے مل گیا ہو اس میں شرکت کے دعویٰ کی مجھ سے جرأت نہیں ہو سکتی۔ تاہم یہ بھی سچ ہے کہ میں بھی کسی قدر محروم و مجبور ہوں۔ اس پر بھی میں نے انصاری کو راہِ راست پر استقامت کی، جس طرح مجھ سے ہو سکا ترغیب دی اور امید کی کہ میری اس دعا کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوگا کہ "ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ہدیتنا"۔ میرا خط جو ان کو بھیجا گیا تھا، کوئی معمولی تحریر نہ تھی۔ اس میں میرے تفکرات کے متعدد گوشے منعکس تھے۔ مگر برادرم آخر ش یہی معلوم ہوا کہ جس دنیا میں یہ لوگ رہتے ہیں وہ اس دنیا سے بہت مختلف ہے جہاں ہم بے بس رہتے ہیں۔ ہمارے تمام خیالات تمام اندازے ان کی تمام تجویزیں فضول اور غیر متعلق ہیں۔ میں نے غالب کے ایک مصرع پر جو غزل لکھی تھی اس میں ایک شعر تھا ؎

تقیے کے بعد خوف کہاں حزن پھر کہاں
عالم ہی اک جدا ہے وہ رنج و محن کہاں

تقیے کا دعویٰ کرتے بھی ڈر لگتا ہے اور یہ سب جھوٹا فخر ہوگا اگر میں کہوں کہ میں متقی اور خدا ترس ہوں۔ مگر باوجود بار بار ایسا اور کم از کم چھوٹی موٹی تکلیفوں کے اب تک اس وعدہ الٰہی کو سچا جان رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ وہ پورا بھی ہو رہا ہے کہ "[illegible]" اس لئے باوجود فاسق و فاجر اور بندۂ حرص و ہوا ہونے کے اپنے کو اپنے دیرینہ احباب کی دنیا سے ایک الگ دنیا میں پاتا ہوں اور گو اس دنیا کو اس پرانی دنیا سے بدرجہا بہتر جگہ پاتا ہوں اور خوش ہوں کہ اس کی سرحد میں داخل ہو رہا ہوں۔ تاہم پرانے تعلقات دامنگیر ہوتے ہیں اور گو خود بھی چھڑا لیتا ہوں تاہم دامن کے گوشے اس خارستان گلستان منظر میں الجھے رہ جاتے ہیں جن کے لئے آنسوؤں کا ایک چھوٹا سا قافلہ رواں ہو جاتا ہے۔ افسوس کہ ہمارا ـــــہ سے زیادہ ہمت والے نہ تھے۔ اب انہی کی نہیں بلکہ خود حریت کی جنگ ہنسائی ہو رہی ہے۔ مگر اس کا زیادہ رنج نہیں۔ رنج پرانے دوستوں کی رفاقت چھوٹنے کا ہے۔ غالب نے سچ لکھا تھا کہ ؎

دھمکی میں مر گیا جو نہ بابِ نبرد تھا
عشقِ نبرد پیشہ طلبگارِ مرد تھا

مگر اچھا ہوا یہ جھوٹا سہارا بھی گیا۔ اب ایک سہارا باقی ہے اور وہ ہمیشہ کافی تھا اور اب بھی ہے۔ غالب کی غزل کا

ــــــــــــــــ

ــہ یہاں پڑھا نہیں گیا۔

ایک شعر پچھلے کئی برسوں سے دل میں کھب چکا ہے ؎

چاک مت کر جیب کو بے فصلِ گل
کچھ اُدھر کا بھی اشارہ چاہیے

اس پر ایک نامکمل غزل قافیہ کو ردیف کر کے میں نے بھی لکھی تھی جس کا ایک شعر ہے ؎

ایک ہی در کا بھکاری ہوں مجھے
اک فقط تیرا سہارا چاہیے

گو لکھنے کو تو لکھ گیا۔ خود اب جا کر کہیں اس کا مفہوم سمجھا ہوں اور پھر سورۂ یوسف پڑھتا ہوں تو اس آیۂ کریمہ کا مطلب اب سمجھ میں آتا ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت یوسفؑ نے فرعون کے جام بردار سے اس کی رہائی کے وقت کہا تھا کہ مجھ کو بھی ذکر پہنچاتا رہے کہ وہاں کہ مفت ظلم ہوتا ہے، اور وہ بھول گیا اور اس طرح چند سال اور حضرت یوسفؑ مبتلائے زندان رہے۔ جب ایسے برگزیدہ پیغمبر کے لئے بھی فرعونوں کی یاد دہانی داخل شرک نہیں تو کم از کم مذموم سمجھی گئی اور اس خدا شناس کو اس میں بھی استعانت غیر اللہ کا شائبہ معلوم ہوا تو پھر ہما شما سے تمام تعلقات، تو شرک جلی ٹھہرے۔ اقامت صلوٰۃ میرا ایمان، اجماع امت پر میرا اعتماد، تاہم بعض اوقات اس تنگ و تاریک حجرہ میں عبادت اپنی نجات کے لئے زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہے جہاں ایک وقت میں ایک ہی عبادت کرنے والا اپنے معبود کے حضور میں کھڑا ہو کر اپنی بندگی کا اظہار کر سکتا ہے خوف ہوتا ہے کہ کہیں اپنے مذہب کی وسیع و فراخ مساجد میں نماز کے ساتھی، اور خود امام بھی مجھے کفر و شرک کی طرف نہ گھسیٹ لے جائیں اور دوسروں کی اصلاح تو گئی خود اپنی نجات سے مایوس ہونا پڑے۔ سب کچھ ہو ہوا کر اب یہی رہ گیا ہے کہ اپنی جان بچانے کی کوشش کروں، اور مدرسہ کو چھوڑ کر پھر خانقاہ میں اعتکاف کروں۔ بھائی دعا کرو کہ اگر اپنی نجات کے متعلق خوف و ہراس ہی کی سمجھ تو ہو مگر دوسروں کے متعلق یہ بے اعتباری باقی نہ رہے۔ اگر یہی حالت رہی تو کہیں کا نہ رہا۔ البتہ جب تمہارا خیال آتا ہے اور تم سے بھی زیادہ جن کا رجوع صرف تمہارے ناموس کو بلکہ ہم سب کے ناموس کو اس طرح ہمت و جرأت کے ساتھ سنبھالے ہیں اور صامت و ساکت ہیں بلکہ کلمۂ حق کو آواز دے دیں سب کو سنا رہی ہیں، وہ بے اعتباری دور ہوتی ہے اور جس طرح خدا سے میں مایوس نہیں ہوں اسی طرح اس کے بندوں سے مایوسی بھی قریب کم معلوم ہوتی ہے۔ مگر یہ لوگ قومی اسٹیج کی کٹھ پتلیاں نہیں ہیں۔ مری غریب اور کمزور لوگ ہیں جو سے، اسلام کی ابتدا ہوئی تھی۔ رہے یہ حضرات تو ان کے متعلق زندگی تو بہت پہلے سے تھی۔ چنانچہ میں نے متعدد بار ان "آزادوں" کے مضمون کو غزلوں میں باندھا۔ مثلاً ؎

تم سے مقابلہ کی کسے تاب ہے ولے　　میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد

یا ؎

ہیں بستۂ لب شوق پہ ارباب حسن بھی　　یہ طائفہ عجیب ہے اک مرد و زن سے دور
ہے بندۂ کربلا سے بھی اقرب یہ بیعہ بھی　　اور چاہتے یہ ہیں کہ نہ ہوں پنجتن سے دور

یا ؎ دشمنوں سے مطلب ہے نہ کچھ　　دوستوں سے بھی مدارا چاہیے

دعا فرمائیں لطف کو دوستوں کے لئے اور مدارا کو دشمنوں کے لئے لازمی گردانتے تھے۔ ہم دوستوں کے لئے مدارا [1] ۔۔۔
سب کچھ لکھ تو دیا ہے اور آپ بھی، اس طرح لکھ رہا ہوں کہ گویا ہم ہی ابناء اللہ اور احباء اللہ ہیں۔ مگر برادرم! اس حیرت انگیز انقلاب
کو دیکھ کر خوف ہوتا ہے کہ کہیں بڑا بول آگے نہ آئے۔ بنی اسرائیل کا وہ واقعہ یاد آتا ہے جس کا قرآن کریم میں مذکور ہے "تولوا
الا قلیلا منہم" خود مسلمانوں نے بعض اوقات اس خیر القرون میں بھی سنت بنی اسرائیل کی تقلید کی تھی چنانچہ منہزمین احد
سے کہا گیا تھا کہ "ولقد کنتم تمنون الموت من قبل ان تلقوہ فقد رأیتموہ وانتم تنظرون"۔ دعا کرو کہ یہ حال اپنا بھی نہ ہو بلکہ
آخر تک ایمان اور عمل صالح پر قائم رہیں۔ تمہاری دعا ضرور مقبول ہو گی اس لئے کہ اوّل تو آلِ رسول، پھر تقلید سنت ابرار
سے مشرف ہو چکے ہو۔ اب چونکہ تم نے مجھے بھی اپنے زمرہ میں جو ابرار اور احبار کا ہے شامل کر لیا ہے اور خود کچھ بچے ہو کر

ع خوش اس حال میں جو ہر کی ہے آزاری بھی ہے

خیر یہ تو ہوا۔ میں نے لکھا تھا کہ تم پیشگوئی کرتے ہو کہ جمہور کی خواہش کے خلاف احبابِ استبداد ایک
ذلیل یونیورسٹی قائم کرنے میں ہرگز کامیاب نہ ہوں گے۔ ارے بھائی اس میں پیش گوئی ہی کیا ہے۔ تم تو ان کے متبع ہو جو خوابوں
کی صحیح تعبیریں بیان فرمایا کرتے تھے اور اس طرح حبس سے نکل کر تخت تک پہنچ گئے۔ میں کہ اس مقام سے بہت دور ہوں، یہ
تو میں بھی جانتا تھا اور سال گذشتہ ہی میں سب کو جتلا چکا تھا کہ یہ بزاز کی مدرسہ یونیورسٹی کا نہیں ہے بلکہ قوم کی بیکسی اور تمہاری
خواری و خرابی کا' اور یہی یونیورسٹی ترش کر کہ اسے ہم بنا بھی گئے ہیں۔ نہ تمہارے قوم فروش اور کالج فروش کیونکہ ہم سے کسی نے
حتمی وعدہ کر لیا ہے اور وہ وعدہ کا سب سے سچا بھی ہے کہ "ولا تہنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین"۔ اگر خوف
ہے تو اس شرط کا کہ "ان کنتم مومنین" سو خدا سے دعا ہے کہ ہم کو ایمان پر قائم رکھے اور ان بزرگوں کی تقلید کی توفیق عطا
فرمائے جن کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ "فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہ وما ضعفوا وما استکانوا واللہ یحب الصابرین"
اگر ہم ایمان پر قائم رہے تو پھر سنت اللہ میں تو تبدیلی ہو ہی نہیں سکتی۔ ہمارا انعام کہیں نہیں گیا ہے۔ وہاں تو ملے ہی گا مگر
بیعانہ یہیں مل جائے گا کیونکہ وہ فرماتا ہے کہ:

"فآتاھم اللہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الآخرۃ واللہ یحب المحسنین"

اس پر میں نے لکھا ہے کہ ؎

انعام کا عشق کے تو کیا پوچھنا لیکن
دنیا میں بھی ایماں کا صلہ میرے لئے ہے

اچھا اب رخصت ہوتا ہوں۔ تمہارے دونوں دیوان پڑھ چکا اور نہایت غور سے پڑھے اور بار بار پڑھے۔ ارتقائے سخن
ظاہر ہے۔ اب اگر یہ لکھتا ہوں کہ

ع اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

تو اس کے صریح معنی یہ ہوں گے کہ جو سختیاں الہ آباد، جھانسی، پرتاب گڑھ اور فیض آباد میں جھیلنا پڑیں ان سے زیادہ کا متمنی
ہوں۔ مگر یہ بھی ہوں تو جانتا ہوں کہ تم زیادہ کے بھی متحمل ہو گے اس لئے کہ وہ خود کسی نفس پر اس کی سکت سے زیادہ تکلیف کا
بوجھ نہیں ڈالتا اور یہ جن کے سینہ میں سوا ان کو سوا ملتا ہے۔ غم و اندوہ کے لئے لکھا گیا ہے۔ تم میری غزلیں منگواتے ہو،

---

[1] یہاں کچھ عبارت پڑھی نہیں گئی۔

اچھا بھیج دوں گا۔ مگر بھائی تم شاعر سمجھتے، میں شاعر نہ تھا۔ البتہ عنایتِ ازلی نے تمہیں تین دیوانوں والا بنا دیا تو اس قسم کی عنایت نے مجھ سے بھی تین چار غزلیں لکھوا دیں۔ پہلے بھی تک بندی کر لیتا تھا مگر کاغذ کے پھولوں میں خوشبو نہیں ہوتی۔ اب کچھ بُو باس آنے لگی ہے، سو بقول تمہارے یہ تیرے غم کو دے کیوں مگر دعا دل۔ اس وقت صرف نظر بندی کی پہلی غزل لکھے بھیجتا ہوں۔ بہن کو کل خط لکھوں گا۔ تم میری افسردگی کا ذکر کر کے میری طرف سے معافی مانگ لینا ورنہ وہ ناراض ہی رہیں گی کہ جواب کیوں نہ دیا۔

تمہارا مرید باعقیدت، محمد علی

(۳)

بنام نواب سید علی حسن خاں

مکرمی!

السلام علیکم۔ ہمدم کے ذریعے سے آپ کے برادر محترم نواب نورالحسن خاں صاحب[1] کے انتقال پر ملال کا حال معلوم ہوا۔ خدا مرحوم کو غریقِ رحمت فرمائے اور آپ کو اور مرحوم کے سب پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

میں نے خط و کتابت تقریباً ترک کر دی ہے مگر دل نہ مانا کہ اس موقع پر اظہارِ ہمدردی سے دریغ کروں۔ حالانکہ جانتا ہوں کہ اس قسم کے اظہار سے کچھ حاصل نہ ہوگا نہ شاید اس کے لکھنے سے کہ آج بازارِ اجل ساری دنیا میں گرم ہے ہم کو بھی اپنے مصائب پر صبر کرنا چاہیے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ ہم کو ان حوادث سے عبرت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ایمان کو جان و مال پر ترجیح دینے کی ہمت دے۔ یہ سب اسی کی امانتیں ہیں اور خدا ہم سب کو امانت میں خیانت سے بچائے۔ آپ بھی ہمارے لئے دعا فرمایئے کہ ثباتِ قدم عطا فرمائے۔ "ربنا اغفر لنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین۔"

برادرم رشید الدین حسن صاحب کی خدمت میں بھی آداب عرض کرتا ہوں۔ خدا ان کو اور ان کی زوجہ محترمہ کو بھی صبر عطا فرمائے۔ والسلام!

نیاز مند: محمد علی۔ چھندواڑہ (ممالک متوسط) ۷ر نومبر ۱۹۱۸ء

یہ مکتوب مختصر سی تمہید کا متقاضی ہے۔ سلطان عبدالعزیز مرحوم والیٔ نجد نے حجاز فتح کر لیا تھا۔ اہل حجاز نے جنوری ۱۹۲۶ء میں انہیں بادشاہ تسلیم کر لیا۔ مجلس خلافت میں حجاز کے انتظام کے متعلق اختلاف رائے موجود تھا۔ مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور ان کے رفقا چاہتے تھے کہ حجاز کو ایک بین الملی انتظامی ادارے کے حوالے کر دیا جائے۔ دوسرے گروہ کے نزدیک یہ تجویز بجائے خود بھی ناقابلِ عمل تھی اور اس میں خرابی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ آزاد اسلامی حکومتیں اس باب میں چنداں سرگرم نہ تھیں اور صرف مسلمانانِ ہند کی طرف سے اس کے پیش ہونے کا کوئی اثر نہ ہو سکتا تھا۔ نزد

---

[1] یہ نواب صدیق حسن خاں کے فرزند اکبر تھے۔

تنہا انتظام کا سر بار اٹھا سکتے تھے، نہ ان کی نگرانی کے پیشِ نظر سلطان یا اہلِ حجاز سے اس تجویز کے قبول کی امید ہو سکتی تھی اور بصورت موجودہ کوئی اور جوتہ ہی اٹھایا جا سکتا تھا۔ پنجاب کے تمام ارکانِ خلافت بالاتفاق مولانا محمد علی کی رائے کے خلاف تھے۔ یہی زمانہ ہے جب مولانا نے انہیں پنجابی ٹولی کہکر پکارنا شروع کیا۔

سلطان عبد العزیز نے ۱۹۲۶ء میں حج کے موقع پر ایک موتمر منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے لئے تمام اسلامی ملکوں کو دعوت نامے بھیجے۔ مدعوین میں مجلس خلافت بھی شامل تھی۔ نمائندوں کے انتخاب کے لئے مجلس مذکورہ کا ایک اجلاس دہلی میں بلایا گیا۔ اس کے دستور کے مطابق مختلف اصحاب نے مختلف نام پیش کئے۔ ارکانِ پنجاب کی طرف سے مولانا عبد القادر قصوری مرحوم کا نام پیش کیا گیا۔ جیسا کہ اندیشہ تھا، دونوں کے سلسلے میں خاصی کشمکش اور گرمی پیدا ہوئی۔ مولانا نے جو تفصیلات اپنے مکتوب گرامی میں پیش کی ہیں یا جو قیل و قال فرمائی ہے اسے موضوعِ بحث میں لانے کا یہ موقع نہیں تاہم اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ ارکانِ پنجاب کا پیش کردہ نام منظور نہ ہو سکا اور مولانا محمد علی مرحوم جن اصحاب کو منتخب کرانا چاہتے تھے وہ کثرتِ رائے سے منتخب ہو گئے۔

چونکہ رائے شماری کی گرمی ہنگامہ میں ایک گونہ ناخوشگواری پیدا ہو گئی تھی، اس لئے مولانا ابو الکلام آزاد اور مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم نے دونوں فریق کو سمجھا کر معاملات کو طبعی رفتار پر لانے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں وہ مولانا محمد علی مرحوم سے بھی ملے جس کا ذکر مولانا نے فرمایا ہے۔

میں اس زمانے میں "زمیندار" میں تھا اور پیشِ نظر مباحث میں اختلاف رکھنے کے باوجود بے تکلف مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی سے ملتا تھا۔ اپنے فہم و بصیرت کے مطابق میری کوشش یہی تھی کہ ایک خاص معاملے میں اختلاف کے باعث تعلقات میں ناخوشگواری پیدا نہ ہو۔ اس ضمن میں اپنے خیال کے مطابق مصالحت کے مناسب پہلو بھی پیش کرتا رہتا تھا۔

مولانا کی صحت اس وقت بھی خاصی خراب تھی۔ بیماریوں کا غلبہ تھا۔ اپنے معتقدات و آراء میں یگانہ خلوص و پختگی کے باعث وہ خفیف سے اختلاف پر بھی غصے میں آ جاتے تھے اور سخت سے سخت باتیں کہہ دینے میں بھی تامل نہ فرماتے تھے۔ اس کی شہادت خود مکتوب بھی پیش کر رہا ہے۔ خدا شاہد ہے کہ ان کی کسی بھی بات پر کبھی ملال پیدا نہ ہوا۔ ان کی بے مثل شخصیت اور بے مثال قربانیوں کے باعث دل میں احساسِ عزت و احترام کے جو جذبات موجزن تھے وہ برابر قائم رہے۔ محاسن کی فراوانی نے انہیں محبت کا ایسا پیکر بنا دیا تھا جس سے نیاز مندانہ وابستگی بہرحال زندگی کی ایک عزیز متاع تھی۔ وہ یقیناً ان یگانہ افراد میں سے تھے جن کی جگہ سو عظیم انسانی شخصیتیں مل کر بھی پُر نہیں کر سکتیں۔

یہ تحریر ہیچ کی تھی لیکن اب کہ ان کی وفات پر ربع صدی سے زیادہ مدت گزر چکی ہے، اسے تاریخ کے طور پر شائع کر دینا غالباً نامناسب نہ سمجھا جائے گا۔

(غلام رسول مہر)

تمہارے تمہارے ہر طرح نیاز مند" سالک صاحب ہیں کہ سالک بے خبر ہیں دوز راہ و رسم تی کی تحریر[1] کا جواب نہ رمضان میں
دیا نہ عید کے بعد ہی دیا۔ تمہارے اور تمہارے "راجہ" ظفر علی خاں عرف "مالک ہندکو" مدیر مسئول نے پروپیگنڈہ[2] کا جس پر
"زمیندار" کی قلمی پالیسی سے اصولاً تمہارے کوئی تعلق نہیں[3] ہے جواب دینا ضروری تھا لیکن پھر بھی بار بار لکھ دیا۔ تم نے اور
تمہارے جتھہ والوں نے منہ کی کھائی اور پھر ہار کر بگڑی بات کو بنانے کی کوشش کرنے لگے۔ اس کو ندا چھوڑنے کا ارادہ
تھا مگر تحمل سے کام ہو گیا۔ اس کے بعد بھی تم لوگ باز نہ آتے۔ جلسہ میں صدر کی علامت سے تمہارے جتھے نے یہ اعلان کی کوشش
تمہاری تجویز کی مخالفت میں کی یہاں تک کہ شوکت کا اور میرا نام جس طرح تم نے زمیندار کی فہرست "اہل حق" میں ابھی ابھی
اور بزعم خود صفائے ہیروں جناب حکیم صاحب[4] اور ... مندوب الذہب ... سے تیمان سے خارج کر دیا تھا اسی طرح تمہارے
صدر صاحب نے اپنی دست سے ہی صاف ہی اور مجھے مجبور کیا کہ میں زندگیوں کی طرح سے پس پردہ نہیں بلکہ صاف صاف
خود ہی اور شوکت صاحب کا نام پیش کر دیا۔ پھر جب ووٹ گننے کا وقت آیا تو تم نے سیکرٹری خلافت کمیٹی پر اپنی بیہودہ
بے اعتمادی کا ثبوت اس طرح دیا کہ خود ووٹ شماری کرنے بیٹھ گئے۔ ایک اور شخص نے تم پر بے اعتمادی کا ثبوت اسی طرح
دیا مگر ہم نے منع کر دیا اور سیکرٹری کی طرح نہیں بھی ہمارا ساتھ شماری کرنے دی۔ وہ تو صدائے کی منظر تھا کہ تم لوگ ذلیل ہو
اور تم نے شعبدہ غریب کے ۱۲ ووٹ گنے۔ اگر تم نے بھی افضل کی طرح ۱۰ گنتے ہم نے تو تمہارے صدر صاحب کا شکست ٹوٹ
ضرور اسی غریب کے خلاف ہوتا۔ پھر ظفر علی خاں کے کذب و افترا کا پردہ چاک کرنے کے جرم میں جناب صدر کی طرف سے
ذہنیت وکیلوں کا خواص ٹھہرا دیا گیا۔ تو یہ لوگ تمہاری طرح جلسہ سے فرار نہ ہو جاتے۔ ووٹ دوبارہ گنے گئے ور ۱۸ نکلے۔
تم ذلیل نہ ہوئے مگر اس پر بھی تم نے عبرت حاصل نہ کی۔ اب مطالبہ ہوا کہ عبد القادر صاحب صدر الصدور جمعیت اہل حدیث
و پنجاب یار خلافت کے ووٹ بھی گنے جائیں۔ اب تمہارے نامزد کے فقط ۱۲ ووٹ نکلے اور ذلیل ہوئی۔ ظفر علی خاں
کے ۹ ووٹوں نے تمہیں اور ذلیل کیا۔ تاہم ان تمام حقیقتوں پر تم نے پردہ پڑ رہنے دیا۔ شام ہی کو حکیم صاحب[4] اور تمہارے
صدر صاحب تشریف لائے اور مجھے یقین دلایا کہ تمہارے صدر الصدور قصوری صاحب نے بھی اپنی بے قصوری کا ثبوت
تم کو سمجھا کر دیا ور تم نے پایا کہ تم اور ظفر علی صاحب اور اہل حدیث خلافت کے وفد کے خلاف کچھ۔ لکھو گے اور جلسے کی
روداد کے متعلق کوئی مخاصمانہ و معاندانہ پہلو اختیار نہ کیا جائے گا مگر افسوس کہ وعدہ نہ رہ گیا اور آخر تم پر تحریر چھپ ہی گئی۔
اب تم سے اتنی التجا ہے کہ آئندہ مجھ سے اپنی عقیدتمندی وغیرہ کا دعویٰ میرے سامنے نہ کرو گے۔ میں کسی سے
منافقہ نہیں چاہتا۔ جن کو اچھا سمجھتا ہوں ان سے تو شاید اسے چھپا بھی لوں مگر جن کو برا سمجھتا ہوں ان پر کسی نہ کسی طرح
اور اکثر بہ سخت و سست کہے ہوئے اسے ظاہر کر ہی دیتا ہوں۔ ایک بار نہیں بلکہ کئی بار تم "زمیندار" میں میرے خلاف
لغو بیانیں کئے "سہواً" چھپ جانے کا اعتذار کر چکے ہو۔ اب آئندہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہیں تم لوگ "اہل حدیث" اور حنبلی اور غیر مقلد"

---

[1] یہ پنجابی کا لفظ اڑنگا ہے۔ [2] جس میں سے دو تین مرتبہ اخبار میں لکھا تھا کہ مولانا ظفر علی خاں "زمیندار" کے مالک ہیں لیکن پالیسی کے ذمہ دار ایڈیٹر ہیں۔ مقصود یہ تھا کہ "زمیندار" کی کسی تحریر سے مولانا محمد علی اور مولانا ظفر علی خاں کے باہمی تعلقات میں فرق نہ آئے اور جواب صرف ایڈیٹروں سے مانگا جائے۔
[3] ان تفصیلات پر بحث غیر ضروری بھی ہے اور غیر مناسب بھی۔ [4] مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم۔ مہر

نہیں "وہابی" اور "غیر مقلدوں" کی تقلید جامد کرنے والا اور وہابیوں کی ہر بدعت کی اسی طرح حمایت کرنے والا سمجھتا ہوں جس طرح بعض نام نہاد حنفی سلطان ابن سعود کے متعلق ہر خبر کا جو ان کے خلاف ہو یقین کرنے والے ثابت ہوئے ہیں۔ گو یہ بھی معلوم ہے کہ تم جب مجھے نماز پڑھاتے ہو تو نہ رفع یدین کرتے ہو نہ آمین بالجہر کہتے ہو اور برخلاف اس کے ظفر علی خاں جب ایک اہل حدیث کے پیچھے حجاز میں نماز پڑھتے ہیں تو آمین بالجہر پکارتے ہیں۔ میں تم کو اپنا دوست نہیں سمجھتا بلکہ حاسد اور دشمن جانتا ہوں۔ اگر چاہتا تو جو وقت اس حج کی تحریر لکھنے میں صرف کیا ہے "ہمدرد" کا ایک مضمون اسی مطلب کا لکھنے میں صرف کرتا۔ لیکن میرا پاک حجاز کا قصد ہے یہ نہیں چاہتا کہ حق کی حمایت ہی میں کیوں نہ ہو تمہارے اور جتھے کی تمیز کم لئے ہیں "ہمدرد" کے کالموں کو صرف کروں اور عین اس وقت جب کہ ہنود کی مخالفت سے مسلمانوں کو بچانے کی تدابیر سوچی جا رہی ہیں آپس کے بغض و عناد کا مظہر بنوں اس لئے تمہیں کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔

برادرم! ان "ایک دو عظیم الشان شخصیتوں" پر رشک و حسد نہ کرو۔ "ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ واسع علیم" ان شخصیتوں کی "پرستش" یوں ہی نہیں ہوا کرتی۔ ہمارے پاس تم سے اور تمہارے جتھے والوں سے زیادہ دولت و ثروت نہ تھی، نہ ہی خاندانی وجاہت ہے ہم اس درجہ کو پہنچے ہیں۔ قوم کی خدمت کرتے ہیں، اللہ سے ڈرتے ہیں (گو اور زیادہ ڈرنا چاہیے) اور لومۃ لائم کی پروا نہیں کرتے۔ سلطان جابر اور "عظیم الشان شخصیتوں" کے آگے بھی صاف بات کہنے سے نہیں چوکتے اور منافقانہ کسی سے نہیں ملتے۔ اگر یہ طریقہ استعمال کرو گے تو اسی درجہ پر پہنچ جاؤ گے ورنہ ایک دوسرے ظفر علی خاں بن جاؤ گے۔

تم نے صبر و تحمل کا اب تک ثبوت دیا ہے نہ انکسار حقیقی اور صفائے قلب کا۔ تم سے اس کی امید نہیں کہ "ٹھنڈے دل سے" اس جواب کو پڑھو گے اور اس پر غور کرو گے۔ لیکن خداوند کریم سے دعا ہے کہ تمہارے دل میں اس کا یقین ڈال دے کہ جس غرض سے یہ خط لکھا گیا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ ایک آخری کوشش اور کر لی جائے کہ ایک نوجوان مسلمان جس کو اس نے قابلیت سے محروم ہرگز نہیں رکھا ہے راہ راست پر آجائے اور ریاکاری اور رشک و حسد اور غلو اور جتھہ بندی کو چھوڑ کر حق پرستی و حق گوئی کو اپنا شعار بنائے اور آئندہ چل کر قوم و ملک کی بہترین خدمت کر سکے۔

یہ تحریر بیچ کی ہے اور شائع کرنے کی غرض سے نہیں بھیجی جاتی۔ ۸، ۹ مئی کے جلسے کے انتظامات کا بوجھ اور "کامریڈ" و "ہمدرد" کے قرضے کی ادائیگی کی فکر اور پھر اپنے سفر حجاز اور حج کے اخراجات کی فراہمی مارے ڈالتی ہے۔ ایسے وقت میں نہ وقت میرے پاس نہیں ہے کہ میں بحث مباحثے میں الجھتا رہوں۔

اگر میری اس تحریر کی سختی کو جا بے جا سمجھتے ہو تو خیر ورنہ اسے للہ معاف کر دو کہ زندگی کا کیا اعتبار ہے اور میں صحت کو پہلے ہی خیرباد کہہ چکا ہوں۔ اگر نہیں معاف کر سکتے تو ایک بار دل کڑا کر کے مجھے برا بھلا کہہ دو میں چلنے سے پہلے للہ معاف کرنا چاہوں گا اور کہے سنے کی معافی چاہ لوں گا۔ والسلام!

تمہارا خیر طلب بھائی، محمد علی ۲ / مئی ۱۹۲۶ء

(۵)

بنام مولانا شوکت علی

پیارے شوکت!

عید مبارک۔ عید مبارک کا تحفہ دس پیر والٹ بھیج رہا ہوں۔ یہاں تو ہم سب اچھے ہیں اگر گلناؔ کے برس کا علاج ہو رہا ہے، روحیہ کا علاج بھی حکیم تفضل حسین خاں صاحب کا جاری ہے۔ انجمن کے پاؤں پر بھی کسی قدر ورم ہے۔ میں ڈیپ تو تھوڑا ہا مگر عزیز تفضل حسین خاں صاحب کی گولیاں کھا رہا ہوں، انشاء اللہ کل پرسوں خاندورہ کا امتحان کراؤں گا۔ افلاس نے پریشان کر دیا ہے۔ خدا رحم کرے۔ آپ کی حالت مجھ سے بدتر ہے اور میری ایک حساب سے آپ سے بدتر ہے کیونکہ دو سو روپیہ ماہوار کا خسارہ ہے، اور نہ اس کے کم کرنے کی کوئی صورت ہوتی ہے نہ اس کے کسی سے دلوانے کی۔ خداوند کریم ہمارے ایمان، صبر، سلام اور حب وطن کی آزمائش فرما رہا ہے۔

آپ کا خط کل ملا۔ لکھیں کہ اپنی مالی حالت لکھ بھیجی ہے اور پوچھا ہے کہ کم سے کم کس قدر رقم تمہیں درکار ہوگی۔ اگر میں ادا کر سکا تو کر دوں گا، پھر جاری کر کے دونوں اخباروں کے ذریعہ سے خسارہ کو گھٹاؤں گا، ورنہ پھر پبلک زندگی کو خیرباد کہہ دوں گا۔ لڑکوں کو پڑھا کر پاس دو سو روپیہ ماہوار پیدا کر دوں گا۔ امجدی اور لڑکیاں کپڑا سی کر گزارا پیدا کریں گی، ان کو بھی پڑھاتا رہوں گا اور مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر قرآن کریم و حدیث شریف پڑھوں گا اور کوئی اگر میرے خیالات سننا چاہے گا تو اسے سنا دیا کروں گا۔ اب یہ ممکن نہیں کہ ترک تعاون جاری رکھ کر، جس کا چھوڑنا ترک اسلام ہے، اخبارات کے خسارے بھی ادا کیا کروں۔ ایک آخری کوشش غالباً اسی ماہ میں اور کر دیکھوں اور شاید آپ کے پاس ایک دو دن کے لئے آؤں۔ فی امان اللہ۔ امجدی اور بچوں کا سلام۔ طارق بہت یاد آتا ہے۔ زہرہ، زاہد، شاہد، شعیب، قمر کو پیار۔ طاہر اچھا ہے۔ یعقوب میاں صاحب اسے زبردستی پچاس روپیہ دے گئے ہیں۔

کیا آپ نے سلطان ابن سعود، شریف شرف عدنان اور موتمر کے ارکان کو خط لکھے یا نہیں۔

مفصل جواب کا منتظر: آپ کا محمد علی۔ ۵ اپریل ۱۹۲۷ء

(۶)

بنام مولوی محمود احمد عباسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادرم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ۔ زندہ ہوں کہ آپ کے ۱۳ اپریل کے خط کا ۳۰ کو جواب دے رہا ہوں۔ آپ غالباً

ایک بار آپ صاحب خانہ پر تشریف لائے تھے، مگر وہ وقت میرے لئے نزع کے وقت کی طرح ہوتا ہے۔ اگر چند منٹ بھی کسی اور طرف
توجہ کرنی پڑتی ہے تو اس دن کا اخبار ایک دو اطراف کی ڈاکوں کو کھو دیتا ہے، اور ایک علاقائی کا لحاظ رکھنا سینکڑوں خریداروں کے ساتھ
بدمعاملگی کا مجرم بنا دیتا ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہوا کہ آپ پھر تشریف نہ لائے، حالانکہ میں نے عثمان سے پہلے جاننے والوں سے
کہہ دیا ہے کہ بھائی تم جانتے ہو اس وقت میں کسی سے ملنا ممکن ہے، شام کے لئے وقت مقرر کر دو۔ خود مجھ سے ساری عمر
وقت کی پابندی نہ ہوئی لیکن اب اس کا طالب ہوں کہ لوگ ملنے سے پہلے وقت مقرر کر لیا کریں یا شام کو آیا کریں۔ کیا کروں اگر صبح
کو کسی سے ملاقات کرتا ہوں تو اس دن کا اخبار وقت پر نہیں نکل سکتا۔ یوں بھی علالت کے باعث (جس کا سبب محض یہ خواہش
ہوتی ہے کہ جو کچھ میرے ذہن میں ہے وہ دوسروں کو کھلا دوں، اگر زیادہ محنت کرنا پڑے تو ہر باکی جاتے مگر کہیں ایسا نہ ہو کہ چند
الفاظ ناظروں کی کمی سے) باعث میرے خیالات دوسروں کے دماغ و قلب تک نہ پہنچ سکیں، بعض دن کی ڈاکیں نکل جاتی ہیں اور
تعداد فروخت میں کمی ہو جاتی ہے لیکن اس نقصان سے بھی زیادہ نقصان خریداروں ہی کو پہنچ جاتا ہے۔ اگر بعض کسی سے ملاقات کے
باعث اخبار وقت پر نہ نکل سکے تو خریداروں کے سامنے کوئی عذر پیش نہیں کر سکتا۔ کاش آپ کسی دن شام کو مجھ سے مل لیتے
تو آپ کو خود دیکھنا پڑتا کہ ان کے جواب کا انتظار کرنا پڑا، اور ہم بھی سب باتیں آدھ گھنٹے میں آپ کے گوش گزار کر سکتا ہوں
کہ لکھنے کے لئے وہ گھنٹے درکار ہیں۔ ہمدرد! اس وقت سارا اسٹاف "ہمدرد" کا میں ہوں جو روزانہ ۱۰ گھنٹے کی محنت میں ایک
لیڈ لکھتا ہوں، جو دو دو تین تین بلکہ چار چار پانچ پانچ لیڈروں کے برابر ہو جاتا ہے) اور ایک غریب بھی ہے جو تاروں کا ترجمہ
کرتا ہے اور اخبار کو ترتیب دیتا ہے۔ بعض دن ایک اور سب ایڈیٹر جو اب علیحدہ ہو چکے ہیں، لیڈ یا نوٹ لکھ دیتے ہیں۔ بیچاری
بیمار ہو گیا تو وہی تاروں کا ترجمہ کر دیتے ہیں مگر اپنی صحت کے مطلب کے بعد اس لئے کوئی کثرت بھی ہے۔ ایسی حالت میں اگر خود
اس اخبار کے مفید بزنس (BUSINESS) سے ہی غافل رہنا پڑے تو کون سی تعجب کی بات ہے؟ یہ معذرت، امید ہے کہ
قبول ہو گی۔ اس وقت پانچ بجے ہیں، ابھی تھکا ہارا ایک ۸ کالم کا مضمون ختم کر کے پلنگ پر آ لیٹا ہوں۔ لیکن بیٹھے لیٹے مشغول نہ بھی
ہوتا تب بھی آپ کو خط لکھنا آسان نہ تھا۔ ہاں جب عبد الرحمٰن صدیقی نے مجھ سے دوبارہ آپ کے متعلق ذکر کیا تھا۔ برادر بزرگ فرید احمد صاحب
نے بھی دو تین بار سیاق تحریری اور ٹیلیفون پر ذکر فرمایا تھا لیکن جواب دینا مشکل تھا۔ دلی زبان سے عبد الرحمٰن سے البتہ اس قدر
کہا تھا کہ محمود احمد صاحب کو نوکری کی تلاش ہے یا وہ بھی میری طرح پاگل ہو گئے ہیں جو "ہمدرد" میں کام کرنا چاہتے ہیں اور میری
ہی طرح ان کو بھی اپنے دل پر قابو نہیں؟ وہ مجبور کر رہا ہے کہ جو پیغام خدا نے تمہیں دیا ہے وہ دوسروں تک پہنچاؤ اور جلد ہی
تک محدود نہیں رکھتا بلکہ ہر شخص بھی بننے کی ذات ہے۔ ان کا جواب مجھے ابھی تک نہ کر سکا۔ فرید احمد صاحب سے یہ پوچھنے کی
ہمت نہ تھی۔ آپ کے انجینئر بھائی سے شاید پوچھ لیتا مگر ان سے ملنا نہ ہوا، حالانکہ ان سے ملنے کا بہت ہی شوق تھا۔ والد مرحوم
کی قبر اور والدہ مرحومہ (بیری لڑکی) کی قبر کے پتھر انہی کی معرفت تیار ہوئے ہیں اور لوح مزار بھی۔ مگر اب تک کام ختم نہیں ہوا ہے اور
تقریباً دو سال کی مدت گزر گئی۔ جب جب ملاقات ہو جاتی ہے تقاضا ہو جاتا ہے۔ اللہ اللہ کر کے اب والدہ کی قبر پر تو لوح
کندہ ہو کر لگ گئی۔ مگر پتھر قبر پر ٹھیک نہیں جمائے گئے ہیں اور چاروں کونوں کے DECORATIVE پتھر ابھی نصب نہیں ہوئے
ہیں اور لڑکی کی لوح مزار تیار بھی نہیں ہوئی ہے، نہ پتھر ہی کو جیسے جمنے چاہئیں ہیں۔ وہ بیچارے بھی سخت مصروف ہیں۔ خیر اب خود

آپ کو خط آگیا ہے، براہِ راست یہ بظاہر بیہودہ سوال کرتا ہوں۔ "ہمدرد" کا سرمایہ نہ کبھی تھا نہ اب ہے۔ سب کی تنخواہیں مل جاتی ہیں مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ پندرہ دن دیر سے ملیں گی یا ڈیڑھ دو مہینے کی دیر سے، کاغذی، ایسوسی ایٹڈ پریس اور مالک مکان کو تو آٹھ آٹھ دس دس ماہ اور ایک ایک سال کا بھی انتظار کرنا پڑا ہے۔ یہ اس لئے کہ پہلے جب آدھا خرچ "کامریڈ" کے خریداروں پر پڑتا تھا دونوں اخباروں پر پانچ سو سے لے کر ایک ہزار بارہ سو تک خسارہ ماہواری ہو جاتا تھا اور اب جبکہ سب خرچ ہمدرد ہی پر پڑتا ہے پندرہ سو روپیہ ماہوار کا خسارہ ہے۔ خدا شاہد ہے کہ اس لئے ہرگز اس کارخانے کو نہیں چلا رہا ہوں کہ اپنے اور بال بچوں کے اخراجات کے لئے رقم نکالنا مقصود ہے۔ جب سے "کامریڈ" نکالنے کا خیال ہوا تھا صرف ایک غرض سامنے تھی کہ جو پیغام خدا نے مجھے پہنچایا ہے اسے دنیا تک پہنچاؤں۔ لیکن اب دنیا کی ذہنیت اتنی بدل گئی ہے کہ اخبار اور سفر کے تقریر کے ذریعہ سے یہ پیغام دنیا تک نہیں پہنچا سکتا اس کے لئے مصارف کا انتظام اب ممکن نہیں۔ ارادہ کیا ہے کہ اپنی اس "ہمدرد دنیا" جو "ہمدرد" پڑھتی ہے کو ایک بار اچھی طرح اطلاع دے دوں کہ اگر وہ اسے جاری رکھنا چاہتی ہے تو اس کا فرض ادا کرے اور خریدار بڑھ سکے تاکہ خود اس کی امداد کا انتظار نہ کرنا پڑے۔ اور اب تو انتظار ہی نہیں کرتا، اس لئے کہ یقین ہو گیا ہے کہ امداد نہیں آئے گی۔ اگر وہ اب نہیں کر سکتی تو پھر اس کارخانے کو بند کر دوں اور قوتِ لایموت کے لئے چند گھنٹے کوئی کام کر کے ہر مہینے چالیس پچاس یا ساٹھ خود پیدا کر لیا کروں، اتنا ہی بیوی اور بچے بھی پیدا کر لیا کریں، باقی وقت میں انہیں تعلیم دوں، خود تعلیم حاصل کروں اور چند گھنٹے روزانہ اس لئے بچا لیا کروں کہ جو کوئی مجھ سے مشورہ طلب کرنے کے لئے آئے اس کو اپنی رائے سے مطلع کر سکوں تاکہ "گوشہ نشینی" اور خود غرضی کا مجرم نہ بنوں۔ اس طرح پبلک کی وہ خدمت کر سکوں جو ایک پچاس ساٹھ روپیہ کی آمدنی والا کر سکتا ہے۔

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ بھی اس زمانے میں جبکہ "ہمدرد" کی حالت یہ ہے، اللہ بتانے کے لئے جناب ہیں یا خود کسب معاش کے لئے اسی طرح مجبور ہیں جس طرح "ہمدرد" کو بند کر کے میں مجبور ہوں گا اور یہ ہمدرد کی مسند ایڈیٹری اسی طرح کرنا چاہتے ہیں جس طرح میں "ہمدرد" کو بند کر کے شاید تین چار لڑکوں کی پرائیویٹ ٹیوشن کرنے لگوں۔ یقیناً میں ایمانداری سے اپنی تنخواہ کے برابر محنت کیا کروں گا لیکن مجھے اس سے بحث نہ ہو گی کہ وہ لڑکے کون ہیں اور کس کے ہیں۔ کیا آپ کو بھی آج اس سے بحث نہیں کہ آپ "ہمدرد" کے سب ایڈیٹر مقرر ہوتے ہیں یا کسی اور اخبار کے، یا آپ کی نظرِ انتخاب خاص "ہمدرد" ہی پر پڑی ہے! آپ نے کہا کہ "ہمدرد" میں کام کرنے کا محرک وہ معاوضہ نہیں ہے جو چند ابیض مغشوش کی شکل میں حاصل ہوتا ہے میں اسے تسلیم کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن کیا آپ واقعی اس شخص کے ساتھ رہ کر اس کے مصائب میں شریک ہونا چاہتے ہیں جس کے خیالات کو آج مطلق ہردلعزیزی حاصل نہیں، حالانکہ وہ سمجھتا ہے کہ آج سے زیادہ وہ کبھی محنت نہیں کیا کرتا تھا اور آج سے زیادہ صحیح رہنمائی اس نے کبھی نہ کی تھی اور آج سے زیادہ وہ ہردلعزیزی کا کبھی بھی مستحق نہ تھا؟ نہ معلوم آپ "ہمدرد" کو پڑھتے بھی ہیں یا نہیں۔ ۱ اکتوبر ۱۹۲۶ء سے اس وقت تک سات مہینے مسلسل اتنی محنت میں نے کی ہے کہ کہہ نہیں سکتا اور اردو میں اپنے نزدیک ایسے مذہبی اور سیاسی خیالات کا انبار لگا دیا ہے کہ چند کتابیں میرے مضامین سے مرتب ہو سکتی ہیں جو باوجود اس زود نویسی کے اس قابل ہوں گی کہ اردو ادب سے وہ دیر تک ناموری حاصل کر سکیں۔ لیکن جن کے سامنے ان خیالات کو آج اظہار کرنے کی جسارت

کروں گا وہ مجھے پاگل سمجھیں گے اور کہیں گے کہ یہ خود ستائی اس شخص کے بیوقوف اور بیہودہ ہونے کی صاف دلیل ہے لیکن اس خود ستائی کی "ہمدرد" کے مضامین پڑھ کر آپ بھی کسی قدر تائید کر سکتے ہیں تو آئیے میرے مصائب میں شریک ہو جیے۔

اگر یہ نہیں ہے تو بزنس BUSINESS کے طور پر طے کر لیجئے کہ تاروں کا اور انگریزی اخبارات کے CUTTINGS کا کتنے روپیہ ماہوار پر ترجمہ کر سکے گا اور اخبار کو مرتب کرنے میں مدد دے سکے گا۔ ہمدرد میں جو اشتہار نکل رہا ہے وہ محض بزنس کی کارروائی ہے مگر میں نے اب تک اس کو بھی انجام نہیں دیا اس لئے اس بالکل فرضی نہ تھی اور امید تھی کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ صحیح معنوں میں ASSISTANT بھی مل سکے۔ آج کل تجربہ تو یہی کہہ رہا ہے کہ ASS.STANT تو نہیں RESISTANT بہت سے مل جائیں گے۔

تحریری جواب عنایت کرو اور پھر اگر جی چاہے تو ایک دن کے لئے آکر مل جاؤ۔ میں یہاں سے ۸ یا ۹ کو بمبئی چلا جاؤں گا۔ ۲۳، ۲۴ تک آنا ہوگا۔ بہتر ہے کہ اس سے پہلے ہی سب کچھ طے ہو جائے۔

جواب کا منتظر اور دیر لگانے کی معافی کا خواستگار

آپ کا بھائی: محمد علی ۳ مئی ۱۹۲۷ء

ڈاکٹر صاحب مرحوم کی قبر پر میری طرف سے فاتحہ پڑھ دیجئے گا۔ میں ۱۱½ برس کی عمر میں علی گڑھ گیا تھا تو وہ میرے بھائی ٹیوٹر کے والی اور رہنما تھے۔ آج تک اس پرلطف زمانے کو نہیں بھولا ہوں۔

محمد علی

---

(۷)

بنام مولانا شوکت علی صاحب مرحوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیارے بھائی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ میں ایک ہفتے سے برابر اس کی کوشش کر رہا ہوں کہ آپ کو خط لکھوں مگر یہ خط مجھے سخت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ آپ کی اور غالباً میری بھی ڈاک کھولی جاتی ہے اور اگرچہ ہماری زندگی ایک کھلے ورق کی طرح ہے پھر بھی میں نہیں چاہتا کہ بعض باتیں غیروں تک جائیں۔ زبانی گفتگو کرنا اور بھی مشکل ہے اور میرا خیال ہے کہ مجھے اسی طرح ہمیشہ خاموش رہنا پڑے گا۔

پہلے اس کے کہ میں اپنے آئندہ پروگرام کے متعلق کچھ لکھوں آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ ایک ہفتہ ہوا کہ ولیس سے حسب [illegible] کا جواب آگیا۔ کیا آپ کے لئے اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل ہے کہ اس کے دیکھتے ہی میرے جذبات و احساسات کی کیا کیفیت تھی اور میں اگر اسی وقت اس کا جواب دیتا تو کیا دیتا۔ میں نے ان حضرت سے نہایت ہی حزم و احتیاط سے بغیر گفتگو کی ہے اور یہی حال تحریر کا رہا ہے۔ افغانستان کے پاسپورٹوں کے سلسلے میں مولانا عرفان کو اپنے ہمراہ صوبہ سرحد میں ستمبر ۱۹۲۶ء میں لے جانے کے معاملے میں جب کہ پہلی بار ان سے نیاز حاصل ہوا تھا اور دوبارہ مولانا عرفان کو سنگاپور اور جاوا بھجوانے میں؛

اور اب جنوبی افریقہ کے داخلے کے مسئلے میں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کا طرزِ عمل یہ ہرگز نہ ہوتا اگر میں جو زود خشم مشہور ہوں بعض حالات
اور ضرورت دونوں کو پیشِ نظر رکھ کر مجبور ہو گیا کہ اس قدر صبر و ضبط سے کام لوں۔ اگر میں واقعی اس قدر زود خشم ہوتا جس قدر کہ ہمارے
دوستوں نے دشمنوں سے بھی زیادہ مشہور کیا ہے تو کبھی اس قدر صبر و ضبط کا یارا نہ رکھ سکتا۔ بہرحال اب اس تمام عزم و احتیاط
کا یہ نتیجہ نکلا ہے۔ اب جو آپ کے سامنے ہے۔ میں نے ابھی اس جواب کی نقل آپ کے ملاحظہ کے لئے لی تو جی چاہا کہ ان
حضرت کو پہلے جواب لکھ دوں اور بعد کو اس کی نقل اس کے ہمراہ آپ کو ارسال کر دوں اور تب جا کر آپ کو یہ
خط لکھوں۔ مگر میں نے پھر صبر و ضبط سے کام لیا اور ابھی انہیں کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ کے دوست سر حبیب اللہ کیا
فرماتے ہیں: "آپ صفائی کر کے کوئی نقصان نہیں، ہندوستان کی طرف سے جنیوا میں سرگرمی فرمائیں گے" انہیں معلوم ہے کیا فرماتے
ہیں۔ میرا قیاس ہے کہ انہوں نے انہیں حضرت کے ذریعہ سے جنیوا بھیجنے کی فرمائش کی ہے اور ابھی تو پہلا ہی قدم مشکل ہے،
حتیٰ آپ کو پاسپورٹ ملا ہے۔ اب اس مرحلے سے بھی گزر جائیں گے تب ہی سر حبیب اللہ سے آپ کو واسطہ پڑے گا،
بلکہ راہِ راست آپ کو جنوبی افریقہ کی حکومت سے داخلے کی اجازت مع ویزے مانگنا پڑے گی اور جب سنگاپور کی حکومت
ہوفاں صاحب کے ساتھ [illegible] کو اس قدر REPROACHABLE سمجھتی ہے تو کیا جنوبی افریقہ کی حکومت ہمارے
بیکار [illegible] کو بالکل IRREPROACHABLE سمجھے گی۔ تحقیقاً دونوں حکومتوں کے درمیان اس معاملے کے متعلق اب بھی
گفتگو و شنید ہو چکی ہوگی تاہم مجھے علم [illegible] کہ سر حبیب اللہ کیا فرماتے ہیں اور اس میں کچھ کرنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ نہ بھی
مدد کریں تب بھی میرا پاسپورٹوں اور داخلے کی اجازت کے حصول کے لئے کوشش کرنا چاہئے تاکہ اتمامِ حجت ہو جائے اور
اس کے بعد جو کچھ بھی ہم کو کرنا ہو وہ ہم کریں۔ یہی وجہ ہے میں نے سر [illegible] کے خط کا جواب اب تک نہیں لکھا ہے
نہ اخبارات کو مولانا [illegible] کے متعلق کوئی اطلاع دی ہے۔ حکومت ہمارے ساتھ یہ سلوک کر رہی ہے اور [illegible] لاہور کا اخبار بیچنے
والا اور یہاں دہلی کا [illegible] مسلمانوں کو اس کا یقین دلا رہے ہیں کہ ہم حکومت سے مل گئے، اور آئندہ کبھی بھی اس کی مخالفت
نہ کریں گے۔ ان لوگوں کی اس قسم کی مجنونانہ حرکات پر مجھے حیرت نہیں ہوتی، مرتا کیا نہ کرتا، مگر حیرت اس پر ہوتی ہے کہ عوام
کا مذاق ان لوگوں نے اس قدر بگاڑ دیا ہے کہ ایک خاص جماعت ان مجنونانہ باتوں پر یقین لے آنے کو تیار ہے اور اس
میں سے بعض جو کبھی مجھ سے اس کی شکایت کرتے تھے کہ آپ ان لوگوں کے منہ کیوں لگتے ہیں یہ اس قابل نہیں کہ آپ جیسا
لیڈر ان کا مقابل بنے (حالانکہ اوروں میں کسی نے نہ اس طرف توجہ کی، نہ اتنی ہمت کی کہ ان کے روزناموں کا تعاقب
کر کے عوام پر ان کی حقیقت ظاہر کر دے اور اس لئے عوام میں ان کا اس قدر مہلک مگر زبردست اثر پھیل گیا) وہی آج
اس کی شکایت بھی کر رہے ہیں کہ آپ نے اس بار ان لوگوں کو منہ نہیں لگایا، مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ
لوگوں نے یہ افواہ اڑانا شروع کی ہے کہ یہ دونوں بھائی انگریزوں سے مل گئے ہیں اس کی ضرور تردید کر دینا چاہئے۔
خدا کی شان ہے علی برادران کے متعلق یہ افواہ اڑائی جائے اور انہیں اس کی تردید کرنا پڑے۔ یہ لوگ جو ایسی بوالعجبی
کی سی باتیں کرتے ہیں عوام نہیں بلکہ ان سے زیادہ سنجیدہ طبقے کے لوگ ہیں۔ حقیقتاً سمجھدار لوگوں کی آج اتنی کمی ہے
کہ ان کا ایک ہاتھ کی بھی انگلیوں پر گن لینا مشکل نہیں۔ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ ہماری ساری عمر کی محنت کا اس سے زیادہ

نتیجہ نہیں نکلا کہ ہندو ایک نامراد او متعصب اور تنگدل جماعت بن گئے اور مسلمان ایک جماعت بھی نہ بن سکے، بلکہ منتشر افراد کا ایک گروہ ہو کر رہ گئے ہیں اور برنارڈ شا کے ڈرامے "BACK TO METHUSELAH" میں EVOLUTION کی آخری STAGE - "AS FAR AS THE EYE CAN SEE" ہے انسان سے جو LABORATORY میں بیٹھ کر جو مشین کا مرد اور عورت کا جوڑا بنایا ہے، اس کی طرح ہو گئے ہیں۔ ان سے جب پوچھا جاتا ہے کہ تم ہمارے متعلق کیا خیال کرتے ہو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم کیسے بتا سکتے ہیں۔ ہم نے آج صبح کا اخبار نہیں دیکھا ہے۔ مسلمانوں میں آج ایک اخبار بھی نہیں جس کے چلانے والے مکر و فریب، زر پرستی اور خود غرضی سے پاک ہوں اور امور عامہ کے متعلق سنجیدگی اور متانت سے اور غور و فکر کے بعد رائے کا اظہار کر سکیں اور پھر "قوم" ہے کہ ہر صبح ان کی رائے کی اس طرح محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں دو سال سے اس کا ارادہ کر رہا تھا کہ بہتر ہے کہ دو تین سال اس "قوم" کو اس کے حال پہ چھوڑا جائے۔ اس کا جو فرد خود اس ضرورت کو محسوس کرے کہ ہم سے رائے مانگے تو اسے اظہار رائے سے کبھی محروم نہ کیا جائے مگر خواہ مخواہ ہر وقت اظہار رائے سے احتراز کیا جائے اور آئندہ کنواں پیاسے کے پاس دوڑا دوڑا نہ پھرے۔ جب یہ لوگ اپنے حاصل کردہ تلخ تجربے سے اس قدر سیکھ لیں گے کہ یہ اخبار بیچنے والے اور یہ قد آدم پوسٹر اور یہ بھرسوں کے بھر کے خود قوم کے محتاج ہیں، قوم ان کی ہرگز محتاج نہیں تو وہ بھی اپنی اس روش کو ترک کر دیں گے کہ ؎

جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

اخبار نویسوں میں آج ایک بھی اہل الرائے نہیں، اگر کچھ ہیں تو "اہل قلم" ہیں جو قلم چلا کر اپنی روٹی کمانا ایک حد تک جانتے ہیں لہٰذا جو کوئی اہل الرائے اس میدان میں آتا ہے اس کا وہی حشر ہوتا ہے جو ہمیشہ اندھوں میں ایک آنکھوں والے کا ہوتا ہے یہ سراسر غلط ہے کہ IN THE KINGDOM OF THE BLIND THE ONE-EYED IS KING ۔ حقیقت یہ ہے کہ IN THE KINGDOM OF THE BLIND THE ONE-EYED IS HUNG ۔ یہ تو عام بحث تھی اب میرے پروگرام کے متعلق سنئے۔ میں حمیدہ کی علالت اور اپنے افلاس کے باعث مجبور تھا کہ برما نہ جاؤں مگر آپ کے اصرار سے، اور اس امید پر کہ میرے گھر کے مصارف کے لئے آپ روپیہ بھجوا سکیں گے میں برما گیا۔ وہاں جو کچھ ہوا سے میں اپنے خط میں تفصیل سے تحریر کر چکا ہوں اور اگر آپ نے عرفان صاحب سے پوچھا ہوگا تو انہوں نے بھی ساری کیفیت بیان کر دی ہوگی۔ جب گھر کے مصارف کے لئے احمدی کو کچھ بھی نہ مل سکا، اور یہاں ماجد روز از مصارف کے لئے تنگ ہونے لگا، اور حمیدہ کی علالت نے دواداروں کے اخراجات بھی بڑھا دئے، اور ۲۵- راجپور روڈ پر ڈاکٹر شراف کی کوٹھی، سے کرایہ پر لینا پڑی، اور اس طرح ایک کی جگہ دو گھروں کا خرچ درکار تھا، مجھے تعجب ہوا کہ آپ نے مجھے کلکتہ تار دیا کہ کچھ عرصہ تک میں بنگال ہی میں دورہ کروں جہاں ایک شخص بھی میرا دورہ نہیں چاہتا تھا، الا ماشاء اللہ ان چند لوگوں کے سوائے جنہیں ایک زبردست الیکشن ایجنٹ کی ضرورت تھی جو مفت میں ان کی مدد کیلئے کھڑا ہو جائے یہی وہ قوم ہے جو آج ہماری محتاج ہے، باقی سب مستغنی ہیں، سعدی کو تو اسی کی فکر تھی کہ ؎

شب چو عقد نماز بر بندم — چہ خورد بامداد فرزندم

لیکن نماز کی نیت باندھنا تو فرض ہے۔ ان حکومت پرستوں اور خود غرضوں کا الیکشن ایجنٹ بننا کس نے ہمارے لئے فرض مقرر کیا ہے؟ سر عبدالرحیم صاحب اور فضل الحق صاحب کے MANIFESTO میں اپنی جگہ بنگال کے لئے تو سارے جتن کئے گئے، مگر مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور ہندوانی غضب سے بچنے کے بارے میں ایک حرف بھی نہ تھا۔ ان حضرات کا آلۂ کار بننا ہمارے لئے کب فرض ہے کہ بال بچوں کو بھوکا چھوڑ کر ہم ان کے مفت کے ایجنٹ بنتے پھریں۔ حقیقتاً مجھے تو اب تک یہ بھی نہیں معلوم کہ ان خود غرضوں اور حکومت پرستوں سے شیخ داؤدی صاحب جیسے مخلص مسلمان نے اُن کے لئے یہ سمجھوتہ کیا ہے اور میں اگر اس وقت کام کر بھی سکتا تو ہرگز نہ کرتا جب تک یہ طے نہ ہو جاتا کہ نفس پرستوں کے مقابلہ میں ملت پرستوں کا کس طرح انتخاب ہوگا اور جب دونوں کونسلوں میں جا بیٹھیں گے تو ہم عملی کی کیا صورت ہوگی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آج میں کسی کام کے قابل بھی نہیں ہوں۔

سب سے پہلے حمیدہ کی علالت ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ برسوں سے بیمار چلی آ رہی تھی۔ اکتوبر ۱۹۲۷ء میں اسے شملہ لے گئے اور اگرچہ وہاں جانے سے فائدہ ہوا مگر بمبئی سے لوٹنے پر ملیریا نے شملہ میں بھی آ دبایا تھا اور وہاں بھی ایک ہفتہ صاحب فراش ہی رہی تھی اور دہلی واپس آنے کے بعد بھی بے اطمینانی تھی۔ ۹ مئی ۱۹۲۸ء کو شادی ہوئی اور ۲۰ مئی سے جو سلسلہ علالت کا شروع ہوا تو آج تک جاری ہے۔ ڈاکٹر انصاری کا ہمیشہ علاج ہوتا تھا۔ منصوری میں ڈاکٹر بیچر کا علاج ہوا، پھر لیڈی ڈاکٹر کیمبل کا مسلسل علاج ہوتا رہا۔ مگر فروری ۱۹۲۹ء میں حالت اور بگڑ گئی اور حالانکہ ان کا، مس کین کا اور ڈاکٹر سنگھ کا CONSULTATION کرایا گیا اور سنگھ کا علاج ہوا لیکن کچھ بھی اصلاح نہیں ہوئی۔ اب تک ملیریا ہی کا شبہ ہوتا رہا۔ اس کے بعد حکیم محمد احمد صاحب کا علاج کرایا گیا مگر فائدہ نہ ہوا۔ امعہ ہمیشہ سے خراب تھا، قولنج کا درد برسوں سے اٹھا کرتا تھا بہت ہی کم ایک وقت سے زیادہ کھانا کھاتی تھی مگر اب تو تپ دق کے سے آثار معلوم ہوتے اور کھانسی آنے لگی، جسے سنگھ نے کونین کا اثر سمجھا۔ حکیم محمد احمد خاں کی دوا سے آخر خون آنا بند ہوئی مگر قبض نے سخت تکلیف دی۔ جب پھر ڈاکٹر انصاری اور ان کے ساتھ ڈاکٹر قریشی کا علاج کرایا گیا تو BACILLUS COLI کا شک گزرا مگر S.K. SEN BACTERIOLOGIST کی رپورٹ سے ثابت ہوا کہ یہ بھی نہیں ہے۔ تاہم قیاس کیا گیا کہ اسی کا ہے اور ایک پچکاری کا سلسلہ شروع ہوا جس سے کوئی فائدہ نہ ہوا اور بخار ۱۰۲ سے بڑھ کر روزانہ ۱۰۳، ۱۰۴ اور ۱۰۵ تک پہنچ گیا۔ تب جا کر ڈاکٹر انصاری نے اس کا اقبال کیا کہ بھائی ہم اب تک اس کے مرض کی تشخیص نہیں کر سکے۔ اتنا جانتے ہیں کہ دق نہیں ہے۔ تاہم چونکہ ایک شب کو باہر سوتے ہوئے سردی لگی اور کچھ اوڑھا نہ گیا جس سے خفیف سی کھانسی کی خراش پیدا ہو گئی ہے اب ہم علاج میں پہلے کی طرح دق کی رعایت بھی رکھیں گے۔ ایک ہفتہ یہ علاج جاری رہے، اگر اس سے فائدہ نہ ہو تو سول سرجن کو بلا کر دکھایا جائے تاکہ وہ کوئی آزاد رائے قائم کر سکے۔ آج وہ ہفتہ ختم ہوتا ہے اور غالباً کل سول سرجن بلایا جائے گا۔ روزانہ ۱۰۲ بخار ہوتا ہے سب سے زیادہ تکلیف دہ یہ امر ہے کہ غذا بالکل نہیں ہوتی۔ گذشتہ نصف ماہ میں مرغی کا شوربہ اور روٹی کا چھلکا بھی نہیں کھایا گیا، صرف کل صبح ایک یا نصف انڈا آملیٹ کی شکل میں، ایک یا دو بار ایک توس اور مکھن اور ایک یا آدھا پیالا، یہ دن بھر کی کل غذا ہو گئی تھی۔ BULGARIAN BACILLUS CULTURE کا دہی بنا کر دیا گیا، مگر وہ بھی نہ رک سکا۔ صبح سے رات تک برابر ابکائی آتی رہتی ہے۔

بے کار اور غیر ضروری ہے۔ اگر پریس والا حصہ کرایہ پر چل گیا تو کل ہی قرول باغ کے مکانوں میں سے ایک کو کرایہ پر دے کر سارا سامان ڈھونا پڑے گا۔ ایسی حالت میں جنوبی افریقہ تو در کنار مجھے افسوس ہے کہ بمبئی تک نہیں آسکتا۔

پھر سب سے آخر میں خود میری حالت ہے۔ یقین جانئے کہ میں سخت بیمار ہوں۔ جنوبی افریقہ کا سفر ممکن تھا کہ میری صحت کے لئے بے حد مفید ہوتا۔ مگر میری گوناگوں مجبوریوں نے اس کا خیال ہی دل سے نکال دیا۔ لیکن اب میں درحقیقت کہیں بھی نہیں جاسکتا۔ اگر حمیدہ اچھی ہوتی اور روپیہ پاس ہوتا تو جاکر کسی گوشہ میں پڑ جاتا اور اپنا علاج کراتا۔ لاہور جاکر وہاں ایک مشہور و معروف حکیم صاحب جن سے تیرہ مالک نے مجھے ملایا تھا، علاج کروانے کا اپریل میں وعدہ تھا۔ اب چاہتا تھا کہ ہر ہفتہ ایک دن کے لئے وہاں چلا جایا کروں مگر حمیدہ، مکان، پریس اور مالی حالت سب نے مجبور کر دیا کہ دہلی ہی میں قیام کروں اور حکیم نذیر احمد صاحب سے جو حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں برسوں سے ان کے نسخے لکھا کرتے تھے، علاج کراؤں۔ وہی حمیدہ کو بھی دیکھ چکے ہیں، اور سول سرجن کے علاج سے بھی فائدہ نہ ہوا تو ان سے یا آگرے کے حکیم صاحب سے جو آگرے سے علیحدہ ہو کر دہلی آگئے ہیں، حمیدہ کا بھی علاج کرایا جائے گا۔ میں نے COL-SAIHGAL, I. M. S. EYE-SPECIALIST کو آنکھ دکھائی تھی۔ سوائے اس کے کہ غالباً پانی آ رہا ہے وہ کچھ نہ کہہ سکے۔ نہ علاج کہہ سکے اور کہا کہ دہلی میں تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد ڈاکٹر کو آنکھ دکھاتے رہنا۔ چنانچہ ڈاکٹر شیخ کو سول اسپتال میں گھنٹہ سوا گھنٹہ تک آنکھ دکھائی۔ سبب ذیابیطس کا اثر ہے اور پانی آ رہا ہے جب بالکل آجائے گا تو آپریشن ہو سکے گا۔ لیکن ذیابیطس کا آپریشن ملک الموت کے لئے پھاٹک کھول دیتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ کوئی اور طریقہ علاج کا ڈھونڈا جائے۔ پاؤں میں احساس کی کمی روز کم ہوتی جاتی ہے اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لکڑی کے پاؤں ہیں۔ مگر افسوس کہ لکڑی کے بھی نہیں کہ درد سے تو بچوں اور آپریشن کا تو اندیشہ نہ رہے۔ ایسی حالت میں مجبور ہوں کہ کوئی کام نہیں کر سکتا اور گو بمبئی آنے کا قطعی ارادہ تھا اور [1] پر روشنی ڈالنے کا تہیہ کر چکا تھا مگر ان مختلف مجبوریوں کے باعث اس INQUIRY میں بھی شریک نہیں ہو سکا۔ حقیقتاً اگر یہ INQUIRY بجائے بمبئی کے دہلی میں بھی ہوتی تو اس کے لئے وقت نکالنا مشکل ہوتا۔

اب تک پریس کے فروخت کرانے کی اجازت DEBENTURE HOLDERS سے لینے اور اس کے گاہک فراہم کرنے کا کام بھی مطلق نہیں کر سکا ہوں۔ خود مُردوں کی طرح ہوں، اور ایک اپنے سے بھی سخت تر علیل لڑکی کی تیمارداری میں مصروف ہوں اور نہیں جانتا کہ کل کو میرا رزاق میرا رزق کہاں سے دلوائے گا۔ ایسا آدمی سب قومی کاموں سے معذور ہے اور مجھے معذور سمجھئے اور میرے لئے دعا کیجئے۔

میرا آئندہ کے لئے یہ پروگرام ہے کہ ان موجودہ مشغولیتوں سے پیچھا چھوٹ جائے تو قرول باغ میں رہوں اور دو کتابیں ایک انگریزی اور ایک اردو میں لکھوں دونوں اسلام کے متعلق اپنے خیالات پریشاں کا مجموعہ اور ان سے پیشتر زیادہ تر سال بھر کی روٹی پیدا کرنے کے لئے اپنا سفر نامہ دو جلدوں میں لکھ ڈالوں اور چھپوا دوں۔ دیکھئے کہ اس کے لئے بھی فرصت اور سرمایہ نصیب ہوتا ہے یا نہیں۔ اس وقت تو کل کے کھانے کو بھی کچھ نہیں۔

افسوس شام کو دو مسلمان نوجوانوں سے جو DAILY CHRONICAL میں کام کرتے ہیں معلوم ہوا کہ

---

[1] یہ لفظ پڑھا نہیں گیا۔

شاہ امان اللہ خاں اور ان کے رفقا اور ۲۰ بیز دہلی سے صبح کو گذریں گے چیف کمشنر سے ٹیلیفون پر دریافت کرنے پر اس کی تصدیق ہوئی اور معلوم ہوا کہ اگر میں جا کر ملنا چاہوں تو کوئی روک ٹوک نہیں ہے اور اگرچہ وہ خود اسٹیشن پر نہ ہوں گے نہ حکومت دہلی کی طرف سے کوئی شخص، تاہم پولیس کے عہدہ دار انتظام کے لئے موجود ہوں گے اور MAJOR WICKHAM کوئٹہ سے ہمراہ آ رہے ہیں ان سے ملنا کافی ہوگا۔ چنانچہ ۶ بجے گھر پہنچ کر کپڑے بدلے اور ساڑھے چھ بجے اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ معلوم ہوا کہ گاڑی پانچ گھنٹے دیر سے آ رہی ہے۔ احتیاطاً اسٹیشن والوں سے کہہ گیا کہ اگر کچھ وقت گاڑی بچا سکے اور پہلے آنے والی ہو تو ماجد کے ایک پڑوسی کے ہاں مجھے ٹیلیفون کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ خبر پا کر کہ ٹرین دس بجے پہنچ جائے گی، میں سوا نو بجے ماجد کے مکان سے چل کر ۹½ بجے اسٹیشن پہنچ گیا۔ چند اخبارات INTERVIEW مانگتے تھے مگر میں نے پیچھا چھڑایا۔ دس کے قریب یکایک اسپیشل آ گئی۔ ہر شخص کو اجازت تھی کہ پلیٹ فارم پر آ سکے اور پولیس کا صرف اسی قدر انتظام تھا کہ جب گاڑی رک گئی اور اس میں سے جو جوان کے مسلح پولیس والے دس بیس آدمی نکلے تو تماشائی چند قدم پیچھے کھڑے کر دئے گئے۔ میں نے MAJOR WICKHAM سے ملاقات کر کے اعلیحضرت سے ملنے کی خواہش ظاہر کی جو ان کے وزیر تک پہنچا دی گئی مگر مجبوری ظاہر کی کہ غالباً وہ کسی سے نہ ملیں گے، ان کے پاس کپڑے تک نہیں ہیں۔ آخر میں ان کے چند رفقا اور بیگمات سے اتر کر دوسری گاڑیوں میں جانے والے تھے۔ میں نے سب کو سلام کیا۔ انہی میں امیر یا سردار عنایت اللہ خاں بھی تھے جن کی شکل حبیب اللہ خاں سے کسی قدر ملتی ہے اور جسم بھی بھاری پڑ رہا ہے اور چہرہ بھی گول ہے۔ مجھ سے مصافحہ کیا مگر جب میں نے ہاتھ کو بوسہ دینا چاہا تو ہاتھ شرافت کے ساتھ کھینچ لیا۔ میرا مزاج پوچھا، میں نے کہا کہ اچھا نہیں ہوں، پوچھا بیمار ہو؟ میں نے کہا بیمار اور اس سے زیادہ سوگوار اسلام، اسلامیان عالم، ایشیا، افغانستان، ہندوستان اور ان کے خاندان کے حال پر ـــ حسرت بھرے لہجے میں شکریہ ادا کر کے جلد رخصت ہو گئے۔ اس وقت ان لوگوں سے زیادہ گفتگو کر کے بھی نہیں تکلیف پہنچانا تھا اس لئے میں نے عنایت اللہ خاں صاحب کو روکنا نہ چاہا۔ اس کے بعد عبدالہادی خاں صاحب سے بھی ملاقات ہوئی، خود ہی کہا کہ میں عبدالہادی ہوں۔ میں نے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا، انہوں نے میرے ہاتھ کو۔ میں نے کہا کہ اعلیحضرت کو اگر اطلاع دے دی جائے کہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کو حاضر ہوا ہوں تو ممنون ہوں گا۔ کہا ضرور عرض کر دوں گا۔ اس کے بعد لالہ گردھاری لال اور تیج کا منیجر یا "دیش بندھو" گیا اور ہندوستان ٹائمز کے ایڈیٹر صاحب جناب مسٹر ساہنی، ورچند او ہندو اور پرتاپ، احسان اور فری پریس وغیرہ کے چند نمائندے آ گئے اور کچھ کیمرہ والے بھی اور عبدالہادی خاں صاحب سے کہا کہ ہم ہنود کی طرف سے حاضر ہوئے ہیں اور ملنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا کسی PUBLIC MEETING میں ان کا اس کام کے لئے انتخاب ہوا تھا، تو کہا کہ جلسہ کیسا! ہمیں تو صرف گھنٹہ بھر پیشتر ورود اعلیحضرت کا علم ہوا ہے۔ اعلیحضرت نے ان کے لائے ہوئے طشتوں سے پھل قبول کر لئے اور چلتے چلتے ان کا شکریہ ادا کر دیا۔ عبدالہادی خاں نے مجھ سے پھر بھی کہا کہ اعلیحضرت مشکور ہیں۔ اور انہوں نے وہاں کے کسی اور ساتھی نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ کی ہمدردی تو آج کی نہیں ہے بلکہ ہمیشہ کی ہے۔ معاً غلام جیلانی خاں سے ملا۔ عبدالہادی خاں تو معمولی پشاور کا سا لباس پہنے ہوئے تھے۔ البتہ زیادہ تر لوگ نیلی KEY " سے کی کسی سرخ پہنے کی جودھپوری برجیس پہنے ہوئے تھے، جو ممکن ہے کہ MILITARY UNIFORM ہوں۔ امیر عنایت اللہ خاں اور

غلام جیلانی خاں دونوں کوٹ پہنے ہوئے تھے اور نواب شہزادے بھی کوٹ اتارے ہوئے تھے اور ننگے سر۔ گرمی بہت
محسوس کر رہے تھے۔ غلام جیلانی خاں کی تو داڑھی بھی چار پانچ دن سے نہیں منڈی تھی ورنہ ان کی پرانی چھوٹی داڑھی تھی'
اس سے الگ جنگ لڑی ہوئی داڑھی بھی آ پہنچی تھی۔ عبد الہادی خاں اور غلام جیلانی خاں دونوں نے انکار کیا کہ جس طرح
CIVIL & MILITARY میں چھپا تھا کوئی لڑائی ہوئی اور شاہ امان اللہ خاں کے ڈھائی سو آدمی مارے گئے۔ انہوں
نے کہا کہ کوئی جنگ نہیں ہوئی اور اعلیحضرت نے خون ریزی سے احتراز کیا اور جنگ نہیں کی۔ غلام جیلانی خاں سے بچپن سے
شناسائی کی کرنل گئے تھے وہ مجھ سے نہ ملے۔ میں نے کہا یہ ہو رہا ارادہ تھا لیکن جب مصطفیٰ کمال پاشا نے اس قدر بیہودگی کی
تو مجھے بے حد غصہ آیا اور میں فوراً چل دیا اور بھول گیا کہ ابھی آپ سے ملا بھی نہ تھا۔ جب ریل چل دی تب یاد آیا اور نادم
ہوا۔ میں نے لجاجت سے ان سے معافی چاہی اور پوچھا کہ کیا انہوں نے میرے بیان کردہ رکھ کے مجھے معاف کر دیا'
تو انہوں نے کہا کہ ہاں آپ معذور تھے۔ میں نے غلام جیلانی خاں صاحب کا اپنے ساتھ ریل میں کھانا کھانے کا ذکر کیا اور
پھر ان کے ساتھ بھی ہیں اتفاق کھانا کھانے کا ذکر کیا کہ لوہار ہ بیٹا اپنے قبضہ میں ہے اور وہ وہیں ہیں۔ یہ بچہ
قندھار صرف پانچ دن پہلے آیا تھا۔ کہا کہ جو غنیمت رہتا ہوں کہ سے ہماری ساری گفتگو یہی تھی۔ وہ مجھ سے ملے تو کسی طرح
گرمی بجھ رہی کہ وہ رک کر ملے اور سوائے FORMAL COURTESY کے اور کچھ نہ تھا۔ شاہ امان اللہ خاں صاحب
کے اس طرح سکوت اختیار کرنے سے میں نے کہا کہ وہ ملنا نہیں چاہتے یا ان سے کوئی عہد لے لیا گیا ہے کہ کسی سے نہ ملیں
میں نے غلام جیلانی خاں سے صاف کہا کہ اب ہم ہمدردی کی بخشش کرنا چاہتا ہوں تو کہا کہیں وزیر صاحب سے کہے دیتا ہوں'
مگر میرا خیال ہے کہ یہ بچی رشتے کے لئے تھا۔ دونوں بار انہوں نے خود ہی رخصت ہونے کے الفاظ استعمال کئے جس سے
مجھے محسوس ہوا کہ وہ زیادہ گفتگو سے بھی گھبراتے ہیں۔ البتہ ایک اور شخص جس کے خشخاشی داڑھی تھی اور جو عربی بھی بولتا تھا
درباری تھے' وہ نہایت محبت اور جوشش سے ملا۔ اس کے ذریعہ میں نے امان اللہ خاں صاحب کو بھی اطلاع بھجوائی
کہ اگر ممکن ہو تو میں مل لوں۔ اس نے تھوڑی دیر بعد آکر جواب دیا کہ وہ سخت متاسف ہیں۔ کوئی جگہ نہیں جہاں مجھے بلا کر
وہ گفتگو کر سکیں۔ ایک SALOON CARRIAGE میں وہ اور ان کی مستورات تھیں اور ایک میں شاہ امان اللہ خاں
اور ان کے بال بچے ہوں۔ ان دو SALOON CARRIAGES کے علاوہ چند فرسٹ کلاس کے درجوں میں اور لوگ
تھے۔ ایک DINNING CAR بھی تھی اور SALOON CARRIAGES میں بھی KITCHEN کے ڈبے
تھے مگر ایک آدھ نوکر کے سوا اس میں کچھ نہ تھا۔ ریل کے اسٹیشن پر سپرنٹنڈنٹ روپے لے کر کچھ کھانا لائے گئے تھا اور
میں نے اسٹیشن سپرنٹنڈنٹ کو یہ کہتے سنا تھا کہ چند ڈبے انہوں نے منگائے ہیں' وہ بھی چڑھانے کے لئے تیار ہیں۔
ڈپٹی کمشنر۔ گاڑی آنے کے بعد ہی آگیا تھا اور وہاں سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی۔ ڈپٹی کمشنر کے ساتھ دو نے چھوٹے چھوٹے سے ہندوستانی
کے بنے ہوئے SUITCASES تھے اور دو نہایت ہی سستے CUSHIONS جن پر نہ مخمل تھا نہ گوٹا لگی تھی نہ ریشم
کا کوئی COVER وغیرہ تھا' بالکل اس طرح کے جیسے ان کے کوئی مسافر اسٹیشن پر غریب کر سر کے نیچے بطور تکیہ کے رکھے۔
نہ معلوم کسی کے پاس بستر بھی تھے یا نہیں کیونکہ BAGGAGE کہیں بیچ کر بانٹا تھا۔ کہیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ صرف ایک جگہ

نوکروں کے پاس ایک آدھ چمڑے کا ولایتی CABIN TRUNK تھا اور نہ معلوم وہ میجر وکم کا تھا یا شاہ امان اللہ خاں کے رفقائے سفر میں سے کسی کا۔ بعد کو سنا ہے کہ چند جوڑے جوتوں کے بھی بازار سے لائے گئے تھے۔ پلیٹ فارم پر پولیس ہوں کی ٹرین کے رکتے ہی رکھوادی گئی تھیں۔ ٹرین کے رکنے کے بعد ہی شاہ امان اللہ خاں کی گاڑی کی کھڑکیاں اندر سے چڑھادی گئی تھیں لیکن پلیٹ فارم کی دوسری طرف میں نے لوگوں کو اس طرح کھڑا دیکھا کہ گویا اُدھر سے کھڑکی کھلی ہوئی ہے اور کچھ دکھائی دے رہا ہے۔ چنانچہ میرے آدھ گھنٹہ کھڑا رہنے کے بعد ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ دوسری طرف کی کھڑکی کھلی ہے اور امان اللہ خاں نظر آرہے ہیں، مگر میں نے اُدھر جانا مناسب نہ سمجھا۔ ان کو اس حالت میں دیکھنا ہم دونوں کے لئے تکلیف دہ ہوتا۔ اس لئے میں ان کی گاڑی کے قریب ہی باورچی خانہ کی گاڑی کے دروازے پر کھڑا رہا جہاں سے کھانا ان کے وزیر وغیرہ ان کے درجہ میں جاتے تھے۔ طارق میاں میرے ساتھ رہے اور نہایت مودب اور خاموش کھڑے رہے اور دو تین وزیر صاحب اور دوسرے لوگوں سے مصافحہ بھی کیا۔ عنایت اللہ خاں صاحب کے SALOON کی کھڑکیاں بھی بند تھیں۔ ٹرین پورے گھنٹہ بھر کے بعد دہلی سے روانہ ہوئی۔ نہ معلوم آپ COLABA گئے تھے یا نہیں۔ میں نے عبدالہادی خاں صاحب اور غلام جیلانی خاں صاحب سے جنہوں نے آپ کے متعلق پوچھا کہہ دیا کہ آپ بمبئی میں ہیں، اور انشاء اللہ ضرور ملاقات کریں گے۔

یہ تمام منظر میرے لئے سخت درد انگیز تھا اور میری آنکھوں میں بار بار آنسو ڈبڈبا آتے تھے۔ "اللّٰھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر۔ دیکھئے اب افغانستان کا کیا حشر ہوتا ہے اور ہندوستان پر اس کا رد عمل کیا ہوتا ہے۔ اب اس طول طویل داستان کو ختم کرتا ہوں چار پانچ دن ہوئے اسے شروع کیا تھا اور ۱۲ صفحہ لکھ کر چھوڑنا پڑا تھا۔ آج صبح سے بغیر غسل و وضو و منہ دھونے کے اسے شروع کیا تو اس وقت جب کہ ایک ناشتہ نہ کرنے والے شخص کو سوا بارہ بجے سخت بھوک لگ رہی ہے ختم کرتا ہوں یہ خط ہرگز ہرگز شائع نہ کیجئے گا۔ صرف دوست احباب کو دکھایا جا سکتا ہے، اور وہ بھی اگر آپ کو اس کی ضرورت محسوس ہو، ورنہ صرف آپ کے لئے لکھا گیا ہے۔ خدارا صورت حالات کے سمجھنے میں غلطی نہ کیجئے۔ نہ میں خدا سے مایوس ہوں نہ اپنے نفس سے، لیکن اس وقت جو فیصلہ کیا ہے وہی صحیح ہے، خلافت کے کام کے لئے ہر وقت حاضر ہوں، الا ماشاء اللہ جب آج کل کی مجبوریاں دہلی میں قید کر دیں۔ ڈاکٹر انصاری کا خط پڑھا۔ خدا اس شخص پر رحم کرے۔ اسے سوائے اپنے دنیا میں کوئی مظلوم اور معصوم نظر ہی نہیں آتا۔ اب آپ کسی کی خوشامد نہ کیجئے۔ یہ آپ کی غیر ضروری بلکہ نامناسب نرمی ہی تھی جس نے پہلے مجھے اور اب آپ کو بھی گالیاں دلوائیں۔ سب کو سلام۔

آپ کا پریشان حال بھائی،

محمد علی

---

(۸)

بنام قمر صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرم قمر!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ تمہارا ایک طویل محبت نامہ "بانداز صحافت" تحریر کردہ مجھے چلتے وقت ملا تھا اور تمہارا ستمبر میں دوسرا مختصر محبت نامہ ملا جس میں ایسی شکایت کی گئی تھی کہ میں ضرور اس کا جواب دوں گا۔ پہلے خط کا جواب دینا ایک بڑی بحث کو اور بڑھانا تھا اور میں اس سے تنگ آ گیا تھا اس لئے جواب دینا نہ چاہا مگر دوسرے محبت نامہ کا جواب ضرور دیتا اگر سر کھجانے کی بھی فرصت ملتی۔ اتنا دور دراز کا سفر اس طرح کیا گیا تھا کہ پانچ منٹ بھی رخت سفر باندھنے کے لئے نہ ملے تھے۔ میں نہیں زاد راہ اکٹھا کرنے کے لئے بھی وقت نہ ملا تھا۔ کیونکہ جو کچھ میری روپیہ ۃ گری کے باعث ملا تھا وہ سب "ہمدرد" و "کامریڈ" سے قرض ادا کرنے کے لئے تھا اور وہ بھی ناکافی تھا۔ میرے لئے، بچوں کے لئے اور "ہمدرد" کے جاری رکھنے کے لئے کچھ بھی نہ تھا۔ چلنے سے دو تین روز پیشتر ہی میری بیوی کا کچھ روپیہ ان کے بھائی کے پاس تھا۔ اس میں سے دو ہزار راستے میں دے جانے کا وعدہ کیا گیا تو جان میں جان پڑی۔ ایک اور دوست نے کچھ آخری دن دیا تو دو بچوں کے کھانے کے لئے چھوڑ گیا۔ علاوہ بیماری کی فکر کے اور علاج کے باعث فرصت نہ ہونے کے مرکزی خلافت کمیٹی کے جلسے کانگریس کمیٹی کے احمد آباد والے جلسے اور سب سے زیادہ دہلی کی خلافت کانفرنس کے جلسے نے مصروف رکھا تھا۔ بمبئی جا کر ایک دو دن ملے تو کچھ رخت سفر درست کیا۔ ٹیکسی کے کرایہ نے ادھیڑ ڈالا مگر وقت کی کمی کے باعث ٹیکسی لینا ناگزیر تھا۔ اس روا روی میں باوجود کوشش کے تمہارے مختصر محبت نامہ کا بھی جواب نہ دے سکا۔ معافی کا خواستگار ہوں۔

یہ معذرت میرے ذمہ باقی تھی۔ قرضہ ادا کر کے اب تمہارے آخری محبت نامہ کا جواب مختصراً دیتا ہوں اس لئے کہ رپورٹ کی تیاری میں ہم سب لوگ مشغول ہیں اور ملنے والوں کے ہجوم کے باعث اس کے لئے بھی وقت نہیں ملتا۔

حج و زیارت پر مبارکباد کا شکریہ قبول کرو۔ بھائی خدا کے گھر اور رسول خدا روحی فداہ کے مرقد منور کی زیارت کو جاتے وقت ہم میں سے گنہگار سے گنہگار بھی (جیسا کہ میں ہوں) نیت کو بخیر کرنے اور رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ میں نے بھی یہی کوشش کی۔ اب یہ کوشش کامیاب ہوئی یا ناکام رہی اسے وہی خدا جانتا ہے جو نیتوں کا پرکھنے والا ہے۔ اسلام اور خدا کے گھر اور رسول خدا کے مولد و مدفن کی بہتری کے لئے جو کچھ ہم کر سکتے تھے ہم نے کیا۔ جو کچھ وہاں دیکھا ہے اور جو جو اثر دل پر ہوا اس کو یہاں آ کر بیان کر رہے ہیں اور وہ بھی آئندہ کام کے جاری رکھنے کی غرض سے۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی ضرورت اتحاد و اتفاق ہے مگر اتحاد و اتفاق اسی وقت اچھا ہے جبکہ حق پر ہو ورنہ باطل پر اتفاق تو بہت آسانی سے ہو سکتا ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ جو کوششیں ہم سب مسلمانوں کو حق پر متحد کرنے کی کر رہے ہیں ان کو کامیاب کرے۔ ہم

اہل حدیث یا کسی اور جماعت سے لڑنا نہیں چاہتے مگر جس طرح ضرورت کے وقت احناف کی ایک جماعت کی مخالفت سے ہم نہیں ڈرے اور ان سے ہم نے اختلاف کیا اسی طرح ضرورت پڑے گی تو اہل حدیث کی جماعت کی مخالفت سے ہم انشاء اللہ نہیں ڈریں گے اور اختلاف کریں گے۔ دعا کرو کہ خدا حق سے نہ پھیرے اور کسی جماعت کی باطل پرستی ہم کو ان کی تقلید پر آمادہ نہ کرے بلکہ عدل و قسط پر اور حق پر ہم کو قائم رکھے۔ شوکت صاحب کا سلام شوق بھی میرے سلام شوق کے ساتھ شامل ہے اور میری بیوی کی طرف سے بھی تبریک و تہنیت کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ میری صحت یہاں اتنی خراب تھی کہ اگر حج و زیارت اور اسلام کی خدمت مقصود و مفروضہ ہوتے تو اتنے دور دراز کا سفر اور وہ بھی [illegible] کی گرمی کے ہرگز نہ لیا جاتا مگر الحمد للہ کہ صحت قیاس سے کہیں بہتر رہی۔ البتہ غالب کا ایک شعر صادق آتا ہے ؎

موت ان کی ہے جو بس مرکے وہیں دفن ہوئے
زندگی ان کی جو اس کوچے سے گھائل آئے

ایک بار تو DIABETIC NEURITIS نے فالج کی شکل پیدا کر دی تھی اور کوثر کے دوسرے اجلاس میں اسی باعث تاخیر ہوئی۔ خیال ہوا کہ یہاں کی طرف سے بلاوا آ گیا اور باوجود اپنے گناہوں سے ان کی رحمت کے تصور سے مطمئن تھا بلکہ خوش اور مگن۔ خیر مرکے وہیں دفن ہونے اور نجدیوں کے ہاتھ سے ہڈیاں منتشر کئے جانے کی نوبت تو نہ آئی مگر اس کوچے سے گھائل آنے کے سبب بظاہر ایک نئی زندگی پا کر آیا ہوں۔ امید تو یہ ہے کہ دو نشانوں میں سے اس نشان میں جو مدینہ منورہ میں دیا گیا تھا ذرا سا حصہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ ذالک من فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ واسع علیم۔

اب رخصت ہوتا ہوں۔ دیکھیں کب ملنا نصیب ہو۔ لاہور اور پنجاب آنے کا ارادہ تو ضرور ہے بشرطیکہ میرے آنے سے کہیں اور انتشار نہ بڑھ جائے۔

اب یہ لکھو کہ "زمیندار" میں ہو یا قطع تعلق ہو گیا۔ آئندہ کیا ارادہ ہے؟ والسلام!

تمہارا خیر طلب بھائی: محمد علی

(۹)

بنام غلام بھیک نیرنگ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی نیرنگ صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ پرسوں کنور عبدالوہاب خاں صاحب تشریف لائے تھے اور ان سے اس دعوت کا حال معلوم ہوا تھا جو چند حضرات ایک مسلم کانفرنس کو امرتسر میں دینا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ تمہارے نام بھی

---

[1] میں نے مولانا کے سابقہ گرامی نامے کا جواب ان کے حجاز جانے سے پیشتر دے دیا تھا۔ پھر وہ حج و زیارت سے مشرف ہو کر واپس آئے تو ان کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کیا۔ یہ گرامی نامہ اس کا جواب ہے۔ — مہر

اس کے داعیوں میں بھی۔ لیکن اگر مقصود وہی ہے جو بعض ہمارے پنجابی اور دیگر بھائیوں کا گذشتہ اجلاس خلافت کمیٹی منعقدہ ۲۴ مارچ منعقدہ دہلی میں تھا یعنی ترک موالات کو ہم سے ترک کرنا تو میں اس دعوت الی اللہ میں شریک نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے داعیوں میں۔ ترک موالات کی مشکلات سے میں ناواقف نہیں لیکن دین اور اسلام کی راہ میں ان سے کہیں تکلیف دہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے اور ہم کو بھی کرنا پڑے گا۔ جو صاحب ۱۹۲۰ء میں ہمارے ساتھ نہ تھے وہ آج بھی ہمارے ساتھ نہ ہوں تو کچھ تعجب کی بات نہیں لیکن جو صاحب اس وقت ترک موالات کے لئے تھے وہ آج مشکلات سے گھبرا کر موالات کی طرف جاتے ہیں تو ہم ان کو مبارک ہو مگر میں تو اس طرف قدم نہیں اٹھا سکتا جب تک میرا دین و ایمان ہے۔ خلافت تنظیم مسلمان کا نام ہے اور تنظیم اسی کے لئے اس تعلیم کی ضرورت ہے۔ اسلام گوشہ نشینی اور تسبیح ہلانے والوں کا مذہب نہیں ہے۔ سب سے بڑی تنظیم مسلمانوں کا ایک ذریعہ ہے اور ہم کو ایک اسلامی سیاست کو ہر وقت پیش نظر رکھنا ہے جس میں جو مسلمانوں کے گروہ کے ساتھ ہمارا سیاسی تعلق صاف اور غیر مشتبہ نظر آسکے۔ رنجیدہ ہو کر دوری طلب بے حسی اور ناگواری کا جس کا آپ نے ذکر فرمایا ہے اور جسے آپ دور کرنا چاہتے ہیں محض "بد ظنی" کے باعث نہیں ہے بلکہ اس باعث سے کہ ایک جماعت جس میں انگریزی پڑھے لکھے مسلمان اور علماء بھی زیادہ تعداد میں شامل ہیں ایسے "تنظیم" کو نام کرنا چاہتے ہیں کہ جس میں ان کے نزدیک وہ مصیبتیں سہنا نہیں پڑیں گی جو ترک موالات میں ہم کو سہنا پڑتی ہیں۔ "متفرق اور مختلف رجحانات کا تصادم" دور کرنا بہت اچھا ہے مگر یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ جو لوگ تارک موالات نہیں ہیں وہ بھی تارک موالات ہو جائیں۔ پھر تو نہ کوئی تفریق وقف رہ باقی رہے گا اور نہ کوئی تصادم ہوگا یا کم از کم اس طرح ہو سکتا ہے کہ جو حضرات ترک موالات نہیں ہیں وہ صاف کہہ دیں کہ بھائی ہم ان تکالیف کے لئے تیار نہیں ہیں جو ترک موالات میں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ ہم اپنی جگہ پر رہ کر فلاں فلاں خدمت قوم کی کریں گے۔ جو ترک موالات ہیں وہ مصیبتیں جھیلیں اور اس رشتہ گذار رہ سکے تو ہیں ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہیں لیکن اگر "رخصت" چاہنے والے "عزیمت" والے ہیں نہ اپنے آپ کو "رخصت" چاہنے والا سمجھیں بلکہ منہ بند کر کے اپنے آپ کو "نفس مطمئنہ" والا کہنے لگیں، حالانکہ ہوں "نفس امارہ" کے پنجے میں اور اپنے آپ کو صاحب "عزیمت" سمجھ کر حقیقی صاحبان "عزیمت" کو "رخصت" بھی نہ دیں تو ایسی جماعت کی شرکت خطرہ سے خالی نہیں اور اس کی دعوت "دعوت الی الخیر" نہیں بلکہ دعوت الی الشر ہے۔

بھائی عزیز! مجھ سے زیادہ میری کمزوریوں کو صرف خدا ہی جانتا ہے۔ میں نیکی کا دم نہیں بھرتا اور اس کا دعویٰ نہیں کرتا لیکن یہ جانتا ہوں کہ ایمان کی حفاظت میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ جب کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اچھا ہوتا ہے اور بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے۔ میں اگر اپنے میں اتنی قوت نہیں دیکھتا کہ نیکی کی طرف بڑھوں تو کم سے کم برائی کی طرف سرکنا بھی نہیں چاہتا اور بہتر یہی ہے کہ جہاں ہوں وہیں کی زمین پکڑ کر بیٹھ جاؤں۔ جن صاحبوں کی فہرست بطور داعیوں کے آپ نے ارسال کی ہے ان کو دعوت (مولانا ظفر علی خاں صاحب کی معذرت اور معاف کرنا) پنجاب کا اس کانفرنس کی جائے وقوع قرار پانا سب چیز مل کر ایک ایسا اجتماع پیدا کر دیتی ہیں جیسے پنجاب کے پانچوں دریا مل جائیں اور جہاں پایاب بھی ہوں وہاں بھی دھارا اس زور سے بہے کہ کوئی کیسا ہی

یعنی ۱۹۲۱ء میں ہندو کو مہاتما گاندھی کی طرف مائل دیکھ کر یقین ہوا تھا کہ اس قوم کے بھی دن پھرے ہیں۔ آج انھیں پھر شاید بے حقیقی میں مبتلا پاتا ہوں لیکن نہ ہی کے قدم بقدم چل کر مولوی ماری اور منشی لاجپت رائے بنیں، نہ ہی وہ ہندوؤں کی طرح کے مسلمان لیڈروں کا اتباع کرنا نہیں چاہتا ؎

نہ پیروی قیس نہ فرہاد کریں گے
ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

آپ کو یاد ہوگا کہ آپ ہی نے مجھے یہ راستہ بھوپال میں بتایا تھا اور فرمایا تھا کہ لڑائی ہندو مسلمان کی نہیں بلکہ مادیت اور گاندھیت کی ہے۔ میں گاندھیت کا ساتھ دے کر ہندوستان اور اسلام کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ ایک مسلمان کے لئے محض مادیت کی مخالفت کرنا اس کو ہندو میں تقویت پہنچانا ہے اور اس میں نہ اسلام کی بہتری ہے نہ ہندوستان کی اور نہ خود ہندوؤں کی۔ ممکن ہے کہ آپ کا خیال ہو کہ مہاتما گاندھی سے خود بہت سی غلطیاں ہوئی ہیں۔ ایک حد تک میں اس خیال کی تائید کر سکتا ہوں لیکن گاندھی انسان ہیں فرشتے نہیں نہ خدا ہیں۔ ان پر ہندو کا اور بالخصوص ہندو پنجاب کا ایک عرصے سے زور رہا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے خود آپ سے سال گذشتہ میں مسلمانوں کی BRIEF مانگی تھی، مگر جس جس سے اس چیز کے لئے کہا گیا اس نے سوائے ہندو اخباروں کے تراشوں کے جو پہلے سے پیش کر دیے گئے، مجھے مشکل ہی سے کوئی چیز بھیجی جس کو میں پڑھ کر مسلمانوں کا CASE پیش کر سکتا یا جس کو مہاتما جی کو دے سکتا۔ ہم میں جوش زیادہ ہے مگر کام کا طریقہ ہم نہیں جانتے نہ پتہ مارنا ہم کو آتا ہے۔ بہرحال جو کچھ بھی مہاتما جی نے مسلمانوں کے CASE کے متعلق سنا ہے وہ زیادہ تر مجھی سے یا میری معرفت سنا ہے۔ اگر مسلمانوں کی بے صبری، اشتعال پذیری اور پھر صحیح طریقۂ کار سے ناواقفیت کے باعث مہاتما گاندھی کے دل پر جو ہندو ہیں اور ہندو رسم و رواج اور طریق بود و ماند کا پیدائش سے لے کر اس وقت تک بہت کچھ اثر پڑا ہے، اثر ہوا، انھوں نے مسلمانوں کے متعلق ایک حد تک غلط فیصلہ کیا تو زیادہ تعجب کی بات نہیں۔ ان کے خیالات کی اصلاح کرنا اب بھی ہمارا فرض ہے۔ لیکن اس کے لئے وہ سوقیانہ طریقہ ہرگز مفید نہیں ہو سکتا جس کو حضرت مولانا ظفر الملت والدین ظفر علی خاں صاحب نے اختیار کیا ہے۔ بھائی نیرنگ صاحب! افسوس ہے کہ مسلمان پھر اسی طریقہ پر چلنے لگے ہیں جو ابتداً انھوں نے اختیار کیا تھا ؎

جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

مجھے معاف کیجئے یہ خط بہت طویل ہو گیا اور جیسا کہ دنیا کا کتّا میں ہوں اسی طرح کا یہ میرا خط ہو گیا۔ اس میں رشک ہے، حسد ہے، غیبت ہے، بدلحاظی ہے، خودستائی ہے لیکن کیا کروں جیسا میں ہوں ویسا ہی اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہوں۔ ایک فاسق و فاجر ہوں اس سے زیادہ کیا کر سکتا ہوں کہ جو کچھ میرے دل میں ہے اس کو ظاہر کر دوں کم سے کم ایک جرم کا ارتکاب تو اب تک نہیں کیا ہے یعنی تقدس کا دعویٰ نہیں کرتا اور سجدۂ ریائی سے زمین کو بھی گندہ و ناپاک نہیں کرتا۔

جو کچھ میرے دل میں تھا وہ سب کہہ گزرا۔ اب اس سے زیادہ کیا لکھوں۔ اگر ایسا شخص آپ کے کسی کام کا ہو تو حاضر ہوں ورنہ معذور ہوں۔

محمد علی

(۱۰)

بنام مولوی عرفان صاحب

ہائیڈ پارک ہوٹل لندن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادرم عرفان!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ میں تم سے سخت ناراض ہوں اور جو کچھ اثر تم نے میرے دل و دماغ پر دہلی، وگڑگاؤں قائم کر دیا تھا وہ تمہارے بمبئی کے قیام میں بتدریج زائل ہوتا جاتا ہے۔ تم نے مجھے خطوط لکھنا کیوں بند کر دیا؟ بھوپال آنے میں اس قدر تساہل کیوں کیا جب میں لب گور تھا اور اب جب کہ تم کو اخبارات تک سے معلوم ہو گیا کہ میں پیرس میں موت کے منہ میں پڑا تھا تب بھی تم نے دو سطر بھی لکھ کر عیادت اور مزاج پرسی تک نہ کی۔ لطف یہ ہے کہ میری علالت تک کے حالات جو اخبارات میں چھپے تھے وہ آپ کے اڈیٹر صاحب نے خود بقول آپ کے گا دیئے اور آپ نے اس کو ایک معمولی چیز سمجھا۔ میں نے پیرس میں جو تکلیف اٹھائی وہ ساری عمر کبھی نہ اٹھائی تھی اور حالانکہ بھائی صاحب اور بھتیجے صاحب اور داماد صاحب موجود تھے۔ ایک دکھیا بیوی کا دم تھا کہ اکیلی تیمارداری کر رہی تھی اور ایک ڈاکٹر جو بہت ہی کو خدا زندہ و سلامت رکھے اور بامراد کرے کہ وہ غریب صبح کو اپنے کارخانہ جانے سے پیشتر دیکھ بھال کے جاتا تھا اور پھر سے کام پر تھا اور رات کو تھکا ہارا آتا تھا تب بھی گھنٹہ بھر میری دیکھ بھال کرتا تھا۔ اسپیشلسٹوں کو بھی وہی ڈھونڈھتا تھا اور لاتا تھا اور ان کو تمام معلومات میری علالت کے متعلق بہم پہنچاتا تھا، ان کی ہدایات مجھے سمجھاتا تھا اور دوائیں وغیرہ خرید کر لاتا تھا بلکہ غذا تک اپنے ہاتھ سے تیار کیا کرتا تھا۔ جب سے یہاں آیا ہوں دو بار صاحب فراش ہو چکا ہوں، ایک بار تین دن کے لئے ۱۴، ۱۵ اور ۱۶ نومبر کو اور اب ۲۵ نومبر سے صاحب فراش ہوں۔ بیچ میں بھی اپنی تقریر کے بعد سخت تکلیف اٹھائی اور شب کے بارہ بجے تک درد قولنج میں مبتلا رہا اور ڈیڑھ دن گھر سے نہ نکلا۔ لیکن اب تو نکلنا چاہوں بھی تو نہیں نکل سکتا۔ دل کی خرابی کے باعث دوران خون ٹھیک نہیں ہے، اس لئے نیچے کا سارا جسم سخت ورم میں مبتلا ہے۔ دمے والوں کی طرح شب کو سانس چلتی ہے، اس لئے لیٹ بھی نہیں سکتا، ۲۴ گھنٹہ پلنگ پر برابر بیٹھا رہنا پڑتا ہے۔

مگر اس پر بھی وہ کام کر رہا ہوں جو نہ کسی سے ہو سکتا ہے نہ کوئی کرتا ہے۔ با اثر لوگوں پر گفتگو سے اثر ڈالتا ہوں، ٹیلیفون پر رات دن گھنٹوں باتیں ہوا کرتی ہیں خواہ ٹائمز کا فارن اڈیٹر ہو یا مسٹر برنارڈ شا، اور ایسے لوگوں کو اپنے سونے کے کمرہ میں بلا بھیجتا ہوں اور گھنٹوں ان سے باتیں ہوا کرتی ہیں۔ چنانچہ وزیر ہند نے نہایت شرافت سے خود ہی دو بار یہاں آنے پر اصرار کیا اور بالآخر جب میں بالکل مجبور و معذور تھا تو گذشتہ چہار شنبہ ۲۶ نومبر کو جس وقت میں اس ہوٹل میں آگیا ان کو بھی بلا لیا۔ وہ تو گھنٹوں باتیں ہوتیں، مگر شوکت صاحب آ گئے اور میں نے ان کو ٹالا تو کہنے لگے میں

اس لئے ٹھہرا چاہتا ہوں کہ تمہیں زیادہ باتیں نہ کرنے دوں (حالانکہ ان کو علم تھا اور خود بھی چاہتے تھے کہ زیادہ باتیں اور صاف صاف باتیں ہوں) غریب وزیر ہند نے وعدہ کیا کہ اب دس منٹ اور لے گا اور ڈاکٹر کے حکم کے خلاف مجھے تھکائے گا نہیں۔ پھر بھی کوئی آدھ گھنٹہ اور ٹھہرا اور پہلے بھی تقریباً آدھ گھنٹہ باتیں ہو چکی تھیں۔ اس طرح گھنٹہ بھر اب ملا۔ کوئی پندرہ منٹ نواب احمد سعید خاں کے ہوٹل میں اسی طرح کی باتیں ہوئی تھیں۔ مجھ سے اعتراف کیا کہ طرح طرح کے لوگوں سے ملا ہوں کسی وزیر ہند نے اتنے مختلف الخیال لوگوں سے گفت و شنید نہیں کی۔ مگر تم نے جو باتیں بتائیں وہ تو عجیب و غریب ہیں۔ پیچیدہ ترین مسائل پر جو کبھی میں نہیں آسکتے تھے آج ایک روشنی کا سیلاب ٹوٹ پڑا۔ اسی طرح اخبار اسپیکٹیٹر (SPECTATOR) کے اڈیٹر سے دو گھنٹے باتیں ہوئیں اور اس پر پورا پورا اثر پڑا۔ اسی طرح ٹائمز کے ایک فارن اڈیٹر پر جس کے متعلق ہندوستان اور اسلامی ممالک پر مضامین لکھنا اور لکھوانا ہے۔ اس سے ڈیڑھ گھنٹے تک یعنی ساڑھے دس سے شب کے بارہ بجے تک ٹیلیفون پر گفتگو ہو چکی تھی اور خود ہی اس نے ملنے کے لئے آنے کی درخواست کی۔ سوا گھنٹہ اس سے ترکی وغیرہ اور نجد اور یمن اور آخر شش ہندوستان کے متعلق گفتگو ہوئی۔ وہ بھی گرویدہ ہو کر گیا ہے اور دونوں اخباروں میں خود اڈیٹروں کے مضمون ان خیالات کے جو میں نے ان پر ظاہر کئے شائع ہوں گے۔ اچھا اب رخصت ہوتا ہوں۔ یہ خطوط جات کو بھوپال پڑھنے کے لئے بھیج دو۔ مجھ میں تنی جان نہیں ہے کہ اپنے ہاتھ سے چند سطریں بھی لکھ سکوں۔ پلنگ پر منہ لگ گیا تو میز کرسی پر دس دن میں پہلی بار خط لکھا۔ دوسرے خط سیکرٹری ٹائپ کرتی ہے۔ حیات سے کہنا کہ وہی MISS MANTON یا اب MRS KELLEY سیکرٹری ہیں، مگر مجھے خوف ہے کہ میں ان کی تنخواہ کا جو وہی ہے دیر تک متحمل نہ ہو سکوں گا۔ کام کی جگہ سے دوری نے مجبور کر کے مسز ماکنزی کے مکان سے جہاں ۶ گنی ہفتہ دینا پڑتا تھا یہاں بھجوایا ہے جہاں تقریباً بیس پونڈ ہفتہ کا بل آیا ہے اور وہ بھی رعایتی، مگر ڈاکٹروں کا قرب ہے، کام کا قرب ہے، گلنار و شعیب اور شوکت بھائی اور زاہد کا قرب ہے اور غالباً اب موٹر کار رکھنا بھی بند کر دوں اور ٹیکسی پر گذر کر سکوں۔ ہفتہ وار نہیں تو دو ہفتے میں ایک بار تو تم براہ راست چند سطریں ہی مجھے لکھ سکتے تھے۔ اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو پھر پرانا سلسلہ بند۔ یوں بھی میں چند دن کا مہمان ہوں۔ یہ کہنا کہ فرصت نہیں ملتی، پیسہ نہ ہونے کے باعث بہت پریشان تھے وغیرہ وغیرہ بیکار کے عذرات ہوں گے اور بدتر از گناہ۔ تم گپ بازی اور سیر سپاٹے کے عاشق ہو، کام سے وقت ملا تو اس میں صرف کیا۔ بھلا ایک دو ورق یعنی کہ دو سطریں لکھنے کے لئے وقت کس طرح ملتا۔

ہاں اتنا اور لکھ دیتا ہوں کہ نہ ہندو لیڈر قابلیت کا ثبوت دے رہے ہیں اور نہ مسلمان۔ سب سے زیادہ اہم کمیٹی وہ ہے جو ترکیبی حکومت کا ڈھانچہ تیار کر رہی ہے اور اس میں اس قدر وقت ان کی بدلیاقتی اور عدم تدبر سے ضائع ہو رہا ہے کہ خدا کی پناہ۔ مگر باوجود میرے پہلے سے کہلانے کے آغا خاں، شفیع اور جناح نے اس میں میرا نام نہیں رکھا حالانکہ پہلی کمیٹی میں صرف میری موجودگی جلسہ کے باعث میرا نام تھا اور اس پر

آغا خاں کے ذریعے سے مجھے کہلوایا گیا کہ تمہاری صحت اس کی متحمل نہ ہو سکے گی۔ جب وہ کمیٹی اتنی عریض و طویل ہو گئی کہ سب کو اس ہی داخل کرنا پڑا تو اب مختلف کمیٹیاں ہر بحث کے لیے بن رہی ہیں۔ اب تک ایک میں میرا نام نہیں ہے۔ میں نے آغا خاں کو صاف صاف ٹیلیفون پر سنا دیں اور ممکن ہے کہ خود ہنود کی درخواست پر میرا نام بڑھا دیا جائے۔ البتہ ہندو مسلم کمیٹی میں ضرور میرا نام ہوگا۔ اس معاملے میں شوکت صاحب نے میری غیر حاضری میں حسب معمول رذیل کی اور سب بدمعاشوں پر اعتماد کیا اور شفیع داؤدی کی طرح ہر ایک کے ساتھ مل کر کام کرنے کے ذوق میں تدبر سے کام نہ لیا اور ہر ایک ان کو آلۂ کار بنانا چاہتا ہے، ان کو صلاح کار و مشیر کوئی نہیں بناتا۔ وہ لوگ خود صلاح کار و مشیر اور مختار عام بن بیٹھے ہیں۔ میں نے آ کر ایک دو بار کھڑکھڑایا تو آنکھیں کھلیں اور ابھی اور ان شاء اللہ کھول لوں گا۔ اچھا اب رخصت۔

تمہارا اور تم سے بیزار

محمد علی

---

(۲)

بنام مہر صاحب

ضروری

برادرم! السلام علیکم۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس نام نہاد خلافت کمیٹی، پنجاب نے آپ دونوں[1] کا نام ہی نکال دیا ہے صوبہ انبالہ سے میر نیرنگ[2] صاحب کا نام ہے نہ ظفر اللہ[3] صاحب کا اور نہ شوقی صاحب کا۔ کب تک ان کی لغویتوں کو بہ خاموشی سے دیکھتے رہیں گے؟ یہاں مسلمانوں میں از حد جوش ہے اور کام کے لئے تیار ہیں۔ یہ وقت ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے اور تمام مسلمانوں کو ایک جھنڈے کے نیچے جمع کر کے ہر شعبہ میں لگا دینا چاہئے تاکہ دس برس میں ہماری حالت درست ہو جائے۔ مقابلہ سخت کرنا پڑے گا مگر خدا ہماری مدد کرے گا۔ آپ اور برادرم سالک کو ضرور آنا ہوگا۔ ہم تک آپ آ جائیے دفتر کے اور لوگ کام کو دیکھیں گے اور آپ یہاں سے سب حالات ان کو بھیجتے رہئے۔ ۱۵ دسمبر کے اخبار میں جلد ۳ نمبر ۹۴ میں میرے تار کا غلط ترجمہ شائع ہوا ہے صدارت کے لئے مولانا محمد علی کا انتخاب ہوا ہے۔ مجھ کو تو عظیم الشان جلوس مفت میں ہندوؤں کی بدتمیزی کی وجہ سے مل گیا اب ۲۰ دسمبر کو محمد علی آئیں گے۔ لوگ بہت خلوص سے جلوس نکالیں گے۔ مہربانی فرما کر اخبار میں تصحیح فرما دیجئے گا۔ میں تار بھی بھیجوں گا آپ ضرور آئیے اور احباب کو ہمراہ لائیے۔ پنجاب میں ہم کو اب کام کرنا ہوگا۔ خدارا ان حضرات سے آزادی دلوائیے۔ سب تو میر ہندوؤں کے غلام ہو کر رہنا چاہتے ہیں۔

آپ کا

شوکت علی (خادم کعبہ) کلکتہ ۱۶ دسمبر ۱۹۲۸ء

(۳)

بنام مہر صاحب

برادرم مہر! السلام علیکم! افسوس کہ آپ شملہ میں نہ تھے۔ تکلیف دہ منظر تھا۔ ایک طرف تو کانگریسی مسلمان گاندھی اور ہندوؤں کا کھلونا بنے ہوئے تھے دوسری طرف ایک ۱۹۲۵ء کا فضل حسین[4]، دو انگریزی حکام کے منشا کے مطابق ناچ رہا تھا اور ہر طرف بدگمانی اور شکوک کی فضا تھی۔ اس میں ہمارے مہربان سید حبیب[5] خوب لطف لے کر دلچسپ تقریر ے۔ رہے تھے اور اب انہوں نے خود رت کا صاف صاف اعلان بھی کر دیا اور چلتے چلتے محمد علی مرحوم پر بھی ہاتھ صاف کر دیا تاکہ مجھ غریب کو ذرا دیں کہ مرحوم کی جب ان کو پرواہ نہیں تو شوکت علی کس شمار میں تھا۔ آپ نے "سیاست" دوسری جولائی کا دیکھا تھا؟ یہ خط اقبال[6] کو دکھا دیجئے گا۔ اسی کی زبان

۱۔ دونوں سے مراد مہر صاحب اور سالک صاحب ہیں۔ ۲۔ میر غلام بھیک نیرنگ مرحوم ۳۔ مولانا ظفر اللہ پانی پتی جو تقسیم کے بعد بھی پانی پت میں مقیم رہے۔ انہوں نے پانی پت میں تقریباً اسی مسلمان جمع کر لئے ہیں۔ ایک مسجد میں مسلمان بچوں کے لئے قرآن مجید کی تدریس کا بندوبست بھی کر لیا ہے۔ ۔۔۔ مولوی اقبال احمد پانی پتی، دور ترک موالات کے ایک ممتاز کارکن تھے (قبلہ بھی کافی) مدت ہوئی ان کا انتقال ہو چکا ہے۔

۴۔ سر فضل حسین مرحوم جو اس زمانے میں وائسرائے کی انگزیکٹو کونسل کے ممبر تھے ۵۔ سید حبیب شاہ مرحوم ایڈیٹر "سیاست"

۶۔ حضرت علامہ اقبال مرحوم

سے بھی بعض ایسی باتیں سُنیں جو، سے مجھ کو رنج ہوا میں جو کام کرتا ہوں اپنے دل کی خوشی اور خدا کی رضا جوئی کے لئے کرتا ہوں اور بہت ہوشیاری سے کرتا ہوں تاکہ میری ذات سے اسلام کو اور وطن، و کسی شخص کو نقصان نہ پہنچے مگر اس سے بچنا محال ہے اس لئے غلطیاں ہوتی ہیں مگر بے غرض اور ذاتی منفعت کے لحاظ سے ان کا مرتکب نہیں ہوتا ہوں۔ میں مسلمانوں کے آپس کے اتحاد کا حامی تھا ہوں اور رہوں گا مگر ایسا اتحاد نہیں جو ان کو نقصان پہنچائے۔ میں اپنے اندرونی معاملات کا تصفیہ کسی انگریزی حاکم کے ہاتھ میں نہیں چھوڑ سکتا۔[1] دوسرے صاف عرض کروں گا کہ مجھ کو سر فضل حسین پر اعتبار نہیں ہے اور نہ میں ان کو اتنا قابل آدمی سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ ان کے ہاتھ میں چھوڑ دوں۔ انہوں نے یہی نہیں کہ ہندوستان کے مسلمان کے واسطے کچھ نہیں کیا بلکہ پنجاب کے مسلمانوں تک کو سکھوں کے مقابلے کے لئے بھی تیار نہیں کیا۔ ان اپنی پارٹی بنائی اور اپنے حاشیہ نشینوں کو فائدہ پہنچایا۔ وہ زبردست اور بہت ٹھنڈے اور گہرے کام کرنے والے ہیں مگر مسلمانوں کی قوم کا مستقبل ان کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ وہ آسانی سے اپنے اثر سے مسلمانوں میں تفرقہ ڈلوا سکتے ہیں اور ستم ظریف جیسے آنجہانی کو اس قدر صدمت دلائیں گے وہ غریب محمد علی کی روح کو بھی صدمہ پہنچے گا مگر مسلمان اس کو پسند نہیں کریں گے۔ میں "سیاست" کا جواب نہیں دوں گا مگر ان کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانوں کے دلوں میں محمد علی کی کس قدر محبت اور وقعت ہے۔ یہ خط اقبال کو دکھا دیجئے گا۔ میں دو دن میں بنگلور و مدراس کے دورہ پر جاؤں گا۔ اب اچھا ہوں۔ سالک صاحب کو سلام!

آپ کا بھائی

شوکت علی رضا ہرم کعبہ، بمبئی ۷ر جولائی ۱۹۳۱ء

---

(۴)

بنام مہر صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

برادرم مہر!

السلام علیکم و برکاتہ! میں نے آج آپ کو ایک تار بھیجا ہے جس کی نقل ہمراہ ہذا منسلک ہے۔ میاں جعفر شاہ کو بھی آگے لانے کی ضرورت تھی اور ان کو یوتھ کانفرنس کی صدارت کے لئے منتخب کیا تھا مگر وہ صوبہ سرحد کے علاقوں میں دورہ کر رہے ہیں خدا معلوم آ بھی سکیں گے یا نہیں۔ مجھ کو امید ہے کہ وقت کی نزاکت کا خیال کر کے آپ اس بار کو اپنے ذمہ لے لیں اور اجمیر شریف ۲۴ ستمبر کی شام یا ۲۵ کی صبح کو ضرور پہنچ جائیے اور اپنی قبولیت کا مجھے تار دیجئے۔

---

[1] یہ سمجھ نہ تھا کہ سر فضل حسین مرحوم انگریز حاکموں کے ایماء سے سب کچھ کر رہے تھے لیکن چونکہ وہ انگریزی حکومت کے رکن سمجھے جاتے تھے ان کی تجاویز و تدابیر کے متعلق اس قسم کے شبہات عام تھے۔

ایک طرف ہندوستان کے انگریزوں کی چالبازی اور بے اتفاقی دوسری طرف ہندوؤں کی شرارت۔ ہماری طرف سے کسی کمزوری کا اظہار ہونا ہلاکت کے ہم معنی ہے۔ گاندھی کی اس نئی حرکت[1] اور غریب اچھوتوں کو دھمکی نے ان کا اور کانگریس کا سارا پول کھول دیا۔ ہندو قوم میں اندھا دھند تقلید کا مادہ موجود ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہماری طرف سے مسلمانوں کے لئے صاف اور مردانہ ہدایات نکلیں۔ زود یا بدیر ان کو ہمت پڑے گی کہ مسلمانوں کے خلاف بھی اس دھمکی کو کام میں لائیں۔ آپ پر سب باتیں روشن ہیں زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کاش ڈاکٹر اقبال صاحب بھی آپ کے ہمراہ آسکتے تو بہت اچھا ہوتا۔ میں آپ کے تار کا منتظر ہوں۔ خدا کرے آپ بخیریت ہوں گے[2]

آپ کا پریشان بھائی

شوکت علی (خادم کعبہ) بمبئی ۱۹ ستمبر ۱۹۳۲ء

---

[1] اس فقرے میں اشارہ غالباً اس طرف ہے کہ گاندھی جی نے فرقہ وار فیصلے پر اچھوتوں کو الگ نیابت دیے جانے پر مرن برت کا اعلان کر دیا تھا۔

[2] مولانا شوکت علی مرحوم کا ایک خاص اور نمایاں وصف یہ تھا کہ وہ اپنے بزرگ دوستوں کو آگے بڑھانے کی کوشش نہایت فراخ دلی سے کیا کرتے تھے۔ یہاں جعفر شاہ پٹنہ کانفرنس کی صدارت کے لئے نہ پہنچ سکے تو صدارت کے لئے میرا نام تجویز فرما دیا۔ مجھے بھی خاص مشغولیتوں کے پیش نظر معذرت کرنی پڑی!

سرکشن پرشاد

(۱)

بنام عمادالملک

جناب من شاد نواز

آج مولوی محمد علی صاحب[۱] صوبہ دار ورنگل سے خبر وحشت اثر انتقال پر ملال آپ کے فرزند لخت جگر سید محمد ہاشم بلگرامی[۲] کی مسموع ہوئی جو میرے قدیم رفیق شفیق اور اسکول فیلو تھے۔ بمجرد استماع شاد کے دل کو صدمہ ہوا لکھا ہے کہ ہوئے دل ناشاد پر جو کچھ اثر پڑا اس کے اظہار کے لئے الفاظ کا میسر آنا ایک طرح کا مبالغہ ہے۔ چہ جائیکہ آپ کے قلبی اثرات کا اندازہ وہ تو سوائے علام الغیوب کے کوئی کر ہی نہیں سکتا۔

اگرچہ اس داغ کے لئے کسی وقت کسی زمانہ کی تخصیص اور قید نہیں۔ تاہم ایک نوجوان ہونہار لائق فائق اولاد کا صدمہ مفارقت وہ بھی اس سن و سال میں۔ (اللہ آپ کو دیرگاہ رکھے) بیساختہ امیر انیس مرحوم کا قول یاد دلاتا ہے ؂

کیوں کر نہ جیے جہاں میں پیوند جاں کا ساتھ
پیر و جواں کا ساتھ ہے تیر و کماں کا ساتھ

شاد

قاضی پیٹھ حیدرآباد۔ ۱۳ر جنوری ۱۹۱۱ء

(۲)

بنام نصیر حسین خاں خیال

مائی ڈیر خیال صاحب،

میں نہایت نادم ہوں کہ آپ کے خط کا جواب بہت دیر سے ادا کر رہا ہوں۔ اس کی وجہ بجز اپنی علالت طبع کے اور خط کے دیر سے پہنچنے کے اور کیا ہو سکتے ہیں۔ جب سے کرمن گھٹ آیا ہوں اکثر احباب کے خطوط یہاں چوتھے پانچویں پہنچتے ہیں۔ الغرض میں آپ سے نہایت شرمندگی کے ساتھ معافی چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ میرے تاخیر جواب کا کوئی مخالف اثر خیال۔ خیال محب میں کوئی انقلاب پیدا نہیں کرے گا

الحمد للہ اب ڈائریا سے نجات ملی ہے لیکن کمزوری ہے۔ غالباً کسی روز آپ سے دو چار روز میں ملنا ہوگا۔ آپ

---

[۱] محمد علی محمد نواز جنگ بعد کو حیدرآباد میں انسپکٹر جنرل پولیس تھے۔

[۲] عمادالملک کے یہ فرزند ہاشم بلگرامی حیدرآباد ہائی کورٹ میں جج تھے۔

خود مجھے دیکھ کر اندازہ کر لیں گے۔

مجھے یقین ہے کہ آپ اور ہمارے بھیا[1] سر علی سب خیریت سے ہوں گے۔ طاعون نے حیدرآباد کو تباہ کر دیا۔ معاذ اللہ۔

اس فقیر کو اطلاع ہوئی کہ ہمارے بھیا کے مکان میں چوہے متاثرہ گرے۔ اللہم احفظنا۔ یقین ہے کہ تبدیل مقام کئے ہوں گے[2]

۲۴ر فروری سنہ ۱۹۲۰ء　　شاد

---

(۳)

بنام نصیر حسین خاں خیالؔ

شاد نواز حضرت خیال دام محبتہ

آج کی تاریخ تک اس فقیر کے کان جو سن گوش روزہ دار براللہ اکبر است کے متمنی تھے اور نہایت بیتابی کے ساتھ دل التوائے سفر کی خبر سننے کا منتظر تھا۔ مگر افسوس ہے کہ اثر الٹا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ دعا اور اثر میں بھی دشمنی ہے۔ ابھی معلوم ہوا کہ کل آپ کا قصد روانگی کا ہے[3]

دیدۂ احباب و دل ہمراہ تست　　توشہ پنداری کہ بے ما می روی

آپ کا سچا خلوص اور آپ کی ہمدردی اہل دکن کے ساتھ اور خصوصاً آپ کا حسن سلوک اس فقیر حقیر کے ساتھ یہ صفات ایسے نہیں ہیں کہ شادؔ آپ کو دل سے بھول جائے۔ اگر خدانہ کرے ایسا کیا تو شاد بھی جماد بے حس ہے۔ چونکہ آپ کا قصد سفر دور و دراز کا ہے اس لئے شادؔ اپنے خاندان کے عمل درآمد کے لحاظ سے حضرت امام ضامن علیہ السلام کے ضامن بھیج کر متوقع ہوں کہ آپ اس کو قبول کر کے شادؔ کو ممنون کریں ؎

بسفر رفتنت مبارک باد　　بسلامت روی و باز آئی

اپنے متعلق تو شادؔ اتنا ہی کہتا ہے کہ جو گزرے گی ہم پہ گزر جائے گی۔ آپ کی واپسی تک فلک کی نیرنگیاں قابل دید ہوں گی۔ معلوم نہیں کہ موجودہ گردش لیل و نہار کے بعد زمانے کی کایا پلٹ کس قسم کی ہوتی ہے اور ہم اہل وطنوں کی قسمت کا فیصلہ کیا ہوتا ہے اور مشیت الٰہی کیا ہے۔ بہر حال۔ انی توکلت علی اللہ فھو حسبہ۔

شادؔ کے بچے آپ کو سلام کہہ رہے ہیں۔ خدا حافظ۔

شادؔ

مطابق ۱۰ر مئی سنہ ۱۹۲۰ء

---

[1] یہ مہاراجہ کی شرافت اور وضعداری تھی کہ اپنے رقیب سر علی امام کو بھیا کہا کرتے تھے۔

[2] یہ حیدرآبادی طرز اردو ہے کہ کیا ہو گا کی جگہ بطور اخلاق جمع کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے۔

[3] سر علی امام کے استعفا کے بعد نواب نصیر حسین خیالؔ کو بھی یک بیک حیدرآباد چھوڑنا پڑا۔

[4] شاید مہاراجہ کو توقع تھی کہ پھر سر علی اور خیالؔ کی حیدرآباد میں یاد ہو گی۔

بنام نصیر حسین خیالؔ

(۴)

حضرت خیالؔ شاد نواز دام محبتہ

بعد اشتیاق بسیار آپ کا مودت نامہ پہنچا۔ ممنون ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت کے ساتھ رکھے اور اپنے اہل و عیال کی طرف سے بھی بہ لب رشادمانی پھولے پھلے رہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اطمینان خاطر کے ساتھ شاد کو محبت نامہ لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ سفر یورپ کے التوا کی خبر نے شادؔ کے حال کو خوش تو کیا تھا مگر اس کے ساتھ ہی پھر آپ کا قصد بدستور معلوم کرکے افسوس ہوتا ہے۔ اگرچہ اب بھی دور ہیں لیکن ہندستان میں وہ کہ جب چاہیں حیدرآباد آسکتے ہیں۔ البتہ یورپ سے حیدرآباد آنا معنی دارد۔ اگر مستقل ارادہ ہے تو بسلامت روی و بازآئی۔ آپ کے حیدرآباد سے رخصت ہونے کے بعد بہت سی چہ میگوئیاں ہوئیں۔ بلکہ اب تک جتنی زبانیں ہیں اتنی ہی باتیں مشہور ہوتی ہیں۔ الغرض دنیا بھی عجب تماشا گاہ ہے۔ اسی تماشا بینی میں عمر ختم ہوتی جاتی ہے۔ جن میں فطرتاً اللہ تعالیٰ نے تجسس اور تفکر کا مادہ دیا ہے۔ اور ہمارے فکر مدار تقا تک پرواز کرجاتا ہے۔ ویسے معدودے چند ہیں۔ شادؔ آپ کا دعاگو الحمدللہ مع عیال و اطفال خیریت سے ہے مگر اطمینان قلب میسر نہیں بلکہ روزمرہ افکارات میں ترقی ہے۔ مگر کیا کیا جائے بجز صبر و شکر کے چارہ نہیں۔ یہاں کے حالات بدستور ہیں۔ گرچہ آپ کی روزانہ یہاں بھی ملاقات نہیں ہوتی تھی۔ شادؔ ترستا تھا۔ لیکن آپ کا خلوص اور جذب محبت کا اثر ممنون منت بنا رکھا تھا۔

افسوس کہ آپ دکن سے جدا ہوئے۔ فقیر شادؔ کی نسبت آپ کا حسن ظن قابل تشکر و امتنان ہے۔ غالباً ولایت میں آپ سے سالار جنگ بہادر سے ضرور ملاقات ہوگی۔ شادؔ کی جانب سے دعا و سلام پہنچا کر شاد کو ممنون فرمانا۔ فاللہ خیراً حافظا۔ فقط

۱۳ر اگست ۱۹۳۰ء   شادؔ

بنام عماد الملک

(۵)

شاد نواز حضرت من

....

صاحب موصوف نے ایک رسالہ مرسوم بہ رباعی عماد الملک تحفتاً جناب کی جانب سے پہنچایا جس کے دیکھنے سے آنکھوں میں نور اور دل میں وجدانی کیفیت سے سرور کا نقشہ سمایا۔ اگرچہ بظاہر چند اوراق کی ایک کتاب ہے جس میں (۲۷) حروف کا ایک بسیط و دلفریب مربع خانہ ہے۔ مگر ہر ایک شاہانہ رعنائی و زیبائی سے جلوہ آرا ہے۔ الفاظ کی اجتماعی ہیئت سے فقروں نے جو حسن ترتیب پایا ہے پری زادوں معانی کی مجلس کا مکمل جوش جلوہ گری کر رہا ہے۔ اگر محققانہ نظر سے دیکھا جائے تو علم و فضل کا ایک خزانہ ہے۔ جس میں اس ملک اور دوسرے ممالک کے صاحب نظروں کے لئے جواہر بے بہا ہیں۔

شادؔ آپ کی اس یاد فرمائی اور عنایت کا دل سے کمال درجہ ممنون ہوا۔ اور انشاءاللہ تعالیٰ جب تک

اس سے دن فضائل و کمال کا مشاہدہ کرتا رہے گا اس عنایت کو دل سے فراموش نہ کرے گا ....

اس نادر رسالے کے طبع ہونے سے پیشتر اگر ایسا کیا جاتا یا شاد کے گوش اخلاص میں اس کی اشاعت کی خبر پہنچتی تو شاد بحقیقت ذوق ابھی ضرور کوئی قطعہ یا رباعی اس کی ترصیف میں لکھ کر بھیجتا۔ شاد کا بھی تحفہ اس کے ساتھ یادگار رہتا۔ ان شاء اللہ اس کتاب کو بالاستیعاب فرصت سے دیکھ کر استفادہ کروں گا۔ قطعہ

عماد الملک نے بھیجا رسالہ	کروں کیا اس کی میں تعریف اے شاد
خزانہ ہے یہ حکمت کا یقینی	دلِ اہل یقیں اس کو رکھے یاد

حال میں چند رسالے جدید طبع ہوئے تھے جو مرسلِ خدمت ہیں۔ بزم توحید۔ قومی لیڈر۔ معراج ترقی۔ سیر پرکاش کرشن کلا۔ گیان درپن۔ مثنوی مرد جدید۔ آشوبِ عظیم۔

۱۴ر نومبر سنہ ۱۹۲۱ء　　　شاد

بنام عماد الملک

(۶)

شاد نواز

محبت نامہ رقم زدہ ۱۸ر جولائی سنہ ۲۲ء وصول ہوا ...... خدائے بزرگ و برتر بصحت و عافیت بہت دن تک آپ کو زندہ شاد کام رکھے ؎

تنت بناز طبیباں نیاز مند مباد	وجود نازکت آزردۂ گزند مباد
سلامت ہمہ آفاق در سلامت تست	بہیچ عارضہ شخص تو دردمند مباد

...... اقوال حضرت علی علیہ السلام کو آپ کا پسند کرنا فقیر شاد کے لئے باعث نازش ہے کلمات طیبات اور ماہ کامل میں صرف ترجمہ ہے۔ اصل قول حضرت کا نہیں ہے۔ فقیر نے حضرت کے اشعار اور اصل اقوال اور کچھ صاحبوں سے جمع کئے ہیں جن کو اردو میں ترجمہ کر کے نظم کر رہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بعد تکمیل اور قبل طبع آپ کے معائنہ کے لئے بھیجوں گا۔ ۵۰ اشعار اور اقوال اور ان کا ترجمہ غالباً آپ پسند فرمائیں گے۔

۲۹ر جولائی سنہ ۱۹۲۲ء　　　شاد

بنام خواجہ حسن نظامی

(۷)

حضرت سلامت۔

فقیر نے محبی محب کے جواب میں کچھ رباعیاں لکھی ہیں اور وہ ایک کتاب کی صورت میں ہیں۔ جس کا نام "سلک گہر" ہے۔ فقیر کی خواہش ہے۔ کہ آپ اس پر تقریظ لکھیں۔ شوکت بلگرامی مرحوم نے بھی اس پر تقریظ لکھی تھی۔ نیاز صاحب منظر جیشی بھی تقریظ لکھ رہے ہیں۔ مگر حضرت کی تقریظ کی ضرورت ہے۔ سلک گہر زیر طبع ہے۔ جہاں تک ممکن ہو تقریظ جلد ارسال فرمائیے۔

اس مژدہ جاں فزا نے اپنے جامہ سے باہر کر دیا کہ حضرت محرم میں حیدر آباد تشریف فرمائیں گے۔ خدا سمجھے اگر

چھوٹی رانی کو دو روز سے پیچش آؤن اور لہو ہے۔ خدا فضل کرے اور شاد کے لئے خدا نے اس جسنی کو اب باعث آرام گردانا ہے۔ باقی سب برائے نام ہیں۔

شرح دستخط

سٹی پیلس ۲۴ر جولائی ۱۹۲۴ء

مہاراجہ بہادر

---

(۸)

بنام عمادالملک

جناب من شاد نواز کرم فرما زاد لطفکم۔

جناب کا نامہ کرم مع دو کتب کے پہنچا۔ ممنون کیا۔ آپ اپنی قدیم مہربانیوں اور تعلقات کے لحاظ سے فقیر شاد کے متعلق حسن ظن رکھتے ہیں یہ آپ کے بزرگانہ اشفاق کی دلیل ہے۔ ہیچ شاد آپ کو لیا بلحاظ سن و سال اور آپ کے فضائل حمیدہ اور اپنے مرتبۂ تلمذ و نیاز مندی کے نہ صرف کرم فرما سمجھتا ہے بلکہ اپنا واجب العزت بزرگ سمجھتا ہے اس پچاس سال کے عرصہ میں حیدرآباد میں جو انقلابات ہوئے ان کے اثرات بد سے محفوظ رہنا یہ آپ کی دانش مندی اور احتیاط طبیعت کا نتیجہ ہے۔

افسوس ہے کہ آپ کی بصارت میں کچھ نقص پیدا ہو گیا ہے۔ اور پاؤں نے معذور کر دیا ہے۔ یہ سب کچھ کبر سنی کا تقاضا ہے۔ تلامذہ عام میں شاد کی جو حیثیت ہو اس پر صابر و شاکر رہنا ہی ہمارے لئے سعادت کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بصحت و عافیت رکھے۔ آپ کا وجود مغتنمات روزگار سے ہے۔ فقیر کا بھی بہت ہی چاہتا ہے کہ گاہے ماہے جناب کے فیض صحبت سے مستفیض ہوں۔ مگر بار خاطر ہونے کا خیال ہر وقت سد راہ ہوتا ہے۔ اگر میری حاضری مخل اوقات نہیں سمجھی جاتی تو مہینے میں کم از کم ایک زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ اگر صرف آپ کی مزاج پرسی کیا کروں۔ یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔

فقیر
شاد

۱۳ر مئی ۱۹۲۶ء

---

(۹)

بنام حضرت سید نظیر شاہ وارثی

مولینا

تسلیم عرض ہے کاغذات روانہ خدمت ہیں۔ حضرت وارث میاں کے واقعات اور حالات جیسے جیسے پڑھتا ہوں حیرت کی تصویر بن جاتا ہوں۔ اور قلب میں ایک ایسی قوت پیدا ہوتی جاتی ہے کہ جس کو شاد ہی محسوس کرتا جاتا ہے۔ سبحان اللہ کیسے خاص لوگ اس دنیا سے اٹھ گئے۔ مگر گئے کہاں۔ البتہ ہماری بصیرت کا قصور ہے۔ خدا بصیرت عطا فرمائے۔ ابھی درشن کی تمنا باقی ہے۔ مگر مجھے امید قوی ہے کہ وہ ضرور درشن دیں گے اپنے امیدوار کو محروم نہ کریں گے۔

شاد　فقیر

---

(۱۰)

بنام عمادالملک

مائی ڈیر عمادالملک بہادر

محبت نامہ مجھے ملا۔ بجائے اس کے کہ یادآوری کا شکریہ ادا کروں آپ کی اس مخلصانہ عنایت کا ...

ادا کرتا ہوں۔ کہ آپ نے اپنی نیک دلی اور فطرتی ہمدردی سے مجھے بھی ابنائے جنس کی ہمدردی کا اہل سمجھا اور اس کارِ خیر میں شریک کر کے داخلِ حسنات کیا جو میرے خیال میں نہ تھا۔ میں نہایت خوشی بلکہ آپ کے شکریے کے ساتھ سو بیٹھے کلدار آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔

مزید محبت ہمیں فقط مستدام باد۔

شاؔد

---

(۱۱)

<u>بنام عماد الملک</u>

جنابِ من شاد نواز

تسلیم۔ آپ کا محبت نامہ پہنچا .... (۶ سطر) .... یہ فقیر حقیر آپ کے نوازشات اور دلی خلوص کا ہمیشہ سے ممنون ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ خدا توفیق دے کہ میں اپنی زندگی تک اسی تشکر و امتنان کو نباہ دوں۔

بمبئی میں میرے دو بچے ایک لڑکا اور ایک پوتا مونیہ سے سخت علیل ہو گئے تھے۔ جس کے باعث مجھے چندے وہاں قیام کرنا پڑا ... (۷ سطر) . . . حال میں بندے نے ایک فارسی غزل لکھی تھی جس کی نقل منسلک ہوا ہے۔ بنظرِ اصلاح دیکھیں . . (۲ سطر)

(غزل ۵ شعر کی ہے)

مطلع۔ دلا تا چند حرص دین و دنیا شرم دار آخر — بشو یکسو ہوائے این و آن از سر برآر آخر

مقطع۔ رسیدی بر مراد مقصد نشستی بر سرِ مسند — دعائے صبحگاہی شاؔد مے آید بکار آخر

(الخ نگل) شاؔد

---

(۱۲)

جنابِ من

تسلیم۔ جناب کا نامہ الطاف پہنچا۔ آپ کی ہمدردی کا شکریہ۔ بیشک آپ کو مجھ سے محبت ہے۔ اسی لئے محبت کا تقاضا ہی یہ تھا کہ آپ میری ہمدردی فرماتے۔

اخبارات میں جو کچھ ہو رہا ہے حاسدوں کے حسد کے پھپھولے ہیں جو اس شکل میں ظاہر ہو کر پھوٹ رہے ہیں آپ نے جو یہ فرمایا کہ مصاحبت میں جہاں دیدہ پرانا آدمی ہوتا تھا۔ جنابِ من آپ جہاں دیدہ اور میدانِ محبت کا دیکھا ہوا تجربہ کار شخصیت رہیں تو اس کا کیا جواب ہے۔ کیا محبت کے سودائی کو کوئی مصاحب کی مصاحبت سد راہ ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ مالک سے زیادہ تو میرا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ کس قدر میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوا ہوں گا کہ یہ بھی خیال نہ رہا تو پھر بیچارے مصاحب اور واعظ اور پند گر ہی کیا سکتے۔ خیر یہ قصہ عجیب و غریب ہے چونکہ آپ نے ایک ہی طرف کے لوگوں کی زبانی قصہ سنا ہے اس لئے آپ نے یکطرفہ فیصلہ صادر فرما دیا۔ در اصل یہ یاروں کی

بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔ خیر کچھ پروا نہیں۔ واللہ غالب علیٰ امرہٖ ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔
جواب پسند آیا اس کا شکریہ۔ خدا حافظ

شاد عفی عنہ

(۱۳) بنام اکبر الملک بہادر

مہربان من نواب اکبر الملک بہادر

اعلیٰحضرت پیر و مرشد مدظلہم العالی نے بجواب اڈریس صرف خاص جو دستخط ارشاد فرمائی اس کی نقل حسب وعدہ منسلک ہذا ہے۔ یقین ہے کہ آپ بخیریت سے ہوں گے۔ جشن سالگرہ مبارک کے طفیل آپ ہم روزانہ ملتے تھے اب تو شاید مہینوں اتفاق نہ ہوگا۔[1]

شاد عفی عنہ

---

[1] یہ خط مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کا ہے۔ اس پر تاریخ نہیں ہے۔ مہاراجہ کشن پرشاد اس وقت مدارالمہام یعنی دیوان ہو چکے تھے اور ریاست حیدرآباد کے سب سے بڑے عہدہ دار تھے لیکن جس نرم اور ایک حد تک منکسرانہ صنف سے خوشامدانہ لہجے میں اس خط کا آخری جملہ لکھا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاص کر اکبر الملک کو قول سے مراسم بڑھنے کے رنگ کس قدر کوشاں رہتے تھے۔

بیخود بدایونی

(۱)

بنام احسن مارہروی

مخدومی!

یہ عریضہ ۲۲ جون کے کارڈ کا جواب ہے اور اس قدر تاخیر کا سبب وہی میری پریشانیاں ہیں جو دم بھر چین نہیں لینے دیتیں۔ نامہ روائی کی شکایت جو میں نے پہلے خط میں لکھی تھی وہ یہاں کے ذی اختیار رائیسوں کی نسبت تھی۔ نہ کہ اپنے احباب کی نسبت اور احباب میں بھی آپ، جو اس ذرۂ بے مقدار کو اس کی حیثیت سے کہیں زیادہ آب و تاب دے رہے ہیں۔ جون سے اب تک ایک سطر بھی نہیں لکھا تھا لیکن اس ہفتہ میں جو دھیرج پور کر دورے کو اٹھا تو کوئی شغل باکی بجز سخن ساتھ نہ تھا۔ ریل میں اور اونٹ پر جو کچھ لکھا ہے وہ بھیجتا ہوں۔ والتسلیم!

نیاز مند خادم: بیخود، از جودھپور، مسلادڑی۔ پرگنہ ریاڑی مارواڑ ۱۸ ستمبر ۱۹۱۵ء

جواب جودھپور کو بھیجئے گا۔
یہ چند اشعار چلتے میں یاد آ گئے ہیں۔

بیخود بدایونی

تذکرہ بیخود کا یاران وطن میں رہ گیا
کیا فسانہ حیف کیسی انجمن میں رہ گیا

دل سا رہبر کوچۂ قاتل میں لے آیا ہمیں
فرق اب کیا رہنما و راہزن میں رہ گیا

فصل گل ہے دست وحشت [illegible]
تار بھی باقی اگر اب پیرہن میں رہ گیا

کیا جگہ پائی ہے شوخی سے دل بیتاب نے
فتنہ بن کر اوس کے چشم سحر فن میں رہ گیا

ٹکڑے میں تیرا دل صد چاک کچھ شانہ نہ تھا
پھر یہ کیونکر میری زلف پر شکن میں رہ گیا

کیا کہوں میرا دل شگفتہ کیا تھا کیا نہ تھا
ایک غنچہ تھا کہ مرجھا کر چمن میں رہ گیا

میرے غم میں ساتھی افسردہ کیوں ہیں اہل بزم
ہم نہیں میرا فسانہ انجمن میں رہ گیا

یاد رکھنا بھول جاؤ گے یہ سارے پیچ　　میں نگوڑے ہر شیوہ اس کج پیچ میں رہ گیا
آبرو جاتی رہے گی دیکھ لے خوں بار آنکھ　　قطرۂ خوں بھی اگر کچھ بدن میں رہ گیا
جان دینی غم سے مشکل ہے، مستقل عزم　　وصل ہو کر تیشہ دستِ کوہکن میں رہ گیا
دوست کا کیا ذکر دشمن پر بھی آنچ آنے نہ دی　　خود میں جل کر اتنا آتش گلخن میں رہ گیا
آپ کہتے ہیں کہ بیخود آپ سے جاتا رہا　　ہائے اتنا ہوش تو دیوانہ پن میں رہ گیا

---

(۲)

بنام احسن مارہروی

سیدی و معظمی!

کورنش - میری ترتیبات کے لئے جو میری آرزو کے خلاف ناسخ کا قطعہ تاریخ عنایت ہوا تھا وہ میرے واسطے باعثِ افتخار تھا۔ مگر افسوس کہ تمام مجموعہ کی کاپیاں تیار ہو گئیں اور وہ قطعہ نہیں آتا لہٰذا ملتجی ہوں کہ وہی یا کوئی اور۔ بہتر تو یہ ہے کہ چند قطعہ بواپسی ڈاک عنایت فرمائیے۔ بھلا یہ آرزو تو پوری ہو جائے۔ خیر پیشتر و حرج اور دعائے دفع تردّدات کا طالب:

بیخود از جودھپور ۳ جنوری ۱۹۱۲ء

---

(۳)

بنام احسن مارہروی

معظمی و محترمی سیدی و سندی سالار خاندان برکاتیہ افتخار تلامذۂ فصیح الملک مرحوم!

آداب و تسلیم قبول ہو۔ حضور کا ایک عطوفت نامہ مرقومہ ۱۰ اکتوبر دوسرا مرقومہ ۲۳ جنوری سنہ حال تیسرا مرقومہ ۴ فروری ۱۹۱۱ء مع قطعات تاریخ و مثنوی میرے پیش نظر ہیں۔ افسوس ہے ناتوانی اور علالت کی بدولت نہ رسید لکھ سکا نہ جواب۔ بلکہ اب باوجود وہ خط سے کر بیٹھنے اور کئی حضرت داغ کی فرمائش غزل اور سہرا لکھنے کا مصمم ارادہ کرنے کے ایک شعر بھی نہ لکھ سکا۔ اس سبب سے معافی اور اس کے ساتھ دعا چاہتا ہوں تاکہ بیماریاں بھی دفع ہوں اور پریشانیاں بھی اور سوا آپ کے خاندان اور آپ کے اجدادِ کرام اور آپ کے بزرگانِ عالیمقام کی توجہ کے آپ کے بیخود کا کہیں ٹھکانا نہیں ہے۔

قطعات تاریخ اور مثنوی مارہرگی کی تعریف و ثنا میرے امکان میں نہیں ہے۔ یہ تقدیری بات ہے کہ جانشینِ داغ کی تقریظ نہ صرف آپ کی تاریخوں سے بلکہ عزیزم سید عنایت احمد حیرت بدایونی و سید افتخار حسین صاحب مضطر خیرآبادی و قاضی کبیر احمد جو چہرہ سی و مرزا احمد حسین بیگ صاحب دہلوی و سید محمد نور صاحب نوح ناروی، غرض بہت سے احباب کی تصانیف کے مقابلہ میں بہت ہو گئی ہے۔ دیوان میں نے اپنے عنایت فرما اور پرانے ملنے والے مولوی سید نصرت علی صاحب دہلوی صاحب اشرف المطابع واقع فراش خانہ کو چھپنے کے واسطے دیا ہے۔ مگر کاپی باوجود بہت اچھی لکھی جانے اور فوراً واپس بھیج دینے کے خود میرے دوست بیمار ہو گئے اور کئی مہینوں تک کاپیاں پڑی رہنے سے پتھر پر اترنے کے قابل نہ رہیں۔ چنانچہ اسی خوشی ترتیب سے دوبارہ پھر کاپیاں لکھوائی گئیں جن کو میں نے دوبارہ تصحیح کے بعد بھیجا ہے

لہٰذا امید ہے کہ اب جلد چھپے گا۔ کل اجرت وغیرہ ساڑھے [illegible] روپے طے ہوئی ہے جس میں یہ سے عنایت فرمانے اپنے نافع کی نسبت میری نیاز مندی پر خیال زیادہ رکھا ہے اور اس رقم میں سے ۱۰۰ روپے مطبع میں پہنچ چکے ہیں۔ اب آئندہ تقدیر سے بنے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی۔ میں آپ کا ہی خادم ہوں اور موروثی غلام ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی عنایت کو میرے دم آخر تک قائم رکھے۔ اور بیماری و ضعف کے سبب سے میں بہت مجبور ہوں۔ لکھنا پڑھنا، بولنا چالنا کو کندن معدوم ہوتا ہے۔ نوکری کی مجبوری میں ریل میں بیٹھا ہوا دورہ سے آرہا ہوں اور اپنی عدالت کے اہلکار قاضی عبدالغنی صاحب جو میرے ساتھ بہت محبت رکھتے ہیں ان سے یہ خط لکھوا رہا ہوں۔ والتسلیم!

محمد عبدالحی

خواجہ عشرت لکھنوی

(۱)

بنام احسن مارہروی

لکھنؤ۔ احاطہ خان ساماں ۷ر جولائی ۱۹۰۹ء

مخدومی بھائی احسن صاحب!

تسلیم۔ میں بہت سے مخمصوں میں مبتلا ہوں۔ آپ کا مضمون آج تک جو مدت سے رکھا تھا۔ لیکن میرا خیال تھا کہ کچھ تفصیل ملک کے استفسار کے جواب میں انجمن کے متعلق لکھوں۔ وہ اب تک نہ ہو سکا۔ بہرحال ایک مضمون مرسل ہے۔ مئی کے پرچہ میں جگہ ہو تو اس کو لکھوا دیجیے۔ جون کے واسطے اور کچھ لکھنے والا ہوں۔ میرا مضمون آپ ضرور دیکھ لیا کیجیے کیونکہ میں ہمیشہ مسودہ بھیج دیتا ہوں۔ ممکن ہے کوئی غلطی رہ گئی ہو۔ ....

(نامکمل)

---

(۲)

بنام احسن مارہروی

مکرم بندہ جناب سید صاحب!

تسلیم۔ نوازش نامہ موصول ہوا۔ حسب الحکم عالی ایک مضمون نثر کا اور دو غزلیں بھیجتا ہوں۔ آئندہ برابر لکھتا رہوں گا۔ مجھ کو اپنا قدیم خادم تصور فرمائیے۔ نہ کبھی آپ سے ناراض ہوا ہوں نہ ہو سکتا ہوں۔ میں آپ کو اپنا قابل تعظیم دوست سمجھتا ہوں۔ میری طرف سے آپ خاطر جمع رکھیے۔ کتابیں جو آپ کی خدمت میں بھیجی ہیں وہ وہی نفیس جو آپ نے بذریعہ پوسٹ کارڈ مجھ سے پہلے طلب کی تھیں اگر خلاف خواہش میں نے بھیجی ہوتیں تو مجھ کو ضرور افسوس ہوتا لیکن اب صرف آپ کی پسند نہ آنے کا افسوس ہے۔ بہرحال جو آپ کی مرضی ہو۔ میں ہر طرح موجود ہوں۔ فقط!

عشرت۔ از لکھنؤ احاطہ خان ساماں

۱۶ر نومبر ۱۹۱۰ء

غزل

جھاڑتا کیوں ہے اگر بھر گئی پوشاک میں خاک　　غافل اک دن تجھے سونا ہے اسی خاک میں خاک

نہ سکندر ہے نہ دارا نہ فریدوں ہے نہ جم　　سب کے سب مل گئے اس گردش افلاک میں خاک

چار دن کے لئے مسند پہ ہے تکیہ بیجا　　موت ہر وقت تری گھات میں ہے ناک میں خاک

زر کو مٹی ہی سمجھتے ہیں قناعت والے　　کیمیا ہے نظر صاحب ادراک میں خاک

بعد مرنے کے ٹھکانے سے لگی ہے مٹی　　جم گئی ہے چمن کوچۂ سفاک میں خاک

ہے یہ درگاہ الٰہی میں دعا عشرت کی
جا لگے بر روضۂ پاک شہ لولاک میں خاک

غزل ولہ

بزم ابتر ہوئی نکلے جو وہ مے خانے سے　　شیشے ٹوٹ گئے چھلک گئی پیمانے سے

روح نکلے گی جو ساقی ترے مے خانے سے　　سیدھی جنت کو چلی جائے گی مے خانے سے

محفل آباد رہے خیر ہو خم کی ساقی　　ایک دو گھونٹ چھلکتے رہیں پیمانے سے

کھاتے ہیں ہوتی ہے غذا جزو بدن　　ہم تو تحلیل ہوئے جاتے ہیں غم کھانے سے

آپ بھی جلتے ہیں غیروں کے جلانے والے　　ہم کو روشن یہ ہوا شمع کے جل جانے سے

قطع کر رشتۂ امید اگر دانا ہے　　کشت امید ہری ہو گی نہ اس دانے سے

میکشی ترک نہ کچھ وعظ سے ہو گی واعظ　　عہد شیشے سے ہے پیمان ہے پیمانے سے

دیکھ لو دل کے ذرا سیر وہاں بھی عشرت
دو قدم خانۂ اللہ ہے بت خانے سے

راشد الخیری

(۱)

بنام شمس العلماء مولوی سید ممتاز علی

مکرمی و معظمی!

السلام علیکم۔ گرامی نامہ کا ممنون ہوں۔ میرا مقصد ہرگز یہ نہ تھا کہ میرے متعلق جو اعتراض تھا اس کی تردید کروں بلکہ عصمت کے مضمون سے آپ کو میری طرف سے بدگمانی نہ ہو اور اب کہ چل چلاؤ کا وقت ہے کوئی غلط فہمی نہ ہو جائے آپ ضرورت نہیں۔ خیال فرماتے تو جانے دیجئے۔

حاجیہ تاج بیگم صاحبہ کے معاملہ میں جس قدر میں نے کوفت اٹھائی وہ تھوڑی بہت آپ کے علم میں ہی ہے۔ آپ اس سے باخبر ہیں اب یہ آپ ہی فرمائیے کہ رہائی کے بعد اگر ان کے شوہر نے سنگدلی اختیار کی تو مقدمات میں دہلی سے سیشن جج صاحب کی خدمت میں کیونکر لے جاتا۔ میرے اعضا اب وہ نہیں رہے۔ اکثر بیمار رہتا ہوں۔ ایک آنکھ کمزور ہو گئی ہے۔ ایک ٹانگ میں ہر وقت درد رہتا ہے۔

کاش وہ سات روپیہ اس سے پہلے یاد آ جاتے۔ اس کے بعد مدتوں حساب رہا۔ کبھی کے محسوب ہو چکے ہوتے۔ اگر یاددہانی پر بھی تساہل کرتا تو بدمعاملگی کہی جا سکتی تھی۔ مجھے جہاں تک یاد ہے یہ پہلی مرتبہ آپ نے تحریر فرمایا ہے حالانکہ اس کے بعد [illegible] تک سیکڑوں روپیہ کا حساب رہا۔ میاں امتیاز نے جو روپیہ بھیجے تھے اس کا حساب آپ دیکھ لیں اور مجھے جہاں تک بھی یاد ہے وہ میں نے مضامین کے واسطے .... اور شاید ایک آدھ مضمون روانہ بھی کیا تھا مجھے اب معلوم ہوا کہ مضمون کی ضرورت نہیں ہے۔

میں عصمت سے اپنا نام علیحدہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اور وسط اکتوبر میں دہلی جاؤں گا۔ مہربانی فرما کر آپ میاں امتیاز سے فرما دیجئے کہ وہ وسط اکتوبر میں ایک کارڈ حساب کا لکھ کر مجھے دہلی روانہ کر دیں، میں تمام حساب صاف کر دوں گا۔

کتاب کے متعلق اگر تغیر و تبدل کی ضرورت ہو اور وہ بیادہ محنت کرنے پر درست ہو سکتی ہو تو میں حاضر ہوں۔ اگر نہیں تو میں انشاء اللہ کسی اور کو دلوا دوں گا اور جس وقت اب کوئی درخواست کتاب لکھنے کی آئی تو آپ سے مشورہ کروں گا۔ میاں امتیاز سلمہ کو دعا۔

نیاز مند، راشد الخیری - ۲۰ر جولائی ۱۹۲۱ء

(۲)

بنام منشی امتیاز علی تاج

عزیزم سلمہٗ!

سلام مسنون۔ ہاں یہ ہی درست ہوگا کہ آدھے صفحے پر لکھوا دو اور آدھا چھوڑ دو جب مکمل ہو جائے تو روانہ کرو۔ یہاں کاتبوں کی دقت نہیں ہے مگر چھپائی کی مصیبت واقعی سخت ہے۔ سیاہی عصمت میں بھی دیسی استعمال ہو رہی ہے دلی میں انگریزی سیاہی نہیں ملتی۔ قطعیت میں تو نہیں مگر ہاں چھپائی کا انتظام یہاں ہو جانا ممکن ہے۔ سنجوگ کی کاپیاں ختم ہوتے ہی بھیج دینا۔

میں نے منشی کو مسودہ صاف کرنے کے لئے دیا تھا۔ اس کم بخت نے صاف تو صرف ساڑھے تین سپ کئے اور ایک سلپ لکھ دیا۔ اگر نہ ملا تو مجھے سخت اذیت ہوگی۔

تمہارا خیال تقار اسلام وغیرہ بہت اچھا ہے اور میں اس کتاب کے ختم کرتے ہی انشاء اللہ اس پر شروع کر دوں گا۔ صرف اتنا خیال ہے کہ اسلام کا نام آجانے سے ذمہ داری بہت بڑھ جائے گی۔ خیر یہ بعد میں طے ہو جائے گا لیکن اس سلسلہ میں جو کتابیں میرے پاس موجود ہیں ان کے علاوہ جو تمہارے ہاں ہوں اور تمہاری رائے میں مجھ کو مدد دے سکیں وہ کراچی سے چھانٹ لینا مطالعہ کے بعد واپس کر دوں گا۔ یہ کتاب بھی انشاء اللہ آٹھ دس روز میں ختم کر دوں گا اور میں چاہتا ہوں کہ اس وقت تک مضامین کا معاوضہ اگر طے ہونا ہے تو ہو جائے کیونکہ پچھلی دفعہ جو سو روپیہ تم نے بھیجے تھے اس کے بعد مجھ کو سو روپیہ اور لینے پڑے جو پندرہ فروری کو واپس کرنے ہیں اور اس کے ساتھ اپنے اخراجات کے واسطے ضرورت ہوگی کیونکہ میں نے اس عرصہ میں کسی سے روپیہ نہیں لیا اور اس وجہ سے دو ایک کو ناخوشی ہوئی۔

بعض ضرورتوں پر غور کرنے کے بعد میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ اس کتاب کو ختم کر دوں تو جون میں ایک روز کے واسطے لاہور آ جاؤں۔

مولوی صاحب کو میرے خط کا جواب جلد دینا چاہئے اس کے جواب پر مجھ کو اپنی ضروریات کا انتظام کرنا ہے۔ والدعا!

نیاز مند، راشد الخیری - دہلی ۲ر فروری

(۳)

مکرمی و معظمی!

تسلیم۔ پہلی رجسٹری کے جواب میں جو گرامی نامہ وصول ہوا اس میں جو کچھ تحریر تھا وہ ایک خاص حد تک چونکہ درست تھا اس لئے اس کا جواب میں نے جلد نہ دیا۔

ستمبر میں ملیریا وغیرہ کی وجہ سے میں اور بیوی بچے کچھ ایسے پریشان رہے کہ میں حسب دلخواہ کام نہ کر سکا، ورنہ اگر ابھی تھوڑی بہت

سلسلہ موجود ہے۔ لیکن میں اکثر بڑا حصہ خاص محنت کر رہا ہوں۔ تین پیکٹ روانہ کر چکا ہوں۔ امید تھی کہ چوتھا آج روانہ کروں گا مگر بحث چونکہ حضرت سیدہ کی ام المومنین کے ساتھ تعلقات سے تھی اور کے بعد تمام کتاب میں مستقل بحث ہے۔ افسوس میں اس وقت تک مکمل نہ کر سکا۔ انشاء اللہ آج رات کو یہ مسودہ جو تقریباً ایک جزو کا ہوگا مکمل ہو جائے گا۔ اسی طرح دوسرے تیسرے روز میں مسودہ بھیجتا رہوں گا اور امید ہے کہ پندرہ بیس روز میں پانچ چھ جزو آپ کی خدمت میں پہنچ جائیں گے۔

الصالحات کے متعلق آپ یہ ہرگز خیال نہ فرمائیے کہ میں اس کی نظر ثانی نہ کروں گا۔ دونوں میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ آپ جب فرمائیں مجھے اس کی نظر ثانی میں تین چار ہفتہ صرف ہوں گے۔

میرا پہلا پیکٹ رجسٹری نہ ہو سکا امید ہے کہ وہ بھی پہنچا ہوگا، یہ تیسرا تھا۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

نیاز مند، راشد الخیری۔ دہلی ۱۷ر اکتوبر

۱۹۴ ۱[1]

مخدومی! السلام مسنون!

پانی پت کا کارڈ پہنچا۔

امید ہے آج آپ مع الخیر واپس لاہور پہنچ گئے ہوں گے۔ وحید روم کے مضمون کو میں نے دوبارہ درست کر دیا تھا اب آپ کے نوٹ آنے پر پھر لکھوں گا۔

کوئی مضمون پورا اس وقت ہو سکتا ہے جب لکھنے والا واقعات میں محدود نہ ہو۔ جس قدر وسیع ہوگا، اسی قدر وہ لکھ سکتا ہے اور اس لئے کہ وہ پابند نہیں ہے۔ اور مقررہ دائرہ سے علیحدہ نہیں ہو سکتا لیکن جہاں محض واقعات سے بحث کرنی ہے وہاں واقعات کا لحاظ ضروری کسب کر لیتا اور وہ صرف واقعات کے تحت میں لکھتا ہے۔ بہرحال نوٹ آ جانے پر میں دوبارہ لکھوں گا۔

میں دو روز سے بالکل خالی ہوں۔

نیاز مند، راشد الخیری!

پتہ کے واسطے صرف عصمت کافی ہے۔

---

[1] اس سال کے بعض الفاظ پڑھے نہیں گئے۔

حکیم اجمل خاں

(۱)

بنام نواب وقار الملک

کرمی!

السلام علیکم۔ پارسل جوہر کا روانہ کیا گیا ہے امید ہے کہ خدمت والا میں پہنچا ہوگا۔ جوہر کی لاگت کا پرچہ ہمرشتہ خط ہذا ہے۔ مبلغ ۱۸ عہ اس کی لاگت ہیں جیسا کہ پرچہ حساب میں درج ہے آتے ہیں۔ مبلغ ۱عہ روپیہ آپ کے میرے پاس جمع ہیں۔ مبلغ ۲عہ آپ کی طرف اور واجب الادا ہیں۔

اگر جوہر ناپسند ہو تو واپس ہو سکتا ہے۔ صرف مزدوری بنوائی کی دینی ہوگی۔

اجمل۔ دہلی ۹ مارچ [illegible]

میں کل دہلی سے روانہ ہوں گا۔ آپ کو خدا حافظ کہتا ہوں۔

محمد اجمل

فرحت مرزا آپ کو آداب عرض کرتے ہیں۔

---

(۲)

بنام نواب محسن الملک

مکرم بندہ جناب نواب صاحب!

السلام علیکم۔ میں جب علیگڑھ پہنچا تھا تو میں نے سید مصطفیٰ حسین صاحب کے ناگوار قصہ کا حال سنا تھا۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے کہ وہ سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کے جلسہ سے اٹھا دیئے گئے اور وہ بلائے ہوئے آئے تھے تو میں سمجھتا ہوں کہ ان کی بیجا توہین کی گئی جس کا رنج کم سے کم میں اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں اور جو مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں اس کے اسباب مختصر طور پر آپ سے دریافت کروں۔

اگر مصطفیٰ حسین واقعی بے قصور ہیں اور پرنسپل صاحب نے خود یا کسی دوسرے پروفیسر کے اشارہ سے انہیں تکلیف

پہنچا کر اپنے بے جا تحکمانہ اقتدار کو ثابت کرنا چاہا ہے تو آپ خیال کر سکتے ہیں کہ اس کا ناگوار اثر کہاں تک ناقابل برداشت ہو سکتا ہے۔

گو میں بہت کچھ لکھنا چاہتا ہوں مگر آپ کے جواب آنے سے پہلے میں اپنے خیالات کا اظہار نامناسب سمجھتا ہوں۔ تاہم میں آپ کو یہ بات سمجھانی چاہتا ہوں کہ مصطفےٰ حسین ایک کالج کا طالب علم اور بدبخت مسلمانوں کی قوم کا ایک رکن ہے اس کے ساتھ بُرے برتاؤ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک مسلمان کے ساتھ بُرا برتاؤ کیا گیا۔

کالج کے اسٹاف کو ہم عزت کی نگاہ سے دیکھنا چاہتے ہیں اور اس پر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ایک شریف قوم کی تعلیم گاہ کی خدمت کر کے اس کی بے انتہا شکرگذاری کا مستحق ہوگا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کالج کا یورپین اسٹاف ایسا خود مختار اور مطلق العنان ہو جائے کہ وہ ہماری توہین یا تحقیر کرنے پر بھی ہماری خاموشی کا متوقع رہے۔ مہربانی فرما کر صحیح واقعات سے مجھے جلد مطلع فرمایئے اور اپنی موجودہ نرم پالیسی کو ترک کیجئے ورنہ آپ دیکھ لیں گے کہ آپ کا کالج بہت سی مشکلوں میں پھنس جائے گا۔

اجمل خاں ۱۹ نومبر ۱۹۲۰ء

(۳)

بنام مولانا شوکت علی

بھائی شوکت علی صاحب!

السلام علیکم۔ میں آج کل لبنان کے ایک چھوٹے سے قصبے عین زحلتا میں ہوں۔ یہاں سے بیروت، عکہ اور حیفہ ہوتا ہوا مصر جاؤں گا۔ چونکہ میں ۱۵ ستمبر کی صبح کو بمبئی پہنچ رہا ہوں اور وہاں دو تین روز قیام بھی کرنا ہے اس لئے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ آپ خلافت کی ورکنگ کمیٹی ۲۱ ستمبر کو کر دیجئے تاکہ ضروری مشورہ ہو سکے۔

آپ کو معلوم ہے کہ میں پانچ مہینے باہر رہ کر ہندوستان واپس آ رہا ہوں اور میری لڑکی بھی علیل ہے جس کے پاس میں ایک عرصہ تک قیام کروں گا اس لئے پھر مجھے کسی جلسے کی شرکت کے لئے سفر کرنا بہت دشوار ہوگا۔ اگر آپ میری اس رائے کے ساتھ اتفاق کریں تو نوٹس جاری کر دیں۔

میں صحت کی درستی کے لئے ہندوستان سے باہر آیا تھا اور اس چٹھی میں جو میں نے ڈپٹی کمشنر کو لکھی تھی اپنے سفر کی غایت بھی یہی لکھ دی تھی اور یہ بھی تحریر کر دیا تھا کہ میرا یہ سفر سیاسی نہیں ہے۔ اس لئے امید ہے کہ آپ اس کا لحاظ رکھیں گے اور نوٹس میں جلسے کی ضرورت کا اظہار کرتے ہوئے کوئی ایسی بات تحریر نہ کریں گے جو میری چٹھی کے مضمون کے خلاف ہو۔

امید ہے کہ آپ کا دورہ کامیاب رہا ہوگا اور آپ کے وزن میں خداوند تعالےٰ کے فضل و کرم سے مزید اضافہ ہوا ہوگا۔ پیارے شعیب کو سلام یا پیار جو آپ مناسب سمجھیں۔

اجمل۔ ۲۰ اگست ۱۹۲۵ء۔ عین زحلہ

(۴)

بنام غلام رسول مہر

پرائیویٹ

مکرمی!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کا مہربانی نامہ پہنچا۔ مولانا ظفر علی خاں صاحب سے میرا شکریہ ادا کر دیجئے اور یہ فرما دیجئے کہ جو آپ کی خوشی ہو وہ میری خواہش پر مقدم ہے[1]۔

مہر صاحب! سوریہ[2] کی آبادی بہت پریشان حال ہے اور اس کے مصائب خیال اور تصور سے بالاتر ہیں۔ ایک طرف شام کے فرزندوں نے اپنی عدیم المثال جانبازی اور حریت پسندی کو دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے تو دوسری طرف ان صدمات کو برداشت کرنے میں جو ڈیڑھ سال سے پے در پے انہیں پہنچ رہے ہیں اپنے صبر و استقلال کو بھی انہوں نے ہر انسان کے روبرو آشکارا کر دیا ہے۔ یہ سب کچھ ہے مگر ہم نے ان کے لئے کیا کیا ہے؟ اس کا کوئی معقول اور صحیح جواب ہمارے سامنے نہیں ہے۔

"دمشق ریلیف فنڈ" کے نام سے جو انجمن دہلی میں قائم کی گئی تھی اس نے بھی کوئی عملی کام اب تک نہیں کیا۔ صرف اس کے قیام کے اعلان کو پڑھ کر جن ہمدرد مسلمانوں نے چندے بھیجے وہ تو دفتر سے سوریہ بھیج دیئے گئے۔ ان چندوں کے سوا جن کی مجموعی تعداد غالباً کل تین ہزار روپے ہے، اور کوئی رقم آئی اور نہ بھیجی گئی۔ سچ یہ ہے کہ فراہمیٔ چندہ کے لئے کوئی کوشش بھی نہیں کی گئی۔

کیا آپ اور مولانا ظفر علی خاں صاحب اس نیک کام میں "دمشق ریلیف فنڈ کمیٹی" کی اعانت کر سکتے ہیں؟ اور کیا "زمیندار" میں اس انسانی اور اسلامی امداد کے لئے فہرستِ اعانت کھول سکتے ہیں؟ اگر یہ ممکن ہو تو ہندوستانی مسلمانوں کی غفلت، سستی اور کاہلی کی کسی قدر اشک شوئی ہو سکتی ہے۔ والسلام!

اجمل۔ ۱۲؍ اگست ۱۹۲۶ء

---

(۵)

بنام نواب سید علی حسن خاں

مکرمی جناب نواب صاحب!

السلام علیکم! مزاج شریف۔ مکرمت نامہ پہنچا۔ آپ کا اس سے پہلا خط بھی وصول ہو گیا تھا لیکن افسوس ہے کہ مسلسل سفر اور دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے اب تک آپ کو جواب نہیں دے سکا۔

بھوپال کے معاملہ کی بابت جس وقت موقع ہوا انشاء اللہ کوشش کروں گا۔ اس کے نتیجہ سے آپ کو اطلاع دوں گا۔ اطمینان رکھئے۔

امید ہے کہ آپ خدا کے فضل سے مع متعلقین بخیر و عافیت ہوں گے۔ والسلام!

اجمل۔ از رامپور اسٹیٹ ۱۰؍ مارچ ۱۹۲۷ء

---

[1] زمیندار، حکیم صاحب مرحوم کے نام اعزازی جا رہا تھا انھوں نے فرمایا کہ مجھ سے قیمت وصول کی جائے۔ مولانا ظفر علی خاں کی طرف سے ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اعزاز کو قائم رہنے دیجئے۔ یہ اسی کا جواب ہے۔ [2] اس وقت شام میں فرانسیسیوں کے ظلم و ستم انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ حکیم صاحب مرحوم خود وہاں کے حالات دیکھ آئے تھے اور بہت متاثر تھے جیسا کہ پورے مکتوب سے واضح ہے۔

(۶)

<u>بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں شروانی</u>

مکرم و محترم دام لطفکم!

السلام علیکم۔ میں نے آج آپ کا ایک قیمتی اور مختصر مضمون علی گڑھ منتھلی میں قصہ پیری کے متعلق پڑھا۔ آپ سے مجھے تنہا اس وجہ سے تعلق نہیں ہے کہ آپ جناب محمد تقی خاں صاحب کے لائق فرزند ہیں بلکہ میں آپ کو ستھرے علمی مذاق کی وجہ سے زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ علی گڑھ منتھلی نے اس مضمون کو شائع کر کے آپ کے اچھے خیالات کی فہرست ہی میں نئے اسلامی یادگاروں کے لکھنے کا مذاق کو اور بڑھا دیا ہے۔

معاف کیجئے گا یہ خط میرا لکھا ہوا نہیں ہے کیونکہ میں ابھی لکھ پڑھ نہیں سکتا۔

محمد اجمل!

سائل دہلوی

بنام احسن مارہروی

(۱)

اخلاص منشی سید علی احسن صاحب زاد عنایتکم!

تسلیم عرض ہے۔ آج صبح ہی حضرت قبلہ کا عنایت نامہ وصول ہوا اور آپ کا مرسلہ عنایت نامہ اوس میں ملفوف تھا۔ آپ نے جو کچھ اپنا حال اور سائل حضرت کو لکھا ہے میں نے سب دیکھا۔ مجھے پہلے ہی تعجب تھا کہ کوئی سبب ضرور دوبارہ نہ ملنے کا ہوا ہوگا ایسا کیونکر ہو سکتا تھا۔ لیکن حضرت سے کسی نے یہ یوں کہا ہوگا کہ آپ پھر بھی تشریف لائے تھے۔ اونھوں نے بددل ہو کر جیسا مجھے لکھا تھا میں نے صرف حرف بغیر رنگ کی سیاہی سے نقل کر دیا تھا۔ مجھے آپ کے نقصان اور پریشانیوں کا نہایت الم ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنا رحم و فضل کرے۔ دیکھیے دیکھیے ذرا طبیعت کو روکیے۔ مجھ پر تہمت نہ دیجیے۔ اللہ علیم ہے کہ میں آپ سے نہایت صاف ہوں اور ذرا ملال یا کسی طرح نفاق سے کبھی کچھ نہیں لکھتا بلکہ ہر پہلو سے آپ پر تاکید کرتا ہوں کہ آپ فصیح اللغات سے غفلت نہ کریں۔ یہی صورت آپ کی عدیم الفرصتی کی ہے تو ایک بڑے مدعا کا حرج خود ہو رہا ہے۔ آپ کو مصالح اجازت نہیں دیتے۔ اس طرف رجوع کرنے کی اور آپ کو اپنے کاروبار پر خاص طور پر یہی نظر ہے کہ آپ اوس میں دوستانہ کسی سے مدد لینے میں بھی نقصان کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ مجھے ملنے درجہ کی اخلاقی تعلیم ہوئی ہے اس سبب سے میں نے کبھی آپ کو دبایا نہیں ہے اور جب کبھی جو کچھ لکھا ہے بے ارشاد حضرت قبلہ[1] کا ہی قلم نہیں اوٹھایا۔ نواب میر حسن علی خان صاحب بہادر اس کے شاہد ہیں جب آپ کو کوئی خط لکھا حضرت کے ایما سے لکھا اور حضرت کو دکھا کر نواب صاحب[2] کو ملاحظہ کرا کر بھیجا ہے۔ میری طرف آپ اب بھی کوئی تہمت کا وہم نہ لائیں اور رہیں جس وقت صاف ہو جاؤں گا بشرط زندگی اور استاد سلامت رہیں اور منظور خدا ہے تو بہت جلد فصیح اللغات مرتب ہو جائے گی اور کوئی وقت ہی نہیں ہوگی۔ اس فقرے کے معنی آپ نے کیا سمجھے ہیں ورنہ سوائے خادمانِ والا کے اور کسی کی مجال نہیں جو میرے فائق کام میں دست اندازی کر سکے۔ نشان نمبر ایک کے لفظ کے معنی آپ کو آپ کے اوستاد نے کیا بتائے ہیں۔ میرا خیال کرتا ہوں کہ آپ بڑے جوش میں یہ دو لفظ لکھ گئے ہیں۔ میں نے پڑھنے لکھنے میں آپ سے بہت زیادہ پاپڑ بیلے ہیں۔ میری نسبت آپ بے تکلف ایسے لفظ نہ برتا کیجیے جس کے کئی کئی پہلو نکلتے ہوں۔ نشان نمبر دو کے معنی آپ خود غلط سمجھے ہوئے ہیں۔ جس کام کا ذکر کیا ہے اور جس سے مراد ہے وہ

---

[1] بظاہر داغ مراد ہیں   [2] نواب میر حسن علی خان

شاید آپ ایسا سمجھے ہوئے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے۔ ایسے مغالطے عبارت کو خبط کر دیتے ہیں اور ان سے پہلو ملال کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ مجھے آپ کے اعتراض سے لا واللہ کوئی تعرض نہیں مگر یہ علاج تحریر ہے۔ اگر نفسانیت کو اشتعال کہ دیں تو کوئی عجب بھی نہیں۔ اس کے نتیجہ میں شکر رنجی ہوگی اور بے لطفی اور اس سے میں تجاوز کرنا چاہتا ہوں۔ زیادہ شوق ملاقات۔ فقط

راقم ابو المعظم سراج الدین احمد خان سائل ۱۱ جنوری ۱۹۰۳ء

---

(۲)

بنام احسن مارہروی

اخلاص منزلی احسن صاحب زاد عنایتکم!

تسلیم۔ ۸ ماہ رواں کا عنایت نامہ اس وقت کے ڈاک سے وصول ہوا۔ مجھے عالم صاحب کی تحریر سے آپ کی کیفیت کا حال دریافت ہو گیا تھا۔ اللہ آپ پر رحم کرے اور آپ کی افکار کو دور فرمائے۔ میں چند مرتبہ آپ کو لکھ چکا ہوں اور ہمیشہ اس بات کا جواب نہیں دیکھتا آپ کی کسی تحریر میں اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ اخلاص شعار فصیح اللغات کی ترتیب میں مجھے استمداد نہیں کرتے۔ آپ جب تک وہاں اپنے معاملات میں گھرے ہوئے ہیں وہ مسودہ مجھے دے دیجئے تاکہ میں اوس کو آگے چلاؤں۔ رکھوں کیا؟ کوئی اعتبار نہ کیجئے حضرت قبلہ کو بیکار رہنے دیں۔ یہ عرض کرتا ہوں کہ اوستاد کی زندگی کو غنیمت تصور کیجئے آپ ہی کس دھن میں ہیں؟ جب آپ فارغ ہو جایئے گا اور یہاں آ جایئے گا میں سب کچھ آپ کو دے دوں گا۔ کیوں اس قدر بے اعتبار آپ ہوتے ہیں؟ اللہ علیم ہے اگر میں لالچ پر نظر کروں تو بقسم عرض کرتا ہوں کہ آپ کو کوئی حصہ اس کا نہ لینے دوں یہاں یہ خیال ہی نہیں ہے اور آپ مفت بدگمان ہو رہے ہیں۔ آپ کی محنت کا معتقد ہوتا ہوں کیونکہ آپ کو یقین دلاؤں۔ اون امور کو آپ بغیر ختم کئے نہیں چھوڑ سکتے یہاں اس کے بغیر شروع کئے نہایت نقصان دکھائی دیتا ہے۔ یہ تو آپ نہ فرمایئے کہ بغیر کسی کی مدد کے آپ نے اسے شروع کیا۔ کسی کی مدد کے بغیر تو دونوں حیثیتوں سے یہ چیز آپ کے بس کی نہیں ہے۔ میں نے اوس کے اجزا صاحب عالم کے پاس کی بیاض مختصر دیکھے ہیں۔ اون کی نظر کے بغیر تو حضرت قبلہ تک لے جانے بھی بے سود ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں بے مدد مالی رقم کے بھی یہ کام آپ کے امکان سے خارج سا ہے۔ دراصورت نفع اللہ علیم ہے کہ اس میں ہم دخل نہ دیں گے جب تک آپ جواب صاف نہ دے دیں گے اس کام کے لئے مگر کتاب کی ترتیب میں تو نقصان نہ ڈالو۔ کون کافر آپ کی امید پر پانی پھیرتا ہے بلکہ درحقیقت آپ ایک عالم کی امید عمل پر پانی پھیرتے ہیں ایک فضول بدگمانی کو اپنے ذہن میں جگہ دے کر۔ دیوانی معاملات میں کس کو یقینی ہے کہ کب تک نجات ہو جائے گی۔ یہ بھی آپ کا ایک وہم ہے۔ میں سخت علیل ہوں اور اپنی علالت سے نہایت مشوش ہوں۔ اللہ فضل کرے اگر یہی صورت میری شکایت دورہ دوران سر کی رہی تو مجھے علاج کے لئے ضرور دہلی جانا ہوگا۔ مشین کے معاملہ وغیرہ کو مجھ پر چھوڑ دیجئے آپ جانیں اور منشی عبدالغنی خاں اگر وہ جلدی میرے پاس آئے تو میں منشی عبدالغنی خاں کو اطلاع کر دوں گا۔ میں اچھا نہیں ہوں دوران سر اور اختلاج کی بے حد شکایت ہے۔ یہاں آج کل ایسی گرمی ہے جیسے اپنے وطن میں آغاز ماہ اپریل میں ہوتی ہے شب کو کسی قدر خنکی ہوتی ہے ورنہ تمام دن سفید باریک شیروانی پہنی جاتی ہے۔ زیادہ اخلاص مع تسلیم۔

راقم ابو المعظم سراج الدین احمد ۱۴ جنوری ۱۹۰۳ء

بنام سید افتخار عالم صاحب مارہروی

(۳)

مخلصی!

تسلیم۔ آپ کی یاد آوری کا پہلے شکریہ بعد ازاں ۳۰ اگست کے کارڈ کا جواب ہے۔ مجھے دہلی سے واپس پہنچے کو چار ماہ گزر گئے۔ ناصر میاں بفضلہ تعالیٰ مدرسہ اعزّہ میں تعلیم پاتے ہیں۔ فضول اوقات زیادہ گزرتے ہیں، لکھنے پڑھنے سے رغبت نہیں۔ کھیل کا بھی سلیقہ نہیں ہے۔ خود آرائی کا شوق ہے اور روپیہ کی بربادی مدنظر۔ بات بڑی ہوتی گیا کہوں ـــ ہر وقت بکتے بکتے بھیجا پک گیا۔ گلدستہ معیار الانشا ملاحظہ میں آیا ہوگا۔ کئی پہیلیاں فضل الٰہی سے سلجھ گئیں۔ اس کی معاونت فرض ہے اور احسن صاحب سے بھی میرا سلام یاد دہانی کیجئے گا۔ والتسلیم۔ فقط!

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد از حیدرآباد توپ بازار۔ ۲۵؍ ستمبر ۱۹۰۳ء

بنام ہمایوں مرزا بیرسٹر

(۴)

زاد عنایتکم۔ تسلیم!

انشاء اللہ تعالیٰ چھ بجے اگر میں نہ بھی آپ کے ساتھ جا سکا تو آپ کے لئے گاڑی حاضر ہو جائے گی۔ ممکن ہے کہ میں قبل و بعد جاؤں، واپسی کے لئے بھی آپ کے واسطے انتظام و خیال رکھا جائے گا، مطمئن رہیں۔ میں اپنی بابت اس وجہ سے مشکوک ہوں کہ میری لڑکی علیل ہے۔ والتسلیم۔

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل ۱۱؍ مارچ ۱۹۰۸ء

بنام احسن مارہروی

(۵)

محترمی سید صاحب زاد عنایتکم!

تسلیم۔ بدایوں تشریف سے واپس آتے ہی ایسا سخت علیل ہوا ہوں کہ اس وقت تک صاحبِ فراش ہوں، گاؤ تکیہ کے سہارے نیم دراز آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔ مرض نہایت تشویش ہے۔ عارضہ انقباض قلب و دوران سر ملے جلے ہیں ـــ سہل مرض معالج ہے، اللہ مالک ہے۔ اور حرم کے متعلق میں اپنا مطلع حاضر کرتا ہوں اور یہ مطلع اس غزل کا ہے جو حضرت استاد مرحوم کے ملاحظہ سے بھی گزری ہوئی ہے ـــ

شب وصل یار و حرم بھی دیرنگ   ماکوتے رہے مل گئی دیرنگ

اس مطلع کے موزوں پڑھے جانے میں آپ کے تمام مطالب حاصل ہو جائیں گے۔ تذکیر و تانیث و اشباع کسی بات کی کسر نہ رہے گی۔ میں اپنی حالت آپ کو لکھ چکا ہوں، اس صورت میں خود تو غزل کی نقل کر نہیں سکتا۔ کوئی لکھا پڑھا ہمسایہ پرسان حال آ گیا تو اس سے لکھوا کر ملفوف نیاز نامہ کر دوں گا۔ ورنہ شام کو بے غزل یہ خط بند ہو کر ڈاک کے سپرد کر دیا جائے گا۔ مجھ معذور و مضطر زار کے غالباً آپ نے میکش میاں سے اس غزل کی نقل حاصل کر لی ہوگی جو دو روز کے غیر حاضر ہو گئے تھے اور آپ نے ان سے نقل بھیجنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ جناب سید امیر حسین صاحب قلیر سے ملئے تو میرا سلام کہہ دیجئے گا۔ زیادہ شوق ملاقات۔ والتسلیم۔ اگر آپ کے ساتھی طبع زاد ہو تو میرا کلام آپ یہ بلکہ میں اس ترمیم کریں۔ وہ اس لائق نہیں اور حق ناحق اکثر صاحب جو د کو اعتراض کرنے کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے۔

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل ۱۴؍ نومبر ۱۹۰۳ء

بنام احسن مارہروی

(۶)

برادرم احسن صاحب زاد عنایتکم!

تسلیم - عنایت نامہ پہنچا مضمون مندرجہ سے آگہی ہوئی - میں نے جب کہ آپ کے طلب پر جو اشعار سند ناموزوں کو کے دیئے ہیں وہ بحیثیت استاد مرحوم کے شاگرد ہونے کے نہیں دیئے - اس سے قبل آپ کے قلم سے کئی بار میری نسبت نکل چکا ہے کہ میں اون کے تلامذہ میں رشادت کا رتبہ نہیں رکھتا اور یہ سچ ہے اون کے شاگرد مجھ سے اچھے ہیں - میں نے وہ سندیں آپ کی اس وجہ سے کلمہ کر دی ہیں کہ میں جہاں آباد کی خاک سے بنا ہوں اور یہاں کے فصیح تروں میں بفضلہ تعالیٰ مانا جاتا ہوں - اگر آپ نے محض شاگرد جہاں استاد ہوتے کی وجہ سے مجھے یہ عزت بخشی کہ مجھ سے اشعار اسنہ طلب کئے تھے تو ضرور آپ اون کو جمع نہ کیجئے گا - نیز عرض کر دینا نامناسب نہ ہوگا کہ جا ، جائیے ، جاگہ ، جاننگاہ ، جاگہ یہ سب فارسی لفظ ہیں - میں سمجھ نہیں سکتا کہ استاد مرحوم نے بقول آپ کے (جائیے) کو کہیں اور کب ترک کیا - میری غزلیں اکثر یہ لفظ اون کے کان تک پہنچا مگر کبھی اس کے متعلق اون کی زبان سے کچھ نہیں سنا - چنانچہ میری غزل کا مطلع یہ حاضر ہے جو اون کی اصلاح شدہ ہے ؎

چو جالے جاتے جاتے تری جلوہ گاہ کا　　　　موسیٰ کو لوگ کہتے ہیں لیدا نگاہ کا

میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کو تو اونھوں نے اس کے ترک کرنے کی ہدایت کی لیکن مجھے کچھ بھی نہ لکھا - علاوہ ازیں آپ فضل الٰہی سے منتہی تلامذہ میں سے ہیں خود ہی اجتہادی قوت آپ کو حاصل ہے - غور تو کیجئے کہ کس قدر پیارا لفظ ہے یہ جسے نثر میں جس پر الزام ترک ہونے کا لگایا جاتا ہے - میرے نزدیک اپنے پانچوں لفظوں میں ہی لفظ ہے جو افصح ہے - میری آپ سے اخوت و محبت ہے میں اپنا کلام سند میں آپ کی معرفت خود پبلک میں پیش کرنے سے احتراز کروں گا کہ آپ کو میری وجہ سے کاہش نہ اور ٹھانی پڑے اور آئندہ اس خدمت سے آپ بھی مجھے معاف فرمائیں گے - باقی بافضلہ خیریت ہے - فقط!

بخشم ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل ۱۲ر فروری سنہ ۱۹۱۰ء

بنام ورک شاہجہان پوری

(۷)

جان والا جاو سلمہٗ اللہ تعالیٰ!

۱۰ر جون کا کارڈ موصول ہوا - خیریت مزاج کی نوید نے مطمئن کیا - الحمد للہ تعالیٰ میں بھی با دلِ عزیز نیاز بار ہمدوش عافیت ہوں - آپ کی مخلصانہ پرسش نے گرویدۂ اخلاق کر دیا ہے - خدا تعالیٰ آپ کو خاشا لرام اور کامیاب رکھے - میں عدیم الفرصتی کی وجہ سے خط و کتابت کی رسم میں تقید نہیں کر سکتا ، جس قدر اس وضع کی پابندی کرتا ہوں اسی قدر پابندی سے جواب خطوط لکھتا ہوں - میری شاعری کی مدح سرائی میرے مخلصوں کو زیبا نہیں - اپنوں کی ہر ادائے مذموم بھی اپنوں کو عزیز ہوا کرتی ہے میں آپ کو اپنا جانتا ہوں اس لئے آپ کی خصوصیات کی سند نہیں - بھائی مبارک صاحب کو ہدیۂ دعا پیش کر دیجئے اور مزاج پرسی کر لیجئے باقی بافضل الٰہی بتصدق حضرت ختمی پناہی و آلہٖ و اصحابہٖ خیریت ہے -

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل ۱۲ر جون سنہ ۱۹۱۵ء شنبہ -

بنام پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی دہلوی

(۸)

مکرمی برادرم پنڈت جی صاحب زاد الطافہم!

تسلیم مع التکریم۔ آپ کا عنایت نامہ ۱۱ اکتوبر کا مری میں پہنچا جواب دینے [illegible] خطوط میں پڑا رہا اور میں شہر سے باہر رہا۔ ستمبر سے میں سفروں میں ہوں۔ ڈیڑھ دو دن سے واپس آکر صرف دو روز دہلی ٹھہرا تھا کہ .... گیا۔ اورنگ آباد پہنچا۔ پونا گیا .... پہنچا واپسی میں آگرہ سے دو روز [illegible] نواب لوہارو کی موت کی سن وہاں سے واپس آیا۔ [illegible] بعد [illegible] کا انتقال ہو گیا پانچ چھ روز اس واقعہ کے میں الہ آباد گیا۔ کچھ [illegible] کانپور رہا۔ ندوہ کے جلسوں میں شرکت کی۔ لکھنؤ آیا۔ یہاں سالانہ مشاعرہ کے بجائے مثنوی کے [illegible] جس کی تاریخ ۲۶ ہے۔ وہاں سے رام پور آیا۔ نواب صاحب نے روک لیا۔ [illegible] تاریخ کو دہلی آیا ہوں ہنوز [illegible] سفر سے حواس ٹھکانے نہیں ہوئے ہیں۔ اس دوڑ دھوپ کی وجہ سے نہ مجھے گھر ٹھہرنا نصیب ہوا نہ کسی کو خط لکھنے کی نوبت آئی۔ رام پور میں ڈاکٹر انصاری سے سُنا کہ [illegible] سری رام بھائی بہت علیل ہیں۔ وہیں سے ان کی مزاج پرسی کو خط بھیجا کچھ حال نہیں معلوم ہوا۔ اس سخت سردی کے موسم کے سفروں نے جوڑ جوڑ میں درد پیدا کر دیا ہے۔ ذرا اس سے افاقہ ہو تو بھائی سری رام جی سے مل کر ان کو دیکھوں۔ مثنوی کی رفتار اس سفر نے بہت پست کر دی ہے۔ تین ہزار شعر اس کے ہو گئے ہیں۔ شہزادہ جہانگیر[1] [illegible] گیا ہے۔ [illegible] کا مقدمہ قتل سے ہونے والا ہے۔ آپ بتائیے کہ آپ لکھنؤ کب چلیں گے، اور کتنے دن وہاں قیام ہوگا [illegible] نہیں ہے۔ اس کی [illegible] اپنی خوبیوں کے اعتبار سے ارفع ہے۔ باقی خیریت والتسلیم،

آپ کا ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل [illegible] دہلی ۱۹ دسمبر ۱۹۲۶ء

بنام نواب میر حسن علی خان

(۹)

مکرمی نواب صاحب بہادر سلامت رہیئے

میری اور بیوی کی جانب سے تسلیم و ادب قبول فرمائیے۔ میں متواتر کئی سال سے مختلف امراض [illegible] کا تودہ بنا ہوا ہوں نقرس کے دورے سخت سخت پڑتے ہیں، اختلاج قلب کی شکایت مزید برآں ہے۔ اب کے رمضان مبارک میں فیصلہ ہی ہو گیا تھا نہ معلوم کیا نیکی مدد کو [illegible] ابھی مقدر میں باقی ہے جو بچ گیا۔ یہ سال مجھ پر ایسا سخت گزرا ہے کہ خدا دشمن کو بھی نہ نصیب کرے۔ تفصیل واقعات ملاحظہ ہو۔ اگست، حکیم اجمل خان صاحب کا انتقال جس کا اثر یہ کہ تقریباً دو ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ کا مالی خسارہ ہوا۔ دوسرا واقعہ میرے برادر حقیقی نواب مرزا شجاع الدین احمد خان تاباں کا جس کا خمیازہ یہ کہ مجھ پر دعویٰ ہوا اور تقسیم جائداد کا ہو گیا اس کے [illegible] تیسرا واقعہ بہت حقیقی ماموں [illegible] کا جو صاحب جائداد کثیر تھے [illegible] ایک [illegible] چھوڑ کر مرے ہیں [illegible] ایک [illegible] دو بیٹیاں [illegible] بحیثیت بزرگ خاندان ہونے کے ان کا [illegible] لڑکا ان کا دس برس سے [illegible] ہے وہاں [illegible] ہو گئے۔ [illegible] باپ ماں بھول [illegible] کوئی واسطہ نہیں رکھا۔ باپ کے واقعہ کی اطلاع [illegible] سائل صاحب کے فیصلہ سے [illegible] میں اپنی والدہ کے عہد حیات میں [illegible] دخل دینا پسند نہیں کرتا۔ چوتھا واقعہ میرے برادر [illegible] کا

---

[1] جہانگیر [illegible] کے ناموں سے واضح ہے کہ شاید جہانگیر [illegible] نے [illegible] مثنوی شروع کی تھی۔

دو سو روپیہ سال ہو جاتی ہے۔ بیرونک باغ کمپنی کردہ قطعات اجارہ پر دے رکھے ہیں۔ ہدیۂ ایک دو دو خورد ہاں کی چاء تو میں میرے بیٹے لائی تھی چنداں قابلِ تعریف نہیں۔ وہاں سبز چاء اچھی ملتی ہے اگر آپ کو پسند ہو تو میں تو میں بیگم کو لکھ دوں کہ وہ تین پونڈ چائے نواب صاحب کو بھیج دو۔ میرے چچا کے ورثہ میں مجھے ایک ہزار سالانہ کا اضافہ ملا ہے۔ آپ کی بڑی صاحبزادی کی وفات کا حال یہاں معلوم ہی نہیں۔ اس خبر نے مجھے اور میری اہلیہ کو بہت مغموم کیا۔ اللہ آپ کو صبر عطا فرمائے اور مرحومہ کی اولاد کو بسعادت حصولِ درجات و مراتب کا مورد فرمائے۔ صاحبزادہ مستجاب محمد میاں کو میری جانب سے دعا کہہ دیجئے یہ بڑا خاندانی بزرگ زادہ ہے اللہ خوش رکھے ان کے بزرگ ہمارے پیشوا ہیں۔ آپ اپنے کلام کو ضرور طبع کرا دیں یہ ایک ادبی خدمت ہے جس کی بھی بہت کمی اور احتیاج ہے۔ نواب صاحب آپ براہ کرم حضرت جہانی۔ دستار مرحوم کی سنت کو سلامت رکھئے کہیں کہیں کیا بلکہ اکثر و بیشتر کچھ لکھتے رہئے۔ بیگم بصد ادب تسلیم عرض کرتی ہیں۔ بچوں کی طرف سے آداب و نیاز قبول ہو۔ صاحبزادگان کو دعائے دولت و عمر۔ والتسلیم۔

آثم ابو المعظم سراج الدین احمد خان سائل۔ ۲۰؍ مئی ۲۹ء

---

۱ بنام وکیل شاہجہان پوری

(۱۰)

مکرمی بھائی صاحب زاد لطفہم!

تسلیم عنایت نامہ باستفسار و دعوت شرکت مشاعرہ نمائش شاہجہان پور سے مجھے دو ہفتہ ہوئے وصول ہوا۔ یاد آوری کا سپاس مند ہوں۔ بھائی صاحب ستر ۷۲ برس کا ہو چکا ہوں۔ اس سن سالی پر طرہ یہ کہ مریض اختلاج قلب اور درد نقرس کا ہوں۔ گر درد نقرس کا ہو گیا تو بیکار اگر اختلاج نے ستایا تو دیوانہ ہو جاؤں گا۔ اس شدید موسم میں مجھے کہیں یاد فرمایا جاتا ہے۔ دل نہیں چاہتا کہ آپ کی دعوت کو رد کروں محبت اور خلوص کے الفاظ میں آپ نے عنایت نامہ ارسال کیا ہے اور جو خلوص آپ مجھ سے برتتے ہیں اس کا میں معترف ہوں۔ خدا آپ کو خوش و خرم رکھے یہ درست اور بجا ہے کہ آپ کی کمیٹی میرے مصارف سفر برداشت کرے گی اور میری راحت رسانی کے موقع سے چشم پوشی نہ کرے گی لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ میری جیب سے صرف ہو ہی جائے گا جو مجھے تکلیف دہ ہوگا۔ آپ کو معلوم نہیں جس مالی تکلیف میں آج کل میں مبتلا ہوں۔ میری ہمارے نے مجھ پر دعویٰ اپنے مہر کا کر کے پچیس ہزار روپیہ کی ڈگری عدالت سے حاصل کر لی ہے۔ میری جائداد پر زوال سا آگیا ہے۔ یہ رقم مجھے ماہوار کے حیثیے میں داخل عدالت کر دی ہے یہ فکر مجھے کھائے جاتا ہے۔ تقریباً معافی سو روپیہ کا نادہ میرے ہاتھ سے نکل جاتا ہے یہ فکر مجھے فکر میں کیا کرے دے گا آپ اور رکھا منگار رہبر و صاحب کلکٹر صدر شاہجہان پور مجھے معاف کریں تو میں بے حد ممنون ہوں گا۔ گو جی میرا بہل آپ صاحبوں کی صورت دیکھنے کو چاہتا ہے لیکن اقتضائے وقت سے معذور سا ہو رہا ہوں اور تاخیر جواب نگاری کا معافی خواہ ہوں۔ آج کارڈ دعوت بھی بھائی مبارک صاحب نے مجھے بھیج دیا ہے۔ اسی کو رسید جواب قرار دے کر یہ نیاز نامہ ارسال کرتا ہوں۔ والتسلیم!

آثم ابو المعظم سراج الدین احمد خان سائل

۳۰ جنوری ۱۹۳۳ء

رتھ : مونث

سواری جو تھی مختلف سماں ہونے کی — فقط تھی بہلی تھی رتھ تھی تمام سونے کی

گنبد : مونث

یہاں کھڑی تھی جو بچی حسین و گلرو تھی — ادھر چھائی رہی نادر گنبد پھولوں کی

پوزیشن : مذکر

خیال رکھتا ہے جو آدمی پوزیشن کا — وہ دوروں کا دماغ سمجھا ہے انداز اس کا

بنام جناب اعجاز سکندر نازش

(۱۳)

عزیزی نازش صاحب سلمہٗ!

سلام علیکم۔ آپ کا خط مجھے ملا۔ میں ادب کی خدمت مدت سے کر رہا ہوں اس میں یگانہ اور بیگانہ کی خصوصیت نہیں ہے میں نے آپ کی غزل کے شعر درست کر دیئے نظم آپ کی میں نے دیکھی۔ اردو فارسی ادب میں یہ نظم کسی صنف میں داخل نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ انگریزی ادب میں ہوگی کیونکہ اس کے مذاق سے میں آگاہ نہیں اس سبب سے میں نے اسے ہاتھ نہیں لگایا۔ آپ کی تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ آپ عالم ہیں لکھے پڑھے ہیں۔ ٹھیک ہی لکھی ہوگی۔ عاشقانہ رنگ۔ صوفیانہ طرز کی درستی میں اپنی بساط کے مطابق کر سکتا ہوں اور خود بہت بڑا شاعر ہونے کا خریدار نہیں۔ اردو زبان کی خامی نکال سکتا ہوں۔ فن کا جو عیب ہوگا نظم میں جو غلطی ہوگی اس کو سنبھال دوں گا۔ میرا دیوان اب تک نہیں چھپا اس سبب آپ کی خدمت میں بھیجنے سے معذور ہوں۔ احباب سے کچھ کر لیا تھا۔ اب آنکھوں میں پانی اتر آنے کی وجہ سے اس میں بھی کمی ہوگئی۔ لکھنے پڑھنے میں دوسروں کا محتاج ہوں۔ میری خدمت گر پسند ہو حاضر ہوں ورنہ بہت سے معاصرین ہیں جو مجھ سے اچھے ہیں ان سے رجوع فرمایئے۔

مکرر آنکہ آپ کی ہدایت کے مطابق خط ہر جگہ روانہ کر دیا جاتا ہے۔ والسلام!

ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل دہلی۔ لال کنواں، لال دروازہ، [illegible] جنوری [illegible]

بنام احسن مارہروی

(۱۴)

جناب اخلاص ہمراہ ... زاد مکارمکم!

تسلیم۔ عنایت نامہ سرکار دہلی کی مہر کنا ہوا محمل شب کو یہاں وصول ہوا۔ میں واقعی دہلی گیا تھا مگر جب ہی صرف چند روز میں اور کئی روز بعد واپس آگیا تھا۔ کچھ خانگی معاملات کی وجہ سے گیا تھا اس کے تین چار ماہ کا رسالہ بھی منقضی ہوگیا۔ گورنمنٹ کا اجرا جو کرتے ہیں وہی اس کی اشاعت کی تحویل سے واقف بھی ہیں۔ مجھے تو اس کی تاخیر کی شکایت نہیں ہے میں نہایت شرمندہ ہوں کہ اب تک اپنی کاہلی و سہل انگاری سے کہیں حسب رقم سالانہ گورنمنٹ فصیح الملک نہیں بھیج سکا۔ چنانچہ اسی وقت منی آرڈر فارم لکھ کر آدمی کو دے دیا ہے کہ کل یہ روپیہ روانہ کر دے اور میں اس بار دوبارہ کی تکلیف کے لئے معافی چاہتا ہوں۔ معاملات کی بابت میں آپ کیوں شرم کرتے ہیں۔ کام اس معاملہ سے نہیں چلتا۔ معلوم ہے کیسے طالع ہیں جو سب کچھ سیدھی باتوں سے بگاڑا کرتے ہیں۔ آپ کو اپنا پتہ جب تک کہ اور دو چار سال سے مار کے رسول دو رسائل حیدر آباد دکن سے بذات خود پر رہیں۔ حسب الطلب چند اشعار اور حاضر کرتا ہوں اگر قابل درج ہوں تو چھپئے گا ورنہ میرا مدعا اپنے کلام کی اشاعت سے نہیں ہے۔ اپنی نسبت کا اندازہ مجھے خود ہے۔ فقط!

ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل۔

منشی محمد الدین فوق

بنام محمد عبداللہ قریشی[1]

(۱)

مکرمی قریشی صاحب ۔ السلام علیکم ۔ آج نہایت المناک حالات میں (پروفیسر محمد علم الدین) سالک صاحب اور ماسٹر فضل الدین (نور) صاحب دو بجے دوپہر کے روانہ لاہور ہو گئے ۔ خدا کرے وہ اپنے والد مرحوم کا منہ دیکھ سکیں ۔ راستہ خراب ہونے کے باوجود ان کی پریشانی اور ان کے اضطراب نے ان کو ایک دم چین نہیں لینے دیا ۔ آج آپ کا ۱۰ تاریخ کا لکھا ہوا لفافہ بھی ان کو ملا تھا ۔ میں بھی یہاں چند کتابوں کی وجہ سے پھنسا ہوا ہوں ۔ تین دن ہوئے آپ کو بھی کارڈ لکھا تھا کہ (کتاب) الجیا بائی گھر میں پہنچا دیں ۔ یہاں بھی مزید تیس جلدوں کی ضرورت ہے ۔ میں نے گھر میں خط لکھا ہوا ہے دوسری کتابوں کے ہمراہ الجیا بائی بھی امید ہے بھجوا دیں گے ۔ آپ کے خط میں سالک صاحب کے والد محترم کی علالت کا کچھ ذکر نہ تھا ۔ غالباً ہارٹ فیل ہو گیا ہوگا ۔ ہم لوگوں سے ان کی صحت بدرجہا اچھی تھی ۔ خداوند کریم مغفرت کرے ۔ مسافرت میں ایسے الم انگیز واقعات کا جو صدمہ ہوتا ہے میں بھی اس سے واقف ہوں ۔ آپ ان کے بخیریت لاہور پہنچنے سے بھی مطلع فرمائیں اور کتاب الجیا بائی ضرور گھر میں پہنچا دیں ۔ اگر ساری نہیں تو سر دست پچاس جلد ہی سہی ۔ لیکن یک دم ساری پہنچا دیں گے تو مزدوری ایک ہی دفعہ دینی پڑے گی ۔ نیز حامی صاحب سے آپ نے کبھی روپے لئے ہیں یا نہیں؟

---

[1] محمد عبداللہ صاحب قریشی کے نام فوق صاحب کے بہت سے خطوط موجود ہیں لیکن ان میں چونکہ بعض ایسے مباحث ہیں جن کا چھپنا فی الحال مناسب نہیں لہٰذا انہیں روک لیا گیا ہے ۔ (مدیر)

[2] منشی محمد الدین فوق کے بزرگ کشمیر سے پنجاب آئے اور موضع گھڑتل ضلع سیالکوٹ میں آباد ہوئے ۔ منشی صاحب فروری ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے ۔ تعلیم سے فراغت کے بعد پہلے پیسہ اخبار میں کام کرتے رہے ۔ پھر اپنا اخبار پنجۂ فولاد اور بعد میں کشمیری میگزین جاری کیا ۔ یہی میگزین ہفتہ وار کشمیری بن گیا جو متواتر کشمیر اور اہل کشمیر کی خدمت کرتا رہا ۔ کشمیر اور اہل کشمیر کی خدمت کے سلسلے میں منشی صاحب کے کارنامے دنیا بھر پر روشن ہیں ۔ ان کی ادارت میں "طریقت" "نظام" بھی نکلتے رہے ۔ کشمیر کی تاریخ و اقوام کے متعلق بڑی اچھی کتابیں لکھیں ۔ عام تاریخ کے متعلق ان کی تصانیف قابل قدر ہیں ۔ وہ بیک وقت اخبار نویس بھی تھے مؤرخ بھی ادیب شاعر بھی ۔ تاریخ لاہور کے متعلق ان کا مسودہ غیر مطبوعہ ہے ۔ ۱۴ر اگست ۱۹۴۵ء کو لاہور میں انتقال ہوا ۔

(محمد عبداللہ قریشی)

میں نے ان کے نام آپ کے خط میں جو رقعہ لکھا تھا۔ اس میں یہ بھی تحریر تھا کہ وہ آپ کو میرا سارا حساب لکھ کر دے دیں اور آپ مجھے وہ رقعہ ارسال کر دیں۔

۱۳ ستمبر سنہ ۱۹۲۱ء

خاکسار محمد الدین فوق
از سری نگر۔ محلہ شہید گنج۔

بنام محمد عبد اللہ قریشی

(۲)

مکرمی جناب قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط اور کشمیر سے!

ع جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

اور پھر راستے کے دلفریب مناظر کی کیفیت اور آپ کے جادو رقم قلم سے!

ع اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

میں اس وقت پیر صاحب (پیر ولی اللہ مخدومی) کے پاس بیٹھا ہوں اور موسم کے لحاظ سے ان کی چادر سے انکار کر رہا ہوں۔ البتہ برف ڈال کے ستو پی لئے ہیں۔ آپ پنڈت گوارشہ لال ایڈیٹر "کشمیر کرانیکل" متصل ڈاک خانہ امیرا کدل (سری نگر) سے ملیں اور ان سے میرا بلاک (میری ہی تصویر کا) لیتے آئیں۔ جو تاریخ اقوام کشمیر جلد دوم میں درج کروں گا۔ کشمیر کی سیر مبارک ہو اور جس مقصد کے لئے آپ کو سالک صاحب نے بھیجا ہے۔ اس میں کامیابی ہو۔

۵ مئی سنہ ۱۹۳۳ء

خاکسار محمد الدین فوق

بنام محمد عبد اللہ قریشی

(۴)

قلم چکلا تنگیٹ (کشمیر) مکرمی قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ ابھی تک سری نگر نہیں گیا۔ اور دو دنوں سے پہلے شاید جا بھی نہ سکوں۔ گیا بھی تو پانچ چار دن سے زیادہ نہ رہوں گا۔ میں پانچ چھ دن سیم پور میں رہا۔ وہاں جانے سے پہلے انجیر اور خام اخروٹ اور آلو بخارے پر گزارہ ہوتا رہا۔ پھر سوپور اور بارہ مولہ گیا۔ ....

سوپور میں چار دن رہا۔ ۲۹ جولائی کو ہندواڑہ سے ہوتا ہوا قلم چکلا آیا۔ پرسوں ۵ اگست کو بنگس کا وسیع میدان جو چار میل لمبا ہے اور یہاں سے بارہ تیرہ میل ہے۔ ایک جماعت کے ساتھ دیکھنے کے لئے جا رہا ہوں۔ وہاں سے پانچ دن کے بعد واپسی ہے۔ پھر نیچلشارہ۔ راجپورہ۔ ترہگام۔ پنڈر وٹن۔ وہاں سے درگمولہ۔ پھر ہندواڑہ پھر سوپور غالباً دو دنوں سے پہلے سوپور پہنچ جاؤں گا۔

آپ اپنے حالات سے اطلاع دیں۔ اخبارات کا کوئی علم نہیں ہے۔ ....

پتہ سر دست سوپور ہی لکھیں معرفت پیر عبد الغنی یوسفی۔ سالک صاحب کو سلام۔

۳ اگست سنہ ۱۹۳۲ء

محمد الدین فوق

بنام محمد عبد اللہ قریشی

(۵)

مکرمی جناب قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ امید ہے آپ بفضلہ خیریت سے ہوں گے۔ معلوم ہوتا ہے امسال (پروفیسر محمد علم الدین) سالک صاحب نہیں آئیں گے۔ اور چونکہ وہ نہیں آئیں گے۔ اس لئے آپ بھی نہیں آئیں گے۔

میں ریذیڈنسی کوارٹر نمبر ۲ میں پہلی اور ابھی تک سری نگر میں ہوں۔ بارشیں ہوتی رہتی ہیں۔ گرمی یہاں بھی خاصی رہی ہے مگر بارشوں سے حرارت و تمازت کا اثر کم ہو جاتا ہے۔

اپنی خیریت مزاج سے مطلع دیتے رہیں۔ امید ہے آپ کے بچے بھی خیریت سے ہوں گے۔ سالک صاحب کا کیا حال ہے اور کیا شغل ہے؟ یہاں بہت سے واقعات و حالات ہیں۔ لیکن انقلاب والوں نے پرچہ ہی بھیجنا بند کر دیا۔ حالانکہ میں نے یہاں سے بھی ان کو ایک مضمون بھیجا تھا۔ اس کے چھپنے نہ چھپنے کا بھی علم نہیں۔ وہاں کبھی جانا ہو تو اخبار نہ بھیجنے کی وجہ تو دریافت کریں۔ مجھے کسی اور پرچہ پر اعتبار نہیں ورنہ اخبار تو اور بھی ہیں۔ یہاں احسان۔ شہباز۔ زمیندار دیکھے جاتے ہیں۔ انقلاب کم نظر آتا ہے۔ حالانکہ آج ساری دنیا میں انقلاب ہی کا دور دورہ ہے۔

۲۰ اگست سنہ ۴۲ء

محمد دین فوق۔ ریذیڈنسی کوارٹر نمبر ۲ سری نگر کشمیر

بنام محمد عبداللہ قریشی

(۵)

مکرم بندہ قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ آج آپ کا نوازش نامہ ملا! اخبار انقلاب بھی ملا۔ لیکن وہ پرچے درکار ہیں جن میں میرے مضمون ہیں۔ ایک تو لنڈی والا مضمون جو ۶ اگست کے بعد چھپا ہوگا۔ دوسرے ایک اور مضمون ہے جو میں ۲۸ جولائی کو ڈاک میں ڈال آیا تھا۔ اس میں دو مضمون تھے۔ ایک مضمون محکمہ پنچایت کے متعلق تھا جس میں اعداد و شمار کا ذکر تھا۔ اگر یہ چھپ گیا ہے۔ تو اس کی کاپی ملے تاکہ آئندہ اس مضمون کا سلسلہ جاری رہے۔ آپ ان دونوں پرچوں کو تلاش کر کے بھجوائیں۔

آپ نے یہ کیا غضب کیا کہ آنے کا ارادہ ہی ترک کر دیا۔ میرے خط کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے تھا۔ حالات جیسے لاہور میں ہیں ویسے ہی یہاں بھی ہیں۔ خدا سب جگہ ایک ہی ہے۔ بارشیں ہوتی رہتی ہیں۔ جموں کی سڑک تین مرتبہ بند ہو چکی ہے دو دن بند رہ کر آج پھر رواں ہو رہی ہے۔ کرایہ پنڈی تک آج سترہ روپے اور جموں تک آٹھ نو روپے ہے۔ راوی کی طغیانی کا حال بھی اخبارات سے اور آپ کی رپورٹ سے معلوم ہوا ہے۔ سنا ہے ریلوے میں بہت وقت سے جگہ ملتی ہے۔ اس کا آپ کو علم ہوگا۔ آج سے اسمبلی کا اجلاس شروع ہے۔ اگر اخبار انقلاب دو چار دن پہلے آتا تو میں پاس لے جاتا۔ بیکار بھجوا نہیں دیا۔ نیز اپنی کتاب کا کام درپیش تھا اور فرصت بھی نہ تھی۔

سالک صاحب کو سلام مسنون۔

۲؍ستمبر سنہ ۴۲ء

محمد الدین فوق

ریذیڈنسی کوارٹر نمبر ۲۔ سری نگر کشمیر

بنام محمد عبداللہ قریشی

(۶)

سری نگر کشمیر۔ مکرمی جناب قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ میں نے کشمیر آنے کے قریباً دس دن کے بعد سوپور سے آپ کو کارڈ لکھا تھا۔ تعجب ہے وہ ایک ماہ کے بعد کیوں ملا۔ بلکہ جواب نہ آنے پر میرا خیال تھا کہ آپ شاید سالک صاحب کے ساتھ لاہور سے باہر کہیں دورہ پر ہوں گے۔ میں ۲۹ جولائی کو سوپور سے باہر نکلا اور ۲۰ اگست کو واپس سوپور آیا۔ اس عرصہ میں قلم چکلانہ چلدارہ اور راجپورہ میں بوجہ بارش وغیرہ کے قیام رہا۔ دو مرتبہ جنگلوں کی سیر کے لئے تیار ہوئے لیکن ہر بار بارش نے رکاوٹ ڈال دی۔

اب پرسوں سے سری نگر میں ہوں۔ مکانات کی سخت دقت ہے۔ میں بھی منشی رشید حسین کے ہاں مقیم ہوں۔ عزیز نذیر الدین (ہائی کورٹ) کا خود مکان کے لئے آیا تھا۔ لیکن مکان ملنا قریباً ناممکن ہے جس سے پوچھتا ہوں کوئی نہ کوئی عذر رکھتا ہے۔ کل میں پیر ولی اللہ کی طرف شوپیاں جا رہا ہوں۔ دیکھئے ملاقات ہوتی ہے یا نہیں اور ہوتی ہے تو کس طرح شوپیاں اور کولگام کے بعد پھر سری نگر آؤں گا۔ اور چند دن یہیں رہوں گا۔ سیم پورہ میں بھی کھٹ پٹ[1] ہے۔ اس لئے اس مرتبہ وہاں بھی نہیں رہا۔ لیکن اب فصل شالی کے کاٹنے کا موسم ہے۔ اس لئے یہ ارادہ ہے عید تک وہاں ٹھہروں گا۔ عید کے بعد غالباً سیاحوں کی کمی ہو جائے گی۔ اور شاید بشیر احمد کے ہاں کچھ گنجائش نکل سکے۔ اگر ایسا ہوا تو ریذیڈنسی ہی میں ٹھہروں گا لیکن میرا پتہ بدستور سیم پورہ ہی کافی ہے۔ عید کے بعد جب سری نگر آؤں گا تو حیرت (ہمدانی) یا (منشی) سعادت (مرشد کشمیری) سے مل کر حبہ خاتون کے اشعار دریافت کروں گا۔ لیکن چار پانچ شعر تو مع ترجمہ مجھے بھی مل جانے کی توقع ہے۔ آپ کا کارڈ مل مجھے سری نگر میں ملا ہے۔ یہاں ایک پروفیسر کالج تاریخ بڈشاہی پر تنقید لکھ رہے ہیں۔ کچھ موافق کچھ مخالف!

۲۰ راگست ۱۹۴۲ء   محمد الدین فوق

بنام محمد عبداللہ قریشی

(۷)

مکرمی جناب قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ لفافہ آپ کا ملا۔ پیر ولی اللہ (مخدومی) کے ساتھ شوپیاں اور کولگام میں خوب دن گزرے۔ ان کی ہر بات کرامت ہے۔ اس لئے ان کی ہر بات سے ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ آٹھ دس دن سری نگر کی سیر رہی۔ سری نگر میں تنگیٔ مکان کی وجہ سے میں خود وہاں قیام نہیں کر سکا۔ تین دن رہا اور منشی (رشید الدین تحصیلدار) صاحب کے مکان پر رہا۔ سیم پورہ میں خوب دن گزر رہے ہیں۔ چھلیاں (بھٹے)، اخروٹ، سیب، ناشپاتی کوئی دن خالی نہیں جاتا۔ سیب اس قدر ارزاں ہے کہ واقعی یا امیر لوگ کھائیں گے۔ یا جس کو ڈاکٹر حکیم بتائیں۔

مکان کا مزید ارادہ ہے۔ لیکن جب تک وہ زمین میرے نام انتقال نہ ہو جائے۔ یا کم سے کم میرے ساتھ اس کا سودا ہی نہ ہو جائے مکان وہاں کس طرح بن سکتا ہے۔ البتہ ذیلدارہ کے راجہ صاحب زور دے رہے ہیں۔ زمین مفت دیتے ہیں۔ لکڑی جس قدر خرچ ہو وہ بھی مفت۔ وہ جگہ بہت ٹھنڈی ہے اور سیر گاہیں بھی وہاں سے نزدیک ہیں صرف تعمیر میرے ذمہ ہے۔ لیکن جو تخمینہ مکان کا بنایا ہے وہ بھی چھ سو سے کم نہیں۔ یہیں آ کے بات رہ جاتی ہے میں نے کہا تھا تین سو کے خدا اسٹیٹ ہو۔

سری نگر والے کی تنقید ابھی کہیں طبع نہیں ہوئی۔ خطوط اقبال بنام سراج الدین کی مطبوعہ کاپی مزید ارسال کرائیں۔ میر خورشید کو خط لکھوں گا۔ خطوط اقبال بنام فوق بھی ضرور چھپے۔ اور انہیں میں اقوام کشمیر جلد دوم والا خط بھی ملا لیجئے۔ درحقیقت وہ بھی میری تحریک ہی سے تھا۔

حبہ خاتون کے اشعار مع ترجمہ امید ہے پانچ چھ مزید مل جائیں گے۔ مسودہ الا مضمون جہاں میں بھجوا دوں گا۔ کسی اپنے مضمون کے ساتھ۔ اس لئے شاید دیر لگے سمجھیے۔ افسوس ہے کہ سیر کا باقی حصہ منقطع ہو گیا اور عید باقی ہو گئی۔ کیونکہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ میری ہمشیرہ معظمہ (اہلیہ ڈپٹی غلام حسین مرنگ) کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس سے طبیعت

[1] بمعنی ہنگامہ

پریشان ہے۔ خواجہ رحیم بخش گدائی کا حال لکھئے وہ لاہور میں ہیں یا کشمیر میں۔

یوم السعید منگل وار (۱۹ ستمبر ۳۲ء) بمقام پوسٹ آفس سوپور کشمیر — محمد الدین فوق

بنام محمد عبداللہ قریشی

(۸)

سیم پور۔ ڈاکخانہ سوپور کشمیر۔ مکرمی، السلام علیکم۔ بدحواسی ملاحظہ ہو، ایڈریس آپ کے نام کا ہے۔ اندر اس کے مضمون کسی اور کے نام کا ہے۔ آپ کا لفافہ مل گیا ہے۔ زمین مکان کے متعلق کچھ اطلاع ملی ہے۔ باقی بھی جلد طے ہو جائے گی۔ اگلے سال انشاء اللہ رونق رہے گی۔ ممکن ہے کہ جلد زمین میں بھی مکان کا سلسلہ ہو جائے۔ مگر وہاں پہلے اپنے نام زمین کا انتقال ہو جانا ضروری ہے۔ اس کے بعد مکان بنتا ہے۔ آپ کو خط تو طویل لکھنا چاہتا تھا۔ لیکن سردست "گندم اگر بہم نہ رسد بھس غنیمت است" پر عمل ہوا ہے۔ آدمی سوپور جا رہا ہے اس لئے وقت نہیں ہے۔

پیر ولی اللہ شاہ صاحب براجمان ہو گئے ہوں گے۔ ان کے حالات سے اطلاع دیں۔ نیز دریافت کریں کہ لڑکی کا انتظام ہوا ہے یا نہیں۔ ان کو اور سالک صاحب کو السلام علیکم۔

یکم اکتوبر ۳۲ء — محمد الدین فوق

بنام محمد عبداللہ قریشی

(۹)

سیم پور۔ سوپور کشمیر۔ مکرمی قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا ۷ اکتوبر کا لفافہ مجھے ۱۰ اکتوبر کو مل گیا تھا۔ لیکن اسی دن مجھے سری نگر جانا پڑا۔ وہاں سے بیمار ہو کر آیا۔ سوپور میں غنی بابا کے ہاں زیر علاج رہا۔ کل یہاں آیا ہوں اور آج خطوط کے جواب دے رہا ہوں۔ آج ہی میں نے خطوط اقبال کا مضمون پڑھا۔ بہت اچھا اور بہت ہی اچھا لکھا ہے۔ (اخبار) رہبر نے ایک مضمون مانگا تھا۔ اتفاق سے آپ کا مضمون آ گیا تھا میں نے اسے بھیج کر جان چھڑالی۔ محمد عبداللہ کی ذیلداری کا آخری فیصلہ ہو گیا یعنی ۱۹ اکتوبر کو ہونے والا ہے۔ ویسے ابھی تک وہی ذیلدار ہے۔ لیکن اب اپیل ہے۔ "محمد الدین فوق" کے نام کا مانوگرام بھی تیار کرائیں۔ آپ کا مانوگرام تو بہت اچھا ہے۔ اچھا سا ڈیزائن ہو لیٹر پیپر کے لئے۔ پیر صاحب اور سالک صاحب کو سلام مسنون۔ میں انشاء اللہ نومبر کے ہفتہ اول میں مراجعت لاہور کی توقع رکھتا ہوں۔

تاریخ بت شاہی والا مضمون بھی کہیں طبع ہوا ہے یا بزم ہی میں پڑھا گیا تھا۔ پروفیسر محمد اسلم خان، ایم اے انگریزی میں تنقید لکھیں گے۔ ویسے تو میری خدمات علمی کا بڑا اعتراف و احترام کرتے ہیں۔ یہ بھی کہتے تھے پہلے مضمون دکھاؤں گا۔

ڈاکٹر صوفی صاحب سے اب تک ملاقات نہیں ہوئی۔ یہاں اردگرد کے تمام پہاڑ سفید ہو رہے ہیں گویا در و دیوار "زمین ہم سفید و فلک ہم سفید" تک نوبت نہیں پہنچی۔ رات کو بارش آج بھی ہوئی۔ سردی شدت سے شروع ہے۔ پتہ سری نگر کا کافی ہے۔ از جانب پیر عبدالغنی صاحب السلام علیکم۔

۱۰ اکتوبر ۳۲ء — محمد الدین فوق

ڈاکٹر مختار احمد انصاری

(۱) [1]

مخدوم و مکرم جناب نواب صاحب۔ السلام علیکم

والا نامہ باعث افتخار ہوا۔ میں اس طرف کانپور زخمیوں کو دیکھنے کی غرض سے چلا گیا تھا اس وجہ جواب عریضہ میں تاخیر ہوئی۔ خواستگار معافی ہوں۔ حضور کی رائے درست ہے ترکیات کا انتظام کر کے ہیں، اپنے ہمراہ وعدے میں عزیز رکھوں گا۔ پورے پروگرام سے عالی جناب کو میں بعد میں مطلع کروں گا۔ امروہہ صرف حضور کی قدم بوسی کے خیال سے حاضر ہوتا ہوں مجھ کو اندیشہ ہے کہ مجھ کو اس قدر وقت نہ ملے گا۔ کہیں ٹھہر ایں یا سکوں۔ میں زیادہ سے زیادہ دو تین ہفتہ تمام بڑے بڑے شہروں میں جہاں زیادہ رقوم جمع کرنے کی امید ہے صرف کر سکوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس زمانہ میں مطب مجھ کو بالکل بند کر دینا پڑے گا۔ تین ہفتہ سے زیادہ کی غیر حاضری کا میں کسی طرح متحمل نہ ہو سکوں گا۔

حضور نے ترکیات کی آمدنی کے بارے میں جو انتظام کیا ہے وہ نہایت ہی درست اور مناسب ہے۔ صرف ایک امر کی خاص اطلاع اور یاد دہانی کرانی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ جنگ کی اس کی ہدایت فرمائیے کہ یہ رقم مہاجرین کی نوآبادی جو کہ ہند کے مسلمانوں کی جانب سے کی جا رہی ہے اس سوسائٹی کو روانہ کی جائے جس کا پتہ یہ ہے:

PROF ESSAD PACHA PRESIDENT INDO-OTTEMAN COLONISATION SOCIETY CONSTANTINAPLE ورنہ رقم اور دوسری نوآبادی یا دوسرے مد میں صرف ہو گی اور یہ کام جو کہ شروع ہو چکا ہے انجام کو نہ پہنچے گا۔ میں نے محمد علی صاحب کو آپ کا خط دکھا دیا انہوں نے فرمایا کہ نواب صاحب کا ارشاد بہت بجا ہے میں احتیاط کروں گا۔

۱۸/ اگست سنہ ۱۹۱۳ء

مختار احمد انصاری (دہلی)

---

(۲) [1]

مخدوم بندہ زاد لطفہٗ

میں بالکل تیار تھا کہ امروہہ حاضر ہوتا مگر اتفاق موقع نے یہ موقع ہاتھ سے کھو دیا۔ مجھ کو بے حد حسرت

---

[1] مطبوعہ ڈاکٹر مختار الدین احمد ان خطوں کے مکتوب الیہم کا پتہ نہیں۔

ہوتی اگر آپ اپنے شایانِ محبت و مقتضائے الفت مجھ کو اس کا موقع مرحمت فرماتے جو جناب حاذق الملک کو ملا ہوا ہے
یعنی کہ جتنا وقت کہ فرصت کا ہوگا۔ انشاءاللہ جناب کی خدمت میں گزارنا اپنا فخر سمجھوں گا۔ میں اب بھی اپنے
ارادے پر قائم ہوں۔ مگر یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس سفر میں خواہ امروہہ ہو یا کوئی اور مقام کس قدر نقد تمسکات فروخت
ہوں گے جن کی قیمت فوراً وصول ہو جائے گی۔ اس لئے کہ میرا وقت زیادہ وہاں ہی صرف ہوگا۔ جہاں اس کی توقع ہے کہ
نقدی تمسکات کی کسی قدر فروختگی ہو جائے گی۔ کیونکہ مجھکو فرصت بہت کم ہے اور بڑے بڑے مقامات میں تمسکات
کی فروختگی کے لئے جانا ہے۔ براہ نوازش جناب اس سے مطلع فرمائیں۔ فقط

۱۵ر اگست سنہ ۱۳ء — نیازمند مختار احمد انصاری

---

(۳)

بنام عرفان صاحب

برادر مکرم۔ السلام علیکم (لندن)

ہم لوگ کل ویانا روانہ ہو رہے ہیں۔ وہاں سے وینس ہو کر حکیم صاحب ورسلیس تشریف لے جائیں گے
تاکہ بندر سعید سے وہ ریل یا اسٹیمر سے بیروت جائیں اور وہاں صحت کی غرض سے دو ڈھائی ماہ قیام فرمائیں۔ میں استنبول
انشاءاللہ ۱۵ر جولائی تک پہنچوں گا۔ فتحی بک سے پیرس میں دوبارہ ملاقات کی، ان سے خواہش کی وہ انگورہ لکھ کر
غازی پاشا سے ملاقات کے لئے تمام امور پہلے سے مقرر اور طے کریں۔ آخیر ماہ مئی میں پیرس سے روانگی کے قبل
پھر ان سے مل کر آیا۔ انہوں نے کہا کہ جواب اس وقت تک نہیں آیا ہے۔ ہمارے پتہ پر لندن بعد میں مطلع کریں گے
لیکن جب ان کا کوئی خط آخیر جون تک نہ آیا تو ہم نے ان کو تار دیا، اس کا بھی جواب نہ آیا۔ ہم نے السعد بک ڈاکٹر
عاقل مختار بک کمال عمر بک کو بھی خطوط لکھے۔ السعد بک کا خط آیا کہ ہم تمہارے منتظر ہیں۔ کمال عمر بک اور ڈاکٹر عاقل
مختار بک کا جواب نہ آیا۔ ایک تار بھیجا۔ اس کا جواب یہ آیا کہ "تمہارا انگورہ جانا نہیں ممکن ہے لیکن ہم لوگ تم سے قسطنطنیہ میں
بخوشی ملیں گے" اس جواب کے بعد حکیم صاحب نے اپنا جانا ملتوی کر دیا۔ لیکن میں جا رہا ہوں۔ قسطنطنیہ جا کر غازی پاشا
اور دوسرے سرکاری وزراء سے ملنے کی خود بذریعہ تار خواہش کروں گا۔ اگر ملیں گے بہتر ورنہ وہاں لوگوں سے مل کر شام
فلسطین، مصر ہوتا ہوا انشاءاللہ آخیر اگست تک بمبئی پہنچوں گا۔ حکیم صاحب مانسون سے بھی بچنا چاہتے ہیں اور لبنان
میں آخیر ستمبر تک قیام کرنا چاہتے ہیں۔ میرے لئے مالی وجوہ سے اس قدر طولانی قیام کرنا غیر ممکن ہے۔ ایک فہرست
آپ کو روانہ کرتا ہوں یہ ڈاکٹر رشاد۔ ڈاکٹر دھمی شریف پاشا اور دیگر اتراک نے خلیفہ عبدالمجید آفندی کے پرائیویٹ
سیکرٹری کے مشورہ سے تیار کی ہے۔ یہ خاندان عثمان کے ان افراد کی فہرست ہے جو کہ نہایت معذور و مجبور نان
شبینہ کے لئے پریشان ہیں۔ ان کے واسطے وہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں کچھ کیا جائے۔ میں وہاں کی دقتوں
سے واقف ہوں۔ مگر فہرست آپ کے پاس روانہ کرتا ہوں۔ نیز ایک تحریر داماد حامی عثمان بک کی یہ ایک نیک
اور شریف نوجوان خاندان عثمان کے پیرس میں مجھے روانگی کے روز ملے اور ان کی ایک تحریر تین روز ہوئے مجھ کو لندن

ممکن ہے میں انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو مفصل حالات قسطنطنیہ سے (اگر ممکن ہوا) لکھوں گا۔ اشتباہ اس وجہ سے ہے کہ آج کل وہاں سنتا ہے کہ ایک قیامت حکومت نے برپا کر رکھی ہے۔ اسعد بک، رؤف، عبدالرحمٰن ریاض وغیرہ نے خط ایک شخص کے ہاتھ ترکی سے باہر جا کر ڈاک میں ڈلوائے تب ہمارے پاس پہنچے۔ کیا بلحاظ کردوں کی بغاوت کے، کیا بلحاظ وحید الدین کی سازش کے اور کیا بلحاظ اور اندرونی خطروں کے ترکی حکومت آج کل بے حد متوحش معلوم ہوتی ہے اور ہر قسم کی بندش اور سختیاں کر رکھی ہیں۔ تاہم میں نے تو قصد وہاں جانے کا کر لیا ہے۔ جو کچھ بھی معلومات بہم پہنچ سکیں گی کروں گا۔ البتہ فواد، سلیم بک وغیرہ کا خیال ہے کہ غازی پاشا تو ملیں گے نہیں اور میرے ہمراہ ایک جاسوس مقرر کر دیا جائے گا۔ میں نے کہا کہ میں ESPIONAGE کا عادی ہوں اس سے ذرا بھی نہیں گھبراتا اور اگر قید بھی کر دیا جاؤں تو اس کی مجھ کو فکر نہیں۔ قید فرنگ کا جس کو خوف نہیں اس کو ترکی جیل کا خوف کیا ہوگا۔ بہرحال میری تحریر کو آپ اپنے چند خاص آدمیوں تک محدود رکھئے یہ حالات ایسے خراب ہیں کہ ان کو باہر نہ جانا چاہئے۔ شعیب کو میرا پیار فقط

۵ جولائی ۱۹۲۵ء — آپ کا بھائی مختار احمد انصاری

سیّد غلام بھیک نیرنگ

(۱)

بنام شمس العلماء مولوی سید ممتاز علی صاحب

انبالہ سٹی نمبر ۲۱۵

۲۸ جون ۱۹۳۶ء

مخدوم بندہ جناب مولوی صاحب سلّمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج گرامی۔ میں نادم ہوں کہ آپ کے دو والا نامے جمع ہو گئے اور میں جواب نہ لکھ سکا۔ جواب تو میں فوراً لکھتا مگر مضمون زیادہ غور طلب تھا اس واسطے سوچنے میں زیادہ وقت گزر گیا۔

میں نے آپ کو قواعد اور رپورٹیں اس غرض سے بھیجی تھیں کہ ان کو دیکھنے سے آپ کو ہمارے مقاصد اور ہمارا طریق انتظام وغیرہ معلوم ہو جاتے۔ یہ بھی پتہ لگ جاتا کہ ہم نے کس کس قسم کا کام کیا، اور یہ بھی کہ کس کام میں کس قدر کامیابی ہوئی، کہاں تک ناکامی رہی۔ کیا کیا نقص ہیں اور کیوں ہیں۔ ہم اب تک بحمد اللہ نمائشی طریقوں سے محترز رہے ہیں اور اس لئے پبلک کو بھی جھوٹے وعدوں یا فرضی کارناموں سے کسی مغالطے میں نہیں ڈالا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تبلیغ ہماری وجہ معاش نہیں ہے۔[۱]

چونکہ آپ رپورٹوں کے پڑھنے کے لئے وقت نہ نکال سکے لہٰذا اب مختصر طور پر بیان مقاصد جمعیۃ اور اس کا طریق کار گزارش کرتا ہوں کہ اب تک کیا کام کیا گیا اور آئندہ کیا ہو سکتا ہے۔

ہم نے تبلیغ میں تین چار کاموں کو شامل کیا ہے۔ اوّل انسداد ارتداد بذریعہ تعلیم مسلمانان، مسلمانوں کو اس قابل بنانا کہ وہ اغیار کے بہکاوے میں نہ آئیں۔ دوم بوقت ضرورت بذریعہ مناظرہ وغیرہ۔ سوم مسلمانوں کی مالی حالت کی اصلاح تاکہ وہ افلاس کی وجہ سے ارتداد کے پھندے میں نہ پھنسیں (تجربہ ہوا ہے کہ ارتداد کی تہ میں صرف جہل ہی نہیں افلاس بھی ہے)، چہارم بقدر وسعت غیر مسلموں کو حلقۂ اسلام میں داخل کرنا (اسی ذیل میں مرتدین کی واپسی بھی داخل ہے)۔

---

۱ ہم تو اپنے کاروبار کا نقشہ دیا، مگر اللہ کے اس کام کو اللہ تعالیٰ کا کام سمجھ کر کرتے ہیں ہم کو کاروباری سے کیا مطلب۔

چونکہ ہم نے جمعیۃ مرکزیہ کی بنیاد یکم جولائی ۱۹۲۳ء کو رکھی تھی جب کہ ارتداد کی وبائی صورت ختم ہو چکی تھی اور آریہ سماجی جس قدر لوگوں کو اپنی پندرہ سالہ خفیہ ریشہ دوانیوں سے ارتداد کے واسطے آمادہ کر سکے تھے ان کو مرتد کر چکے تھے اس واسطے اس جمعیۃ کی مساعی کا مرکز قسم اول و دوم کا کام کر رہا ہے۔ جن دیہات کی حالت خطرناک تھی وہاں مکاتب قائم کئے گئے۔ بچوں کو دینی تعلیم دی گئی اور مدرس کو بڑھوں پر اثر ڈال کر ان کی حالت کو درست کرنے کا بھی ذمہ دار گردانا گیا۔ گشتی مبلغین و واعظین کے ذریعے سے دیہات کے مسلمانوں کو مخالفین اسلام کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کیا گیا۔ برادریوں کی پنچائتیں اور کانفرنسیں کر کے ان کو اسلام کی خوبیاں بتائی گئیں۔ الغرض استحکامی اور دفاعی کام کیا گیا۔ اسی کام کے ضمن میں مرتدین کی واپسی بھی ہوئی۔ مگر مرتدین کی واپسی کو مقصد نہیں بنایا گیا۔ مالی اصلاح کے ضمن میں بہت مقروض ملکانوں کو روپیہ دے کر قرض خواہوں سے ان کو چھڑایا گیا۔ مگر اس عنوان کے تحت میں معتد بہ کام نہیں ہو سکا۔ مکاتب وغیرہ کے تحت میں جو کام ہوا اس کی تفصیل یہ ہے:

سنہ	تعداد مکاتب	تعداد مبلغین
۱۹۲۳ء	۲۸	۲۸
۱۹۲۴ء	۱۰۴	۵۰
۱۹۲۵ء	۹۶	۱۰
مرتدین جو واپس ہوئے ان کی تعداد		۳۶۰
غیر مسلم جو داخل اسلام ہوئے ان کی تعداد		۴۰۰

اس کے علاوہ اکتالیس مواضعات کی شدھی کو روکا گیا۔

یہ اب تک کے اعمال نامے کا خلاصہ ہے۔ اس کے علاوہ تعلیم مبلغین کا ایک اعلیٰ مدرسہ جو بلاتشبیہ گروکل کانگڑی ہردوار کا جواب ثابت ہو اس کے قیام کا فیصلہ ہو گیا ہے۔ سرمایہ بہم پہنچ گیا ہے۔ ایک بڑے وقف نے اس کی کفالت کر لی ہے۔ اس کی ایک خاص کمیٹی بن گئی ہے جس میں ہماری جمعیۃ کے صدر صاحب، نائب صدر صاحب اور معتمد عمومی بھی شامل ہیں۔ انشاء اللہ وہ کام جلد سے جلد جاری ہو جائے گا۔ اس میں جمعیۃ ہذا کا دخل صرف اس قدر ہے کہ یہ جمعیۃ اس کی محرک ہے اور اس کی سعی سے اس کا وجود قائم ہوا مگر اس کے حسنات کا شمار اللہ کے ایک نیک بندے کے نامۂ اعمال میں ہو گا جس نے ایک صدقۂ جاریہ قائم کیا۔ اس صدقۂ جاریہ سے اس درسگاہ کے مصارف چلیں گے۔

جس قسم کا کام اوپر لکھا گیا وہ اب تک کیا گیا مگر واقعہ یہ ہے کہ مقدار کے لحاظ سے اس وقت تک عشر عشیر بھی نہیں ہو سکا اور صفت کے اعتبار سے بھی جیسا کام ہو سکا ہے اس سے بدرجہا بہتر ہونا چاہئے تھا۔ مبلغ اور مدرس تعداد میں بھی کئی گنا زیادہ درکار ہیں اور اپنی قابلیت کے لحاظ سے بھی ان کو موجودہ حالت سے کئی گنا بہتر ہونا چاہئے۔ اگر کافی روپیہ موجود ہو تو سب کچھ کیا جا سکتا ہے۔ معیار بہت بلند ہونا چاہئے اور ہے۔ مگر موجودہ حالت میں ہم ہرگز دعویٰ نہیں کرتے کہ ہم معیار تک پہنچ گئے ہیں بلکہ ہر ایک شائع شدہ رپورٹ میں اپنے کام کے نقص اپنے ہی قلم سے لکھ دیتے ہیں۔

؎ مُردوں میں دوبارہ جان ڈالنے کو مؤخر رکھا گیا۔ زندوں کو مرضِ ہلاکت سے محفوظ کرنا مقدم سمجھا گیا۔

بحالات مندرجہ بالا میں ہر ایک ممکن اعمل شرط کو پورا کرنے کو آمادہ ہوں۔ والا یہ کہ مرتدین کو مسلمان بنا بنا کر گنواتا جاؤں اور روپیہ لیتا جاؤں۔ انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ آپ حکم دیں کہ ہماری جانب سے ایک یا دو مبلغ نوکر رکھو۔ اس کو خاص اس کام پر لگاؤ کہ مرتدین میں جا کر کام کرے اور ہر ماہ اس کی کارگذاری کی رپورٹ لو اور ہم کو دو۔ اس کی تنخواہ ہم دیں گے۔ میں ایسا کروں گا۔ لیکن اگر اس کی سعی ناکام رہی اور کوئی مرتد واپس نہ آیا تو اس صورت میں کیا کروں گا؟ تہذیبی بہنیں اس پر غور کریں جو کام ان کو پسند ہو اس کام کے لئے مناسب شرط کے ساتھ مناسب احتیاطوں کے تحت وہ ہم کو روپیہ دیں۔ ہم صرف یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اپنا پورا زور لگائیں گے۔ نتیجہ اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے مبلغ حضرت نوحؑ سے بہتر تو نہ ہوں گے جنہوں نے اعتراف فرمایا: انی دعوت قومی لیلاً ونہاراً فلم یزدہم دعائی الا فراراً۔ جناب خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر تو نہ ہوں جن کو جناب الٰہی سے ارشاد ہوا: انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ آدمی اچھے سے اچھا مقرر کر دوں گا۔ اس کے کام کی نگرانی اچھی سے اچھی کروں گا۔ آپ کو اور تہذیبی بہنوں کو رپورٹ دیتا رہوں گا مگر ذمہ داری صرف کام کی ہو گی۔ نتائج کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دوں گا۔ والسلام!

بندہ غلام بھیک نیرنگ۔ جنرل سیکرٹری سنٹرل جمعیۃ تبلیغ اسلام

---

(۲)

بنام جناب فخر یار جنگ بہادر (حیدرآباد دکن)

مکرمی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج عالی۔ حضرت مولانا عبدالماجد قادری بدایونی کے انتقال کی خبر آپ کو پہنچ چکی ہو گی بہت بڑی ہستی اٹھ گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم نے اپنا سب کچھ اسلام پر قربان کر دیا۔ وہ عالم تھے شیخ طریقت تھے خاندانی پیر زادے تھے۔ ایک شخصیت میں بڑی کشش رکھتے تھے، زبردست خطیب تھے۔ اگر وہ اس زمانے کی عام روش پر چلتے تو تقدس کی دکان کھول بیٹھتے اور خدا جانے کتنا کچھ مال و زر کماتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ دنیوی نقصانات اٹھاتے رہے۔ امراض میں مبتلا رہے۔ اہل و عیال کی تکلیفوں کو نظر انداز کرتے رہے مگر مرتے دم تک قوم کا کام کیا اور اسلام کی خدمت کی۔ آخر بحالت خدمت ہی عالم غربت میں جان دے دی۔ گویا شہادت پائی۔

اب ان کے ورثاء پریشان حال ہیں۔ میں ایک عرضداشت تیار کر رہا ہوں، عنقریب سرکار حیدرآباد میں بھجواؤں گا۔

آج اخباروں کو ایک تار دیا ہے، اس کی نقل ملفوف ہے۔ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ایک اخبار نے لکھ دیا کہ مرحوم کا وظیفہ ان کے بھائی کو مل جائے۔ ایک جگہ ایک جلسے نے تجویز کر دیا کہ بھائی کو وظیفے میں شریک کر دیا جائے۔ یہ غلط بحث ہے۔ بھائی کی درخواست ایک الگ معاملہ ہے جو آپ کے علم میں ہے۔ یہ معاملہ بالکل الگ ہے۔ مرحوم کے بچوں کو اگر کچھ ملے گا تو وہ خود ملنا چاہئے۔ اس میں بھائی کا کوئی حق نہیں ہو سکتا —— میں عنقریب آپ کو زیادہ تفصیل سے لکھوں گا اور شاید عنقریب حیدرآباد آؤں گا بھی اور وہ سلسلہ تبلیغ نہیں بلکہ بسلسلہ مسلم ہائی سکول —— زیادہ نیاز و سلام!

بندہ غلام بھیک نیرنگ ۵ اکتوبر ۱۹۳۲ء

(۳)

بنام جناب حکیم محمد اسحٰق حقانی

مکرمی حکیم صاحب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کل کا مفصل خط معہ رسالہ برادری سید حسن[1] صاحب پہنچا۔

گڑگاؤں کے مرض دو ہیں۔ اوّل مالی مشکلات، دوم کارکنوں کا ایک دوسرے کو نہ سمجھ سکنا اور باہم اختلاف سے گذر کر چپقلش تک پہنچنا۔ چوہدری[2] صاحب کی نیت یقیناً بخیر ہے مگر ان میں ایک بات کی کمی ہے جس کی لیڈر میں موجودگی چاہیے۔ وہ مختلف طبائع کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر نہیں رکھ سکتے۔

میری رائے یہ ہے کہ آپ گڑگاؤں کے مورچے کو اہمیت نہ دیجئے۔ اب معاملات کی صورت ایسی ہو گئی ہے کہ منتشر لوگوں کو جمع کر لینے سے کام بہتر چلے گا۔ جب تک گڑگاؤں اور فیروزپور جھرکہ وریواڑی میں کوئی سنبھالنے والا تھا مختلف مرکز ہو سکتے تھے جب سنبھالنے والا نہ رہا تو سب منتشر عناصر کو ایک جگہ جمع کر لینے سے ہی کام بہتر چلے گا۔ انتشار سے نقصان ہوگا۔ لہٰذا آپ گڑگاؤں سے لوگوں کو فوراً بلا لیجئے۔ ریواڑی اور فیروزپور جھرکہ سے معلوم کیجئے کہ وہاں کا کام چل رہا ہے یا نہیں اور لوگ برے اثرات سے محفوظ ہیں یا نہیں۔ اگر ان دونوں سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو وہاں کے لوگوں کو بھی دہلی میں بلا لیجئے۔

اچھا میں جانتا ہوں کہ اس طرح پر خبریں ان مورچوں پر پہنچ کر مفید ہوتی تھیں شاید وہ دہلی میں جمع کریں مگر تو میں انتظام کروں گا کہ خبریں برابر ان مقامات پر پہنچیں اور پہنچائی جائیں۔ دوم اگر بالفرض خبروں میں کچھ توقف ہو بھی تو وہ موجودہ مرحلے پر کچھ زیادہ مضرت رساں نہ ہوگا۔

میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس انتظام سے دہلی کا مالی بوجھ جو پہلے ہی زیادہ ہے اور بڑھ جائے گا مگر اس سے نہ گھبرائیے۔ اوّل تو مولوی سید حسن صاحب کو دورہ کرنے کی آزادی ہوگی اس سے فائدہ ہوگا۔ دوسرے میں کچھ اور تدبیر بھی کر رہا ہوں۔ ان شاء اللہ روپیہ آئے گا۔

ایک بے حد اہم بات: ڈاکٹر رائے کی ملاقات میں اور پرشنل سکرٹری کی گفتگو میں خاص طور سے تعداد مہاجرین کے بارے میں سوالات کئے گئے۔ پرشنل سکرٹری نے کہا کہ چیف کمشنر کی رپورٹ ہے کہ دو سو سے زائد مہاجرین دہلی میں نہیں ہیں۔ چیف کمشنر نے اگر ایسی رپورٹ کی تو وہ جھوٹ نہیں بولتا۔ کیمپ میں کسی وقت بھی پچاس آدمی سے زیادہ نظر نہیں آتے اور چیف کمشنر کو رپورٹ دینے والے سوائے اس کے کیا کر سکتے ہیں کہ کیمپ پر نظر ڈالیں اور رپورٹ کر دیں۔ اچھا تو میں نے پرشنل سکرٹری کو جو جواب دیا وہ دیا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ خود اپنے ضمیر کے اطمینان کے واسطے آپ سے پوچھوں کہ آپ تعداد مہاجرین کیا سمجھتے ہیں اور کن وجوہ سے سمجھتے ہیں۔ ہم نے جو بار بار کہا کہ دس ہزار سے زائد نے ہجرت کی تو کس بنیاد پر کہا۔ آج اگر کوئی پوچھے کہ کتنے مہاجرین تا حال

---

[1] یہ تبلیغ کے مبلغ تھے۔ ریواڑی، گڑگاؤں اور فیروزپور جھرکہ کے مہاجرین کیمپ کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔

[2] چوہدری نسیم خاں صاحب ایڈووکیٹ بانی کیرانی اسکول ضلع گڑگاؤں میواتی قوم کے لیڈر جو ہمارے شریک کار اور مہاجرین کیمپ گڑگاؤں کے انچارج تھے۔

اور کرو، میں نہیں گئے تو کیا جواب دیا جائے اور کس بنیاد پر دیا جائے۔

سوالات بالا کا جواب جہاں تک ممکن ہو مدلل دیجئے۔

میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر مجھ کو مہاجرین کی مردم شماری صحیح صحیح مل جائے (کم از کم دہلی ہی کی مل جائے) تو وائسرائے اور چیف کمشنر دونوں کو چیلنج دوں کہ میں فلاں روز فلاں مقام پر تمام مہاجرین کو جمع کرتا ہوں۔ وہ مجمع بالکل نہتا اور قطعاً خاموش ہوگا۔ نہ کچھ بولے گا نہ کوئی حرکت کرے گا حتیٰ کہ اگر آپ تشریف لائیں تو آپ کو اشارے سے بھی سلام تک نہ کرے گا تاکہ بالکل ہی بتوں کا ایک مجمع دکھائی دے۔ آپ پارلیمنٹ کے واسطے انگرسان کو خود دیکھ لیجئے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ ان کی تعداد کیا ہے اور پھر نہ ہم سے پوچھنے کی نوبت پڑے نہ حکام بالا سے۔

کیا ایسے مجمع کا انتظام مستقبل قریب میں کیا جا سکتا ہے؟

میں انشاء اللہ کل کو یہاں سے ڈیڑھ سو روپیہ بھجواؤں گا اور چندے کے واسطے خاص کوشش کر رہا ہوں۔ آپ کی مشکلات کا بوجھ میرے قلب و دماغ پر ہر وقت ہے مگر اس سے یہ نہ سمجھئے کہ میں آپ کو ان کا ذکر کرنے سے بھی منع کرتا ہوں۔ ذکر ضرور کرتے رہئے تاکہ کسی حد تک آپ کی طبیعت ہلکی ہو اور میں بھی غافل نہ ہو جاؤں۔ والسلام

بندہ: غلام بھیک نیرنگ　انبالہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۴۷ء

مولوی سعید حسن صاحب کو آپ خود اس خط کا مضمون یعنی خلاصہ جہاں تک ان کے متعلق ہے لکھ دیں۔ میرا وقت آج اور کاموں میں صرف ہو گیا اور خدا جانے پھر کب وقت ملے۔

نوٹ: سید صاحب کے ارشاد کے مطابق گڑگانواں کا کیمپ توڑ کر مہاجرین کو دہلی بلا لیا گیا اور ۲۳ نومبر ۱۹۴۷ء کو دہلی کیمپ میں تمام مہاجرین کو جمع کیا گیا۔ چیف کمشنر دہلی نے دور سے ہی معائنہ کیا۔　(محمد اسحٰق)

---

(۴)

بنام جناب حکیم محمد اسحٰق حقانی

مکرمی حکیم صاحب!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ الحمد للہ کہ میں آج یہاں خیریت سے پہنچ گیا۔ دورہ کے اسٹیشن پر کوئی نہیں ملا لیکن اس کے سبب کے بارے میں کوئی خاص رائے قائم ہونا مشکل ہے کیونکہ ہماری گاڑی پیچھے کی طرف تھی اور روشنی گل کی ہوئی تھی۔ اگر کوئی تار رہا ہے دیکھتا تو باہر سے دیکھ سکتا تھا۔ ممکن ہے کوئی آیا ہو اور ڈبوں کو بند اور لوگوں کو سوتا ہوا پا کر لوٹ گیا ہو۔ میں جاگ رہا تھا میری گاڑی کے سامنے کوئی نہیں آیا۔

یہاں خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ تجاویز کانفرنس کے بارے میں تار دے چکا ہوں کہ بلا ترمیم اخبارات کو بھیج دی جائے۔

آج صبح مولانا شفیع داؤدی سے مشورہ ہوا۔ انہوں نے کہا کہ کھلے اجلاس میں جب تجویز منظور ہو گئی تو اب بدل نہیں سکتے۔

بہلول خاں صاحب کے بارے میں آج پریس کو تار دے دیا گیا جس میں ضیاء الحق سپرنٹنڈنٹ پولیس جے پور[1] کو بے نقاب کیا گیا۔ جو مشورہ مرزا عبد القادر بیگ صاحب نے دیا تھا مولانا شفیع داؤدی ایم۔ ایل۔ اے سے مشورہ کر لیا۔ وہ جے پور چلنے کو آمادہ ہیں۔ میں مرزا صاحب کو لکھتا ہوں کہ نیک صاحب کو لکھیں کہ ہم بہلول خاں کے متعلق آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ جناب ابو الاسرار حق سروہیر سے سفر اجمیر شریف کے دوران میں ان تحریروں کی وجہ سے جو میں نے امام صاحب کو لکھی تھیں ایک مرتبہ الور ہو آئے ہیں اور آج صبح پھر گئے ہیں۔ میں ابھی امام صاحب سے نہیں ملا مگر اب ملنے جاؤں گا اگر انہوں نے سانس دیا تو کل کا دن یہاں ٹھہر کر چندے کی کوشش کروں گا۔

آپ ۹ کی صبح کو یہاں ضرور پہنچ جائیں۔ جناب حاجی محمود الحسن صاحب نے مجھ سے فرمایا تھا مگر آپ سے کہنا میں بھول گیا۔ مولوی سعید حسن صاحب کے ہاتھ لکھوایا تھا انہوں نے کہا ہو گا۔ حاجی صاحب کو ۹ اور ۱۰ تاریخ کو جو اس کام در پیش ہو گا اس واسطے آپ کی ضرورت ہے۔ والسلام!

بندہ: غلام بھیک نیرنگ۔ دہلی ۷ نومبر ۱۹۳۲ء

نوٹ: مہاراجہ جے سنگھ والی الور ایک میں تھے اور گوڑ گاؤں کے مسلمانوں سے کام لے کر اسے۔ جی۔ جی ماچھو بانہ کو اپنے موافق بنانے کی سعی کر رہے تھے اس لئے ضروری ہو گیا کہ ہم اجمیر پہنچ کر اس فتنہ کا سدباب کریں چنانچہ میں اور سید صاحب اجمیر گئے اور وہاں کے لیڈروں بالخصوص مرزا عبد القادر بیگ صاحب ایڈووکیٹ اجمیر سے مشورہ کے بعد اس فتنہ کا سدباب کیا کہ اطلاع ملی کہ جے پور میں بہلول خاں صاحب دانا کو گرفتار کر لیا گیا جو جمعیت افاغنہ کے صدر رہے تھے۔ اس لئے سید صاحب دہلی روانہ ہو گئے اور حالات کا جائزہ لینے کے لئے میں ٹھہر گیا۔ سید صاحب نے یہ خط مجھے حقانی منزل دہلی سے اجمیر شریف لکھا تھا۔
(محمد اسحٰق)

---

(۵)

بنام جناب حکیم محمد اسحٰق حقانی

مکرمی حکیم صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مولوی سعید حسن صاحب کی چٹھی سے ایک حد تک حالات معلوم ہوئے مگر بعض مضامین تشنہ رہ گئے۔ مثلاً انہوں نے لکھا کہ اس وقت تک کے قرض کی فہرست بھیجتا ہوں مگر لفافے میں کوئی فہرست نہ ملی۔ یہ تو معلوم ہوا کہ ایک بزرگ نے مہاجرین کو واپس جانے سے ایک حد تک منع کرنا چاہا اور میری ہدایات کے خلاف جن کا ان کو علم تھا یہ تجویز کیا کہ سب ٹھہریں اور صرف بعض جائیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مولوی سعید حسن صاحب کے سمجھانے سے ان

---

[1] انسپکٹر جنرل پولیس جے پور

بزرگ کا وعظ بے اثر ہو گیا مگر خدا جانے یہ خط مولوی صاحب نے کس وقت لکھا تھا کہ اس میں دن بھر کے حالات کا نتیجہ درج نہیں۔ اسی وجہ سے میں نے آپ کو تار دیا ہے کہ مہاجرین کی حالت کی اطلاع بذریعہ تار دیجئے۔

مولوی صاحب کے خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض مہاجر روپیہ مانگتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کسی کا قرض ادا کرنا ہے کوئی کہتا ہے کرایہ مکان دینا ہے کوئی کسی اور ضرورت کا حوالہ دیتا ہے۔ مولوی صاحب مجھ سے دریافت فرماتے ہیں کہ کیا کیا جائے اس بات کا جواب مشکل ہے۔ اگر روپیہ موجود ہو تو جن لوگوں کو کوئی معقول اور اصلی ضرورت ہے ان کو دیا جا سکتا ہے مگر بعض لوگوں کی عادت ہی ہے کہ ہر موقع پر کچھ نہ کچھ اینٹھنے کی ترکیب کیا کرتے ہیں۔ آدمی کو دیکھیئے۔ ضرورت کا اندازہ کر لیجیے اور پھر اپنی جیب کو دیکھیے۔ تینوں باتوں پر نظر کرنے کے بعد جیسا سمجھ میں آئے کیجیے۔

خدا کرے اس اونٹ کی کوئی کل سیدھی ہو جائے تب اطمینان ہو۔ مہاجرین کے طبائع کے مشکلات ہیں۔ اہل الرائے حضرات کی رائے زنی کے خطرات ہیں۔ خواجہ صاحب[2] اور ریشہ[1] جیسے لوگوں کے بھڑکانے کے اندیشے ہیں۔ تیسری کے سے مزاج والے حضرات کا خوف ہے اور پھر جب یہ تمام منازل بعافیت خوش اسلوبی سے طے ہو چکیں تو یہ کھٹکا باقی ہے کہ دیکھیے فریق ثانی کس حد تک اور کس رنگ میں ایفائے عہد کرے۔

اللہ تعالیٰ مدد فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ والسلام!

بندہ غلام بھیک — ۱۰ / دسمبر ۱۹۳۳ء

نوٹ: یہ خط علی گڑھ سے مجھے لکھا تھا میرے علی گڑھ پہنچنے سے قبل۔ (محمد اسحٰق حقانی)

(۶)

بنام جناب حکیم محمد اسحٰق حقانی

مکرمی حکیم صاحب!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ آج آپ کا کوئی خط نہیں آیا۔ ممکن ہے آپ نے علی گڑھ کے پتے سے لکھا ہو۔ اگر ایسا ہو تو خدا جانے کب پہنچے کیونکہ وہاں شادی کے کام میں ڈاکٹر صاحب[3] کو شاید پتہ بدلنے کی بھی فرصت نہ ہو— خیر— میں کلکتہ میل سے روانہ ہو کر آج یہاں پہنچ گیا۔

الامان مورخہ ۱۲ / دسمبر میں پھر فتنہ انگیزی کی گئی ہے۔ میں نے کل کے خط میں ملا صاحب[4] کو کچھ کھری کھری باتیں لکھ دی تھیں مگر مقامی نامہ نگار کے پرچے ہیں۔ آج دل چاہتا ہے کہ صاف صاف ہی لکھ دوں مگر غور کے بعد ملتوی رکھتا ہوں۔ ذرا الور کا نتیجہ آ جائے تو دیکھوں گا کہ کیا کرنا چاہیے۔ آپ کا بڑا خیال آتا ہے کہ اس فتنہ انگیزی کا ہدف ہوتے ہوئے وہاں میں رہنا اور صبر کرنا ایک سخت امتحان ہے۔

خاص طور پر دریافت طلب: ۶ / اگست کو جب آل انڈیا مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی میں وائسرائے صاحب کے ہاں وفد لے جانا

[1] یہ صاحب الور کی طرف سے متعین کئے گئے تھے کہ مہاجرین میں انتشار پیدا کر دیں تاکہ وہ گھبرا کر ادھر چلے جائیں

[2] خواجہ حسن نظامی صاحب مرحوم [3] ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب پرنسپل علی گڑھ یونیورسٹی [4] مولانا مظہر الدین صاحب

تجویز ہوا تو تحریک چندہ بھی ہوئی تھی۔ اس وقت علاء اللہ صاحب نے بھی ۵۰ روپے کا وعدہ کیا تھا۔ کیا یہ رقم وصول ہو چکی؟ اگر ہو گئی تو کس تاریخ میں؟

اچھا علا صاحب نے انجمن خدام مہاجرین کی جانب سے بھی شکایت کی ہے کہ اس کو نہ پوچھا گیا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس انجمن کی صحیح نوعیت کو ظاہر کرنے والے الفاظ میرے سامنے ہوں۔ براہ مہربانی اس قرارداد کی مکمل نقل بھیج دیجئے جس کی رو سے یہ انجمن بنائی گئی تھی تاکہ صاف واضح ہو جائے کہ اس انجمن کا دائرہ کار کیا قرار دیا گیا تھا۔ آیا مہاجرین کی ضروریات خورد و نوش و قیام کا پورا کرنا یا ان کے مطالبات کے لئے پروپیگنڈہ اور جدوجہد کرنا بھی اور خصوصاً صلح اور جنگ کے اختیارات بھی اس کو دئے گئے تھے یا نہیں؟

آپ نے اب تک ان مطالبات کی فہرست نہیں بھیجی جو بہ سلسلۂ صرف مہاجرین واجب الادا ہیں۔ اگر ممکن ہو تو فوراً بھیجیے۔

خان بہادر حاجی رحیم بخش صاحب[1] لکھتے ہیں کہ لوگ ان سے خطبۂ صدارت مانگتے ہیں۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ جتنی کاپیاں آپ کے پاس موجود ہیں وہ درست ہو چکی ہیں۔ ان میں سے صرف ۱۰ کاپیاں رکھ لیجئے باقی خان بہادر صاحب کے پاس ۱۳ فرید کوٹ روڈ لاہور کے پتے سے بھیج دیجئے۔

چودھری یٰسین خان کو لکھتا ہوں کہ آپ کو روپیہ بھیجیں لیکن اگر آپ خود گوڑگاؤں ہو آئیں تو غالباً بہتر ہوگا۔ والسلام!

بندہ: غلام بھیک نیرنگ ۱۲ر دسمبر ۱۹۳۲ء

نوٹ: یہ خط علی گڑھ سے انبالہ پہنچنے کے بعد مجھے ملا تھا۔ (محمد اسحٰق حقانی)

---

(۷)

بنام جناب حکیم محمد اسحٰق حقانی

مکرمی حکیم صاحب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

جناب حاجی محمود حسن صاحب کا مفصل خط جس پر آپ نے بھی کچھ لکھا اوّل دستی پہنچا اور پوسٹر پہنچے۔ اس کے بعد آپ کا خط جو پہلے لکھا گیا تھا ڈاک سے ملا۔

میں ابھی احرار سے نہیں ملا۔ اور اور کام کرتا رہا مگر شام تک کسی وقت مل کر بات کر دوں گا۔ جیسا قرار پائے گا لکھا جائیگا آپ اجمیر شریف کو لکھئے کہ وہاں کے احرار بھی ضرور پہنچیں۔

حضرت مولانا سید احمد صاحب شاہی امام کی خدمت میں میں نے لکھا ہے کہ جلد سے جلد ایک ہزار روپیہ قرض دلوائیں خواہ جامع مسجد سے خواہ کہیں اور سے۔

کیا پوسٹروں کے مضمون کو ہینڈ بل کی شکل میں نہیں چھپوایا گیا؟ اگر نہیں چھپوایا گیا تو فوراً چھپوا دیجئے تاکہ بطور دعوت نامہ بھیجے جاسکیں۔ مجھ کو بھی کم از کم ۳۰ نسخوں کی ضرورت ہوگی تاکہ انگریزی چٹھی کے ساتھ ممبران اسمبلی و کونسل آف سٹیٹ کو بھیجوں۔ یہ چٹھی لکھی ہے۔ آپ پڑھنے کے بعد بند کر کے بھیجیں۔ مولانا شفیع داؤدی صاحب کی خدمت میں خط لکھ کر اس کے ساتھ

---

[1] یہ ریٹائرڈ سشن جج تھے، فیروزپور [illegible] کی کانفرنس کے صدر تھے۔ (محمد اسحٰق حقانی)

ملفوف کرتا ہوں۔ اگر براہِ راست ڈاک سے بھیجوں تو جواب جلد نہیں آئے گا۔ آپ فوراً خاص آدمی ان کی خدمت میں یہ خط دے کر بھیجئے۔ وہ آدمی وہاں موجود رہے کہ اس کا جواب لائے اور وہ جواب مجھ کو بھیج دیجئے (اگر کل کی ڈاک سے بھیج سکیں تو اباسے بھیجئے ورنہ بمقام شملہ) تاکہ میں فوراً ضروری خطوط روانہ کر دوں۔ (میں نے مولانا شفیع سے ممبران اسمبلی کے پتے دریافت کئے ہیں بغرض ارسالِ خطوط)

خدا کرے عبدالرحمٰن کو جلد شفا ہو جائے۔ اس کے والد کل شام کو پہنچے ہوں گے۔

والسلام!

بندہ: غلام بھیک نیرنگ۔ لاہور ۲۴ دسمبر ۱۹۳۲ء

جناب حاجی صاحب کی خدمت میں سلام مسنون اور خط کا شکریہ۔

(خاص بات) انتظام ہونا چاہیے کہ اور کانفرنس فیروز پور جھرکہ کا فوٹو لیا جائے ایسے طور سے کہ ایک مجمع عظیم کا اندازہ فوٹو سے ہو سکے۔ کسی ہوشیار فوٹو گرافر سے گفتگو کر کے اس کو ساتھ لے چلئے گا۔

نوٹ: یہ خط فیروز پور جھرکہ کی کانفرنس سے پہلے لاہور سے مجھے لکھا گیا تھا۔

(محمد اسحٰق حقانی)

---

(۸)

بنام جناب حکیم محمد اسحٰق حقانی

مکرمی حکیم صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ میں نے آج مولانا الامان[1] کو خط (اس کی نقل رکھ لی گئی ہے آپ کسی وقت دیکھیں گے) لکھا ہے جس میں صرف اس مضمون کا ذکر ہے جو الامان مورخہ ۱۲ دسمبر کے صفحہ ۲ پر درج ہے جو آپ ساتھ لائے تھے۔ اس خط میں میں نے مقامی نگار کی خاص خبر سے ڈرایا ہے کیونکہ یہ مقامی نگار ہی کے نام سے چھپا تھا اور یہودی صاحب کو لکھا ہے کہ بظاہر آپ نے مضمون کو دیکھا نہیں اور ادارۂ الامان نے شائع کر دیا۔ آئندہ اس سلسلے کی اشاعت بند کر دیجئے اور انتظار کیجئے کہ دربار والوں کے احکام صادر ہو جائیں۔ اس وقت اگر ضرورت ہو تو مقامی نامہ نگار صاحب اپنے دل کے ارمان نکال سکتے ہیں۔

کل جو کچھ آپ کے اور مولانا مظہر[2] کے درمیان ظہور میں آیا آپ اس کے بارے میں ایک مفصل بیان لکھ کر میرے پاس بھیج دیجئے۔ میں اس سے ضرورت کے وقت کام لوں گا۔ میرے دہلی سے جانے کے بعد جرین کا جو طرزِ عمل رہا اور جو کچھ پروپیگنڈا ہو، اس میں وہ بھی لکھ دیجئے۔

---

[1] یہ ایک شخص ہوا، جرین کے دفتر کا کلرک تھا

[2] مولانا مظہر الدین صاحب مرحوم مدیر "الامان" دہلی	[3] مولانا مظہر الدین۔

ممکن ہے کہ میں آج ہی کلکتہ میل سے واپس ہو جاؤں۔ انبالے میں ایک ضرورت سے مجھ کو کل موجود ہونا چاہیے۔ بلکہ یہ سمجھئے کہ میں آج ضرور واپس چلا جاؤں گا لہٰذا آپ ٹرین پر آنے کی تکلیف نہ کریں۔ اب میں انشاء اللہ ۱۵ دسمبر کی صبح کو دہلی پہنچوں گا۔ کنیز فاطمہ والا مقدمہ اب پھر شروع ہو گیا ہے اور مجھ کو طلب کیا گیا ہے۔

امام صاحب اگر آگئے ہوں تو ان سے مل کر کل واقعات کا ذکر کر دیں اور معلوم کر کے لکھیں کہ ان کی رائے کیا ہے۔

والسلام!

بندہ: غلام بھیک نیرنگ

آج ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب بھی یہاں آنکلے تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ مولانا امام ان سے پرسوں شام بھی ملے تھے۔ تب بھی انھوں نے سروری صاحب کو تمام بات بتا دی تھی لہٰذا کل جو آپ کو ساتھ لیجا کر ملنے تو یہ قصہ مکرر رہتا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے ایک ضروری نوٹ لکھوا لیا ہے۔

سر تیج بہادر سپرو

بنام طاہر فاروقی ——— پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور (۱)

مخدوم و مکرم بندہ۔

تسلیم و نیاز۔ میں ۱۲ر جنوری سے پٹنہ گیا ہوا تھا۔ اور صبح ہی صبح واپس آیا۔ واپسی پر جناب کے دو والانامہ مورخہ ۱۶ر جنوری میری نظر سے گزرے۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ نے دسمبر کے پہلے ہفتہ میں مجھے خط بھیجا تھا۔ میں یہاں سے ۲ر دسمبر کو مدراس گیا تھا اور وہاں سے ۱۶ر دسمبر کو واپس آیا۔ میں نے ہر چند آپ کے خط کی تلاش کی مگر مجھے دستیاب نہیں ہوا ممکن ہے کہ وہ میری غیر حاضری کی وجہ سے یا تو یہاں ہی گم ہو گیا یا بذریعہ ڈاک مدراس بھیجا گیا ہو اور مجھے دستیاب نہیں ہوا۔ حالانکہ مجھے جناب کی خدمت میں شرف نیاز حاصل نہیں ہے۔ مگر میں نے پچھلے ہفتہ میں سیرت اقبال کو پڑھا اور پڑھ کر بہت خوش ہوا۔ اگرچہ میں عرصہ سے علامہ اقبال کے کمال شعر و سخن و فلسفہ کا مداح و ثنا خواں رہا ہوں لیکن آپ کی کتاب کو پڑھ کر میں از بس خوش ہوا۔ گر مجھے اجازت دیں تو میں یہ مزید عرض کروں گا کہ ایسی کتابوں سے اردو زبان کی وسعت معلوم ہوتی ہے اور اقبال کی عظمت کا ہر شخص کی نگاہ میں اضافہ ہو گا۔

بزم اقبال سے مجھے ہر گونہ ہمدردی ہے۔ مجھے اس کی ممبری میں کچھ عذر نہیں ہے۔ مگر میں عادتاً سرپرستی کسی بزم یا انجمن کی قبول نہیں کرتا ہوں۔

جامعہ اردو کے قواعد و ضوابط کی نسبت میں صرف دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اول تو یہ کہ اگر آپ کی خواہش ہے کہ اس بزم کو استحکام حاصل ہو تو آپ اس کو مطابق ایکٹ ۲۱ سنہ ۱۸۶۰ء رجسٹر کرا لیجئے۔ دوسرے یہ کہ اردو کی اشاعت و مقبولیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ معمولی طور پر اردو میں مشکل الفاظ فارسی و عربی نہ استعمال کی جائیں۔ جو الفاظ دو سو برس میں ہماری زبان میں جذب ہو گئے ہیں۔ ان کو خارج کرنا اور اس کے بجائے غیر مانوس الفاظ سنسکرت استعمال کرنا میرے خیال میں اردو کو تباہ کرنے کے برابر ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ادب و فلسفہ و شعر و سخن کی زبان بازاری زبان نہیں ہو سکتی۔ میں یہ عرض کروں گا کہ اگر آپ جیسے استاد اس طرف توجہ فرمائیں گے تو رواں جملوں سے جو آج کل

اس پر بھروسہ ہے یہیں محفوظ رہے گی۔ زیادہ نیاز

۲۰ جنوری سنہ ۱۹۳۹ء — بندہ تیج بہادر سپرو

بنام مولوی عبدالحق

(۲)

مخدومی ڈاکٹر صاحب۔

تسلیم و نیاز۔ یہ خط میں ہائی کورٹ سے لکھ رہا ہوں۔ مجھے شام کو مسٹر عزیز کے یہاں ایک جلسہ ہے اس میں جانا ہے۔ میں ۶ بجے تک واپس آجاؤں گا۔ اور پھر آٹھ بجے مجھے ایک اور صاحب کے یہاں جانا ہے۔

آج آپ ۶ بجے کے بعد تشریف لائیے۔ گھنٹہ بھر تو ضرور بات چیت ہو سکے گی۔ زیادہ نیاز

۵ جنوری سنہ ۴۲ء — تیج بہادر سپرو

بنام نصیر الدین ہاشمی

(۳)

جناب مخدومی۔ تسلیم و نیاز (۱۹-البرٹ روڈ۔ الٰہ آباد)

گرامی نامہ مورخہ ۶ جون وصول ہوا۔ اس کے بعد آپ کی مرسلہ کتاب "یورپ میں دکھنی مخطوطات" پہنچی۔ میں آپ کی عنایت کا ازبس مشکور ہوں۔

میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اس عرصہ میں میں نے آپ کی کتاب کل پڑھ لی ہے۔ مگر میں نے مختلف مقامات پر اس کا مطالعہ ضرور کیا ہے۔ اور امید کر رہا ہوں کہ جلد اس سے پورے طور پر واقفیت حاصل کروں گا۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کی کتاب بغیر سخت محنت و تحقیقات کے تیار نہیں ہو سکتی۔ جس قدر میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے اس سے تو مجھے نہایت دلچسپ معلوم ہوتی ہے۔

نیازمند سر تیج بہادر سپرو

آغا شاعر قزلباش

(۱)

بنام مہاراجہ سر کشن پرشاد

خدا تو بخشتا ہے سب قصور بندوں کے
خدا شیوہ پہ کرم کیوں قصور کرتے ہیں

سرکارِ عالی! دام اقبالہٗ!

آداب۔ بعد تسلیم۔ ایک عرصے سے اس قدر نادم ہوں کہ آفتاب کے لیے کوئی مضمون ہی عنایت ہوا نہ کوئی نظم ہی انطباع کے لیے بخشی گئی۔ گویا کہ ہر ایک کی حقیقی گذارشوں سے حضور ناخوش ہو گئے۔ خیر یہ میرا نصیب ہے۔ ب مری حضور دربار دام اقبالہٗ تو ولایت ہیں اور یہاں خدا کا فضل ہونے والا ہے یعنی غریب کے گھر میں ایک نئی روح آنے والی ہے۔ نہ ہے نصیب۔ تقدیر۔ بس اللہ ہی مالک ہے۔ راتوں کی نیند اڑ گئی ہے۔

اکتوبر نمبر آفتاب کا خدمتِ عالی میں بھیجا جائے گا۔ اب سنہ ۱۹۲۲ء انشاء اللہ عام ہوگا۔

عاجز کمترین۔ قزلباش۔ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۲۱ء

(۲)

بنام مہاراجہ سر کشن پرشاد

مری حضور پر نور مہاراجہ بہادر دام اقبالہٗ ـــــ کی خدمتِ بابرکت میں گدائے بے نوا آغا شاعر قزلباش دہلوی کا دست بستہ آداب!

صحیفۂ گرامی موصول ہو کر باعثِ صد افتخار ہوا۔ دو غزلیں بھیجیں اب بے حد شاکر فرمایا۔ اس سے پہلے بانسری والا مضمون یا کوئی اور متعلق نہیں پہنچا۔ اگر مضمون پہنچتا شکریہ کے ساتھ چھاپا جاتا۔ آئندہ کے لئے حکم دے دیں کہ مضامین اور غزلیں ہمیشہ رجسٹر بھیجے نام بھیج دی جایا کریں۔ اس طرح تلف ہونے کا خطرہ نہیں رہے گا۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ملک میں اس ناچیز ہستی کے قدردان اب بھی موجود ہیں۔ چنانچہ میری عرضداشت پر بھی مدد کے

غیر مقدمہ کے لئے کل پانچ نومبر کو پانچ سو روپیہ بذریعہ تار عالیجناب ہز ہائینس نواب صاحب بہادر رامپور نے عطا فرمایا۔ شکر اللہ سعیکم شکراً شکراً۔

عاجز کمترین قزلباش ۸ر نومبر ۱۹۲۱ء

(۳)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

دبہ تشنین

عالیجاہا! دام اقبالہٗ!

آداب نیاز۔　بار بار عرض کیا گیا کہ میں دیوانہ مزاج آدمی اس دنیا کے حوادث کا کیونکر مقابلہ کروں۔ لیکن کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملتا۔ ہائے افسوس ـــــ

کیا جہنم ہے خانۂ زینب　　جس کو دیکھا عذاب میں دیکھا

خیر ع رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت

شکر، صد شکر اس مالک حقیقی کا بتاریخ ۹ر دسمبر سنہ ۱۹۲۱ء بروز جمعہ بوقت چاشت برخوردار سعادت اطوار فرزند سوم عندلیب آغا اقبال علی طول عمرہٗ پیدا ہوگیا۔ مگر اس کے دوسرے ہی دن غریب مرحومہ سیدانی بیگم صاحبہ کو اچانک غش آگیا۔ ہتیلی بیچ گئی نبض سرد پڑگئی۔ بس نہ پوچھئے لینے کے دینے پڑگئے۔

ڈاکٹر بیڈی ڈاکٹر تین دیسی اور معالجان ناخوشندہ وخوانندہ کا ہجوم غفیر جمع ہوگیا۔ خدا خدا کر کے تین گھنٹے تک موت اور زلیست کے عالم کے بعد فضل الٰہی ہوا۔ ابھی تک علاج جاری ہے۔ ۲۵۰ روپیہ سے اونچا اس تین روز میں ضیافتی ہو چکا۔ مگر شکر ہے اس قادر و توانا پاک ہے نیاز کا کہ گئی جانیں بچ گئیں اور ابھی چھٹی دور ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ جلد تندرست فرمائے۔

آمین! ثم آمین!!

عاجز کمترین آغا قزلباش ۱۳ر دسمبر ۱۹۲۱ء

(۴)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

سرکار مہاراجہ صاحب بہادر دام اقبالہٗ!

آداب نیاز دست بستہ۔

آفتاب کا مارچ نمبر ۱۹۲۲ء بھی پیش گاہ عالی میں بذریعہ ڈاک روانہ کر دیا گیا جس میں دو غزلیں فارسی کی طبع ہوگئیں۔ اب کوئی غزل باقی نہیں۔ مدت سے کوئی مضمون بھی عطا نہیں ہوا۔

آفتاب کا سالانہ چندہ بھی ابھی تک سرکار سے نہیں بھیجا گیا۔ حالانکہ ۱۹۲۲ء کا مارچ نمبر تک چھپ چکا ہے۔ اب اپریل حاضر ہوگا۔ کیا کمترین نہایت ادب سے اس امر کی طرف حضور کی توجہ کو مبذول کر سکتا ہے کہ کاغذ اور اخراجات کے لئے روپیہ کی اشد ضرورت ہے اور جو کچھ قدر کی جاتی ہے وہ بذریعہ تار کرامت فرمایا جائے۔

زیادہ حد ادب!

دو سال کے بعد یہ نسخۂ غیب بذریعۂ تار پہنچا چاہئے۔ آئندہ حضور مالک ہیں۔

آغا قزلباش ۲۰ اپریل ۱۹۲۲ء

(۵)

بنام بسمل دہلوی

عزیزمن سلمہٗ!

دو خط پے بہ پے پہنچے۔ پہلی دفعہ پہلی اور دوسری دفعہ دوسری غزل۔ جیسی کچھ اس میں جان تھی میں نے نمک مرچ لگا دیا۔ یہ میرا شعار نہیں ہے کہ شاگرد کے اصلی خیالات کو بالکل بدل دوں اور نہ اس اصلاح کا نام اصلاح ہے۔ اگر یہ اشعار فی نفسہٖ آپ کی جدتِ طبع کا نتیجہ ہیں تو جس پایہ کے ہیں ان کی تنی داد ضرور ملے گی۔ اس سے زیادہ میرے بس کا روگ نہیں بیشک آپ کا گمان صحیح ہے وہ پنسل سے لکھا ہوا مطلع اور مقطع نہ تو میرا ہے نہ میری طرف سے دیا گیا ہے۔ یہ بیان خلیق کی کارستانی معلوم ہوتی ہے، یہ شخص بے حد چالیس معلوم ہوتا ہے اور اس کا دماغ ہزار شعر لکھ ڈالنے پر بھی بند نہیں ہوتا۔ بس وہ شعر انہوں نے اپنی طرف سے لکھ دئے اور آپ کے دو شعر خود سے کر انہیں منزد کر دیا ہوگا۔ تعداد بھی پوری ہو گئی اور کام کا کام بن گیا۔ آپ مشاعرے میں جانے سے ایک دن قبل مجھ سے ضرور مل لیں اور جلسے کے روز تو ہم اور آپ ساتھ ہی چلیں گے۔

افسر الشعرا - ۳۱ر فروری - راحت منزل دلی۔

(۶)

بنام آغا آفتاب علی (فرزند آغا صاحب)

برخوردار آفتاب علی طول عمرہٗ!

بعد دعائے درازیٔ عمر و زیادہ اقبال کے بعد مطالعہ کرو کہ بتاریخ ۱۰ صبح کی گاڑی سے میں ضعیف و ناتواں نروانہ اسٹیشن پر اترا۔ کیتھل جانے والے مسافر یہیں سے دوسری گاڑی میں سوار ہوتے ہیں۔ اسی امید پر میں بھی اترا تھا مگر میری تقدیر سے کیتھل میں آمد و رفت بند ہو چکا تھا لیکن مجھ کو اسٹیشن سے باہر جانے ہی معلوم ہو گیا کہ آج صبح چار بجے تک کوئی گاڑی یہاں سے کیتھل نہیں جائے گی۔ اب نہ اوڑھنا نہ بچھونا، کڑکڑاتے جاڑے کا موسم اور میں تنہا بے پناہ، محض خدا کے رحم پر جنگل بیابان میں کھڑا ہوں۔ یہ پہلی بھول ہوئی۔ دوسری غلطی یہ ہوئی کہ جس ہینڈ بیگ میں میرا توشہ بعد و ضروریات اور پانوں کی ڈبیہ اور کچھ کھانا تھے اس کی کنجی وہیں گھر میں رہ گئی تھی۔ یہ بھول نمبر دو ہوئی۔ تیسری مشکل یہ کہ اس گاؤں جنکشن میں نہ بیدر آنت۔ کل صبح چار بجے تک ٹھہرو تو کہاں؟ پہلے سے کوئی ٹھکانا کیوں نہ کر لیا۔ یہ بھول نمبر تین۔ آخر تن بہ تقدیر اپنے کو خدا کے حوالے کیا، اور ایک احاطے میں جا کھڑا ہوا۔ یہیں قضائے الٰہی سے ایک تھانیدار صاحب آ نکلے۔ مجھ سے پوچھا تم کون؟ عرض کیا مسافر جس کا گھر نہ در۔ معاً بیچارے نے خوف خدا کھایا اور کمبل اور ہینڈ بیگ اٹھوا کر مجھے تھانے میں لے گیا۔ دن بھر اور ساری رات نہایت آرام دیا۔ اب کل صبح کو یہاں سے کیتھل جانے کا قصد رکھتا ہوں جیتے بچے تو پھر ملیں گے۔

راقم، تمہارا ضعیف باپ! ۱۱ اپریل۔ نروانہ ضلع جھنگ

(۷)

بنام سکریٹری آل انڈیا اردو کانفرنس

بندہ نوازا!

سلام مسنون۔ یاد آوری کا شکریہ۔ مزید شکریہ اس جلیل القدر انجمن کا جس کے اراکین نے اس ہیچ کارہ کو اپنی ہم بزمی کے لائق تصور فرمایا، ورنہ در اصل بسبب ہجوم افکار و مسلسل علالت کے یہ فقیر اس قابل نہیں کہ کسی جلسے یا انجمن میں بیٹھ کر کوئی تبادلۂ خیالات کر سکے۔ دوسرے علیل آدمی کی رائے بھی علیل ہوتی ہے۔ اس لئے بوجوہ بالا نہایت ضروری ہے کہ آپ میرا نام فہرست شرکائے انجمن سے بیک جنبش قلم خارج فرما دیں۔ میری حقیقی ترجمانی میرے اس پارۂ دل سے ہو سکتی ہے جسے میں اپنی برأت کے لئے پیش کرتا ہوں ؎

زہر کے گھونٹ پی رہے ہیں ہم — سانس لیتے ہیں جی رہے ہیں ہم

عاجز: افسر الشعرا ۔ ۱۶ دسمبر۔ جیمس اسکنرز گارڈن۔ دلی

(۸)

بنام سکریٹری آل انڈیا اردو کانفرنس

صاحب من تسلیم ؎

اشک خوں رنگ لئے جاتا ہے — داغ اپنے جگائے جاتا ہے

آپ کی بھی وہی مثل ہے "امان نہ مان میں تیرا مہمان"۔ میں برابر عرض کر رہا ہوں کہ میری حالت قابل رحم ہے۔ مجھ میں نقل و حرکت کی بھی زیادہ سکت نہیں اور آپ فرماتے ہیں اغراض و مقاصد جیسے پیش کئے جاتے ہیں ضرور شرکت فرمائیں چار و ناچار الامر فوق الادب سمجھ کر اتنا وعدہ کرتا ہوں کہ اگر بد نصیب اور مضمحل طبیعت نے یاری دی تو آخری اجلاس ۲۹ دسمبر والے روز آخر وقت حاضر ہونے کی کوشش کروں گا۔ بشرطیکہ اللہ تعالیٰ نے چاہا اور زندگی نے وفا کی۔

عاجز: افسر الشعرا ۔ ۱۷ دسمبر۔ جیمس اسکنرز گارڈن۔ دلی

(۹)

بنام مہاراجہ سر کشن پرشاد

وبہ نستعین

سرکار معظم، قدردان فقیر سخن مدظلہ العالی!

تسلیم۔ بصد تکریم۔ ایک عرصے سے صحت و دلی مزاج کے مژدہ سے محروم ہوں۔ "شراب الطہور" یعنی منظوم ترجمہ رباعیات حکیم عمر خیام نیشاپوری کو رباعی کا جواب رباعی میں اسی قوت سے، تین برس کامل خون جگر ٹپکا کر پورا کیا ہے۔ اگر یہ چیز میری زندگی میں چھپ گئی تو حضور ملاحظہ فرمائیں گے کہ اردو لٹریچر میں روح پھونک دی گئی۔ مگر ۸۰۰ رباعیوں کا ڈپلیکیٹ ۱۶۰۰ ہوتا ہے۔ اس ناقدرے زمانے میں کوئی علمی امداد کرنے والا بھی نہیں۔ خیر شکر ہے ہمت قوی ہے اللہ تعالیٰ مددگار ہے۔ ہز ہائنس نواب خیر پور سندھ دام اقبالہٗ نے تو ایک رقم عطا فرما دی جس سے

کام شروع کر دیا ہے۔

کیا اس علمی مدار کے سلسلے میں حضور سے بھی عرض کروں کہ جلد سے جلد جو حضور پسند فرمائیں کچھ دست کرم کو جنبش دے سکیں۔ دیکھئے فردوسی فرماتا ہے ؎

فریدوں فرخ فرشتہ نبود — ز مشک و ز عنبر سرشتہ نبود
ز جود و کرم یافت ایں نیکوی — تو جود و کرم کن فریدوں توی

عالیجاہا، میں خوب جانتا ہوں کہ اس زمانے میں ایسی علمی مراسلت کی کس کو غرض پڑی ہے مگر ہندوستان میں آپ ہی جیسی قدر شناس چند ہستیاں رہ گئی ہیں۔ اگر انہی سے نہ عرض کیا جائے تو براہ خدا بتا دیجئے کہ ان جواہر پاروں کو ہم لوگ کہاں لے جائیں؟

ہم لوگ چراغ سحر ہیں۔ چند روز کے بعد یہ بیکار ہستیاں بھی اٹھ جائیں گی۔ پھر نہ یہ چیز ہوگی نہ گاہک۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

نمونے کے طور پر صرف ایک رباعی کا ترجمہ حاضر ہے۔ آپ کو قسم ہے اپنے مرتبہ اور عزت کی، ایک نظر اسے ضرور ملاحظہ فرمالیں۔ بس کم و بیش ۰۰۰ رباعیوں کا ترجمہ اسی شان سے ہے۔ انصاف آپ ہی پر موقوف ہے۔

حکیم خیام نیشاپوری

آمد سحرے ندا ز میخانۂ ما — کاے رند خراباتی دیوانۂ ما
برخیز کہ پر کنیم پیمانہ زمے — زاں پیش کہ پر کنند پیمانۂ ما

افسر الشعراء

آئی یہ ندا سحر کو میخانے سے — اے رند خراباتی و دیوانے سے (یعنی مانند)
اٹھ جلد بھریں شراب سے ساغر ہم — کم بخت چھلک جائے نہ پیمانے سے

سرکار والا، خدا للہ انصاف کریں اگر یہ چیز خدانخواستہ نہ چھپی اور یوں ہی رہ گیا تو پھر تیس برس کامل جو راتیں کالی کی ہیں وہ اکارت ہی گئیں نا۔ اس لئے جبر نہیں کوئی قرضہ نہیں۔ اگر سرکار اس علمی امداد کو حیات جاودانی خیال فرما سکیں تو سب سے پہلی فرصت میں جو کچھ امداد ہو سکے بذریعہ تار کرامت فرمادیں۔ وما علینا الا البلاغ!

عاجز کمترین چرخ سحر، افسر الشعرا قزلباش دہلوی۔ جھالرا پاٹن راجپوتانہ

---

(۱۰)

بنام صادق حسین غبار

خاکساراں جہاں را بحقارت منگر

بھائی غبار!

سلام مسنون۔ آپ غبار ہیں اور ہم خاکسار۔ آپ کے تخلص ہی سے ڈر لگتا ہے۔ بھلا جہاں آپ جیسے مستند روزگار موجود ہوں وہاں ہم جیسے بے سروسامان ناچیز لوگوں کے لئے کلمۂ خیر کہنے والا کون ہو سکتا ہے۔ بھائی جان! آپ کے اعتراض وارد کرنے

پر بے اختیار مجھے ہنسی آ گئی۔ کیونکہ آپ لوگ وہ ہیں جو نہ خود عمر بھر ترقی کر سکے اور نہ دوسروں کو بلند مرتبہ دیکھ کر خوش ہو سکے بلے بھائی! میں کیا اور میرا کلام کیا۔ چراغِ سرِ رہگذار ہوں خدا جانے کس وقت، صرصرِ اجل کا ایک جھونکا آئے گا اور میں خاموش۔

حکیم خیام کی وہ پہیلی رباعی جس کے ترجمے پر تمام دنیائے ادب سر دھنا ہے اس کے دو مصرعے "دیوانے" سے آنکھ دکھاتے ہیں۔ حالانکہ آپ غبار ہیں۔ پہلے آپ وہ نظر تو پیدا کیجئے جو "دیوانے" کی خوبی کو دیکھ سکے۔ اب رہا چوتھا مصرعہ، وہ آپ کی سمجھ سے بالکل باہر ہے۔ بھلا جس شخص نے ایک ہزار رباعیوں کو ہزار ہزار دفعہ جانچا ہوگا، مصر و فارس کے مطبوعات سے ٹکر لیا ہوگا، چار برس کامل آنکھوں کا تیل اور جگر کا خون ٹپکایا ہوگا، ذرا آپ ہی انصاف کریں وہ "زاں پیش" کے معنی نہیں سمجھتا۔

مگر بھائی جان یہ وہ ترجمہ نہیں ہے جو مکتب کے ملا نے کرتے ہیں:

"سعدی گستے بلاغت ربود"

سعدی گنبد بلاکی۔ بخز بود لفظ عربی ہے۔ آگے چل۔ پالکی پر مکھی ماردی۔ خیر صاحب من! مرا بخیر تو امید نیست بد مرسان۔

اگر مشیت ایزدی شامل حال ہے اور عمر نے وفا کی تو یہ منظوم ترجمہ چھپ جائے گا۔ اس وقت جو اہل نظر اس پر ریویو کریں گے وہ سرکار عالیجاہ کے ملاحظہ کے لئے ضرور بھیج دیئے جائیں گے ورنہ خیر دل شکنی یہاں کسی کی روا نہیں۔ آپ ناخوش ہیں؟ اچھا فقیر معافی چاہتا ہے۔[1]

کے توانم دید ساقی جام صہبا بشکند
مے چہ در رنگم صبائے گر بدریا بشکند

راقم: عاجز بے سواد غریب آغا شاعر۔ جھالرا پاٹن (راجپوتانہ)

---

[1] آغا شاعر کو یہ معلوم ہوا تھا کہ مہاراجہ کشن پرشاد کے سیکرٹری صادق حسین غبار نے ان کے ترجمہ رباعیات عمر خیام پر کچھ عیب نکالے تھے جن کی بنا پر مہاراجہ نے ان کو ابھی تک جواب نہیں دیا۔ اس لئے انہوں نے غبار صاحب کو براہِ راست مخاطب کیا ہے۔

ظفر الملک

(۱)

بنام سید افتخار عالم صاحب

مخدوم و مکرم بندہ زاد مجدکم

تسلیم مع التکریم۔ میرے سابقہ عریضہ کا جواب اگرچہ نہیں آیا ہے لیکن چونکہ یاددہانی کرتے رہنا میرا فرض ہے اس لئے میں اپنی طرف سے کوتاہی نہ کروں گا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ آپ وطن تشریف لے گئے تھے اور چند ہی روز ہوئے کہ واپس آئے ہیں مجھے آپ کے کریمانہ اخلاق سے امید ہے کہ آپ نے اپنے قیام وطن کے زمانے میں اپنے بھائی صاحب سے الناظر کی قلمی اعانت کے لئے خاص طور پر تحریک کی ہوگی اور اس کا نتیجہ جلد ظاہر ہوگا۔ میرے عریضے کا وہاں سے کچھ جواب نہیں آیا جس پر تعجب اور افسوس دونوں ظاہر کرنے کو جی چاہتا ہے شاید مولانا مخدوم عالم صاحب مصروف کار زیادہ رہتے ہیں اسی وجہ سے جواب خطوط کی فرصت نہیں ملتی۔ بہرحال میں ان کو دوبارہ اس طرف متوجہ کروں گا اور امید ہے کہ آپ کی زبانی تحریک اور میری یاددہانی دونوں مل کر مفید نتیجہ پیدا کریں گی۔

میں نے سنا ہے کہ آپ نے اپنے علاقے سے دست برداری حاصل کرنے کا تہیہ کیا ہے جو بحقیقت نہایت رنج دہ اور ملال کن ہوگا اور جس کی مجھے آپ کے سے روشن خیال بزرگ سے امید نہ تھی۔ مولانا "چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی" آپ ان بزرگوں میں ہیں جو قومی خوبیوں اور قومی زوال کے اسباب پر نظر رکھتے ہیں۔ آپ کے دل میں قوم کا درد بھی ہے اور اس درد کے علاج کی دوا بھی آپ کو معلوم ہے۔ آپ کو میرے رسالے کے ساتھ جس قدر ہمدردی ہے اسی قدر قبلہ و کعبہ منشی احمد علی شوق مد ظلہ العالی کے دل کو میری طرف سے صاف کرنے اور الناظر کی طرف متوجہ کرنے میں میری اعانت فرمائی جس کا میں بہ دل ممنون و شکر گذار ہوں۔ آپ نے نہ صرف کرم النفسی سے خود بھی الناظر کی قلمی اعانت فرمانے کا وعدہ کیا، اپنے بھائی صاحب کو بھی تحریک کی اور مولانا ظفر الحسن صاحب سے بھی تائید کرتے رہنے کا قصد ظاہر کیا تھا مگر مقام تعجب ہے کہ جو خبر مجھے حال میں ملی ہے وہ ان تمام باتوں کے مخالف یہ ظاہر کرتی ہے کہ آپ مجھے ناامیدی نہیں بنانا چاہتے بلکہ آپ ذریعہ بننے والے ہیں جناب قبلہ و کعبہ کی الناظر سے دوبارہ علیحدگی اور بے تعلقی کا۔ اگرچہ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جناب قبلہ و کعبہ کا یہ خیال کسی طرح حق بجانب نہیں کہا جا سکتا اور نہ میں سمجھتا ہوں کہ ان کو ایسی سخت شرائط لگانا رہا تھا تاہم محض اس وجہ سے کہ وہ میرے بزرگ ہیں میں ان کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور رہوں۔ لیکن میں آپ سے

پیش کرتا ہوں اور بہت افسوس کرتا ہوں کہ آپ ان خطوط کو اس طرح بعنوان ہیچ نے کاغذ بعینہٖ نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نے الناظر
کیوں جاری کیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ محض اس کی خاطر میں کس قدر تکلیف برداشت کر رہا ہوں۔ آپ واقف ہیں کہ ملک میں اس
قسم کی تصنیف کی داد دینے والے کتنے حضرات ہیں اور اس میں اعانت کرنے والے کتنے کم۔ اور اگر آپ ان باتوں سے واقف ہو کر
بھی اس قسم کے مضامین کو روک رکھیں تو میرے لئے اس سے زیادہ کوئی بات قابل افسوس نہیں ہو سکتی اور یہ ان خطوں کی امید پر بہت
سرد پانی پھینکنے والی بد قسمتی ہے۔ مجھے ان باتوں پر آپ سے شکایت کرنے کا حق ہے اس وجہ سے کہ آپ نے مجھے اپنا
حلقہ بگوش بننے کی اجازت دے دی، اس لئے کہ آپ نے اپنے خوان کرم سے مجھے چند نوالے اٹھا کر دے دیئے، اس لئے
کہ آپ نے اپنے کریمانہ سلوک سے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا، اس لئے کہ اپنی علمی ثروت کی ایک جھلک دکھلا کر آپ نے
مجھ کو دست طلب دراز کرنے کی جرأت دلائی، اس لئے کہ آپ کی مسند فرماں روائی پر ایک بے مایہ، بیکس اور محتاج شخص کو رشک
کائنات فطرت کے قوانین اخلاق کے اصول اور مذہب کی ہدایتوں سے حاصل ہے۔ ملک کے موجودہ لٹریچر اور خصوصاً اردو اخبار و
رسالے کی جو بد قسمتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی حقیقت ایک گداگر سے زیادہ نہیں اور گو میں چاہتا ہوں کہ غالب کے ارشاد کی
تعمیل کر کے وہ گداگر بھی کو تو میری خوئے سوال اچھا ہے' کا مصداق بنوں لیکن زمانہ اور ارباب زمانہ ہمیشہ رکاوٹیں پیدا کر کے عائق
ہوتے رہے ہیں اور کسی طرح اس جمود و جہل کو جانے نہیں دیتے۔ کاش وہ جانتے کہ دربار نظام الملک کا ایک ناموافق
گداگر عرفی کا وکیل، ان کو ارباب ثروت سے کس طرح سوال کرتا ہے اور کن بلیغ الفاظ میں ان کو اپنی ان صفت شعاریوں پر توجہ
دلاتا ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

کرم آنست کہ ذوقِ کرم بیش از طلب کند
ورنہ ادراکِ مطلبِ سائل چہ می پرسی

مجھے امید ہے کہ میری یہ دل سوزی آپ معاف فرمائیں گے، آپ کو نرم بنا دیں گی اس لئے کہ اگر دنیاوی عزت و جاہ، دولت و ثروت کے حصول
تک یہ مرتب نہیں ہیں تو ہمیشہ کسی کے دربار میں بطور پیش کش کی جائیں تو ترکے بغیر رہیں اور وقت مجھے کامیاب کر دیتیں۔
کاش کہ آپ کا ان سے زیادہ تحفہ نہ ہوتے جن کے جور و ستم کی داستانوں سے ہمارے ملک کے کتب خانے پر ہیں،
جن کی کرم سازیوں نے ایک عالم کو دو ماتم رکھا ہے، جن کے تعاقب سے بڑے بڑے جری اور بہادر سپہ سالار کانپتے ہیں
اور جن کے ایک اشارے، جن کی ایک نگاہ پر مجبور ہو کر ہندو اور مسلمان عام طور پر اچھا خاصا بھلا آدمی بن سکتا تھا، یہ خط لیکن خلاف امید
اور بالارادہ اس قدر طویل ہو گیا ہے کہ اگر جلد ہی کے ایک مشہور دشمن کی نظر اس پر پڑ جائے تو غصہ و غضب سے اس کی جان
نفس عنصری سے باہر نکل جائے اس لئے اب اسی پر ختم کرتا ہوں اور جواب کا انتظار کرتے کرتے صبر و استقلال کی گنہ میں بارہا داد دیتا ہوں۔ جعفر!

خادم ظفر الملک ایڈیٹر ناظر حیدرآباد دکن ۲۶ اپریل ۱۹۱۲ء

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب پٹنہ

(۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی السلام مسنون۔ گرامی نامہ کئی سے خاموش پڑا ہے میں نے پچھلے مختصر خط میں اپنے متعلق کچھ نہیں لکھا تھا۔ اب

تمام خواہ زیر باری بھی ہوتی ہے۔ اور ہر وقت فکر کا بھی سرقہ رہتا ہے مگر کیا کیا جائے۔ بہر حال یہی شکر ہے کہ اگر اس سے بدتر حالت ہو تو کیا کر سکتے ہیں۔ نور الرحمٰن صاحب کو سلام مسنون۔

خاکسار: ظفر الملک۔ لکھنؤ ۲ جنوری ۱۹۲۳ء

(۲)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب پٹنہ

مکرمی!

سلام مسنون۔ گرامی نامہ موصول ہوا۔ الحمد للہ سب گھر پر سب لوگ خیریت سے ہیں۔ بسلسلہ علالت کی ایک کڑی اگرچہ باقی ہے یعنی میں خود کئی دن سے تصدیعہ نزلہ میں مبتلا ہوں مگر امید ہے کہ یہ عارضی ثابت ہو اور واقعی اس کے بعد دوا سے بالکلیہ نجات مل جائے۔ حافظ مسلمہ قرآن شریف حفظ کر رہا ہے ۱۸ پارے ہو چکے ہیں۔ خوب ہوا۔ بینائی کی وجہ سے کئی سال سے کتاب رہ گیا ہے ورنہ کب کا حافظ ہو جاتا۔ جب تک اس سے فراغت نہ پا سکے اور کوئی سلسلہ تعلیم نہیں شروع کرایا جا سکتا۔ ضعیف و ناتواں اس قدر ہے کہ زیادہ محنت کا متحمل نہیں۔ بہر حال ابھی تو دس بارہ سال ہے اس لئے زیادہ فکر نہیں اور پکر انگریزی کی تعلیم دلانا مقصود نہیں اس لئے امید ہے کہ اس مرحلے سے نکل کر چند سال میں علوم عربیہ کی تکمیل کر لے گا اور ساتھ ہی ساتھ میں خود اسے ان شاء اللہ اردو پڑھاؤں گا۔ نیز مراسلت کرنے بھر کی انگریزی تاکہ کاروبار کو سنبھالنے کی اہلیت آجائے۔ باقی اللہ کی جو مرضی ہو۔

تازہ ماثر بھیجا جاتا ہے۔ [illegible] دونوں سے سرفراز فرمائیں۔ مطبوعات الناظر کسی قدر کم تعداد میں بھیجی جاتی ہیں۔ میرے پاس مال زیادہ نہیں ہے اور اس وقت کئی جگہ سے تبادلہ کی معاملت درپیش ہے۔ نیز سابقہ تجربہ کی بنا پر امید نہیں کہ جو مال بھیجا جاتا ہے اسے بھی آپ ایک سال کے اندر ختم کر سکیں گے۔ بہر حال جب حاجت ہو تو اور بھیج دیا جائے گا۔ چٹھی ملفوف ہے اور فہرست کتب مرسلہ بھی۔

علی گڑھ کی حاضری کا قصد ضرور ہے۔ حامد کے کاروبار کی کوشش میں مجھ جیسے بے کار و بے مایہ کو کون پوچھتا ہے۔ وہاں لیڈروں کی ضرورت ہے لہٰذا اپنے طور پر کسی وقت حاضر ہوں گا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ خواہ مخواہ میرے لئے ایک دعوتی خط روانہ کرا دیں۔ میں اپنی فرصت دیکھ کر جہاں جا سکتا ہوں۔ آج کل تو بہت سے کاروبار ذاتی توجہ کے محتاج ہیں۔ سب سے زیادہ اہم الناظر بک ایجنسی کی فہرست مرتب کرنے کا کام ہے فہرست سابقہ ختم ہو گئی اور بغیر پوری فہرست مرتب ہو کر چھپ نہیں سکتی۔ کتابوں کی رسید سے مطلع فرمائیے۔

خاکسار: ظفر الملک۔ الناظر بک ایجنسی لکھنؤ ۱۱ جنوری ۱۹۲۳ء

(۳)

بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد

مکرمی!

سلام مسنون۔ گرامی نامہ مع [illegible] صاحب کی تحریر کے وصول ہو گیا تھا۔ میں اب [illegible] سے نجات پا گیا ہوں اس لئے

روحانیت سے مستفید ہوا ہے ورنہ محض عار ہی ہو جاتا ہے۔

زمانہ طالب علمی میں آپ کے نانا کے آگے زانوئے شاگردی تہ کیا ہے اس لئے میں آپ کو مثل اپنے عزیزوں کے سمجھتا ہوں اور اس لئے نصیحت کرنے میں تامل نہیں کرتا۔

آپ اب پروفیسر کی کرسی پر بیٹھیں گے، طلبہ کو صرف لغات و جملوں کے معانی، سواد اور نکات زبان ہی آپ سے نہیں سیکھیں گے بلکہ پاکیزہ زندگی کو کارآمد بنانے کے لئے انسانیت کا سبق بھی آپ ہی سے لینا چاہئے۔ آپ کی گفتگو، آپ کے کردار، آپ کے خیالات اور آپ کی چال ڈھال ہر چیز کا اثر طلبہ پر ہوگا اور ہونا چاہئے۔ اس لئے کوشش کیجئے کہ آپ اخلاق اور انسانیت میں ان کے روبرو عملی نمونہ پیش کریں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب آپ ہر وقت خود اپنی حالت پر نظر رکھیں۔

بھلا اب اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔ منزل کی خوبی میں صفائی تو وہی رنگ لاتی ہے جو علی گڑھ میں موجود ہیں یا پہنچ جائیں۔

مجھے تو آپ فی الحال ایک عمدہ سا مضمون ارسال کیجئے۔

اگست کا انتظار ہے۔ انشاء اللہ کل پانچواں روانہ ہوگا۔ ستمبر کے لئے آپ کا مضمون اسی ماہ کے اندر آ جانا چاہئے مضمون آتے عنوانات کی ضرورت نہیں۔ گرمی ہو یا حبس، کام کی کثرت ہو یا احباب کی دعوتیں، مضمون نگاری میں کسی کو حارج نہ ہونا چاہئے۔ دیکھوں آپ کو ادیبات میں ایم۔ اے پاس کرنے کے بعد افسانہ نگاری ترک کر کے کیسا مضمون لکھتے ہیں۔ والسلام!

خاکسار، ظفر الملک، لکھنؤ ۱۹ راگست ۱۹۳۲ء

---

(۸)

بنام مولوی محمد ابوالحسن صاحب وکیل غازی آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی!

سلام مسنون۔ گرامی نامہ اور دونوں مضامین وصول ہوئے۔ بہار پر ریویو انشاء اللہ دسمبر میں نکل جائے گا اور افسانہ بعد کو۔ افسانہ میں کہیں کہیں لفظی ترمیم کی ضرورت ہوگی۔ بہت اچھا، اچھا نہیں معلوم ہوتا مگر ایسے بہت ہیں۔ ... افسانہ میں ایک سقم اور ہے۔ معلوم نہیں اصل میں تھا یا ترجمہ میں ہو گیا ہے۔ نرنجن پور کے کیا شی بابو پہلے کلکتہ میں بغیر ملازم کے تھے پھر دفعتہ گنگیش ملازم سامنے آتا ہے اور آخر تک اسی کا ذکر ہوتا ہے اس لئے ابتدا تبدیل کرنا ہوگا۔

آپ ماشاء اللہ خوب لکھتے ہیں، غلطیاں ہو جانا قابل تعجب اگر نہیں ہے اور آپ اس سے ہرگز بددل نہ ہوں۔ جتنے مشاہیر انشا پرداز ہیں ان کی تصانیف میں بے تک غلطیاں موجود ہیں۔ مولانا شبلی خود ایک مرتبہ حیدرآباد میں ذکر کرتے تھے کہ جب ان کی کتاب ... چھپی تو مولوی ... مرزا مرحوم نے اس میں صدہا زبان کی غلطیاں نکالیں اور ساری کتاب کو سرخ نشانوں سے رنگ دیا۔ اتفاق سے وہ نسخہ مولوی صاحب کو ملا۔

عبدالماجد صاحب شروع سے ناظر میں لکھتے ہیں اور اس وقت بہترین لکھنے والوں میں شمار ہونے لگے ہیں مگر ان کی ابتدائی تحریروں میں جا بجا میں نے تصرف کیا ہے اور میں تو جو کچھ آج لکھتا ہوں سال دو سال بعد دیکھتا ہوں تو اس میں بہت سی غلطیاں نظر آتی ہیں۔

باقی رفتہ رفتہ جب مشق بڑھے گی تو غلطیاں خود بخود کم ہوتی جائیں گی۔ اردو ہماری مادری زبان ضرور ہے مگر بغیر کافی محنت کے مادری یا پدری کافی عبور نہیں ہوتا اور جو لوگ ایسے حصوں میں رہتے ہیں جہاں کی زبان دوسرے اثرات کی بنا پر بگڑی ہوئی ہے ان سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ بغیر وسیع مطالعہ اور پوری مشق کے صحت کے ساتھ لکھ سکیں گے۔

لکھنؤ بھی اب وہ لکھنؤ نہیں جو کسی زمانہ میں تھا۔ پھر بھی ہندوستان بھر میں اب یہی ایک ایسی جگہ باقی ہے جہاں کے بہت سے عوام تک شستہ اردو بولتے ہیں۔ میرے ایک دوست ہیں سید ہاشمی فرید آبادی ۱۹۳۶ء میں اردو کانفرنس کے سلسلہ میں یہاں کچھ دن قیام ہوا اور جس مکان میں میرا دفتر ہے اسی میں رہتے تھے۔ اس زمانہ میں یہ سارا مکان میرے قبضہ میں نہ تھا بلکہ ایک حصہ میں مالک مکان کا کارخانہ دستکاری تھا۔ دن بھر لوگ دستکاری میں مصروف رہتے تھے اور شام کو چلے جاتے تھے۔ ان دستکاروں کے پاس وقتاً فوقتاً باہر کے لوگ بھی اکثر آتے جاتے تھے وہ کام روک کر وہ آپس میں بھی بات چیت کرتے تھے۔ سید ہاشمی مجھ سے کہا کرتے تھے کہ ایسی شستہ اور شیریں گفتگو میں نے عمر بھر کبھی نہیں سنی۔ اس سے اندازہ ہو گا کہ لکھنؤ کے رہنے والوں کو کتنی آسانی ہے۔ اس پر بھی حالت یہ ہے کہ گنتی کے چند آدمیوں کے سوا یہاں کوئی نثر لکھنا نہیں جانتا۔ اچھے اچھے خاندانی لوگ کوئی عبارت لکھتے ہیں تو وہ اس قابل نہیں ہوتی کہ چھپے۔ اس لئے کہ لکھتے وقت بولنے والی زبان گنگ ہو جاتی ہے اور مشق نہ ہونے کی وجہ سے قلم نہیں چلتا۔

میں اپنے مخصوص احباب سے شروع ہوتا ہوں کہ جہاں کہیں مرا قلم لغزش کھائے پرچہ دیکھنے کے بعد فوراً مطلع کر دیا کریں اور اس بات کے ظاہر کرنے میں تامل نہیں کہ اس طرح پر بہت سی لغزشوں سے آگاہی حاصل ہوئی اور ہوتی رہتی ہے۔ جہاں انسان کے دل میں یہ غرہ پیدا ہوا کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں اور ہم سے غلطی نہیں ہو سکتی وہیں ترقی رک جاتی ہے اور یہ ایسا عیب ہے جو شاعروں اور ادیبوں میں بہت عام ہے۔

ترجمانی اعیں پر آپ جو کچھ لکھنا چاہتے ہیں ضرور لکھیں۔ آج تو ستجہ کمیٹی کی رپورٹ بھی شائع ہو رہی ہے، اسے بھی دیکھ لیجئے۔ اگر آپ کے مضمون سے لوگوں کو اس امر کے صحیح اندازہ کا موقع ملے کہ موجودہ حالات کیا ہیں اور جدید سفارشات کے بعد صورت حال کیا ہو گی تو بہت کار آمد ہو گا۔ حجم ضرور بڑھ جائے گا۔ خیر ایک نمبر کے بجائے کئی نمبروں میں اشاعت ہو جائے گی۔

بھیانک اور سمجھدار ترکیب میں یکساں ہیں۔ جس طرح سمجھدار کو غلط العام قرار دے کر درج کر دیا ہے کوئی وجہ نہیں کہ بھیانک بھی رائج نہ کیا جائے خصوصاً مزاح میں۔ اگرچہ ہاشمی کا مفہوم ادا کرنا مقصود ہے۔ عام طور پر یہ لفظ مستعمل نہیں اس لئے کاٹ دیا گیا تھا۔

مشنریوں کے پرچے میں نے دیکھے نہیں۔ صرف ...... ان کا ذکر دیکھا اور آپ کی اطلاع کیلئے ذکر کر دیا تاکہ مزید تلاش کا خیال رہے۔

آزادی والا ٹکڑا سابق کے مسودات میں تلاش ہم نے ضرور نہیں دیا تھا یا دیا ہو تو وہ مسودہ میں نمایاں نہ تھا۔

ڈاکٹر نعیم الحق صاحب کو وی۔ پی بھیجا جا رہا ہے۔ نومبر ختم ہونے کے قریب ہے اگر آج شب برات نہ ہوتی تو آج ہی نکل جاتا۔ اب ذرا دیر لگے گی میں سمجھ کر کہ میں بہ فرصت باہر جا رہا ہوں اور شاید میری واپسی سے قبل پرچہ روانہ ہو سکے۔ والسلام!

خاکسار ظفر الملک۔ لکھنؤ ۲۴ نومبر ۱۹۳۲ء

(۸)

بنام منشی محمد الدین فوق

مکرمی!

سلام مسنون۔ گرامی نامہ مورخہ ۱۴ر اگست ۔ موصول ہوا۔ آپ کا نام اور مجھے فراموش ہو جاتے۔ آپ نے بھی کمال کر دیا۔ الناظر کے حال ہی کے ایک پرچہ میں آپ کا ذکر خیر کیا گیا تھا۔ البتہ مدت سے آپ کے حالات سے بے خبری کی وجہ سے میں نے قیاس کیا تھا کہ آپ معلوم ہوتا ہے جدید نمبر کے لحاظ سے اپنے وطن کشمیر تشریف لے گئے اور وہیں مقیم ہیں۔

گذشتہ سال ایک ہفتہ لاہور میں گذرا۔ اور اب کے سال دوبارہ لاہور گیا۔ اگست کے دوسرے ہفتے میں وہیں تھا۔ دو دفعہ [illegible] جانا ہوا۔ ایک بار مولوی فیروز الدین کے مطبع اور دوسری بار مولوی احمد علی صاحب کے یہاں۔ اگر یہ معلوم ہوتا کہ آپ وہاں کہیں ہیں تو میں ضرور حاضر ہو کر قدم بوسی حاصل کرتا۔

معلوم ہوتا ہے پیرانہ سالی کی وجہ سے آپ علمی کاموں سے دست کش ہو گئے ہیں یا اور کوئی سبب ہوگا۔ بہرحال میں آپ کی دوستی کو [illegible] سمجھتا ہوں اور متمنی ہوں کہ جلد پھر حاضر ہونے کا موقع ملے تو خدمت عالیہ میں حاضری کا شرف حاصل کر سکوں۔

خاکسار: ظفر الملک۔ دفتر رسالہ الناظر لکھنؤ۔ ۱۰ر ستمبر ۱۹۳۶ء

(۹)

بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی!

سلام مسنون۔ گرامی نامہ مع مضمون کے موصول ہوا۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ گذشتہ نمبر میں اٹھارہ [illegible] کے متعلق لکھوں گا مگر دوسری مصروفیت نے مجبور کر دیا۔ آپ کی تنقید کے ساتھ آپ کے خیالات سے بالکل متفق ہوں۔ البتہ [illegible] سے اپنی دلی ہمدردی کا اظہار ذرا زیادہ تیز لہجہ میں کرنا چاہتا تھا کہ برطانوی حکومت نے جو روش اختیار کر رکھی ہے اس کا اصل ظاہر ہو اور اہل ہند پر جو رعب بٹھا رکھا ہے وہ زائل ہو جائے۔ ایک ادبی رسالہ کے مضمون میں یہ خیالات تو نہیں مگر کم سے کم اپنا خیال تو پیش ہی کر دینا چاہئے۔ آپ سے [illegible] معلوم ہوتی ہے البتہ لہجہ ذرا نرم ہے۔ ماشاء اللہ آپ کے اشعار بہت خوب ہیں۔

نبی ناکامیاب کو اکثر   گردش روزگار کہتے ہیں

خوب کہا ہے۔

آج کل میں الیکشن کے جھگڑے میں پھنسا ہوا ہوں۔ الناظر نکل رہا ہے اور امید ہے کہ اس جھگڑے سے فارغ ہونے کے بعد اس کی تکمیل ہو سکے گی۔ آپ کا مضمون انشاء اللہ جنوری نمبر میں شائع ہو جائے گا۔ ایک صاحب کی نظم بھی اسی موضوع پر آئی رکھی ہے۔ دونوں ساتھ نکلیں گے۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ والسلام!

خاکسار: ظفر الملک لکھنؤ ۴ر جنوری ۱۹۳۷ء

تناسب میں علیحدہ سے مرتب کر دیا جا سکتا ہے۔ تھوڑی سی کتابیں میں نے جو زائد چھپوائی ہیں ان میں شامل ہو جائے گا۔

آپ کا ایک خط جو بے مطلب خطوط کے زمرہ میں رکھا ہوا ہے۔ گزشتہ کار نے اب تک موقع نہ دیا۔ آپ کے دوست اصل کے مصرفانہ ہی ہوں گے۔ خیال تھا کہ کسی دن کونسل چیمبر جاؤں گا تو ان سے ملوں گا مگر کچہری تک جانے کی مہلت نہ ملی۔ شاید اب مل جائے۔ مدرسہ عربیہ کے مسئلہ کو تصفیہ کرانے کے سلسلے میں بعض احباب سے گفتگو کرنا ہے۔ اکتوبر میں یہ قضیہ طے ہو جائے تو شاید مجھے اطمینان نصیب ہو۔ آج کل وہ مقدمات چل رہے ہیں جو یوپی کے ہنگامہ کی بدولت پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کے دائر کردہ مقدمات تو کچھ ختم ہو چکے اور کچھ ختم ہونے کے قریب ہیں۔ باقی وہ مقدمات جو فریقین نے ایک دوسرے کے خلاف دائر کئے ہیں غالباً ناتصفیہ چلتے رہیں گے۔ والسلام!

خاکسار۔ ظفر الملک۔ لکھنؤ، ۱۰ ستمبر ۱۹۳۰ء

---

(۴)

بنام مولوی محمد [illegible] محسن صاحب زیدی

مخلص فرمائم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ ملا۔ اس سے پہلے زمانہ بھی مل چکا تھا[1] اور آپ کا تبصرہ بھی پڑھ چکا تھا جس سے کلفت کے عوض مسرت حاصل ہوئی۔ میں بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے ایک حد تک میری بضاعت مزجات کو دیکھنے کی طرح دیکھا۔ گو جیسا کہ میں نے [illegible] کے تحت میں عرض کیا ہے اس کے مطابق آپ نے ذرا جلدی کی۔ آپ کی تحریر یقیناً ٹھیک میری [illegible] پہنچی ہے اور مجھے برائے نام بھی خدانخواستہ آپ پر نام رکھنے کی گنجائش نہیں۔ آپ کی تنقید میں بعض امور ایسے ہیں جن کا واضح حل بعض تبصرہ و کیفیت میں موجود ہے اور بعض ایسے ہیں جن کی تفصیل و تکمیل جلد دوم میں ہوگی۔ اس وقت مختصراً اسی اطلاع پر اکتفا کرتا ہوں کہ آپ کے تبصرے سے مجھے بہت خوشی حاصل ہوئی ہے۔ آپ کے شبہات اور [illegible] تحقیقات اور انصاف پر مبنی ہیں۔ میں فرصت سے ان کے متعلق آئندہ عرض کروں گا۔ بسلسلۂ تعطیل چند روز کے لئے وطن جا رہا ہوں ۲ تا [illegible] کو علی گڑھ پہنچ جاؤں گا۔ مگر آپ کے ہمراہ مارہرہ [illegible] سلسلۂ خط و کتابت ہوگی۔ آپ کا یہ ارشاد درست ہے اس قسم کی کتابوں کو پڑھنے اور لکھنے کا مشتاق ہوں ...... مگر خود یہ ناممکن ہے یہ تکلف اگر کسی مالی مجبوری سے ہے تو بمسرت ادائے قیمت ہدیۃً حاضر ہوگا اور دوسرا گر بنا ہے کفایت شعاری ہے تو راستے رجحان تھی۔ وفا شاعر مرحوم کے بعض حالات نیاز [illegible][2] رامپور سے معلوم ہو سکے ہیں بتا سکوں گا اور ان سے [illegible] کے حالات مولوی عبدالوحید صاحب [illegible] علی گڑھ سے معلوم ہو سکیں گے آپ اگر چاہیں تو علی گڑھ کے پتہ سے ان کو لکھیں اور مجھے بھی اپنے مطالب [illegible] لکھ کر آگاہ فرمائیں تاکہ جو حال مجھے معلوم ہو عرض کر دوں۔ یہ بھی ارشاد ہو کہ مرحوم سے آپ کا کیا تعلق ہے۔ تاریخ نثر اردو کا حصہ دوم انشاء اللہ [illegible] ماہ میں مکمل ہو جانے [illegible]۔ میری یہ تالیف سیر المصنفین وغیرہ سے پہلے کی ہے اور میں نے اس قسم کی کتابوں کو بعد اس کے دیکھا جس کے ثبوت میں پیش کروں گا[3]۔ والسلام

میرا علی گڑھ کا پتہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کافی ہوگا

خاکسار

احسن مارہروی، مارہرہ ضلع ایٹہ [illegible] مئی ۱۹۳۱ء

---

[1] زمانہ کان پور بابت ۱۹۳۱ء جس میں مولانا کی کتاب تاریخ نثر اردو پر مکتوب الیہ کا تبصرہ شائع ہوا تھا۔ مکتوب الیہ نے تبصرہ میں مولوی محمد یحییٰ تنہا کی سیر المصنفین کا ذکر کیا جس کی پہلی جلد شائع ہو چکی تھی۔

[2] منشی حیات بخش رسا شاگرد وفا، رام پور

[3] مولانا نے کتاب میں فرمایا تھا کہ تاریخ نثر اردو لکھنے میں درجہ اولیت حاصل ہے۔

(۱۵)

بنام محمد اظہار الحسن صاحب غازی آباد

لطف فرمائم۔ تسلیم

میں بہ سلسلۂ تعطیل گرما وطن چلا گیا تھا۔ کل واپس ہوا ہوں۔ خیال تھا کہ آپ میرے عریضے کا جواب نہیں لکھا کرتے، آج ہی محبت نامہ ملا۔ شکر گزار ہوں آپ نے مرزا مرحوم کے حالات کی بابت جو لفظ شکریہ لکھے ہیں یہ تکلفات بار دوش ہیں کہ تمام اہل ادب کا خادم ہوں اور اس خدمت کے معاوضے میں شکریہ وغیرہ کی خواہش نہیں۔ اگر مجھے ادب میں تاسف اور شوق نہ ہوتا تو بہت سے شاعر از پہلو تہی انکار کر دیتا۔ ہمارا ادب اسی سے خراب ہو رہا ہے کہ کوئی کام کرنے والا نظر آتا ہے تو دوسرے ارباب فن کسی قسم کا سہارا نہیں دیتے۔ بہرحال آئندہ ان تکلفات کو چھوڑ دیجئے اور مجھے اپنا اور ادب کا خادم سمجھئے اور کام لیتے جائیے۔ جون میں کالج کھلا رہے گا اور اس شدت موسم میں حاضری کے علاوہ اور ضروریات بھی ایسی لاحق ہیں کہ میں جولائی سے پہلے کوئی جواب باصواب پیش نہیں کر سکتا۔ رامپور کو ایک خط لکھ دیا ہے جو حالات معلوم ہوں گے آپ کو بھیج دوں گا۔ اور جولائی میں وطن پہنچ کر مرزا صاحب کے خطوط بھی تلاش کر کے بھیجوں گا نیز رسا کا کلام، استاد سے سو پچاس غزلیں مجھ سے آپ کو ضرور مل سکیں گی۔ تتمہ خانہ جاوید کا میرے پاس ہے اگر آپ کے پاس ہو تو اس کو نہ رکھوں ورنہ بھیج کے حالات و کلام لکھوا دوں گا اور مجھے اس میں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ میری اور مرحوم رسا کی جو صحبت تھی اس کا اظہار اب ضروری ہے۔ میں اس کو اپنا کام سمجھتا ہوں۔ ہائے رسا تم کہاں ہو۔ ہم لائق کا علم اٹھایا جاتے۔ آپ رسا کے خطوط بھی چاہیں گے تو بھیج دوں گا۔ اور یہ لکھیئے کہ رامپور کے دو واقعات جو میں نے اعلان کو ظاہر کر سکتے ہیں اور مدرا نامی مسماۃ کے متعلق ہیں نہیں کہیں لکھا جائے یا نہیں۔ باقی

علی گڑھ ۳، جون سنہ ۳۱ء　　خاکسار، احسن

غالباً رسا صاحب کے شاگرد نظیر ہی ہیں

(۱۶)

بنام محمد اظہار الحسن صاحب غازی آباد

لطف فرمائم۔ تسلیم علاوہ تفہیم

محبت نامہ پہنچا۔ آپ اس قدر دیر میں یاد فرماتے ہیں کہ میں مفوضہ تعمیل کو بھول بھول جاتا ہوں اور ایسا ہی کہ مدی اور بڑھے ہوئے ترددات کے سبب سے ہوتا ہے۔ آج میں نے پرانی ردیوں کا ایک بستہ دیکھا، اس میں کوئی خط وغیرہ نہیں ملا۔ اب دو ایک دن بعد پھر دیکھوں گا اور انشاء اللہ جلد حالات و غزلیات ضرور بھیجوں گا۔ آپ اتنی تکلیف گوارا فرمائیے کہ جس قدر غزلیں آپ کو مل گئی ہیں ان کا ایک ایک آخری مصرع مجھ کو لکھ بھیجئے تاکہ میں ان قافیہ و ردیف کی غزلیں نہ بھیجوں جو آپ کے پاس پہنچ چکی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ میرے پاس غزلوں کا کافی سرمایہ مل جائے گا۔ ما سیر سے

یہ ایسے نزاعی استعمال ہیں جو غالب نے کثرت سے جیسے جلیو وغیرہ لکھ دیے ہیں۔ اور، تو معنی دیکھے جاسکتے تو کوئی برا ماننا نہیں کیونکہ معنوی حقیقت ہے جلیو اجزاو منیب، و ماتیہ اضافہ ہیں۔

آج اتوار کی وجہ سے یہ پیکٹ بیرنگ بھیج رہا ہوں، ورنہ کل تک ہاتھ نہیں رک سکتا۔ کل آج شب کو دو چار روز کے لئے باہر جا رہا ہوں۔

امید ہے کہ مزاج عالی بعافیت ہوگا۔ والسلام

۱۳؍ اگست ۳۶ء　　　دعاگو۔۔ احسن مارہروی

(۸)

جناب محمد [illegible] الحسن صاحب غازی آباد

جیا! نصیبی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رجسٹرڈ پیکٹ پہنچا۔ ملفوظات مل گئے۔ شکریہ۔ مجھے توقف کا کوئی شکوہ نہیں اور آپ کی معذرت کی کوئی ضرورت نہیں دنیا اور دنیا کی ساری کائنات فانی اور آنی ہے۔ مجھے اب اس کا خیال بھی نہیں کہ ان واپس شدہ خطوط کو بحفاظت رکھ بھی سکوں گا بہرحال آپ نے واپس کر دیے تو ایک حد تک تسلی ہوئی [illegible]، اگر واپس نہ کرتے تو بھی کوئی خیال نہ ہوتا۔ جس قصیدے کو آپ رکھنا چاہتے ہیں ضرور رکھیے۔ غالباً وہ قصیدہ بیرنگ رامپور میں شائع ہو چکا ہے۔ مرحوم رسا کا [illegible] ہے کہ اردو [illegible] پاس [illegible] فی الحال [illegible] کوشش رہی۔ خصوصاً ماہ مبارک میں خیال رکھوں گا جب کہیں دیکھوں گا نقل کروں گا ۔۔۔ یا وہ [illegible] ملے گا۔ اور انتخاب میں یہ ضروری ہوگی کہ معذرت کن کن غزلیں آپ کے پاس پہنچ چکی ہیں۔ آپ کی پہلی بھیجی ہوئی یادداشت مخلوط ہو گئی اور اب اس کی تلاش کو [illegible] برآور [illegible] سے کم نہیں۔ اگر آپ پھر زحمت اٹھا کر مطلع کا ایک ایک مصرع لکھ دیں تو اس کو پیش نظر رکھ کر خیال رکھوں۔ محقق کاکوروی کی جو تعریف مرحوم نے کی تھی وہ افسوس ہے کہ میرے پاس سے کوئی حریف اڑا کر لے گیا کسی صاحب سے دستیاب ہوگئی تو بھیج دوں گا۔ میری تصنیف کا کوئی نسخہ مل گیا تو وہ بھی حاضر کر دوں گا۔ اس وقت پیش دست نہیں۔ نشتر صاحب نے جس شعر کی نسبت استاد[1] مرحوم سے کی ہے وہ غلط اور محض خوش خیالی ہے جب کہ یہ تو اپنا شعر [illegible] تھے ہی تو انہیں [illegible] ہوگا۔ میرے خیال میں تو استاد مرحوم سے رسا کی ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ اگر ہوئی ہو تو رامپور کے زمانہ قیام یا رامپور سے چلے آنے کے بعد جب کہ وہ دو چار برس مختلف مقامات پر رہے استاد مرحوم اس طرح کے آدمی ہی نہ تھے وہ اس قسم کی قصیدہ خوانی کیا کرتے یہ خیال، افتراء اتہام ہے۔ رامپور سے میں نے بھی حالات دریافت کیے۔ مگر کسی سے کوئی بات ایسی نہ ملی جو مجھے معلوم نہ ہو اور جس کو بجنسہٖ آپ تک نہ پہنچا چکا ہوں۔ مرحوم رسا نہایت ظریف اور خوش گفتار لطیفہ سنج تھے۔ اس وقت کوئی لطیفہ یاد نہیں آتا۔ یہ باتیں زیادہ تر

---

[1] یعنی داغ

خدا کو معلوم ہو کہ جا تے ہیں وہ دو برسوں ان کے ہم صحبت اور یکجا رہے ہیں۔ ایڈیٹر میں ان کے اکثر لطیفے اور شاعری اس قسم کی ہوا کرتی تھی کہ کسی حاکم وغیرہ کی ہجو کہہ دی یا کوئی فقرہ کس دیا۔ مثلاً ایک محسن گیر حاکم کے لئے ایک قطعہ کہا تھا جس کا ایک شعر مجھے بھی یاد ہے ؎

ہوتی ہے اتوار کی تعطیل اس کو ناگوار
اس طرح کا اک منیجر دفتر سرکار میں ہے

ان کے مزاق و ظرافت سے میں نے دلی میں ایک رسالہ جھنجھاوٹ تھے جن کے مضامین ان کے ایک رسالے میں شائع ہوتے تھے جس کا نام اصلاح سخن تھا مگر یہ سلسلہ بہت جلد منقطع ہو گیا۔ اسی طرح بعض مضامین نیرنگ و علوہ گار میں نکلے ہیں۔ شوکت میرٹھی کا حال مجھے معلوم نہیں۔ جلال و تسلیم کی کوئی رائے مجھے معلوم نہیں۔ میں کسی قسم کے وثوق پر ایسی بات پیش کروں کہ تاریخ نثر اردو کا دوسرا حصہ زیر ترتیب ہے اور میں اپنی انتشاری حالت کے سبب سے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کب تک تمام کر سکوں گا۔ جب شائع ہوگا آپ کے پاس ضرور پہنچے گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے اور مجھے ہر وقت اپنا بہی خواہ و دعا گو سمجھیں گے۔ باقی حالات

۵ر جنوری ۳۲ء

والسلام، دعا گو
احسن مارہروی

(۹)

بنام منشی جھبئی پرشاد

لطف فرمائے و قدر افزائے تسلیم خلوص تقدیم

... آپ کا قلم زدہ والا نامہ پہنچ کر مسرت افزا ہوا۔ میں جناب کے اس خلوص و کرم کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ اس زمانہ کو ترقی یافتہ کہا جاتا ہے۔ اور اس اعتبار سے کہ مردم شماری روز افزوں ہے اور سائنس کے مناظر و نتائج گوناگوں ہیں ضرور ترقی یافتہ ہے۔ لیکن ان خصوصیات سے متعلق جن کا وجود آج سے پچاس سال قبل فی صدی ۹۰ آدمیوں میں نظر آتا تھا اب فی ہزار چار میں دکھائی دیتا (ہے) جس باب میں جناب کو تکلیف دی گئی۔ اس معاملہ میں حقیر نے یہاں ایک ایسے گریجوایٹ کو چند ساعت کی تکلیف دینی چاہی جن سے دو چار ہندی، بنگالی، مرہٹی اور گجراتی تحریریں دل کر پڑھوانا چاہتا تھا میری گزارش پر تجزیل اور باخلاق ظاہری و فوق شناسی الفاظ ارشاد ہوتے اور دوسرے دن آنے کا وعدہ فرمایا۔ لیکن وہ دن آج آتا ہے نہ کل اور طرفہ یہ کہ وعدہ کنندہ یہاں سے زیادہ سے زیادہ نصف فرلانگ کے فاصلے سے رہتے ہیں۔ بنارس سے یہاں تفصیل مکمل جواب با صواب آ گیا مگر دو قدم سے ایک حرف نہ آ سکے۔ کیا اس ترقی کو حقیقی ترقی کہا جا سکتا ہے یا ترقی معکوس۔ بہر حال دعا ہے کہ ہندوستان کے رہنے والوں کو اخلاق عالم توفیق عمل پرستی عطا فرمائے۔

یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ نے تلاش شروع کی ہے۔ امید ہے تو جواب ملے۔ مگر یہ ظاہر نہ ہوا کہ خطوط آپ تک پہنچے ہیں وہ عود ہندی اور اردوئے معلیٰ کے شائع شدہ ہیں یا غیر مطبوعہ۔ اگر غیر مطبوعہ ہیں تو واقعی یہ کامیابی قابلِ افتخار ہے تاریخ غیر... متاس کے مشتبہ لفظ کا ابھی تصفیہ نہیں ہوا ہے۔ تحقیقات جاری ہے۔

ہندی، قدیم و جدید، یہ قواعد کے جو نسخے آپ نے عنایت کئے ہیں میرے مقصد کے لئے کافی ہیں۔ ان میں اتنی بات رہ گئی کہ آپ نے اپنی زبان میں ترجمہ فرما دیا۔ میں چاہتا تھا کہ ترجمے کے ساتھ وہ اصل ہندی تلفظ بھی اردو املا میں لکھ دیا جاتا کہ اصل وضع بھی رہتی۔ پھر یہ معمولی بات ہے یہاں یہ کام ہو جائے گا۔

عند الملاقات "بگم صاحب"[1] والے شعر میں جس لفظ کا تذکرہ کیا گیا تھا اس کو میں نے اپنے پاس کی مختلف کتابوں میں دیکھا۔ میری مرتبہ کتاب (منتخبات عود ہندی) اصل عود ہندی مطبوعہ مطبع مجتبائی میرٹھ رجب ۱۲۸۵ھ کی نقل ہے۔ ان دونوں میں بھسوڑا بائے فارسی (پ) سے چھپا ہوا ہے لیکن میرے نزدیک بھسوڑا (بائے موحدہ) سے ہے جس کے متعلق میں نے منتخبات عود ہندی کے حواشی میں لکھ دیا ہے کہ وہ پانی روزہ میں بھسوڑا محبس رکھنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ متذکرہ بالا عود ہندی کے سوا اردوئے معلیٰ اکمل المطابع دہلی مطبوعہ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ اور اردوئے معلیٰ مطبوعہ مطبع کریمی لاہور ۱۹۲۲ء میں یہ خط موجود ہے لیکن ان دونوں کتابوں سے یہ شعر نکال دیا گیا ہے۔ بھسوڑے کے متعلق میرا قیاس اقرب الی الصواب ہے۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بطور مذاق لڑکوں اور سہیلیوں کو ایسے غیر متعلق اور مضحکہ آمیز مقاموں پر چھپا دیتے ہیں۔ شعر کے معنی صاف ہیں۔ دوسرے مصرع میں چھپا اگر آزاد ہونے کے معنی میں نہیں ہے تو یہ بی بیگم یعنی چھوٹی بیگم کا بگڑا ہوا تلفظ ہوگا۔ یعنی بیگم صاحب نے بھسوڑے میں بھینسا دیا اور چھپا (چھوٹی ۔ چھپی) بیگم نے ذلیل رسوا کرایا۔ افسوس ہے کہ میرے پاس یہ مثنوی نہیں اور نہ میں (نے) ابتدائے عمر سے اس وقت تک دیکھی۔ ایک مثنوی مرزا مہر کی جو چھپ گئی ہے وہ ڈکین اور صفوان شباب تک میرے پاس تھی اور غالباً اسی کا نام شعاعِ مہر ہے لیکن اس وقت وہ نہیں۔ گزشتہ ایام میں اس کے کئی اشعار یاد تھے۔ اس وقت ایک مصرع لکھتا ہوں۔ اس سے وزن معلوم ہو جائے گا

ہم جو مہر ہیں مشہور جہاں تو ہم ہیں

---

[1] غالب نے مرزا حاتم علی بیگ مہر کے نام ایک خط میں مہر کی ایک مثنوی کا ذکر کرتے ہوئے ایک شعر لکھا ہے:

بگم صاحب نے بھسوڑے ہی میں یا — چھپا بیگم نے بے حرمت کرایا

مکتوب الیہ نے بظاہر اسی سلسلے میں غالباً لفظ بھسوڑا کے تحت استفسار کیا تھا۔ احسن صاحب نے فرمایا کہ یہ لفظ بھسوڑا ہے یعنی محبس رکھنے کی جگہ۔ بگم سے مراد بڑی بیگم اور چھپا سے مراد چھوٹی بیگم۔

آج سے خیال رکھا کروں گا اور تلاش شروع کروں گا کہ ان کے اعقاب سے ان کا کلام مل سکے۔ مرحوم کے پوتے سے ملاقات و تعارف تھا۔ ان کا انتقال ہو گیا۔ غالباً ان کے پوتے موجود ہیں۔ پتہ دریافت کر کے ان کو لکھوں گا۔ ان کا دیوان ضرور میرے پاس ہے لیکن اس وقت وہ بھی نہیں ملا۔ شاید دہلی کے کتب خانہ میں ہے۔ مارہرے جاؤں گا تو اسے بھی دیکھوں گا

عند الملاقات والے فارسی لفظ صحیح یاد نہیں۔ شاید وہ لفظ "زبے میان فالیز" ہو جس کے معنی میری تحقیق میں سٹھار وسے کے ہیں۔[1]

آپ نے عند الملاقات اور اس کے قبل و بعد جو خطوط فصیح الملک کے مقابلہ و تصحیح کے لئے بھیجے ہیں ان کا جواب بھی عرض کرتا ہوں۔ فصیح الملک نمبر ۹،۱۰ جلد دوم میں وہ خطوط شائع ہوتے ہیں اور ان میں رشک عرفی و فخر طالب شہ ولح اور دورکش کش منتظم اور دیگر از خویشم پر بطور نشان شعر سے (۲۰ کی رقم) تحریر ہے۔ مرقع جلد دوم صد ۲۳ کا پتہ ابھی نہیں چلا۔ یہ لکھئے کہ کس مہینے کے مرقع کا صفحہ (۲۳) ہے۔

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔ باقی باقی۔

۱۳/ دسمبر ۳۳ء　　　آپ کا مخلص

احسن مارہروی

(۱۰)

بنام سید الطاف علی صاحب بی۔ اے

شفیق محترم۔ السلام علیکم۔

دعا گو ۱۳/ جولائی کو علی گڑھ آ گیا۔ اگر سنا کہ آپ نے اپنی خصوصی نوازش و عنایت سے برخوردار سید انعام احسن متعلم میڈیکل کالج پٹنہ کے وظیفے کی بابت اپنے اختیار تمیزی سے ایک مہینے کا وظیفہ قبل میٹنگ عنایت کیا، اس توجہ کا شکریہ قبول فرمایئے۔ یقین ہے کہ ۱۲ کی میٹنگ میں اس کی باقاعدہ منظوری ہو گئی ہو گی۔

اسی سلسلے میں گزارش ہے کہ مجھے پہلی عرضی دیتے وقت یہ معلوم تھا کہ کانفرنس کا گزشتہ وظیفہ جولائی

---

[1] مرزا غالب کے ایک خط کی عبارت ہے جس کا غالباً مطلب پوچھا گیا تھا۔ سٹھار وسے دراوہ سے ہے جو باغ یا کھیت کو نظر بد سے بچانے کے لئے بنا دیتے ہیں۔

سنہ ۳۶ء تک ہے اس لئے دو ماہ کے لئے مزید درخواست کی گئی تھی۔ اب معلوم ہوا کہ وہ وظیفہ جون تک تھا اور دو ماہ کے لئے زائد وظیفہ جو منظور ہوا وہ اگست تک ہے۔ مگر قدر یہ ہے کہ ستمبر تک امداد کی ضرورت ہے۔ اس طرح ۳ ماہ کا مزید وظیفہ ملنا چاہیے۔ مشورہ دیجئے کہ اس ایک ماہ کے لئے کیا کیا جائے۔ میں دوسری عرضی اسی مضمون کی لکھ کر آپ کے پاس بھیج دوں یا آپ خود اپنی مہربانی سے اس کو منظور کرا لیں گے۔ اس کا جواب عطا ہو۔ بفضل مولیٰ تعالیٰ سے امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

والسلام، دعاگو

احسن مارہروی ۱۵ر جولائی سنہ ۳۶ء

(۱۱)

بنام تمکین کاظمی

مکرم و عزیز من۔ السلام علیکم و علی من لدیکم

مدت کے بعد کرم نامہ ملا۔ مجھے آپ کا پتہ یاد نہیں رہا تھا۔ اور ہجوم کار سے اتنا وقت نہیں ملا کہ اپنے رجسٹر یادداشت سے تلاش کرتا۔ اب آپ کی شکایت بجا ہے مگر میرا یہ شکوہ بھی بے جا نہ ہوگا کہ آپ نے مجھے بھلا دیا۔ سینکڑوں مضامین لکھتے ہیں۔ بہت سی تصنیفیں کرتے ہیں مگر دعا گوئے قدیم کو یاد نہیں کرتے۔ آپ چشم بددور ابھی جوان ہیں میں لب گور۔ اگر مجھے تساہل و تغافل ہو تو عجب نہیں آپ کی بے توجہی موجب استعجاب ہے۔ حسب ارشاد شاہکار عثمانی کا ایک نسخہ اس کارڈ کے ساتھ بھیجتا ہوں۔ اگر ممکن ہو تو اس کی رسید میں حیدرآباد دکن اور دکن کے جن اخباروں میں اس کے متعلق کچھ لکھا گیا ہو۔ ان اخباروں کے پورے پرچے یا ان کے تراشے بھیج کر ممنون فرمایئے۔ لکھیئے کہ آجکل کیا تالیف و تصنیف زیر قلم ہے۔ کبھی کبھی یاد کر لیا کیجئے یہ ممکن نہیں کہ آپ یاد کریں اور میں بھول جاؤں۔ ۱۰ اکتوبر تک میں علی گڑھ نہ رہوں گا لہٰذا خط و کتابت اس زمانے میں مارہرے کے پتے سے ہو۔ نیز یہ یاد رہے کہ اب علی گڑھ میں انٹرمیڈیٹ کالج نہیں ہے میرا تعلق مسلم یونیورسٹی سے ہے پتے میں اگر لکھا جائے تو مسلم یونیورسٹی انٹرمیڈیٹ۔

والسلام۔ دعاگو

احسن مارہروی

(۱۲)

بنام تمکین کاظمی

اخی محترم! السلام مسنون

میں ایک ہفتہ سے سفر میں تھا اب واپس ہوا ہوں۔ ڈاک میں آپ کا پیکٹ جس میں حیدرآباد دکن کا پرچہ

تھا پایا" یاد آوری کا شکریہ۔ آپ کے بھیجنے سے پہلے یہ تراشہ مجھے مل چکا تھا۔

سفر کے تکان کی وجہ سے اس وقت مجھے زیادہ لکھنے کی فرصت نہیں صرف رسید لکھ رہا ہوں۔ شاہجہاں عثمانی کے متعلق آپ جو کچھ لکھیں گے۔ یہاں کے اخباروں میں بھی چھپ سکتا ہے اور دکن میں بھی جیسی آپ کی رائے ہو۔ میرے پاس آپ کی مؤلفات میں تذکرہ ریختی اور غنچۂ تبسم موجود ہیں ارنسٹ اور معاشقہ پڑھ لیں نہیں

مولانا عبدالحق صاحب کے متعلق حالات معلوم ہیں جامعہ عثمانیہ کی خدمت کے لائق مجھ میں لیاقت نہیں علاوہ اس کے میری عمر اب پوری ہو چکی یونیورسٹی علی گڑھ دو برس سے توسیع دے رہی ہے اور غالباً وہ بآسانی نہ چھوڑے گی۔ اگرچہ میرا جی چاہتا ہے کہ اگر کچھ دنوں کی زندگی اور ہے تو گھر پہنچکر اللہ اللہ کروں اور خدمت ادب اب کسی پابندی کی ہمت نہیں اور پھر اتنی دور زیادہ دشوار۔ امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے اور اپنی خیریت لکھتے رہیں گے

۱۱ اگست ۳۳ء — والسلام دعا گو

احسن مارہروی

(۱۴۳)

بنام تمکین کاظمی

مکرمی و معظمی السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مدت سے آپ کے مضامین اور نظمیں مختلف رسالوں میں دیکھتا رہتا ہوں اور ان کو پڑھ کر ایک نامعلوم کشش ہوتی تھی۔ آج معلوم ہوا کہ یہ کشش بے معنی نہ تھی آپ نے حضرت تجلی[۱] کا نام اور پتہ بتا کر یہ حجاب تاریکی دور کیا اور مجھے بے حد مسرور۔ بقول مشہور

اے گل بتو خرسندم تو بوئے کسے داری

مجھے اب تک یہ بھی معلوم نہیں کہ برادر مرحوم کا کب انتقال ہوا۔ جہاں تک میرا حافظہ یاری دیتا ہے دوبارہ یا سہ بارہ سفر حیدرآباد (سنہ ۱۹ یا ۲۲) میں لطف ملاقات ان سے حاصل ہوا تھا۔ امید ہے کہ آپ لکھیں کہ یہ کب واقع ہوا۔

مجھے اپنا مخلص بے ریا سمجھیں اور ہمیشہ رسل و رسائل کا سلسلہ جاری رکھئے شکر گزار ہوں گا۔ تاریخ نثر اردو کی داد دہی کا شکریہ۔ حصہ دوم چھپنے کے لئے تیار ہے ذرا جلد اول کی اشاعت ہو لے۔ ایک مطبوعہ اشتہار ملفوف کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔ اور دوسری جلد کے مضامین کا اندازہ۔

اس میں جن نمونوں کا ذکر کیا گیا ہے ان ہی میں سے جن کو لے میں آپ قلمی امداد دے سکیں۔ عنایت ہو گی۔ خصوصاً نذیر، دعوت وغیرہ کے اردو رقعے جن کی ابتدا ۲۵۔۳۰ برس سے ہوتی ہے اور اگر اس سے پہلے

۱؎ میرے والد تجلی مرحوم سے مولانا کی پرانی دوستی تھی

سے مل سکیں تو کیا کہنا۔ اس وقت ایک سفر کی وجہ سے خاتم کرتا ہوں اور آئندہ کے لیے مفصل مکاتبت و مواصلت کا وعدہ۔ والسلام

دعاگوئے انام

احسن بدنام ۳۰ ر نومبر ۱۹۳۸ء

(۱۴)

بنام ولی شاہجہانپوری

شفیق محترم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نوازش نامہ عزت افزا ہوا شکر کرم۔ جی ہاں میں اگست ۱۹۳۸ء سے ریٹائر ہوکر گھر آیا اور اب انہیں پرانی روایات کے ماتحت نئی زندگی بسر کر رہا ہوں جنہیں ۱۵۔ ۱۶ برس پہلے ترک کر چکا تھا۔ بہر حال ہی گزار دوں گزار دوں۔

جناب نے جس شعر کی بابت میری ناقص رائے دریافت فرمائی ہے اس کے متعلق حسب ارشاد بے تکلف عرض کرتا ہوں فضا و صبا کی سلیشی کے متعلق میں جناب مرزا یگانہ کا ہم خیال ہوں مگر اس کے ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ تشبیہات استعارات یا اصطلاحات و محاورات حسب موقع ہمیشہ بدلتے رہے ہیں اور بدلتے رہیں گے۔ بقول شیفتہ

ہم اگلے کہنے والوں کی تقلید کیوں کریں

البتہ نئے الفاظ کے استعمال پر کہنے والے کو کسی قرینے اور مناسبت کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیے۔ یعنی صبا اور فضا کو سلیشی بنانے کے لیے کوئی ایسی وجہ ہونی چاہیے۔ جس سے سننے والے کی ذہنیت میں کوئی الجھن پیدا نہ ہو اگر ایسا قرینہ قائم ہے تو صبا و فضا کو سلیشی کہنے پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیے۔

مولوی ضیا احمد صاحب ایم اے بدایونی لیکچرار مسلم یونیورسٹی سے میں خوب واقف ہوں اور میرے ان کے درمیان میں مخلصانہ اور عزیزانہ تعلقات ہیں فرمائیے ان کی بابت کیا ارشاد ہے۔

امید ہے کہ آپ بہ الخیر ہوں گے اور کبھی کبھی یاد فرمائی سے شاد کام فرماتے رہیں گے۔

دعاگوئے بے ریا

احسن بے نوا ۱۱ر اپریل ۱۹۳۹ء　　۱۱ر اپریل ۱۹۳۹ء

(۱۵)

بنام ولی شاہجہانپوری

لطف فرمائے تسلیم

نوازش نامہ ملا۔ برخوردار سلمہ اللہ تعالیٰ کی کامیابی سے مسرت ہوئی۔ مبارکباد عرض کرتا ہوں اور دست بدعا

چون کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ ہر امتحان میں نا کردہ الزام فرماتے ہیں ، آمین ۔ لیکن آپ نے مسلم یونیورسٹی کے متعلق جو استفسار فرمایا ہے ، اس کا جواب وہاں جائے بغیر نہیں دیا جا سکتا اور چونکہ آجکل تعطیل ہے اور وسط جولائی تک کسی کا صحیح اور مستقل قیام معلوم نہیں ہوتا ، اس لئے اس قسم کی درخواست پیش کرنا قبل از وقت ہے ۔ تعلیمی مشکلیں ہر جگہ پائی جاتی ہیں ۔ فیس کی معافی بڑا ٹیڑھا سوال ہے ۔ خصوصاً کسی دوسرے کالج کے پاس شدہ کے لئے ۔ میں دریافت حال کرنے کے بعد کہہ سکوں گا کہ اب ممکن ہے یا نہیں ۔ بریلی کالج میں اگر عبدالشکور صاحب لیکچرار بریلی کالج سے کوئی کام نکل سکے تو میں ان سے کہنے کے لئے تیار ہوں ۔ وہ میرے خاص خاص دوست ہیں ۔ برخوردار سے پوچھئے کہ ان کا وہاں کیسا اثر ہے ۔

اس وقت زیادہ نویسی کی معافی چاہتا ہوں ۔ ۲۰ر جون کو مسوری جانے کا قصد ہے اگر وہاں گیا تو شاید ۱۰ ، ۲۰ روز وہاں رہنا ہو ۔ ۲۵ر جون کو ایک مشاعرہ بھی ہے بعض خصوصی احباب کا اصرار ہے اور میرا مزاج یہاں کی گرمی سے ناساز رہتا ہے کیا عجب کہ اس سلسلے میں وہاں زیادہ قیام ہو جائے ۔ لہٰذا اس کے بعد واپسی مزید عرض کروں گا آپ نے شکریہ ادا فرما کر مجھے شرمندہ کیا ۔ یہ تو میرا ذاتی کام تھا

۱۸ر جون سنہ ۳۱ء

والسلام

دعاگو ، احسن مارہروی ۔ مارہرہ ضلع ایٹہ

(۱۴)

بنام ڈاکٹر زور

مجی شفیقی ! تسلیم خلوص تقدیم

آپ کا حال گرمہ (کانفرنس جو بلی میں) تشریف لانا اور میرا چند منٹ کے لئے ملنا ایک خواب دیکھنا تھا ، اس وقت اس خیال گفتگو سے قطع نظر اس خواب کی تعبیر چاہتا ہوں ۔ آپ کو یاد ہوگا اثنائے گفتگو میں آپ نے فرمایا تھا کہ میرے پاس مرزا داغ مرحوم کے دو ایک خط یا پرچے موجود ہیں ۔ اور میں نے استدعا کی تھی کہ اسکی نقل مجھے عنایت کیجئے آپ نے وعدہ فرمالیا تھا مگر میں اپنی غفلت سے اب تک نہ چوکا سکا ۔ اب مرزا مرحوم کے خطوط مرتب کر چکا ہوں ۔ جس کا تاریخی نام " انشائے داغ " ہے ۔ یہی تین مہینے ہیں کہ وہ پریس جا کر اس تاریخی نام کو بے کار نہ ہو سکے دے ۔ لہٰذا امید وار کہ حسب ارشاد ایک دو یا جتنے خط دیا سے مل سکیں رحمت ہوں ۔ اگر ممکن ہو تو نواب عزیز یار جنگ بہادر[1] سے میرا سلام نیاز فرما کر ان سے بھی حاصل کیجئے ۔ اگر ان کے سوا کسی کا پتہ اور جناب کو معلوم ہو تو اس سے مطلع فرمائیے میں بہت بہت شکر گزار ہوں گا ۔ اگر اس ادبی یادگار میں جناب میرے مددگار ہوں گے ۔

---

[1] نواب عزیز یار جنگ عزیز حیدر آباد میں مرزا داغ کے تلمیذ رشید تھے ۔ ان کے کئی دیوان اور تالیفات چھپ چکی ہیں

آپ کی تازہ تالیفات کے اشتہار دیکھتا ہوں مگر پھر بھول جاتا ہوں۔ اگر آپ کسی گوشہ یا فہرست یادداشت میں میرا نام ٹانک لیں اور جب کوئی تازہ تالیف ہو تو مجھے بھجوا دیں تو ممنون ہوں گا۔ فی الحال روح غالب[1] میں دل پڑا ہوا ہے۔ فضل مولا سے امید ہے کہ مزاج عالی مع الخیر ہوگا۔ والسلام خیر ختام مسلم یونیورسٹی سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد اکثر گھر ہی میں رہتا ہوں۔

۲۲/اکتوبر سنہ ۳۹ء — آپ کا مخلص

احسن مارہروی

(۱۷)

بنام ڈاکٹر زور

شفیق محترم، سلام مسنون

۲۹ اکتوبر کا والا نامہ جس میں نواب لقمان الدولہ بہادر[2] کے نام سے دو خط ملفوف تھے، اس کرم و نوازش کی رسید ذرا دیر میں بھیج رہا ہوں۔ اس توقف کا سبب یہ ہوا کہ آپ نے اس خط میں روح غالب کے بھیجنے کی اطلاع دی تھی۔ اب تک اس انتظار میں رہا کہ وہ پیکٹ مل جاتے تو یکجائی رسید شکرگزاری حاضر کروں مگر اب کہ انتظار کی حد گزر چکی، روح غالب کا پیکٹ دستیاب ہوا نہ ماہنامہ سب رس نظر فروز ہوا۔ اطلاعاً عرض کردہ شد۔

امید ہے کہ مزاج گرامی ہم آغوش عافیت ہوگا۔ سب رس مجھے ملا تو میں کوشش خدمت کروں گا۔ زیادہ ادب

۹ نومبر سنہ ۳۹ء — خادم، احسن مارہروی

نواب عزیز یار جنگ بہادر کو بھی اس وقت خط بھیج رہا ہوں۔

(۱۸)

بنام منشی محمد دین فوق

برادر شفیق، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

یہ تو ناممکن ہے کہ آپ اپنے بھائی احسن کو بھول گئے ہوں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ خط و کتابت کے بند

---

[1] روح غالب میری ایک کتاب ہے جس میں غالب کے حالات زندگی، اور دلچسپ خطوط شامل ہیں ۱۹۳۹ء میں شائع ہوئی تھی۔

[2] نواب لقمان الدولہ ([illegible]) حیدرآباد میں مرزا داغ کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے اور مرحوم نظام میر محبوب علی خان آصف جاہ سادس کے استاد رہ چکے تھے۔

ہونے سے خیال اور یاد کرو دل و دماغ سے بعید ہو گیا ہو۔ بہر حال بفضلِ مولیٰ تعالیٰ۔ بے امید ہے کہ مزاج بہار و ہم آغوش عافیت ہوگا۔ میں بھی بخیر ہوں۔ اور عمر کی آخری دہائی پوری کر رہا ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ جب تک سانس جاری ہے استاد مرحوم (داغ دہلوی) کی خدمت گزاری کرتا رہوں۔ ان کے کلام کا انتخاب پریس میں بھیج چکا ہوں۔ بعد تکمیل بھیجوں گا۔ اس وقت ان کے خطوط مرتب کر رہا ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ استاد نے زمانۂ قیام حیدر آباد میں آپ کے نام اکثر خطوط لکھے ہیں اور امید ہے کہ آپ نے محتاط ادیب کی طرح انہیں محفوظ رکھا ہوگا۔ لہٰذا ان کی اصل یا نقل عنایت کیجیے۔ اور جلد عنایت کیجیے۔ اس لیے کہ مجموعہ مکمل ہو چکا ہے اور اسی ماہ میں چھپوانا مقصود ہے کیونکہ تاریخی نام "انشائے داغ" بے کار ہو جائیگا۔ خدا کرے یہ خط آپ کو مل جائے اور اس کا جواب مجھے بھی مل جائے تو پھر مفصل خط و کتابت ہوگی۔ پندرہ سولہ برس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی خدمت کرنے کے بعد اب ریٹائر ہو کر گھر آ گیا ہوں۔ اگر زندگی رہی تو شاید دسمبر میں مسلم لیگ کے جلسہ میں لاہور آؤں۔ اگر ایسا ہوا تو ۳۰۔۳۵ برس بعد پھر ملاقات ہو سکے گی۔ امید ہے کہ مزاج عالی بخیر ہوگا۔ آج کل کسی رسالے سے ادارتی تعلق ہے یا نہیں؟

آپ کا برادر کہن

احسن مارہروی

نوٹ:۔ حافظ حاجی سید علی حسن احسن مارہروی لالہ سری رام ایم اے کی مشہور تالیف "خمخانۂ جاوید" جلد اول کی ترتیب کے زمانہ (سنہ ۱۹۰۳ء یا سنہ ۱۹۰۴ء) میں عرصہ تک لاہور میں رہے۔ بلکہ استاد (داغ) کے نام پر یہیں سے ماہانہ رسالہ "فصیح الملک" جاری کیا۔ لاہور سے واپس جا کر اپنے وطن مارہرہ میں رہے۔ پھر علی گڑھ میں اردو کے پروفیسر ہو گئے جہاں سے ریٹائر ہو کر قریب ۳۵۔۳۰ برس کے بعد فروری سنہ ۱۹۴۰ء کے آخری ایام میں بزمانہ جلسہ مسلم لیگ لاہور تشریف لائے۔ اور اگست یا ستمبر سنہ ۱۹۴۰ء میں اپنے سب کام ادھورے چھوڑ کر مارہرہ میں انتقال فرما گئے۔

(۱۹)

بنام خواجہ حمید الدین صاحب شاہد[1]

لطف فرمائم۔ سلام شوق۔

کارڈ مورخہ ۱۲۔۱۱۔۳۹ نمبری ۱۲۵۴ موصول ہوا اور اس کے ساتھ نومبر کا سب رس پہنچا۔ شکر کرم۔ درج فہرست کا پیکٹ جس کی روانگی آپنے ۱۳ اکتوبر کو لکھی ہے اس وقت تک مجھے دستیاب نہیں ہوا۔ یہاں میری ڈاک بہ احتیاط آتی ہے اور روزانہ میرا نوکر لاتا ہے راستہ میں یقیناً کسی ڈاکو ڈاکیے نے ہاتھ صاف کیا۔ سرٹیفکیٹ آف پوسٹنگ کی پروا

---

[1] خواجہ حمید الدین صاحب شاہد ایم اے لیکچرار اردو چادر گھاٹ کالج اس وقت سب رس کے ایڈیٹر اور ادارۂ ادبیات اردو کے مہتمم تھے۔

کون کرتا ہے۔ اب میں کیا عرض کروں بجز اشتیاق مالا یطاق۔
انشاء اللہ سب رس کے ملتے ہی حاضر کروں گا۔ مکرمی حضرت [illegible] کی خدمت مبارک میں میرا سلام پہنچایا جائے۔

والسلام
۱۷؍ نومبر ۱۹۳۹ء — خاکسار: سید علی احسن مارہروی

(۲۰)

بنام منشی محمد دین فوق

بھائی جان! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

نوازش نامہ کارڈ ملا۔ سرفراز فرمایا۔ امید کرتا ہوں کہ آپ نے استاد مرحوم (داغ دہلوی) کے خطوط کی تلاش میں توجہ فرمائی ہوگی۔ خدا کرے کہ کچھ خطوط مل گئے ہوں۔ مجھے بھی یاد آیا کہ آپ کے نام استاد مرحوم نے تلوار وغیرہ کے ملنے پر جو خطوط لکھوائے تھے غالباً وہ میرے ہی ہاتھ کے تھے۔ ایک دو جس قسم کی تحریریں ہاتھ آئیں بھیج دیجئے۔ رامپور میں خطوط وغیرہ کا پتہ چلا ہے۔ کوشش کر رہا ہوں کہ وہ بھی جلد دستیاب ہو جائیں۔ اس وقت تک جو ذخیرہ جمع ہو گیا ہے وہ بھی کافی ہے اور اب تک جتنے خطوط مشاہیر کے شائع ہو رہے ہیں یقیناً ان سے کم نہیں اور میں نے جس ترتیب سے انہیں لکھا ہے وہ غالباً اپنی نوعیت میں نئے ہوں گے۔

مسلم لیگ کا جلسہ اب دسمبر میں نہیں بلکہ مارچ میں ہوگا۔ اگر زندگی رہی تو ضرور آؤں گا۔ اور جب آؤں گا تو آپ سے ملے بغیر نہ رہوں گا۔ میں بھی اب ۷۲ واں مرحلہ عمر شروع کر چکا ہوں۔ دیکھئے یہ منزل کہاں اور کب ختم ہو[1]۔ باقی باقی۔ والسلام

خیر طلب
مارہرہ ضلع ایٹہ سرکار محروسہ ۳۰؍ نومبر ۱۹۳۹ء — احسن

(۲۱)

بنام منشی محمد دین فوق

برادر محترم! السلام علیکم

کلام فوق کی رجسٹری مجھے ایسے وقت پر وصول ہوئی کہ میں علی گڑھ جانے کے لئے پابرکاب تھا۔ وہاں مسیحہ دو دیکھے ہیں اور ساتھ کوٹھے پڑتے پڑتیاں ہیں۔ عید بعد ان سے ملنا ضروری تھا۔ چار پانچ روز رہ کر واپس ہوں گا۔ اس وجہ سے حسب عادت کلام فوق کی رسید نہ لکھ سکا ورنہ شکریہ پیش کر سکا اس سفر میں اس کی خوب سیر کی۔ اور خوب

---

[1] افسوس یہ منزل ستمبر ۱۹۴۰ء میں ختم ہوگئی

خوب لطف اٹھایا۔ آپ کی متعدد تصویریں نظر افروز ہوئیں جو صورت میرے ذہن میں تھی، اس میں بہت تغیر پایا میری کوئی تصویر فی الحال میرے پاس نہیں۔ کوشش کروں گا کہ دسمبر کے آخر میں ذرا لیا جائے۔ اس وقت ایک کاپی حاضر کروں گا۔ آپ بھی مجھے نہ پہچان سکیں گے۔

دو ذرے خط اگرچہ بہت مختصر ہیں مگر اس لحاظ سے کہ آپ کا نام نامی انشائے داغ میں آجائے غنیمت ہیں۔ دعا فرمایئے کہ یہ کام جلد انجام پائے رام پور کے سرکاری کتب خانہ میں استاد مرحوم کی تحریروں کا پتہ چلا ہے مہینہ عشرہ اس باب میں سعی و کوشش کروں گا۔ اگر وہ مل گئے تو ان کو بھی شامل کروں گا ورنہ جتنے خطوط مل گئے ہیں۔ انہیں کو صاف کر کے پریس کے حوالے کردوں گا۔

آپ کا مخلص

احسن مارہروی — ۲۸ / نومبر ۱۹۳۹ء

(۲۲)

جناب منشی محمد دین فوق

شفیق برادر۔ السلام علیکم

ایک تکلیف دے رہا ہوں اگر طبیعت بحال ہو اور تکلیف نہ ہو تو میری قلمی مدد کیجیے۔ کہ اس کام کے لئے آپ سے زیادہ کوئی بزرگ و دوست لاہور میں نہیں ہے۔ ایک مجموعہ نظم جدید مرتب کر چکا ہوں۔ اس میں چند موجودہ عصر کے شعراء بھی شامل ہیں۔ مگر ان کے حالات سے مجھے علم نہیں۔ مشکور رہوں گا کہ حسب ذیل حضرات کے مختصر حالات مع سنہ ولادت لکھ کر یا لکھوا کر جلد از جلد عنایت کئے جائیں۔

خواجہ دل محمد ایم اے۔ حکیم احمد شجاع۔ گوری سرن ادیب۔ عبدالرؤف ادیب۔ اسد ملتانی۔ اندر جیت شرما۔ مولوی برکت علی۔ شاہ تراب علی تراب۔ ڈاکٹر تاثیر ایم اے۔ تاجور نجیب آبادی۔ غلام مصطفیٰ خان زہن۔ سید ذر۔ غفار علی بخاری۔ درگا سہائے سرور۔ عبدالمجید سالک۔ پیارے لال شاکر۔ عدم۔ قدوس صہبائی۔ گوپال مل۔ ترک چند محروم۔ خوشی محمد ناظر۔ نظیر لدھیانوی۔ مولوی الف دین نفیس۔ غلام بھیک نیرنگ۔

ان میں جن کے حالات معلوم نہ ہوں۔ تو اپنی وسیع معلومات سے ان کا اتا پتا بتایا جائے کہ اس نشان سے معلوم کیا جائے۔ امید ہے کہ مزاج سامی بخیر ہوگا۔

والسلام

آپ کا مخلص

احسن مارہروی

مارہرہ ضلع ایٹہ یوپی سرکار فرخ آباد ۱۳ / دسمبر ۱۹۳۹ء

(۲۳)

بنام ڈاکٹر زور

شفیق محترم۔ تسلیم خلوص تضمیم

دہلی میں ایک یا دو مرتبہ سرسری ملاقات کے بعد پھر نوبت مکالمات نہ آئی۔ دارالسلام روزانہ آتا جاتا رہا اور ۱۲/ دسمبر تک وہاں رہا مگر پھر دیدار نصیب نہ ہوسکے۔ غالباً آپ جلد واپس تشریف لے گئے۔

میں زبانی عرض کرچکا ہوں اور اب بذریعہ لسانِ قلم عرض کرتا ہوں کہ "روح غالب" کے لئے چشم براہ ہوں رسالہ سب رس بھی بھیجے۔ ایک مرتبہ کے بعد پھر نہیں ملا۔ اگر ملتا تو شاید کوئی خدمت بجا لاتا۔ یہ نیاز نامہ اسی یاددہانی اور مزاج پرسی کے لئے حاضر کیا جا رہا ہے۔ کسی فرصت کے وقت بتوجہ خاص روح غالب کے بھجوانے کا فیصلہ فرمایا جائے۔ گر تحفۃً نہ مل سکے تو قیمت طلب پارسل ہی سہی غرض جو صورت بہتر ہو باعث شکر گزاری ہے

امید ہے کہ مزاج عالی بخیریت ہوگا۔ والسلام

۲۵/ جنوری سنہ ۱۹۴۰ء   آپ کا

سید علی احسن مارہروی

(۲۴)

بنام منشی محمد دین فوق

شفیق برادر۔ السلام علیکم

میں ۲۵/ دسمبر سے ۱۷/ جنوری تک دہلی اور بھوپال کے سفروں میں رہا اس لئے خط نہ لکھ سکا۔ صحت وری مزاج معلوم کرکے مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ خوش و خرم رکھے آپ نے اس خط میں استاد مرحوم کے جس خط کی نقل بھیجی ہے۔ اس قسم کی دو تحریریں بھی مجھے مل گئی تھیں جن کو مجموعہ خط میں لکھ لیا ہے۔ اب اس کا اضافہ کردیا جائے گا۔ ریاست رامپور سے کچھ پرانے خطوط وغیرہ کے ملنے کی قوی امید ہے۔ اس لئے اس کی ترتیب روک دی گئی ہے۔ انشاء اللہ ان کے وصول ہوجانے کے بعد جلد از جلد انشائے داغ پریس میں پہنچے گی۔

جن حضرات کے حالات کی ضرورت ہوگی۔ دوبارہ یاددہانی کروں گا۔ سفر کی وجہ سے جو کام میری عدم موجودگی میں رک گیا ہے۔ اس کی تکمیل کر رہا ہوں۔

آپ کا

۲۷/ جنوری سنہ ۱۹۴۰ء   احسن مارہروی

مارہرہ ضلع ایٹہ۔ یوپی ۲۷/ جنوری سنہ ۱۹۴۰ء

(۲۵)

بنام ڈاکٹر زور

شفیق محترم تسلیم خلوص تعظیم

روح غالب[1] کے لئے نیاز نامہ بھیج کر میں گزشتہ ملا گیا تھا۔ ۸ روز ہوئے ارسال ملا ہوں۔ آکر روح غالب کی جلد پائی۔ اس توجہ و عنایت کا شکر گزار ہوں۔ ابھی بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا ہے۔ پیش لفظ[1] دیباچہ اور چند صفحے حیات غالب کے دیکھ لئے ہیں۔ آپ کا مختصر اور جامع دیباچہ ماقل و دل کا مصداق ہے۔ "صحبت کا اثر" اور "مالی پریشانی" کے متعلق بہترین رائے ظاہر فرمائی ہے۔ صفحہ ۲۲ سطر ۵ پر مرزا یوسف کے انتقال کا سنہ ۱۸۵۰ء[2] چھپ گیا ہے۔ غالباً اس میں کاتب نے غلطی کی ہے اس وقت ان کی وفات کا صحیح سن یاد نہیں مگر یقینی ہے کہ مرزا غالب کے زمانہ شباب میں انہوں نے انتقال کیا ہے۔ اگر میرا خیال غلط ہے تو تصحیح فرمائی جائے۔ "قید" کے تحت میں محسن بن شبیر صاحب بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی کی کتاب "یوسف ہندی قید فرنگ میں" کا حال پڑھ کر اس کے مطالعے کا اشتیاق ہے۔ امید ہے ادارۂ ادبیات اردو کو ہدایت فرمائی جائے کہ ایک نسخہ مجھے قیمت طلب پارسل کے ذریعہ بھیجا جائے۔ اس تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں اور پھر آخر میں شکریہ عرض کر کے رخصت ہوتا ہوں۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ والسلام

۱۹ فروری سنہ [illegible] — آپ کا مخلص

سید علی احسن۔ احسن مارہروی

مارہرہ ضلع ایٹہ (یوپی)

(۲۶)

بنام منشی محمد الدین فوق

برادرم جناب فوق۔ سلام مسنون الاسلام

آج الماری سے داغ میں آپ کے خطوط صاف کر رہا تھا کہ آپ کا آخری خط جو نہم نومبر سنہ ۱۹۰۱ء کے پیچھے فرواد سے نقل کر کے آپ نے بھیجا ہے نظر پڑ گیا۔ اس خط میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ وفات

---

[1] روح غالب کا پیش لفظ عماد الملک کے لائق ترین فرزند نواب ڈاکٹر مہدی یار جنگ مہدی حسین بلگرامی وزیر تعلیم و نائب صدر اعظم حیدرآباد نے لکھا تھا۔

[2] یہ دراصل ۱۸۵۷ء ہے۔ کاتب نے ۵ کے بجائے کو صفر لکھ دیا تھا۔

کی تاریخیں بھی اخباروں میں درج ہونا شروع ہو گئیں [1] اگر اس زمانہ کی ایسی کوئی تاریخ وفات آپ کو یاد ہو یا (اخبار) پنجۂ فولاد میں شائع ہوئی ہو تو اسکی نقل عنایت ہو۔ یہ بھی ایک تاریخی یادگار ہوگی۔ امید کہ توجہ کیجئے گا اور جواب اور اپنی خیریت مزاج سے مطلع فرمایئے۔

آپ کا مخلص

مارہرہ ضلع ایٹہ (یوپی) ۱۴ ؍ فروری ۱۹۱۲ء　　　　احسن مارہروی

---

[1] بات یہ تھی کہ مرزا داغ ان دنوں اکثر علیل رہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے انتقال کی جھوٹی خبر اخباروں میں شائع ہو گئی اور قطعات تاریخ وفات بھی چھپنے لگے۔ مرزا صاحب نے خود اس کی تردید میں فوق صاحب کو لکھا :-

"دشمنوں نے میری بد خبر اڑائی ہے اور حال یہ ہے کہ اب بفضل الٰہی
سے میں بخوبی صحیح و تندرست ہوں۔ بیماری جاتی رہی۔ میں باقی رہ گیا
دشمن داغ کا دل جلانا چاہتے ہیں۔ ان کو داغ دل نصیب ہو۔"
فصیح الملک داغ دہلوی۔ محبوب گنج۔ حیدر آباد۔ (دکن)

یہ خط یکم نومبر ۱۹۰۱ء کے اخبار پنجۂ فولاد میں مرزا داغ کے تذکرہ کے ساتھ شائع ہوا تھا۔

(محمد عبد اللہ قریشی)

صفی لکھنوی

(۱)

بنام محمد کبیر خاں رسا جالندھری

عزیزی زاد فضلکم!

دعائے طول حیات و ترقی درجات۔ بہت شرمندہ ہوں کہ پورے دو مہینے کے بعد آپ کے خط کا جواب لکھ رہا ہوں بلکہ اس میں بھی کچھ زائد زمانہ ہوا۔ کچھ مسلسل سفروں کی وجہ سے کچھ خرابی صحت سے مجبور رہا۔ مہینے سے زائد مدت کے لئے تو بالکل صاحب فراش ہی رہا۔ نشست و برخاست میں تکلیف ہوتی تھی۔ کمر کے درد نے ایسا عاجز کیا تھا کہ کروٹ بدلنا دشوار تھا۔ بحمد اللہ اب صحت ہے۔ آپ نے اپنے خط میں جذبات اور واری کی نسبت دریافت کیا تھا۔ واری کا لفظ روزمرّہ اہل لکھنؤ کے مطابق مذکر ہی ہے البتہ اہل دہلی نے بعض شعروں میں مؤنث باندھا ہے۔ ممکن ہے کہ پنجاب میں اس کا استعمال بالتانیث ہو۔ جذبات خواہ جَذَبات ایک نوزاد اُردو لفظ ہے عربی نما اور اردو میں احساسات کے معنوں میں بکثرت استعمال ہو رہا ہے اچھے اچھے لکھے پڑھے اس غلطی میں مبتلا ہیں۔ حالانکہ زبان عربی میں صرف جذب کے معنے کھینچنے کے ہیں۔ فارسیوں نے اس کے آخر میں ہائے مختفی کا اضافہ کر کے کشش کے معنوں میں استعمال کیا ہے جیسے جذبۂ دل۔ اردو میں جذبہ غصے کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ جذبہ اور جذبات عربی میں کشش یا احساسات دل کے معنوں میں کہیں نہیں آئے اور نہ فارسیوں نے کہیں جذبات یا جذبات ان معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اگر جذبات اردو میں FEELINGS کے معنوں میں وضع کر لیا گیا ہے تو ہمیں اس سے بحث نہیں کہ ایسا کیوں ہوا۔ لیکن پھر وہ اردو لفظ کی طرح استعمال ہونا چاہئے نہ کہ بطور عربی یا فارسی۔ عربی میں لفظ جذبہ اور جذبات آئے ہیں مگر دوسرے معنوں میں یعنی کشش کے معنوں میں نہیں ہیں ورنہ ہم یہ کہتے۔ جب یہ لفظ اردو ہے تو عطف و اضافت کے ساتھ اس کا استعمال قطعاً غلط ہے اس لئے جو شعر کہ آپ نے سند میں پیش کیا ہے وہ بھی غلط ہے۔ آپ یہ بول سکتے ہیں کہ کسی دل کے جذبات برانگیختہ ہو گئے مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کے جذبات دل برانگیختہ ہو گئے۔ کیونکہ پہلی صورت میں اردو ترکیب ہے اور دوسری میں فارسی ترکیب۔ اسی بنا پر میں نے لکھا تھا کہ جذبہ کی جمع جذبات ہے۔ آپ اپنے ان شعروں کو جن میں آپ نے جذبات باندھا ہے مجھے لکھ کر بھیج دیجئے تو میں سمجھ سکوں کہ میں نے انہیں

کبھی قصداً نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ نظر انداز ہو گئے ہوں۔ آج کل اکثر حضرات نے جو بالکل آزاد ہیں زبان اور طرزِ شاعری پر جو بیجا تصرفات شروع کئے ہیں اور اسے بگاڑ رہے ہیں۔

..... قطعاً فضول ہیں اور غزل کی لطافت سے انھیں کون مناسبت ہے۔ فقط!

خیر اندیش عشق علی عفی عنہ۔ لکھنؤ مولوی گنج ۲۸ فروری ۱۹۲۶ء

---

(۲)

بنام محمد کبیر خاں رسا جالندھری

عزیزی! زاد فضلکم

دعائے حیات و ترقی درجات۔

بحمدہ اچھا ہوں۔ نظر صاحب کو نقرس پہلے کی نسبت اب افاقہ ہے مگر ابھی اچھی طرح اٹھ بیٹھ نہیں سکتے بلکہ زیادہ دیر تک بیٹھے رہتے ہیں۔ بائیں گردے میں چمک ہونے لگی ہے علاج برابر ہو رہا ہے۔ میرے پھوپھی زاد بھائی جو مجھ سے بڑے تھے اور بمقام سیتا پور آنریری مجسٹریٹ و آنریری منصف تھے بیماری سے جانبر نہ ہو سکے۔ افسوس ہے کہ انھوں نے وفات پائی۔ آئندہ اتوار کو ان کا چہلم ہے۔ ایک مرتبہ بغرض تعزیت جا چکا ہوں، غالباً پھر جانا پڑے گا۔ خدا غریقِ رحمت کرے، بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔ تقریباً پچھتر چھہتر برس کا سن تھا مگر قویٰ بہت زبردست تھے۔ کشیدہ قامت استخوان بہت چوڑے، اڈیل ڈول نہایت حسین، طاقت قدرتی ایسی تھی کہ بھینسے کے دونوں سینگ پکڑ کے زمین پر پچھاڑ دیتے تھے بلکہ ایسے عام کے بے شمار کام کرتے رہے۔ کئی نامی نامی ڈاکوؤں کو جنھیں پولیس گرفتار نہیں کر سکتی تھی تن تنہا جا کر گرفتار کیا۔ سپاہگری کے فنون لکڑی بنوٹ خوب جانتے تھے۔ مشہور شہ زوروں میں تھے۔ سیتا پور کے ضلع میں زمینداری بھی تھی۔ حکام و رعایا سب ان سے خوش تھے باوجود اس قوت و ثروت کے نہایت منکسر المزاج، خندہ پیشانی، متحمل، سیر چشم، احباب پرور، مہمان نواز تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رہے نام اللہ کا۔

وصی صاحب سے آپ کا پیام کہہ دیا، سلام کہتے ہیں اور انشاء اللہ کچھ کلام بھیج دیں گے۔ سرور صاحب، مبارک علی خاں صاحب، حمید صاحب، حکیم صاحب، عاشق صاحب پہلوان، افتخار صاحب اور دیگر احباب کو بہت بہت پیارا سلام پہنچا دیجئے۔ بچے گھر میں ان سے میری طرف سے کہہ دیجئے بھانجوں کو دعا کہہ دیجئے۔ آپ کا اور سرور صاحب کا مصنف قطعہ اور آپ کی دونوں غزلیں بعد اصلاح اسی خط کے ساتھ ملفوف کرتا ہوں۔ سیتا پور چونکہ چلا گیا تھا اس لئے جواب لکھنے میں تاخیر ہوئی۔ آج کل یہاں آگ برس رہی ہے۔ دن بھر لو چلتی ہے حواس مختل رہتے ہیں۔ باقی حالات بدستور ہیں۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ جلد پہنچنے پر بذریعہ کارڈ فوراً اطلاع دیجئے تاکہ باعث اطمینان ہو۔

زیادہ دعا

محمد عشق علی عفی عنہ۔ مولوی گنج لکھنؤ ۸ رجون ۱۹۲۷ء

---

(۳)

بنام محمد کبیر خاں رسا جالندھری

عزیزی نازِ فضلکم!

دعا۔ غزل مشاعرہ و کبیر مقطعہ آج ہی روانہ کر چکا ہوں۔ اس کے بعد یہ خط پہنچا۔ خوں کے مقابلے میں خون واقعی زیادہ فصیح ہے اور اس مصرعے میں بھی اس مصرع میں رد و بدل کرنے والا تھا مگر شاید نظر انداز ہو گیا۔ اس لئے کہ دماغ آج کل ایک تو گرمی کی شدت سے ہر وقت بے کیف رہتا ہے اور حواس مختل۔ دوسری وجہ پریشانیٔ خاطر کی یہ ہے کہ میری چھوٹی بہو عرصہ سے تپ میں مبتلا ہے۔ ۱۰۶ ڈگری تک بعض اوقات بخار پہنچتا ہے اور قریب قریب ہر شام حالت بگڑ جاتی ہے اس لئے طبیعت یکسو نہیں رہتی۔ بیشتر دل متفکر رہتا ہے۔ بہرحال مجھے بے حد مسرت ہوئی کہ تمہارے ذہن میں یہ بات خود ہی آگئی اور تم نے مصرع بدل دیا (یعنی سب ہے خون کے چھینٹوں سے چادرِ مہتاب) پہلے مصرع کی جگہ اس کو رکھئے۔ یہ بہت ٹھیک ہے۔ وہ خفیف سا سقم احتیاطاً سے فن کا نکل گیا۔ غزل ماشاء اللہ بہت اچھی کہی ہے۔ مجھے بہت پسند آئی۔

سرور صاحب کے اس مصرع کو "گئے نیاز محمد بھی باغِ دنیا سے" دوبارہ میں نے عدد نکال کر نہیں دیکھا تھا ورنہ میں کبھی اس کو جائز نہ رکھتا۔ "گئے" کے ۳۰ عدد لئے جائیں گے۔ "گئے" میں دو "ے" ہیں۔ پہلی ہمزہ ہو گئی ہے مگر عدد اس کے بھی دس ہی شمار کئے جائیں گے۔ "آئی" کے جلال نے اگر گیارہ عدد لئے ہیں تو یہ ہرگز صحیح نہیں۔ اس لئے کہ "آئی" میں بھی دو "ے" شمار میں آنا چاہئے۔ پہلی "ے" بصورت ہمزہ ہے اس کے بھی دس عدد لینا چاہئے اور اس طرح آئی کے ۲۱ عدد ہوتے ہیں۔ کہلائے بروزن فعولن، اس کے بھی ۶۰ لینا چاہئے کیونکہ اس میں بھی دو "ے" ہیں۔ پہلی "ے" ہمزہ کی صورت میں ہے۔ اگر امیر مینائی صاحب نے اس لفظ کے ۶۶ عدد لئے ہیں تو مجھے ان کی رائے سے اتفاق نہیں البتہ کہلائے اگر بروزن فعول کہیں یا نظم میں آئے تو اس حالت میں آپ ۶۰ لے سکتے ہیں کیونکہ کتابت میں صرف ایک "ے" ہوگی اور اس کے دس شمار کئے جائیں گے۔ "گئے نیاز محمد بھی باغ دنیا سے" اس مصرع کے عدد ۱۳۵۵ ہوتے ہیں۔ ان سے کہئے کہ اس کا تخرجہ کریں ورنہ مصرع غلط ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے سنتے ہی گن کر کیوں نہ دیکھ لیا۔ آپ کی تاریخ صحیح ہے "گئے" کے ۳۰ ہی عدد ہونا چاہئے۔ سرور صاحب کا وہ قطعۂ تاریخ جو انہوں نے کراچی مرحوم کی وفات پر کہا ہے میں نے اس کا مصرع مادہ جوڑ کر دیکھا اور اشعار بھی دیکھے اور ضروری تصرف بعض مقامات پر کر دیا۔ جواب بواپسی ڈاک بھیجتا ہوں تاکہ مشاعرے کے قبل خط آپ کو پہنچ جائے۔ زیادہ دعا۔ جملہ احباب کو سلام۔ اپنے گھر میں دعا۔ رئیس صاحب سلام عرض کرتے ہیں۔

صفی عفی عنہ۔ مراری گنج لکھنؤ ۱۴ر جون ۱۹۴۸ء

---

(۴)

بنام محمد کبیر خاں رسا جالندھری

عزیزم سلمکم اللہ!

دعائے طول عمر مع ترقی درجات۔ مدت مدید کے بعد خط آیا باعثِ اطمینانِ خاطر ہوا۔ حق سبحانہ تعالیٰ تمہیں پہنچے

حفظ و امان میں رکھے اور مقدمات میں کامیاب کرے اور صحت و عافیت نصیب ہو۔ میں بھی دو سال تک عجیب افکار و آلام میں رہا۔ کئی مرتبہ خیال آیا مگر خط بھیجنے کی نوبت نہ آ سکی۔ امسال ایک جلسہ ملتان میں تھا اور دعوتی خط بھی بہت اصرار کے ساتھ آیا تھا مگر مجبوریوں کی وجہ سے نہ جا سکا۔ اب سفر میں زحمت بھی محسوس ہوتی ہے اس سے طبیعت بہت ہچکچاتی ہے کانفرنس کا جلسہ غالباً ایسٹر کی تعطیل میں بمقام منٹگمری ہوگا۔ بوجہ پیرانہ سالی و خرابیٔ صحت قصد شرکت نہیں ہے۔ لیکن اگر ایسا ہی مجبور کیا گیا اور جانا پڑا تو ضرور تم کو اطلاع دوں گا۔

تنظیم الحیات کی ابھی بہت سی جلدیں پڑی ہوئی ہیں یہ نکل جائیں تو اور کلام جمع کراؤں۔ میں کچھ ایسا عدیم الفرصت رہا کہ ان جلدوں کے نکلنے کی اب تک کوئی مستقل فکر نہیں کی۔ ٹھکا ٹھکی نکلتی رہتی ہیں۔ آپ کو اختیار ہے جس جس رسالے میں مناسب سمجھئے ریویو کرا دیجئے۔ وصی سلمہٗ اچھے ہیں۔ آج کل روزوں کی وجہ سے اور بھی کمزور ہو رہے ہیں۔ آپ کو سلام کہا ہے اور ان کے بیٹے نے تسلیم عرض کی ہے۔ گھر میں اب بفضلہ سب بصحت و عافیت ہیں۔ گذشتہ سال البتہ پورا سال طبیبوں کے عملوں میں گذرا۔ متواتر کئی ہر شخص پر پڑتے رہے۔ زبردستی سے نجات ملی ہے۔ اپنے گھر میں میری دعا پہنچا دو۔ غزل میں نے دیکھی ماشاء اللہ بہت خوب کہی ہے۔ صرف دو ایک مقامات پر خفیف سا تصرف کرنا پڑا سب شعر اچھے ہیں۔ احباب کو میری طرف سے بہت بہت سلام کہنا خصوصاً مسرور صاحب کو۔ تمہارے دیکھنے کو دل بہت چاہتا ہے مگر ضعف و ناتوانی زنجیر پا ہے۔ اگر کانفرنس میں شرکت ہوئی تو انشاء اللہ ضرور ملیں گا۔ زیادہ دعا۔

صفی عفی عنہ۔ ۱۰ر فروری ۱۹۳۱ء

---

(۵)

بنام محمد کبیر خاں رسا جالندھری

عزیزی سلمکم اللہ!

دعا۔ میں آج خط لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ تمہارا دوسرا خط مجھے ملا۔ آخر الذکر مصرع جو دوسری بحر میں تم نے کہا ہے وہی بہتر ہے۔ ماسبق مصارع سقم سے خالی نہیں حسب فرمائش اسی پر تین مصرعے لگا دیے گئے۔ مصرع تاریخ میں تمام کے تخلص کا عدد میں شامل ہونا پسندیدہ نہیں۔ علاوہ بریں مرحوم کے نام کا اشعار بھی بے تکلفانہ نہیں۔ لہٰذا پہلا قطعہ قلمزد کر دیا گیا۔ الف ممدودہ کے بعض تاریخ گویوں نے دو عدد لئے ہیں لیکن بالعموم ایک ہی لیا جاتا ہے اگر بضرورت کبھی الف ممدودہ کے دو عدد لینے کا اتفاق پڑے تو اس حالت میں رسم الخط بدل دینا چاہیے مثلاً آ کے اگر آپ ۲ لینا چاہیں تو یوں لکھئے "اا"۔ قدیم رسم الخط الف ممدودہ کا یہی تھا لیکن اگر الف پر آپ مد لکھیں تو پھر اس کے ۲ شمار کرنا چاہیے نہ کہ ۱۔ بہرکیف بلحاظ رسم الخط مانع الوقت دوسرے مصرع تاریخ میں ایک گھٹتا ہے اور تیسرے مصرع تاریخ میں ایک بڑھتا ہے۔ اس لئے یہ دونوں مصرعے بھی قلمزد کر دیے گئے اور چوتھا مصرع جو دوسری بحر میں آپ نے نظم کیا ہے ادنیٰ تغیر کے ساتھ رکھ لیا گیا اور اسی پر تین مصرعے لگا کر قطعہ کر دیا گیا۔ بس یہ کافی ہے۔ اس میں مرحوم اور ان کے بچے دونوں کی وفات کا کنایہ ذکر ہے نعت میں جو نظم آپ نے کہی ہے اسے اصلاح دے کر اس کے ہمراہ روانہ کرتا ہوں۔ فن تاریخ میں ایک رسالہ جالا ابر رحم نے

لکھا ہے اس وقت نام میرے ذہن میں نہیں۔ انشاء اللہ دریافت کر کے لکھ بھیجوں گا۔ تنظیم الہیات پر تنقید لکھنے کے متعلق آپ نے کئی خطوں میں لکھا ہے۔ مجھے یاد ہے لیکن آخر اکتوبر سے اب تک میں شدید درد سر کے دورے میں مبتلا رہا۔ اس لئے اس کے متعلق بالکل کوئی انتظام نہ کر سکا۔ اسی ناسازی مزاج کی وجہ سے آپ کے پہلے خط کا جواب بھی اب تک نہ لکھ سکا اور نہ آپ کے دوست ذاکر صاحب مدیر "فانوس" کو کوئی خط لکھ سکا۔ لکھنے پڑھنے میں سخت تکلیف ہوتی ہے۔ ان سے میرا سلام کہئے اور خط نہ بھیجنے کی وجہ بیان کر دیجئے۔ پرانی نظمیں وقتاً فوقتاً چھپ چکی ہیں۔ انھیں کیا بھیجوں۔ جدید نظموں کی فکر مدت سے چھوڑ دی اس لئے کہ دماغی کام کرنے سے درد سر بڑھ جاتا ہے۔ میں تو شاعری ہی کو خیر باد کہہ چکا ہوں۔ اگر کبھی کوئی جدید نظم یا غزل کہوں گا تو آپ کے رسالے میں بھی بھیج دوں گا۔

سرور صاحب اور دیگر احباب کو میرا سلام پہنچا دیجئے اور اپنے گھر میں دعا کہہ دیجئے۔ آپ کی سالی کا واقعہ دریافت ہو کر بہت قلق ہوا۔ خداوند کریم آپ حضرات کو صبر عطا فرمائے۔ مشیت الٰہی میں کیا چارہ ہے۔ آپ نے اپنے خط سابق میں لفظ "جذبات" کے متعلق لکھا ہے۔ اس لفظ کے متعلق میری وہی رائے اب بھی ہے جو پیشتر لکھ چکا ہوں۔ جذبات اور پرستان یہ دونوں ایسے لفظ ہیں جو اب تک زیر تحقیق ہیں۔ اول الذکر عربی نما ہے اور مؤخر الذکر فارسی نما۔ لیکن عربی اور فارسی نظموں میں کسی اہل زبان نے استعمال نہیں کیا ہے۔ جذب بمعنی کشش البتہ عربی لغت میں ہے۔ فارسیوں نے ہائے مختفی بڑھا کر جذبہ بنا لیا ہے۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے۔ اُردو میں جذبات کا لفظ بمعنی FEELINGS جو عطف و اضافت کے ساتھ اپنی تحریروں میں سرسید مرحوم، علامہ شبلی مرحوم اور دیگر مشاہیر نے استعمال کیا ہے۔ اس کی سند کسی عربی یا فارسی شعر میں نہیں ملی۔ خود تحقیق کئے بغیر محض انھی معاصرین کے اعتبار پر اپنی ابتدائی نظموں میں دو ایک مقامات پر میں نے اس لفظ کو نظم کیا تھا اور میرے ہی تتبع میں عزیز نے بھی اپنی نظموں میں استعمال کرنا شروع کر دیا مگر حسن اتفاق جب بذریعہ تحقیق واضح ہو گیا کہ کسی عرب یا عجم کے کلام منظوم میں جذبات کا لفظ بمعنی FEELINGS مستعمل نہیں تو میں نے اسے ترک کر دیا اور اسی بنا پر آپ کو بھی منع کر دیا۔ نوادر جامی کے خاتمہ یا دوم میں ایک مقام پر یہ لفظ نثر میں صرف ہوا ہے۔ عبارت یہ ہے "اما چوں آثار جذبات لطف در وے ظہور کند۔۔۔۔ الخ" لیکن مجرد ایک شخص کا نثر میں اس لفظ کو استعمال کر دینا اطمینان کے لئے کافی نہیں ہے گو کہ ملا جامی استاد فن اور بڑے مرتبے کے آدمی ہیں اور ممکن ہے کہ مذکورالصدر اشخاص نے انھی کی تاسی میں اس لفظ کا استعمال نثر اردو میں شروع کر دیا ہو مگر تاوقتیکہ کسی اور اہل زبان کے کلام میں اس کا ثبوت بہم نہ پہنچے، احتیاط اسی کی مقتضی ہے کہ حتی الوسع اس کے صرف سے احتراز کیا جائے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ "جذبات" اور "پرستان" کا اردو کی حیثیت سے استعمال کرنا بالکل جائز ہے۔ لیکن عطف و اضافت کے ساتھ استعمال ان دونوں لفظوں کا اگرچہ حرام مطلق تو نہیں مگر مکروہ ضرور ہے اور میں اسی مسلک پر کاربند ہوں۔ میرا جو مصرع اس لفظ کے جواز میں استدلالاً پیش کیا گیا ہے وہ ۱۸۹۰ء اور ۱۹۰۰ء کے درمیان کا کلام ہے یعنی تقریباً چالیس برس پیشتر کا کلام۔

وصی سلمہٗ نے بہت بہت سلام عرض کیا ہے اور ان کا بچہ تسلیم عرض کر رہا ہے۔ زیادہ دعا۔

محررہ صفی عفی عنہ ۸/ نومبر ۱۹۲۱ء

(۶)

بنام دلؔ شاہجہان پوری

مکرمی زاد لطفکم !

سلام نیاز۔ جناب کا دیوان موسوم بہ "نغمۂ دل" موصول ہو کر باعث شکر گزاری و مسّرت پذیرئ نیاز مند ہوا۔ چاہتا ہوں کہ بالاستیعاب اسے دیکھ کر اپنی مختصر رائے پیش کر دوں مگر بوجہ ناسازئ مزاج و ہجوم افکار اب تک اس کی نوبت نہیں آئی۔ باوقات مختلف جستہ جستہ جو کچھ دیکھا ہے اور اس سے جس قدر لطف حاصل ہوا ہے اس کا اندازہ اس ایک شعر سے ہو سکتا ہے ؎

از نغمۂ دلؔ صفیؔ ندانم شد چہ کیف

ہر دل ربودہ ہر انچہ از دل جستہ بود

میں تو ہمیشہ سے آپ کے کلام کا دلدادہ ہوں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دیوان سلیم المذاق کا بہترین نمونہ ہے۔ شعرائے صف اول میں آپ کو ایک امتیازی درجہ حاصل ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ محترمی رئیس التحریر حضرت نیاز فتحپوری نے مقدمۂ دیوان میں جو کچھ لکھا ہے مجھے اس سے حرف بحرف اتفاق ہے اور اس کے علاوہ اب کسی تحریر کو تحصیل حاصل سمجھتا ہوں۔

کہ خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے منست

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

خاکسار صفیؔ عفی عنہ۔ مولوی گنج لکھنؤ ۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۳۲ء

(۷)

بنام دلؔ شاہجہان پوری

مکرمی و محترمی زاد لطفکم !

تسلیم۔ ابھی ابھی کارڈ مورخہ ۹ فروری شب موصول ہوا۔ عزیزی ظریف صاحب سلمہٗ آجکل محمود آباد میں ہیں۔ راجہ صاحب دہلی سے واپس آ کر وہیں چلے گئے اس لئے وہ بھی انہی کے ہمرکاب محمود آباد گئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ شیخ حبیب اللہ صاحب نے راجہ صاحب سے اجازت کے متعلق تحریک کی یا نہیں۔ اگر عزیز موصوف یہاں ہوتے تو میں دریافت کر دیتا۔

اب رہا میرے متعلق تو آپ کو غالباً خوب یاد ہوگا کہ صاف الفاظ میں میں نے عرض کر دیا تھا کہ اگر ایسی سردی رہی تو میں شرکت سے معذور رہوں گا۔ چونکہ وعدہ مشروط تھا اور جو شرط مانع سفر تھی وہ تاریخ معینہ تک فوت نہیں ہو سکتی اس لحاظ سے کہ جب آپ یہاں تشریف لائے تھے اس کے مقابل اب سردی چہار چند ہو گئی ہے۔ ایسی حالت میں میں تعمیل ارشاد سے بالکل قاصر ہوں۔ اگر حاضر ہو سکتا تو طرحی یا غیر طرحی کوئی کلام عرض کر دیتا۔ اسی بنا پر کل دعوت ناموں کے جواب میں معذرت نامے بھیج چکا ہوں۔ آپ ہی کی طرح ہر کرم فرما کا اصرار بلیغ شرکت کے متعلق ہے مگر میں حالات موجودہ کہیں نہیں جا سکتا۔

جناب کو اپنے جلسے کا خیال ہے مجھے اپنی صحت کا جس کی ذمہ داری خود مجھ پر ہے لہٰذا مجھے افسوس ہے کہ مشاعروں پر اپنی صحت کو قربان نہیں کر سکتا۔ زیادہ نیاز !

خاکسار صفیؔ عفی عنہ ۔ ۱۵ فروری ۱۹۳۵ء

(۸)

بنام دلؔ شاہجہانپوری

مکرمی زاد لطفکم!

تسلیم۔ کمال درجہ شکر گذار ہوں کہ جناب نے عذرِ مرض کو بہ رضا قبول فرما کر حاضری سے مستثنیٰ فرما دیا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ اب زیادہ سردی یا زیادہ گرمی میں میری حالت اس قابل نہیں رہتی کہ سفر کر سکوں۔ ورنہ اس سے بہتر کیا تھا کہ حاضر ہو کر آپ حضرات سے مل کر مسرت اندوز ہوتا۔ اسی تاریخ اور اسی وقت آگرے میں بھی ایک مشاعرہ ہے اور وہاں کے احباب نے بھی بے حد اصرار فرمایا تھا مگر میں نے لکھ دیا تھا کہ اگر سفر کے قابل ہوتا تو میں شاہجہان پور کے مشاعرہ میں شرکت کرتا۔ آگرے میں چونکہ اسی روز اسی وقت مشاعرہ منعقد ہوگا لہٰذا ایسی صورت میں شرکت کا کوئی موقع ہی نہیں۔ اب رہا ظریف صاحب کا معاملہ ان کے متعلق میں مکرر عرض کر چکا ہوں کہ بغیر اجازت راجہ صاحب ان کی شرکت کہیں ممکن نہیں اور ان کے بارے میں راجہ صاحب ہی کی خدمت میں تحریک پہنچنا چاہئے۔ ابھی تک راجہ صاحب نے آپ کے مشاعرے یا آگرے کے مشاعرے کے متعلق ظریف صاحب سے کچھ نہیں فرمایا ہے۔ صرف ایک مشاعرے کے متعلق حکم دیا ہے جو اسلامیہ سکول لکھنؤ میں بتاریخ ۲۲؍ فروری ۱۹۲۵ء ہونے والا ہے اور بس۔ اگر آپ کے مشاعرے یا آگرے کے مشاعرے کے لئے کوئی تحریر حشمت اللہ کی خدمت میں پہنچی تو غالباً اس کا بھی ذکر وہ ضرور فرماتے۔ اطلاعاً گذارش ہے۔ امید کہ مزاج گرامی مع الخیر ہوگا۔ صاحب زادے کو بہت بہت دعا و نیاز

نیاز کیش خیر اندیش: عشقی عفی عنہ۔ مولوی گنج لکھنؤ ۱۲؍ فروری ۱۹۲۵ء

(۹)

بنام جناب طاہر فاروقی صاحب، اسلامیہ کالج پشاور

مکرمی زاد لطفکم

تسلیم۔ کل شب کو عنایت نامہ ملا۔ لطف آمیز اصرار باعث اضافۂ شرمندگی ہوا۔ خط سابق میں تاریخ انعقاد مشاعرہ شاہجہان پور زیر اہتمام جناب دلؔ صاحب غالباً میں غلط تحریر کر گیا ہوں۔ وہاں بھی اسی تاریخ کو مشاعرہ ہے جس روز آپ کے یہاں یعنی ۱۹ ویں [illegible] کے شب کو اور اس طرح جب بیک وقت یہ دونوں مشاعرے ہیں۔ دونوں میں شرکت محال اور اگر ایک میں شرکت کی جائے تو دوسرے کے لئے باعث ملال۔ اس لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ بازی قائم رکھی جائے یعنی کہیں بھی شرکت نہ ہو۔

جناب ضمیر حسن خاں صاحب دلؔ اپنے مشاعرے کے لئے گذشتہ سال سے اصرار فرما رہے ہیں۔ جناب موصوف "انجمن بہار ادب لکھنؤ" کے (جو میرے مرحوم شاگرد بہار کی یادگار میں انہی کے نام سے منسوب و معنون ہے اور جس کا صدر میں خود ہوں) ایک ممتاز رکن ہیں نیز میرے ہم فن اور قدیم کرم فرما۔ امسال وہ انجمن مذکور کے اکثر مشاعروں میں اسی وجہ سے شرکت فرماتے رہے کہ اپنے مشاعرے کی شرکت کے لئے اراکین انجمن کو آمادہ کرتے رہیں۔ ان کے مسلسل اور متواتر اصرار

سے مجبور ہو کر میں نے ان سے یہ مشروط وعدہ کر لیا تھا کہ اگر میرا مزاج اچھا رہا اور اشتداد موسم مانع و مزاحم نہ ہوا تو میں حاضر ہوں گا۔ اسی بنا پر ان کے چند عنایت نامے بہ تحریک ایفائے وعدہ دہلی سے اب تک آ چکے ہیں اور میں برابر عذر انسداد بند حاضری پیش کرتا رہا ہوں۔ پس ایسی صورت میں کہ ان کے وعدے کو تقدیم زمانی بھی حاصل ہے میں اسے نظر انداز کر کے آگرے کے مشاعرے میں اگر شرکت کروں تو یہ الفعل غالب مستحسن قرار پا سکتا ہے۔ اگر دونوں مشاعرے متحد الوقت نہ ہوتے تو البتہ یہ امر ممکن تھا کہ اپنی صحت کو معرض ہلاکت میں ڈال کر جس طرح بنتا دونوں جگہ شریک ہو جاتا۔ بہ نسبت آگرے کے شاہجہان پور لکھنؤ سے نزدیک بھی ہے لہٰذا وہاں کے مشاعرے کو چھوڑ کر آگرے کے مشاعرے میں شریک ہونا بے حد قابلِ اعتراض ہوگا اور اس شکایت کا کوئی جواب میرے پاس نہیں۔

اب رہا ظریف صاحب کا معاملہ تو وہ بچارے بندگی و بیچارگی کے عالم میں ہیں۔ راجہ صاحب محمود آباد کے ساتھ ساتھ ان کا قیام رہتا ہے۔ کبھی لکھنؤ میں ہیں کبھی محمود آباد میں، ان کی شرکت و عدم شرکت راجہ صاحب ہی کی اجازت پر منحصر ہے۔

انہی باتوں پر نظر کر کے میں نے عریضۂ سابق میں لکھا تھا کہ کسی صاحب کا محض ہم لوگوں کو لے جانے کے لیے زحمت فرمانا بے سود ہوگا۔ اپنے متعلق جو مجبوریاں ہیں وہ بھی عرض کر چکا۔ اب رہا تقریب بہر ملاقات تو اگر زندگی باقی ہے تو ان شاء اللہ اس طرف جب کبھی حاضر ہونے کا اتفاق ہوگا ضرور دردولت پر حاضر ہو کر شرف دیدار حاصل کروں گا۔ امید ہے کہ مزاج عالی مع جملہ متعلقین بخیر ہوگا۔ زیادہ نیاز۔

نیاز کیش خیر اندیش: صفی عفی عنہ ۔ فروری ۱۹۳۵ء

(۱۰)

بنام طاہر فاروقی صاحب، اسلامیہ کالج پشاور

مکرمی و محترمی دامت معالیکم!

تسلیم بالتعظیم و التکریم ۔ عید مبارک۔ بحد متعجب ہوں کہ دعوت نامہ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۴ء کا جواب اب تک نہ بھیج سکا۔ واقعتاً مجھے اپنی محرومی قسمت پر خود افسوس ہے کہ جناب محترمی محمد مرتضیٰ صاحب صدیقی انکم ٹیکس افسر آگرہ کے ذریعے سے اس کے پیشتر چند بار میں یاد فرمایا گیا اور اب جناب خود یاد فرما رہے ہیں۔ مگر حاضری سے برابر قاصر ہوں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ۷۰ سال کی عمر تک خاکسار حتی الامکان احباب کے احکام کی بلا عذر تعمیل کرتا رہا اور جو زحمتیں پڑتی رہیں انہیں برداشت کرتا رہا۔ لیکن اب چند سال سے انحطاط قویٰ اور عوارض پیری نے ایسا کمزور کر دیا ہے کہ ان مقامات پر بھی نہیں جا سکتا جہاں التزاماً شریک ہوتا رہتا تھا۔ مثلاً سالانہ مشاعرہ بورڈنگ ہاؤس یونیورسٹی الٰہ آباد یا سالانہ محفل قصیدہ خوانی موتی مسجد فیض آباد، یا سالانہ اجلاس ہائے شیعہ کانفرنس وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تک کہ خود لکھنؤ کی انجمن بہار ادب کے مشاعروں میں شاذ و نادر شرکت کا اتفاق ہوتا ہے۔ حالانکہ انجمن مذکور کا میں خود صدر ہوں اور وہ میرے مرحوم شاگرد "بہار" کے نام سے معنون ہے۔ اس علالت گزری کے بعد اب جتنے دعوت نامے مختلف مقامات سے آتے ہیں مجبوراً جواب میں معذرت نامے بھیجنا پڑتے ہیں اور اپنی مجبوریوں کا

احساس کر کے بے حد شرمندہ ہوتا ہوں۔ کیا کروں ایک تو خلقتہً کمزور ہوں اس پر طرہ یہ کہ کئی برس سے خونی بواسیر کا مریض بھی بنا ہوں جس کے دورے سال میں دو تین بار ضرور ہوتے رہتے ہیں اور اس زمانے میں نقاہت اس درجہ بڑھ جاتی ہے کہ گھنٹے آدھ گھنٹے بھی مسلسل بیٹھ نہیں سکتا۔ زیادہ تر بستر پر پڑا رہتا ہوں۔ سیر و سفر کی مجھے یوں بھی عادت نہیں تھی۔ زمانۂ صحت میں جب کبھی ضرورتاً باہر جانے کا اتفاق ہوتا تھا تو بڑے بھیجتے میرے چھوٹے بھائی ظریف مرحوم ہمیشہ میرے ساتھ چل کر میری راحت رسانی کا ہر وقت خیال رکھتے تھے اور جہاں میں خود نہیں جا سکتا تھا اپنی طرف سے انہی کو بھیج دیتا تھا۔ لیکن افسوس صد افسوس اس ضعیفی کے عالم میں انہوں نے مجھے تنہا چھوڑ دیا۔ اب کہاں جاؤں ؎

افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

میری موجودہ حالت اب کسی طرح اس قابل نہیں کہ سردی کے زمانے میں سفر کروں یا مشاعرے میں رات بھر بیٹھوں۔ میرے لئے ایسی جسارت خودکشی کے مترادف ہوگی لہٰذا امید ہے کہ جناب والا میری معذوریوں پر نظر کرم فرما کر مجھے معاف فرمائیں گے۔ فقط زیادہ نیاز۔

خاکسار: جستی عفی عنہ، مولوی گنج لکھنؤ - ۲۴ نومبر ۱۹۳۸ء

---

(۱۱)

بنام رسا جالندھری

عزیزی سلّمکم اللہ۔

دعا۔ خط مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۴۲ء مجھے مل گیا۔ جواب بھیجنے میں البتہ تاخیر ہو گئی جس کا مجھے افسوس ہے۔ تاخیر کا سبب یہ ہوا کہ ۲۷ مارچ سے ۱۳ اپریل تک تمہارے بھتیجے کا سالانہ امتحان تھا اور امتحان بھی ایف۔ اے کا فائنل۔ اس لئے مجھے بالکل فرصت نہ ملی۔ چونکہ اردو اور عربی دو مضمون کی کتابیں وہ مجھ سے پڑھتے رہے ہیں لہٰذا اس زمانے میں بیشتر وقت ان کے تیار کرانے میں صرف ہوا۔ پھر لکھنؤ میں آل پارٹیز کانفرنس ۴ اپریل سے شروع ہو گئی۔ دو روز تک اس میں شریک ہونا پڑا۔ حالانکہ دہلی کی کانفرنس کے بعد سے میں نے کانفرنسوں اور جلسوں مشاعروں میں شرکت قطعاً ترک کر دی ہے۔ پیرانہ سالی، صحت کی خرابی اور سب سے بڑھ کر مصائب و آلام نے بالکل دل افسردہ کر دیا ہے۔ پیوستہ سال بھائی کا داغ اٹھایا، پار سال رفیقۂ حیات کی رحلت کا صدمہ اور امسال تو وہ روح فرسا جانگزا غم نصیب ہوا جس نے بالکل زندہ درگور کر دیا یعنی جوان سلیقہ مند بیٹی جس کے دم سے گھر کا سب انتظام درست تھا، دفعتہً آٹھ روز تپ میں مبتلا ہو کر رحلت کر گئی۔ بہرحال جو خدا کی مرضی۔ اس کی مشیت میں چارہ ہی کیا ہے۔ امسال آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا اجلاس بمقام دوکوہہ متصل جالندھر ہوگا مگر میں شریک نہ ہو سکوں گا۔ بالکل خانہ نشین ہو گیا ہوں۔ سفر وغیرہ کے قابل نہیں رہا۔ بہت کمزور ہو گیا ہوں اور سب کلام مثلاً قصائد، اشعار، رنجیں، نظمیں، قطعات، مکتوبات منظوم وغیرہ مرتب ہو گئے ہیں۔ اب غزلیات اور رباعیات خیام کا ترجمہ منظوم، ان دو چیزوں کی ترتیب باقی ہے اور ظریف مرحوم کے کلام کی ترتیب۔ انہی چیزوں کی ترتیب میں وقت کاٹتا ہوں۔ رباعیات خیام کے متعدد مجموعے مطبوعہ ہندوستان و طہران جمع کر کے ان سے ایک مکمل مجموعہ تیار کیا ہے اور تمام رباعیوں کا

ترجمہ بھی زیادہ تر رباعی اور کم تر قطعے کے دو شعروں میں کر ڈالا ہے اور ترجمے میں اس کا خیال رکھا گیا ہے کہ اصل مضمون سے حتی الوسع علیحدہ نہ ہونے پائے اور اسی کے ساتھ بامحاورہ اردو بھی ہو۔ ہر رباعی کے متعلق ایک مفصل نوٹ بھی لکھتا جاتا ہوں۔ مطبوعہ مجموعے جہاں تک میری نظر سے گذرے سب جو مختلف اور زیادہ تر غلط ہیں۔

سرور صاحب کو میرا سلام کہئے۔ وصی میاں نے آپ کو سلام کہا ہے اور ان کے بچے نے تسلیم عرض کی ہے امید ہے کہ تمہارا مزاج مع الخیر ہوگا۔ خیر و عافیت سے گاہے ماہے مطلع کرتے رہا کرو۔ زیادہ دعا۔ المرقوم ۲۰ اپریل ۱۹۴۱ء

صفی عفی عنہ

مکرر یہ کہ ۱۲ اپریل سے شہر بھر میں ہوائی کا دور تھا اس لئے خط روانہ نہ ہو سکا۔ اب کسی قدر سکون ہے۔

المرقوم ۲۶ اپریل ۱۹۴۱ء

حررہ صفی عفی عنہ

منشی دیا نرائن نگم

منشی دیا نرائن نگم ایڈیٹر رسالہ زمانہ (کانپور) کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ انہوں نے زمانہ کے ذریعے سے سلامت روی کے ساتھ مدت العمر اردو کی جو خدمت انجام دی وہ تشریح سے بے نیاز۔ متعدد اہلِ قلم صرف زمانہ ہی کے ذریعے سے روشناس عوام ہوئے ان میں سب سے بڑھ کر قابلِ ذکر منشی پریم چند ہیں۔ ذیل میں موصوف کے چند خطوط آپ کے نام ہیں۔

بنام احسن مارہروی

(۱)

عنایت فرمائے من تسلیم۔ نوازش نامہ باعثِ مشکوری ہوا۔ تصویر کی نسبت معترضین کا اعتراض ہے کہ اس کا ایک گراؤنڈ قلعہ معلی ہے جو اس وقت موجود نہ تھا اور خاندان کے آخری دور کی عمارتوں میں ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ تصویر اکبر اعظم کی نہیں بلکہ اکبر ثانی کی ہے۔ مروجہ تصویروں سے اس کی شباہت بھی مختلف ہے۔ اس میں چہرہ کسی قدر لمبا ہے۔ عام تصویروں میں بالکل گول ہے۔ چہرے سے بڑھاپے کے آثار نمودار ہیں۔ اکبر بڑھاپے میں سلطان عالم پناہ سے بہائی ہو گئے تھے اور ڈاڑھی کا بالکل صفایا کر دیا تھا۔ ذاتی طور پر مجھے آپ کے خیال سے اتفاق ہے مگر یہ باتیں بھی قابلِ لحاظ ہیں۔ میں ایک ٹون کا گروپ چھپوانا چاہتا ہوں۔ آپ کے پاس ہو یا کہیں سے دستیاب ہو سکے تو مرحمت فرمائیں۔ بلاک بننے کے بعد میں احتیاط کے ساتھ اصل تصویر کی واپسی کا ذمہ دار ہوں۔ مجھے یہ سن کر نہایت خوشی ہوئی کہ امسال انجمن ترقی اردو کے آپ سکرٹری منتخب ہوئے۔ میں اس انتخاب پر آپ کو تہِ دل سے مبارک باد دیتا ہوں۔ انجمن ترقی اردو نے اب تک کوئی کارِ نمایاں نہیں کیا ہے۔ خدا کرے آپ کے زمانے میں یہ ایک مردہ انجمن کی حالت میں نہ رہے۔ زمانے میں بھی جنرل اور نوٹس کا ایک مفید سلسلہ شائع ہوتا رہا ہے۔ اور اب بھی بالکل بند نہیں ہو گیا ہے۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ اس سلسلے کا ایک حصہ انجمن ترقی اردو کے لئے وقف رہے جس میں آپ اس انجمن کے سکرٹری کی حیثیت سے لکھتے رہیں۔ اس طرح سے زمانہ انجمن اردو کا ایک باقاعدہ ارگن ہو جائے گا۔ جس کی خریداری ممبرانِ انجمن کے لئے ضروری ہونی چاہیئے۔ مع اس حصے کی علاحدہ کاپیاں بھی شائع ہو سکتی ہیں۔ انجمن کا ایک باقاعدہ رسالہ جس میں اس کے متعلق کل ضروری امور و کارروائی سے پبلک کو اطلاع ملتی رہے ہونا ضروری ہے۔ میں زمانے

کے لئے خواہ مخواہ اصرار نہیں کرتا ہوں - مگر یہ ضرور چاہتا ہوں کہ انجمن موصوف ایک کارگزار انجمن ہو جائے - مضامین خاص کے لئے بیشتر سے تکلیف دے رہا ہوں - راجہ کندن لال اشکی کی سوانح عمری جنوری کے پرچے میں جو اول حصہ فروری میں شائع ہوگا ہدیۂ ناظرین ہوگی - اب مارچ یا اپریل کے رسالے کے لئے کوئی چوٹی کا مضمون عنایت فرمائیے
زیادہ نیاز

۲۶ جنوری سنہ ۱۹۰۶ء

بندہ دیانرائن نگم - کانپور

(۲)

مکرمی تسلیم - عنایت نامہ صادر ہوا - جواباً عرض ہے کہ میں ایسا مذہبی شخص نہیں ہوں جو یہ بتا سکوں کہ فلاں ترجمہ صحیح ہے اور فلاں غلط - وید مقدس، راماین اور مہابھارت وغیرہ کتابوں کے ترجموں کے لئے مندرجہ ذیل پتوں پر خط و کتابت کیجئے - امید ہے کہ آپ کو عمدہ ترجمے دستیاب ہو سکیں گے ۔

۱ - مطبع منشی نول کشور صاحب مرحوم - لکھنؤ
۲ - پانینی آفس - الہ آباد
۳ - تھیوسوفیکل سوسائٹی - اڈیار - مدراس -
۴ - راجپوت گزٹ - لاہور

۱۸ جولائی سنہ ۱۹۲۸ء

نیازمند دیانرائن نگم - ایڈیٹر

(۳)

بنام تمکین کاظمی

مکرمی تسلیم - اکثر رسائل میں آپ کے مفید و دلکش مضامین نظر سے گزرتے ہیں لیکن "زمانہ" جو بلحاظ قدامت آپ کی قلمی اعانت کا زیادہ مستحق ہے آپ کے رشحات فکریہ سے محروم ہے - لہٰذا بذریعہ عریضہ ہذا آپ کی توجہ اس طرف منعطف کراتے ہوئے امیدوار ہوں کہ کوئی علمی مضمون یا دلکش افسانہ مرحمت فرما کر ممنون کیجئے۔

دوسرا عریضہ سعیدی صاحب کے نام ہے - مجھے ان کا پتہ معلوم نہیں لہٰذا براہ کرم ان کی خدمت میں بھیج دیجئے نیز مجھے ان کے پتے سے اطلاع دیجئے عنایت ہوگی۔

امید ہے کہ آپ جواب سے جلد مطلع فرمائیں گے والتسلیم ۔

۱۲ ستمبر سنہ ۱۹۲۸ء

نیازمند دیانرائن نگم - ایڈیٹر

(۴)

بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد

DAYA NARAIN NIGAM, CAWNPORE.

مکرمی تسلیم - نوازش نامہ ملا - ملا صاحب کے نظم "دوشیزہ کا راز" پر آپ نے جو تبصرہ لکھا ہے اس کی

اشاعت کا موقع رسالہ زمانہ میں تو نہیں نکل سکتا ہے۔ البتہ اگر آپ فرمائیں تو میں اسے اپنے اخبار آزاد میں شائع کردوں یا اگر آپ چاہیں تو اسے کسی اور رسالہ میں شائع کرا دیں۔ ملا صاحب کی نظموں کا میں بھی تہ دل سے قدردان ہوں۔ اور اسی لئے جہاں تک ممکن ہوتا ہے میں ان کی نظموں کو رسالہ زمانہ کے لئے حاصل کر لیتا ہوں۔ ان کی تنقید کسی اور رسالہ میں شائع ہو تو بہتر ہوگا۔

کیا اچھا ہو اگر آپ زمانہ کے لئے کسی اور علمی، ادبی یا تاریخی مبحث پر قلم اٹھائیں۔

امید مزاج مبارک بخیریت ہوگا۔

۲۴ر جولائی سنہ ۱۹۳۰ء

دیا نرائن نگم۔ ایڈیٹر زمانہ

(۵)

بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد

جناب مکرمی۔ تسلیم عرض۔ نوازش نامہ آیا تھا، شکریہ قبول فرمایئے اور تاخیر جواب کے لئے معاف کیجئے۔ میں شوق سے اردو رسالوں کے مضامین کا خلاصہ شائع کروں گا۔ بشرطیکہ ہر ماہ دس صفحات سے زائد مضمون نہ ہو اور ایک تاریخ مقررہ تک مضمون آ جائیں۔ ساتھ ہی موقع بہ موقع خلاصہ تنقیدی شان بھی لئے ہوئے ہو۔ معاوضے کے متعلق بھی آپ ہی تحریر فرمایئے۔ لیکن اتنا خیال رکھئے گا کہ اس وقت مالی پریشانیوں سے رسالے بھی آزاد نہیں ہیں۔ زمانہ پہلے بھی کوئی متمول رسالہ نہ تھا۔ کتابوں کے ریویو کا بھی کام ہے۔ بہر نوع آپ کی جو رائے ہو اس سے مطلع فرمایئے۔

کانپور ۲۶ر جون سنہ ۱۹۳۲ء

نیازمند بندہ دیا نرائن نگم۔ ایڈیٹر زمانہ

(۶)

بنام مولوی اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد

میرے مکرم۔ تسلیم۔ نوازش نامہ مع مضمون صادر ہو کر باعث شکریہ ہوا تھا۔ میں ان دنوں حوادث روزگار سے بہت سرگرداں رہا۔ اس لئے اب تک شکریہ و رسید بھی نہ دے سکا۔ معاف فرمایئے گا۔

آپ کا مضمون مارچ نمبر زمانہ میں درج کر رہا ہوں۔ اختصار اور حسنِ الفاظ کو میں بھی بہت پسند کرتا ہوں۔ عملی حیثیت سے تحریر میں عبارت کی استخواں بندی کا بھی بڑا قائل ہوں لیکن میری قطعی رائے ہے کہ اردو میں اضافت کا رواج کم ہونا چاہئے۔ دوسرے جمع کا صیغہ بھی فارسی قاعدوں کے ماتحت نہ ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال آپ کا مضمون اسی عنوان پر بعض دیگر مضامین کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

آئندہ بھی حسب فرصت زمانہ کی قلمی امداد کا سلسلہ جاری رکھئے۔

امید کہ مزاج مبارک بخیریت ہوگا۔

۲۶ر فروری سنہ ۱۹۴۱ء

بندہ دیا نرائن نگم

مولانا وحید الدین سلیم

(۱)

بنام نواب سید علی حسن مرحوم

مخدومی و مطاعی جناب نواب صاحب، دام اقبالکم!

مجھ کو جناب سے دو چار مرتبہ شرف نیاز حاصل کرنے کا موقع ملا ہے۔ اب معارف کے ذریعہ سے ہر مہینہ زمیں بوسی حاصل ہوجاتا ہے۔ جناب کو معارف کا خریدار نہیں خیال کیا گیا ہے۔ بلکہ جناب کا نام نامی معارف کے سرپرستوں میں ہے۔ اسی بنا پر مجھ کو یقین واثق ہے کہ میں جو التماس کروں گا اس کو شرف قبول حاصل ہوگا۔

"البیان" سا فصیح و بلیغ اور پُر زور لکچر دیکھنے کے بعد مجھ کو پورا یقین ہوگیا ہے کہ اگر آپ توجہ فرمائیں تو اپنے زور قلم اور جادو بیانی سے قوم کو بہت کچھ منفعت پہنچا سکتے ہیں۔ جناب کی اس لیاقت اور فصاحت کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ ہماری قوم نہایت ہی بدقسمت ہوگی اگر جناب کی بے نظیر، دلچسپ اور مفید تحریروں کے مطالعہ سے محروم رہے۔ میں معارف کے ناظرین کی طرف سے نہایت ادب کے ساتھ یہ التماس کرتا ہوں کہ جناب والا اپنے اوقات گرامی کا ایک حصہ قوم کی فیض رسانی کے لئے وقف کریں اور معارف کے لئے کوئی علمی، تمدنی، اخلاقی، مذہبی یا تاریخی مضمون تحریر فرمائیں۔ میں اور حاجی صاحب اور معارف کے تمام ناظرین نہایت ہی ممنون ہوں گے اگر یہ التماس عزت قبول حاصل کرلے۔

دوسری عرض یہ ہے کہ مولانا شبلی کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ جناب کے کتب خانہ میں "المقتطف" کے (جو مصر کا عربی رسالہ ہے) بہت سے پرچے موجود ہیں۔ اگر بطور امداد معارف کے چند روز کے لئے وہ کل پرچے مستعار عنایت فرمائیں تو نہایت شکر گزاری کا باعث ہوگا۔

مجھ کو امید کامل ہے کہ یہ دونوں التماس جناب والا قبول فرمائیں گے اور عریضہ کے جواب سے مشرف فرمائیں گے۔ زیادہ حد ادب۔

خاکسار: وحید الدین سلیم (ایڈیٹر معارف)
از دفتر معارف علی گڑھ ۱۴ / نومبر سنہ ۹۸ء

---

(۲)

بنام نواب عماد الملک حسن خاں مرحوم

جناب والا!

جناب کا عنایت نامہ مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۱۵ء و مسودہ مضمون عرب کی تصنیفات اور یورپ کی فیاضی میرے پاس اس وقت پہنچا جبکہ میں پانی پت میں والدہ مرحومہ کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھا۔ مضمون کا شکریہ قبول فرمائیے۔ آپ اس مضمون کو مکمل کر کے وقتاً فوقتاً ارسال فرمائیے کیونکہ یہ نہایت عمدہ اور پاکیزہ اور ناظرین معارف کے لئے دل پسند مضمون ہوگا۔ اگر اس کے مکمل کرنے میں دیر ہو تو حسب وعدہ آپ دیگر مختصر مضامین جن کا میٹریل پہلے سے جمع ہے ارسال فرمائیں۔

چونکہ معارف کے سرورق پر ہر مضمون کے ساتھ مضمون نگار کا پورا نام مع خطاب و عہدہ وغیرہ درج کیا جاتا ہے اس لئے نہایت مہربانی ہوگی، اگر آپ اس ضروری امر سے آگاہ فرمائیں۔

آپ نے اپنے عنایت نامہ میں میری نسبت جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے ان کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ قبل اس کے کہ میں آپ کے اس عنایت آمیز استفسار کا جواب دوں اپنی سابقہ اور موجودہ ملازمت کی مختصر کیفیت عرض کر دینی مناسب سمجھتا ہوں۔

میں جب لاہور سے تعلیم پا کر نکلا تو سب سے پہلے ریاست بہاولپور میں عہدۂ پروفیسر السنۂ شرقیہ امرٹن کالج پر مقرر ہوا۔ تین ساڑھے تین برس کی ملازمت کے بعد اتفاقاً جنرل عظیم الدین خاں مرحوم وزیر ریاست رامپور سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مجبور کیا کہ میں ہائی اسکول رامپور میں ہیڈ مولوی کا عہدہ منظور کر لوں۔ وزیر مرحوم کے دل میں میری نسبت آئندہ کے لئے جو ارادے تھے وہ سب چھ مہینے کے بعد مرحوم کے دفعتاً قتل سے خاک میں مل گئے۔ میں نے فوراً ملازمت کو ترک کیا اور ارادہ کر لیا کہ آئندہ ملازمت نہ کروں گا۔

میں نے اس کے بعد وطن میں مطب کرنا شروع کیا کیونکہ اس سے پیشتر میں ڈاکٹری اور یونانی طب کی تحصیل کر چکا تھا۔ پانچ برس مطب پر گزر گئے اور میں نہایت کامیابی سے اس کام میں مشغول تھا کہ نواب سرسید مرحوم نے تار دے کر ملاقات کے لئے بلایا۔ میں اس کا مطلب کچھ نہ سمجھا مگر فوراً مولانا حالی کے ساتھ علی گڑھ کو روانہ ہوا۔ سرسید مرحوم نے ایک مہینے کے قریب ٹھہرایا پھر مولانا حالی کو درمیان ڈال کر مجھے چاہا کہ میں یہیں قیام کروں۔ میں نے عرض کیا کہ میں ملازمت سے توبہ کر چکا ہوں۔ فرمایا کہ ملازمت کیسی! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ شریک رہو اور صاحب بن کر رہو اور اگر تم پہلے مر جاؤ تو میں اپنے ہاتھ سے تم کو دفن کر دوں اور اگر میں تم سے پہلے مر جاؤں تو تم اپنے ہاتھ سے مجھ کو مٹی دو۔ غرضکہ میں ان کی مصاحبت اور رفاقت میں رہنے پر مجبور ہو گیا اور آخر مرحوم کے دم واپسیں تک پاس رہا۔ میں ان عنایتوں اور مہربانیوں کا اندازہ نہیں کر سکتا جو مرحوم نے میرے حال پر مبذول فرمائیں۔ مرحوم کے بعد میں نے وطن جانے کا ارادہ کیا تو حاجی صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ اب وہاں جا کر کیا کرو گے؟ میں نے کہا کہ پھر وہی مطب کا شغل اور اس کے سوا میں کر ہی کیا سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ وہ کام تو وہاں جا کر کرو گے علی گڑھ ہی میں کیوں نہ کرو۔ اس کام کے لئے اس سے بہتر مقام نہیں ہو سکتا۔ میں تمہارا شریک نفع و نقصان ہوتا ہوں۔ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ سے ..... اگر کوئی صورت نکالو تو میں بھی اس میں مدد دے سکتا ہوں اور میں بھی سوائے اس لکھنے پڑھنے کے شغل کے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ کیا اچھا ہو کہ میری طبیعت بھی چلے اور تم بھی پیٹ کا سامان ہو۔ چونکہ یہ صورت ملازمت کی نہ تھی میں نے اس کو قبول کر لیا اور اب تک میں اسی میں مصروف ہوں۔ چونکہ یہ کام اپنا ہے

اور اس میں پوری آزادی ہے اس لئے مجھ کو پورا اختیار ہے کہ میں جب چاہوں اس کو ترک کر دوں اور جب تک چاہوں اس کو جاری رکھوں اور یہ میری عین طبیعت کے موافق ہے۔

اب میں آپ کے استفسار کا جواب عرض کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اجمالاً جو کیفیت اپنی زندگی اور طبیعت کی میں نے بیان کی اس کے لحاظ سے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ اگر کبھی ایسا موقع ہو جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا تو وہ کیا خدمت ہوگی جو مجھ سے لی جائے گی اور کس طور کی اور طریقہ کی؟ میں صرف اسی حالت میں اس امر کا فیصلہ کر سکتا ہوں کہ آیا میں اس خدمت کے قابل ہوں یا نہیں اور آیا وہ میری افتادِ طبیعت و حالات کے موافق ہے یا نہیں۔ مجمل طور پر میں یہ عرض کروں گا کہ میرے لئے نہایت عزت و افتخار کا باعث ہوگا اگر کبھی آپ مجھے اپنی رفاقت میں قبول کرنا چاہیں۔ میں آپ کی یاد آوری اور قدر افزائی اور محبت و عنایت کا دلی شکریہ پھر عرض کرتا ہوں۔

حاجی صاحب آگرہ میں تشریف رکھتے ہیں اور کتاب "اساسی" ابھی تیار نہیں ہوئی ہے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار: وحید الدین سلیم از علی گڑھ ۱۷ر اپریل ۱۸۹۹ء

(۳)

بنام نواب سید علی حسن خاں مرحوم

جنابِ من!

آپ کے مضمون بلاغت مشحون "عرب کی تصنیفات اور اہلِ یورپ کی فیاضی" کو ناظرینِ معارف نے بہت پسند کیا اور اخباروں میں بھی نقل ہوا۔ اب لوگ منتظر، مشتاق اور بیتاب ہیں کہ اس کے باقی حصے بھی اسی آب و تاب سے معارف میں طبع ہو کر ان کی نظر سے گذریں۔ کیا آپ ناظرین کے اس اشتیاق اور انتظار پر رحم نہ کریں گے۔

آپ کی عنایتوں سے قوی امید ہے کہ اس کے جواب میں آپ نہ صرف عنایت نامہ ارسال کریں گے بلکہ اپنے مضمون کے بقیہ حصے بھی لطف فرمائیں گے۔

"المقتطف" کی باقی دیگر جلدیں بھی جیسا کہ آپ نے وعدہ فرمایا ہے مرحمت ہوں تو عنایت بزرگانہ سے بعید نہ ہوگا۔

والسلام خیر الاختتام

آپ کا نیاز مند قدیم: وحید الدین سلیم از دفتر "المعارف" علی گڑھ
۶ر جون ۱۸۹۹ء

(۴)

بنام نصیر الدین ہاشمی

عزیز از جان!

تمہارے تین کارڈ ایک ساتھ ملے۔ میں دیر سے پانی پت پہنچا اس لئے جواب نہ دے سکا۔ امید ہے کہ تم معاف کرو گے۔
بعض کامیاب شدہ طلبا کے نام تمہارے خط سے معلوم ہوئے مگر پورا نتیجہ پانی پت میں نہ ہونے کے سبب مجھے نہ مل سکا۔ اگر ممکن ہو

تو صحیفہ کا وہ پرچہ جس میں نتیجہ امتحان شائع ہوا ہے، میرے پاس بھیج دو۔ میں تمہارے لئے ہر وقت دست بدعا ہوں، اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہارے تمام عزیزوں کو خیر و عافیت کے ساتھ رکھے، یہاں گرمی شدید ہے۔ اپنی خیریت سے برابر مطلع کرتے اور ضروری حالات سے خبردار کرتے رہو۔ والسلام!

وحیدالدین سلیم از پانی پت ۱۸ جون ۱۹۲۱ء

(۵)

بنام نصیرالدین ہاشمی

عزیز از جان!

تمہارا محبت نامہ پہنچا۔ بنہایت مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں دینی اور دنیوی ترقی عطا فرمائے۔ تمہارا بھیجا ہوا صحیفہ میرے پاس نہیں پہنچا۔ البتہ ایک طالب علم نے مشیر دکن بھیج دیا ہے اور اس سے نتیجہ پر اطلاع معلوم ہو گیا۔ تم اپنی خیریت سے ہر ہفتے برابر مطلع کرتے رہو تاکہ اطمینان ہو۔ میں ہر وقت تمہارے لئے اور تمہارے تمام عزیزوں کے لئے دست بدعا ہوں۔ ضروری حالات سے برابر اطلاع دیتے رہو۔ فقط!

وحیدالدین سلیم از پانی پت ۲۰ جون ۱۹۲۱ء

(۶)

بنام نصیرالدین ہاشمی

عزیز از جان!

خط تو پہنچا مگر پتہ لکھنا آپ بھول گئے۔ ہر خط میں پتہ لکھنا ضروری تھا معلوم نہیں یہ کارڈ آپ کو مل سکے یا نہیں، کیونکہ پتہ ادھورا ہے۔ خیر میں عنقریب حیدرآباد آتا ہوں، انشاءاللہ تعالیٰ اب آپ کو خط بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ والسلام!

وحیدالدین سلیم از پانی پت ۱۲ جولائی ۱۹۲۱ء

نوٹ: مولانا سلیم مرحوم سے مجھ کو اس وقت نیاز حاصل ہوا جبکہ وہ جامعہ عثمانیہ قائم ہونے سے پہلے مولوی حمیدالدین صاحب صدر دارالعلوم کے یہاں مہمان تھے۔ اس کے بعد سلیم مرحوم سے میری ملاقات کا سلسلہ بدستور قائم رہا۔ میں اپنی تعلیم کے بعد جب ملازمت کے سلسلہ میں منسلک ہو گیا اس وقت بھی مولانا سلیم کے یہاں اکثر جایا کرتا۔ مرحوم کو مجھ سے خاص انسیت تھی۔ "دکن میں اردو" مرحوم کے ہی ترغیب کے باعث تالیف کی گئی تھی۔

(نصیرالدین ہاشمی)

نصیر حسین خاں خیالؔ عظیم آبادی

بنام انوار احمد صاحب

(۱)

مکرمی انوار احمد صاحب - میں اِدھر پھر کلکتہ سے باہر اور اپنے علاج میں مصروف تھا۔ تپ کی نسبت فی الجملہ بہتر ہوں۔ لیکن ابھی تک تندرست نہیں اور دیکھئے کتنی گھڑیاں جوتنا ہوتی ہیں۔ آنریبل مولوی فضل حق کے وزیر منتخب ہو جانے کی وجہ سے کانفرنس کی سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی میں ایک ممبر کی جگہ خالی ہو گئی ہے۔ اور اس کے لئے میں نے مسٹر محمد اسمٰعیل کا نام جوائنٹ سیکرٹری صاحب کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ آپ مسٹر موصوف سے خود اچھی طرح واقف اور علی گڑھ کانفرنس ساتھ ان کے شغف سے بخوبی آگاہ ہیں اس لئے مجھے زیادہ کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ امید کرتا ہوں کہ آپ اس انتخاب میں ہماری طرح مساعی ہوں گے اور ہم لوگوں کو شکرگذاری کا موقع دیں گے۔ والسلام

خیالؔ

پرنسپ اسٹریٹ کلکتہ ... اپریل [illegible]

بنام پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی

(۲)

عزیز مکرم - سلام شوق - .... ۲۸ کو آپ کی محبت کی وہ یادگار (تاریخ عظیم آبادی مطبوعہ انوار لکھنؤ) ملی - ممنون ہوا - مضمون دل لگا کر پڑھا - حق یہ ہے کہ آپ نے اردو پر، مذاق صحیح پر، پھر اپنے صوبہ بہار پر احسان کیا ہے۔ میں آپ سے متفق ہوں کہ تاریخ کا درجہ میر سے کم نہیں - بلکہ بعض اعتبار سے کچھ بڑھا ہوا ہے - اور اس ضمن میں آپ نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ ہرگز طرف داری و مبالغہ نہیں ہے۔

تمہید میں جو کچھ آپ کے جلے دل سے نکلا اسے بھی ایک حد تک جائز سمجھتا ہوں - لیکن آزاد یا کسی اور کے متعلق آپ کے سے اہل علم کے قلم کا اتنا بے قابو ہو جانا درست نہیں - بلاشک آزاد نے سہل انگاری سے کام لیا اور اس پر ایراد ضروری تھی۔ مگر آپ (معاف کریں) ضرورت سے زیادہ دوڑ گئے ہیں - پھر جس چشمہ سے اپنی سیرابی بیان کرتے ہیں، دیکھنا چاہئے کہ خود اس میں کیا دھرا ہے ...... [1]

---

[1] یہ اشارہ اپنے علاتی ماموں مولانا سید علی محمد شاد عظیم آبادی کی ایک تالیف "نوائے وطن" کی طرف ہے۔ اب جب کہ دونوں ماموں بھانجے دار فنا میں جا ملے یہ امر کوئی راز باقی نہ رہا کہ دونوں ایک دوسرے سے صاف نہ تھے یہ ایک خانگی معاملہ اور مناقشہ تھا۔ جس سے ادبی دنیا کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی (انجم منصور)

راسخ کے ذکر میں "نوائے وطن" مثنوی کشش عشق کا سعادت علی خاں کے نام سے معنون ہونا بتلاتی ہے۔ حالانکہ یہ مثنوی آصف الدولہ کو نذر دی گئی۔ نواب وزیر کی تعریف میں اس شعر کو یاد کیجئے :۔

مقدم ہے یہ تیرا ہی میمن قدم ہوا لکھنؤ جس سے رشک ارم

کون نہیں جانتا کہ یہ آصف الدولہ ہی تھے جو ماں اور بی بی سے رنجیدہ ہو کر فیض آباد سے لکھنؤ آ رہے۔ پھر سنئے عمارات کی تعریف میں :۔

عمارات عالی کا ہو وصف کیا نہیں اپنا ادراک اتنا رسا
نہ ہو خوبیِ قطع ان کی بیاں ورق ہے مرقع کا اک اک مکاں
نظر کیجئے جس پہ سو تصویر ہے عجب رنگ سے طرز تعمیر ہے

کیا اس کے بعد بھی بتانے کی ضرورت ہے کہ عمارات کی جا شوق آصف الدولہ سے منسوب ہے، نہ کہ سعادت علی خاں سے۔ اب صاف سنئے :۔

تو سلے آصف الدولہ عالی جناب رہے تا قیام جہاں کامیاب
نہیں تجھ سا حاجت روا خلق کا بہت خوش ہے تجھ سے خلا خلق کا

آپ سے بہتر اسے کون جانتا ہے کہ تذکروں کی ایسی غلطیاں ناقابل معافی ہیں۔ نوائے وطن میں اس ذکر کو یوں پڑھ کر راسخ کی مٹی خراب ہوتی ہے۔ لوگ اسے مستند سمجھ کر مثنوی کشش عشق کو سعادت علی خاں کے زمانے کی چیز سمجھتے ہوں گے۔ حالانکہ وہ آصف الدولہ کے وقت کی ہے یعنی جب کہ مثنوی میر حسن لکھی۔ غور کیجئے مصنف کی تحقیق نے غریب راسخ کو کتنا پیچھے ہٹا دیا۔

پھر اسی طرح مثنوی حسن و عشق کے ذکر میں نوائے وطن کی عبارت ملاحظہ ہو: "غازی الدین حیدر کے زمانہ میں پھر لکھنؤ آئے۔ ایک مثنوی مسمّٰی بہ حسن و عشق ان کے نام سے موزوں کی۔ مگر اب شریعت نے رنگ ہی بدل دیا تھا۔ اس نے بھی کام نہ کیا۔ وار خالی گیا"۔ یہ دوسری تاریخی غلطی ہے۔ لکھنؤ میں شریعت نے محمد علی شاہ کے وقت میں رنگ بدلا نہ کہ غازی الدین حیدر کے زمانے میں۔ اسی عہد میں "فسانہ عجائب" تالیف ہوئی۔ اور نصیح نے اپنی مشہور مثنوی "نان و نمک" (تصوف میں) تصنیف کی۔ پھر شریعت نے وہ کون سا رنگ بدل دیا تھا کہ فسانہ عجائب و مثنوی نصیح تو عام ہو جائیں۔ اگر راسخ کی مثنوی مقبول نہ ہو؟

کلکتہ میں مراۃ الجمال لکھی گئی۔ اس میں نواب جان ایک کسبی کے حسن و جمال کا ذکر ہے۔ نوائے وطن اس ذکر سے بھی خالی ہے۔ عظیم آباد میں گنجینۂ عشق تصنیف ہوئی جس میں ایک کسبی پر اپنے عاشق ہونے کا نہایت صفائی و دلیری سے حال لکھا اور اس کی تعریف و توصیف کی ہے :۔

(بقیہ فٹ نوٹ ماقبل) دونوں منطقے پایہ کے ادیب تھے۔ ایک فرد روزگار شاعر اور مرزا صاحب طرز نثر نگار۔ اللہ دونوں کو مغفرت کرے۔
ذاتی گفتگو بھی اس خط سے حذف کر دی گئی ہے۔ (مسلم)